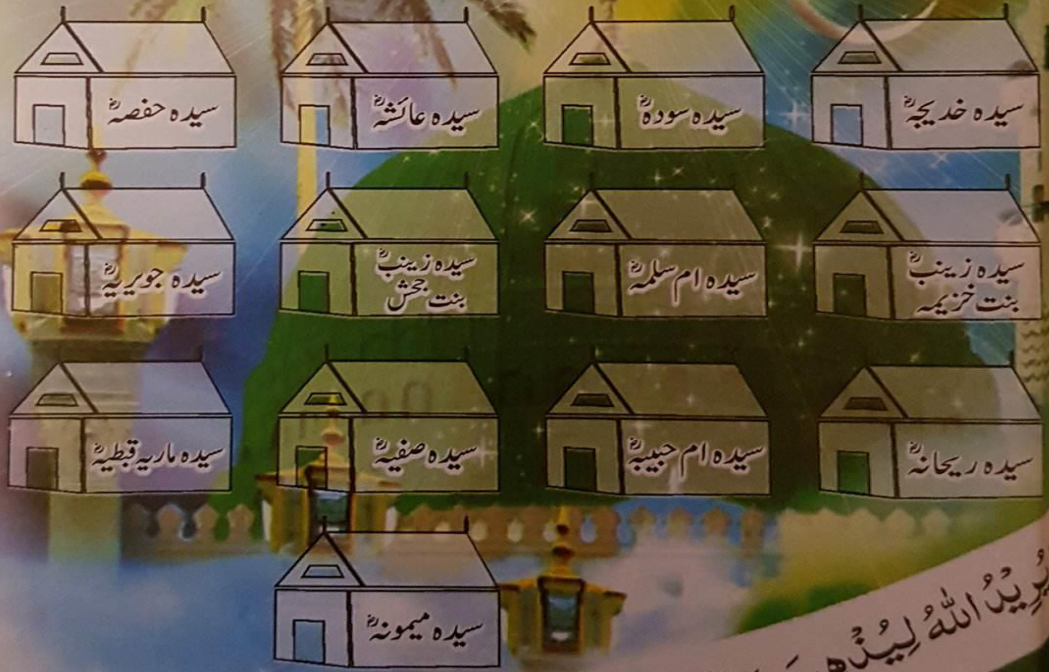


ایک مفرد، تاریخی، علمی اور تحقیقی شاہکار

اہل بیت رسول ﷺ کون؟



اِنَّكَ يَرْيَدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمْ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (۱۱۱:۳۳)

تالیف: پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الباشی
ایم۔ اے

ایک منفرد، تاریخی، علمی اور تحقیقی شاہکار

اہل بیت رسولؐ کون؟

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

خطیب مرکزی جامع مسجد

خلیفہ راشد سیدنا معاویہؓ چوک حویلیاں - ایبٹ آباد

﴿جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں﴾

کتاب: اہل بیت رسولؐ کون؟

مصنف: پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

طبع اول: ۱۹۹۴ء

طبع دوم: ۲۰۱۰ء

کمپوزنگ: محمد صابر حیدری

ضخامت: ۵۶۸ صفحات

زرتعاون:

ناشر:

زیرنگرانی: سید محمد کفیل شاہ صاحب بخاری۔

مدیر ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان

ملنے کے پتے:

۱۔ قاضی چن پیر الہاشمی اکیڈمی۔ مرکزی جامع مسجد سیدنا معاویہؓ چوک حویلیاں۔

(0343-8197530)

۲۔ بخاری اکیڈمی۔ دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان۔

۳۔ صابر پرنٹنگ سروسز حویلیاں (0321-9814745)

۴۔ عثمان گفٹ سنٹر اقبال مارکیٹ حویلیاں۔

۵۔ جناح ڈگری کالج آف کامرس حویلیاں (0345-9541497)

اہل بیت رسولؐ کون؟

مؤلفہ

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان

اس کتاب کے سرورق پر ایک چھوٹی سی سطر، کچھ غیر نمایاں سی کچھ دبی ہوئی اور کچھ بھنچے ہوئے انداز کتابت کے ساتھ چھپی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ یہ ایک سطر کتاب کے لیے تعارف ہی نہیں ”تبصرے“ کا کام بھی دے رہی ہے۔ لکھا ہے کہ.....
 ”ایک منفرد تاریخی، علمی اور تحقیقی شاہکار!“..... آج جبکہ تاریخ، علم اور تحقیق سے انصاف کرنے والے لوگوں کا دور کو یالند چکا ہے اور پروپیگنڈہ کی ”چمک“ کا شکار ہونے والے خیرہ چشموں کی تعداد روز افزوں ہے، کوئی کتاب محنت، لگن، اخلاص اور دیانت سے لکھی جائے تو یہ غنیمت نہیں بسا غنیمت ہے۔ اور ایسی کتاب کہیں دکھائی دے بلکہ ”نظر نواز“ ہو تو یوں لگتا ہے..... ”جیسے ویرانے میں چپکے سے بہار آجائے، جیسے صحراؤں میں ہولے سے چلے باد نسیم، جیسے بیمار کو بے وجہ قرار آجائے، محترم قاضی محمد طاہر علی الہاشمی..... ایک کالج میں پروفیسر ہیں، ایک مسجد میں خطیب ہیں، ایک سے زائد کتب کے مؤلف ہیں۔ بیک وقت مؤرخ، معلم اور محقق ہیں۔ ہر جگہ کامیاب، ہر جگہ ارجمند!

دشمنان اسلام کی ریشہ دوئیوں، سازشوں اور مسلسل پروپیگنڈے کے زور سے ازواجِ مطہراتؑ کو بھی آل رسولؐ، اہل بیت رسولؐ اور عزت رسولؐ کے مفہوم سے

خارج کر دیا گیا۔ ستم بالائے ستم یہ کہ اہل سنت کی عظیم اکثریت نے بھی لاشعوری طور پر اس زہریلے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر مذکورہ اصطلاحات کو صرف حضرت علیؑ کی فاطمی اولاد کے لیے مختص کر دیا۔ جبکہ قرآن، حدیث اور لغت کی رو سے ازواج مطہرات کو کسی طرح بھی خارج قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اور وہ ان اصطلاحات کی اولین مصداق ہیں۔

ہاشمی صاحب نے روانی، سلاست اور متانت کے ساتھ پوری کتاب میں حقائق کو اہل شرح کیا ہے۔ انہوں نے تفسیر، لغت، حدیث، سیرت، عقائد و اسماء الرجال، فقہ اور سیر الصحابہؓ کے حوالے سے تقریباً ایک سو کتاب کھنگالنے کے بعد قلم اٹھایا تو ایک ایک ابہام کو ختم کرتے، اشکال کو رفع کرتے، الجھن کو سلجھاتے اور اپنے موقف کو محکم کرتے چلے گئے۔ ان کا طرز فکر، طرز تحقیق، طرز استدلال اور طرز تحریر..... سب ہی راسخی اور راست روی سے عبارت ہیں۔ نتیجہً انہیں سبائیوں کی تلمیسات، بریلویوں کے تضادات اور دیوبندیوں کے تسامحات پر گرفت کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ اصلاح عقائد بہت نازک مگر بہت اہم کام ہے۔ اور یہ بات باعث مسرت ہی نہیں قابل رشک بھی ہے کہ ہمارے ممدوح مؤلف نے اہل بیت رسولؐ جیسے اہم عنوان پر اصول و عقائد کی بنیاد پر جو گفتگو کی ہے اس میں مسلمات اور مسلمہ تصریحات کو کمال عمدگی سے بے غبار کیا ہے۔

کتاب کا مقدمہ مولانا محمد سعید الرحمن علویؒ کے قلم سے ہے اور یہ شاید ان کی آخری تحریر ہے۔ (موصوف ۲۰ اکتوبر ۱۹۹۴ء کو وفات پا گئے) آہ یہ اسلوب اب کہیں دیکھنے کو نہ ملے گا..... اک دھوپ تھی کہ ساتھ گئی آفتاب کے۔ یہ کتاب ہر اعتبار سے یادگار ہے اور ہر لحاظ سے شاہکار!

(ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان۔ دسمبر ۱۹۹۴ء۔ ص ۵۵-۵۶)

اہل بیت رسول کون؟

ماہنامہ تعلیم القرآن راو لپنڈی

زیر تبصرہ کتاب کے لائق ترین مصنف عظیم باپ کے بہادر اور صاف کوفہ زند ہیں..... ان کی جرأت و بے باکی، حق کوئی صداقت پرستی اور قلم کی شرافت کو دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ صاحب فکر و نظر والد نے اپنے بیٹے کی صحیح خطوط پر تربیت کی ہے۔!

مثبت موضوعات پر قلم اٹھانا اور فضائل و مناقب پر مشتمل کتاب تحریر کرنا چنداں مشکل نہیں۔ مگر جن مسائل کو صدیوں سے الجھا دیا گیا ہو اور ان پر تاریخ کی تاریکیاں چھا گئی ہوں..... اور جو مسائل و موضوعات رافضیت کے زنگ سے آلودہ ہو کر اہل سنت کے گھروں کی زینت بن گئے ہوں..... اور جو مسائل رافضیت و یہودیت کے ٹکسال سے نکل کر اہل سنت کے ہاں مشرف بہ اسلام ہو چکے ہوں..... ان مسائل و موضوعات پر قلم اٹھانا اور ان پر پڑے دبیز پردوں کو ایک ایک کر کے سرکاتا اور رافضیت و یہودیت کے بدنما چہروں پر پڑے نقاب نوج لیم..... اور ان کے مکروہ اور گھناؤنے چہرے بے نقاب کرنا، یہ کام اتنا آسان اور سہل نہیں ہے جو ہر کہ وہ انجام دے سکے۔ بلکہ اس مشکل ترین کام کے لیے بڑے دل گردے کی ضرورت ہے۔ اور اس کے لیے جرأت و ندانہ درکار ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے پروفیسر صاحب کو دافر مقدار میں عطا کی ہے.....

..... زیر تبصرہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

پروفیسر صاحب نے اہل بیت رسول کون؟ کے عنوان پر اپنے قلم کو جنبش دی اور دلائل

وہراہین کی بارش برسا کر یہ حقیقت ثابت کر دی کہ اہل بیت رسولؐ کی حقیقی اور اولین مصداق ازدواج مطہراتؑ ہی ہیں۔ آیت تطہیر کی عام فہم اور اتنی مدلل تفسیر بیان کی کہ سوائے عنادی و ضدی شخص کے کوئی بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ پھر ثابت کیا کہ قرآن میں جس جگہ بھی لفظ اہل بیت آیا ہے اس سے مراد بیوی ہی ہے۔ حدیث کساء کی خوبصورت بحث لائق مطالعہ ہے۔ پھر پنج تن کی تاریخ بیان کی کہ اس کی ابتداء حضرت نوحؑ کے زمانے سے ہوئی۔ کتاب کی ابتداء میں آل رسولؐ کے عنوان سے جامع و مانع بحث فرمائی۔ پھر بتایا کہ آل رسولؐ سے مراد کون لوگ ہیں۔ ان میں سیدہ زینبؓ بنت محمدؐ اور سیدہ رقیہؓ بنت محمدؐ کی اولاد کا بھی تذکرہ کیا۔

اہل تشیع اور نام نہاد اہل سنت (جن کے سینے میں شیعہ کا دل دھڑکتا ہے اور جن کے منہ میں زبان شیعہ کی بولتی ہے، بقول مولانا عطاء الحسن بخاری ”محرم الحرامی مولوی“) کی طرف سے ہونے والے اعتراضات و شبہات کے شافی جواب بھی دیے ہیں۔ آخر میں حقیقی اہل بیت رسولؐ (ازواج مطہراتؑ) کے مناقب و فضائل بھی بیان ہوئے۔ اور ام المومنین مریم اسلام عقیقہ کائنات سیدہ عائشہؓ کی افضلیت کو دلائل و براہین سے ثابت کیا گیا ہے۔ ہماری نظر میں یہ تحقیقی تصنیف صاحب تحقیق لوگوں کے کتب خانوں میں ایک خوبصورت اضافہ ہوگا..... علماء، طلباء اور عوام الناس بھی اس تحقیقی کتاب سے پورا استفادہ کریں گے۔ ہم سفارش کریں گے کہ پہلی فرصت میں یہ کتاب خرید کر لازماً پڑھیے۔

(ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی۔ جون ۱۹۹۵ء ص ۴۵۔ ۴۷ جولائی ۱۹۹۷ء ص ۴۰۔ ۴۱)

دیباچہ طبع دوم

زیر نظر کتاب ”اہل بیت رسولؐ کون“ پہلی مرتبہ ۱۹۹۴ء میں شائع ہوئی تھی۔ جو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بہت مقبول ہوئی اور نہایت ہی قلیل عرصے میں اس کا پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا۔

متعدد دینی رسائل و جرائد نے اس کتاب پر تائیدی تبصرے لکھے، علماء کرام نے اس کاوش کو خوب سراہا اور سینکڑوں احباب و قارئین نے اس بات کا شدید تقاضا کیا کہ اس کا دوسرا ایڈیشن طبع کرایا جائے۔ مگر راقم الحروف کو اپنی دیگر تدریسی و تصنیفی مصروفیات کے باعث زیر نظر کتاب پر نظر ثانی کا موقع نہ مل سکا۔ اور اسی طرح وقت گزرتا گیا۔ تا آنکہ اپنی تازہ تالیف ”مستوط جامعہ سیدہ حفصہؓ اور دینی قیادت کا کردار“ سے فراغت کے فوراً بعد موسم گرما کی تعطیلات کا موقع میسر آ گیا جسے غنیمت سمجھتے ہوئے کتاب پر نظر ثانی کی اور اغلاط کی تصحیح کے ساتھ ساتھ جا بجا موضوع سے متعلق بہت ہی مفید اور تحقیقی مواد کا اضافہ بھی کیا۔

زیر نظر کتاب کے پہلے ایڈیشن کی اشاعت کے بعد پاکستان کے جید اور محقق عالم دین، شفیق مکرّم حضرت مولانا عبدالحق چوہان صاحب نے، توسط برادر محترم جناب سید محمد کفیل شاہ صاحب بخاری مدظلہ العالی، مدیر ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان نے سیدہ زینب بنت خزیمہؓ کی عدت سے متعلق غلط فہمی کی بنیاد پر ایک اشکال پیش فرمایا جسے طبع دوم میں حل کر کے سیدہ زینب بنت خزیمہؓ کے حالات کو مزید جامع بنا دیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں کتاب کے زیر نظر جدید ایڈیشن میں ابتداءً یہ خیال تھا کہ حضرت

اہل بیت رسولؐ کون؟

۹

دیباچہ طبع دوم

عائشہؓ کے نکاح و رخصتی کے موقع پر چھ اور نو سال کی عمر کے حوالے سے ہشام بن عروہ کی روایت کی روایتی، درایتی، تاریخی، تحقیقی اور علمی بحث بھی کتاب کے آخر میں بطور ضمیمہ شامل کر دی جائے لیکن اس کی ضخامت بڑھ جانے کی وجہ سے اسے اب علیحدہ کتابی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔ شائقین حضرات ”تحقیق عمر عائشہؓ صدیقہ“ کی طرف رجوع فرمائیں۔

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

☆☆☆

فہرست عنوانات

نمبر شمار	نام عنوان	صفحہ نمبر
۱	تعارف مؤلف - از مولانا الطاف الرحمن صاحب	۱۵
۲	مقدمہ - از علامہ سعید الرحمن علوی صاحب	۱۷
۳	تقریظ (برائے طبع دوم) از محقق اہل سنت مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی	۲۹
۴	عرض مؤلف	۳۲
۵	آل کی لغوی تشریح	۴۴
۶	لفظ آل قرآن مجید میں	۵۲
۷	لفظ آل حدیث میں	۵۶
۸	آل کی اقسام	۶۷
۹	آل مذہبی	۶۸
۱۰	آل نسبی	۷۴
۱۱	مطلب بن عبد مناف	۷۵
۱۲	ہاشم بن عبد مناف	۷۶
۱۳	عبدالمطلب بن ہاشم	۷۸
۱۴	حارث بن عبدالمطلب	۸۰
۱۵	زبیر بن عبدالمطلب	۸۳
۱۶	زبیر بحیثیت کفیل محمد ﷺ	۸۵

فہرست عنوانات	۱۱	ایل بیت رسولؐ کون؟
صفحہ نمبر	نام عنوان	نمبر شمار
۹۸	سید الشہداء حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب	۱۷
۹۹	ابولہب بن عبدالمطلب	۱۸
۹۹	حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب	۱۹
۱۰۳	عبد مناف (ابوطالب) بن عبدالمطلب	۲۰
۱۰۴	کیا ابوطالب مومن تھے؟	۲۱
۱۴۲	اولاد ابی طالب	۲۲
۱۵۲	عبداللہ بن عبدالمطلب	۲۳
۱۵۳	آل مجازی	۲۴
۱۵۵	نواسہ رسولؐ علی بن ابی العاصؓ	۲۵
۱۵۹	نواسی رسولؐ سیدہ امامہؓ	۲۶
۱۶۲	نواسہ رسولؐ عبداللہ بن عثمانؓ	۲۷
۱۶۹	نواسی رسولؐ سیدہ ام کلثومؓ	۲۸
۱۸۰	نواسی رسولؐ سیدہ زینبؓ	۲۹
۱۸۲	نواسہ رسولؐ حسن بن علیؓ	۳۰
۱۸۷	نواسہ رسولؐ حسین بن علیؓ	۳۱
۱۹۴	آل حقیقی	۳۲
۱۹۴	امہات المومنینؓ	۳۳
۱۹۷	ام المومنینؓ سیدہ خدیجہؓ	۳۴

نمبر شمار	نام عنوان	صفحہ نمبر
۳۵	ام المؤمنین سیدہ سودہؓ	۲۰۱
۳۶	ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ	۲۰۳
۳۷	ام المؤمنین سیدہ حفصہؓ	۲۱۹
۳۸	ام المؤمنین سیدہ زینب بنت خزیمہؓ	۲۲۱
۳۹	ام المؤمنین سیدہ ام سلمہؓ	۲۳۱
۴۰	ام المؤمنین سیدہ زینب بنت جحشؓ	۲۳۲
۴۱	ام المؤمنین سیدہ جویریہؓ	۲۳۸
۴۲	ام المؤمنین سیدہ ریحانہؓ	۲۴۱
۴۳	ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہؓ	۲۴۲
۴۴	ام المؤمنین سیدہ صفیہؓ	۲۴۸
۴۵	ام المؤمنین سیدہ ماریہؓ	۲۵۰
۴۶	ام المؤمنین سیدہ میمونہؓ	۲۵۳
۴۷	اولاد رسولؐ (ذریعہ طیبہ)	۲۵۶
۴۸	سید قاسمؓ	۲۵۹
۴۹	سید عبداللہؓ (طیب و طاہر)	۲۶۰
۵۰	سید امیر الیمؓ	۲۶۳
۵۱	بنات النبی ﷺ	۲۶۶
۵۲	سیدہ زینبؓ	۲۷۱

فہرست عنوانات	۱۳	اہل بیت رسولؐ کون؟
صفحہ نمبر	نام عنوان	نمبر شمار
۲۷۵		۵۳ سیدہ رقیہؓ
۲۸۰		۵۴ سیدہ فاطمہؓ
۲۸۸		۵۵ سیدہ ام کلثومؓ
۲۹۴		۵۶ اہل بیت
۲۹۵		۵۷ اہل کی لغوی تشریح
۳۰۰		۵۸ لفظ اہل قرآن میں
۳۰۵		۵۹ لفظ اہل حدیث میں
۳۰۹		۶۰ اہل البیت کا مفہوم
۳۲۰		۶۱ بیوت النبیؐ کی تفصیل
۳۲۸		۶۲ بیوت النبیؐ کا محل وقوع
۳۳۵		۶۳ اہل بیت نبی ﷺ
۳۴۶		۶۴ اہل تشیع کے نزدیک اہل بیت کا مصداق
۳۵۲		۶۵ حدیث کساء
۳۶۰		۶۶ حدیث نسب بنی فاطمہؓ
۴۱۵		۶۷ عصمتِ ائمہ کا عقیدہ
۴۲۹		۶۸ پنج تن پاک
۴۳۶		۶۹ آیت تطہیر
۴۴۳		۷۰ مفسرین کے نزدیک آیت تطہیر کا مصداق

اہل بیت رسولؐ کون؟	۱۴	فہرست عنوانات
نمبر شمار	نام عنوان	صفحہ نمبر
۷۱	قرآن مجید میں لفظ اہل بیت کا استعمال	۴۵۹
۷۲	حدیث میں لفظ اہل بیت کا استعمال	۴۶۲
۷۳	اہل تشیع کے دلائل	۴۶۵
۷۴	آیت تطہیر میں مذکر کی ضمیریں کیوں استعمال کی گئیں؟	۴۷۰
۷۵	ازواج مطہراتؑ پر عائد چند پابندیاں	۴۸۱
۷۶	عمرت رسول ﷺ	۴۸۵
۷۷	عمرت کے ساتھ اہل تشیع کی محبت کی حقیقت	۴۸۹
۷۸	اہل سنت سادات کے بارے میں اہل تشیع کا گستاخانہ نظریہ	۴۹۵
۷۹	مناقب اہل بیت (ازواج مطہراتؑ)	۴۹۹
۸۰	افضلیت ازواج مطہراتؑ	۵۰۶
۸۱	افضلیت سیدہ عائشہ صدیقہؓ	۵۱۸
۸۲	رجس کا مفہوم	۵۲۷
۸۳	اہل بیت رسولؐ کی شان میں اہل تشیع کی گستاخیاں	۵۴۱
۸۴	رجز جمل	۵۵۶
۸۵	ماخذ و مصادر و مراجع	۵۵۷

تعارف کتاب

از مولانا الطاف الرحمن صاحب

”اہل بیت رسولؐ کون؟“ برادر محترم پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی صاحب کی ایک اہم تصنیف ہے۔ موصوف علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں ہیں۔ زیر نظر کتاب کے علاوہ ”اصلاح معاشرہ، تعارف حضرت معاویہؓ، تحقیق نکاح سیدہ، فرقہ مسعودیہ۔۔۔ نام نہاد جماعت المسلمین کا علمی محاسبہ، تذکرہ سیدنا معاویہؓ، سیدنا معاویہؓ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ، حدیث حوٰب کا مصداق کون؟، شیعیت (تاریخ و افکار)، حدیث کلاب حوٰب کا تاریخی، تحقیقی، اور علمی محاکمہ، سرگزشت ہاشمی، حج مبرور اور سقوط جامعہ سیدہ خضہؓ اور دینی قیادت کا کردار جیسے موضوعات پر تحقیقی کتب تصنیف کر کے وہ اہل علم سے داد تحسین وصول کر چکے ہیں جبکہ موصوف کی دو معرکہ الآراء کتابیں ”تحقیق عمر عائشہ صدیقہؓ“ اور ”عقیدہ امامت و خلافت راشدہ“ زیر تالیف ہیں۔

محترم پروفیسر صاحب کی زیر نظر کاوش بہت سے اہم علمی اور تاریخی مباحث پر مشتمل ہونے کی حیثیت سے عصر حاضر میں ایک گراں قدر علمی اضافہ ہے۔ یہ کتاب وقت کی ایک اشد ضرورت، دین کی نہایت ہی اہم خدمت اور اہل سنت والجماعت کے ہر فرد کے لیے ایک قیمتی، تحقیقی، علمی اور تاریخی سرمایہ ہے۔

جناب مصنف نے اس کتاب میں جہاں اہل بیت رسولؐ (امہات المؤمنینؓ) کے خلاف یہودیوں، سبائیوں، رافضیوں اور اہل سنت کا روپ دھار کر رافضیت و سبائیت

پھیلائے والے مذہبی بہروپیوں کی مسموم اور اورگھناؤنی سازشوں کو طشت از بام کیا ہے وہاں مقام اہل بیت (ازواج مطہرات) کو مجروح کرنے والے سبائی ایجنٹوں اور رافضی گماشتوں کے مکروہ چہروں کی نقاب کشائی بھی کی ہے۔

کتاب کا انداز بیان محققانہ، عالمانہ، نہایت شگفتہ و دلکش، طرز استدلال انتہائی موثر و دلنشین ہے اور دقیق مضامین کو جامعیت اور مستند مواد کے ساتھ انتہائی سہل انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ موصوف نے پیش نظر کتاب میں اہل سنت والجماعت کی وکالت و ترجمانی کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس کتاب کی اشاعت سے نہ کسی کی دل آزاری مقصود ہے اور نہ ہی بحث و مباحثہ۔ یہ تو صرف حقیقت، عقیدت اور محبت کے گلہائے رنگارنگ ہیں جنہیں دلائل و براہین سے مزین کیا گیا ہے۔

اہل سنت والجماعت کا مذہبی و ملی فریضہ ہے کہ وہ اس صدائے حق کو گھر گھر پہنچانے کے لیے مذکورہ کتاب کی اشاعت و ترویج میں حصہ لے کر اہل بیت رسول کے ساتھ اپنی عقیدت و محبت کا عملی ثبوت دیں۔

راقم الحروف پروفیسر صاحب کو اس علمی، تحقیقی، تاریخی، جامع، دلکش و دلنشین، مدلل اور موثر پیشکش پر ہدیہ تمہریک و تحسین پیش کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ جناب مصنف کی اس عظیم کاوش کو اپنی قبولیت خاص سے نوازے اور اس امت کے لیے ذریعہ ہدایت بنائے۔ آمین

(مولانا) الطاف الرحمن

خطیب جامع مسجد رحمانیہ کپہال ایبٹ آباد

مقدمہ

از علامہ سعید الرحمن صاحب علویؒ

۱۹۶۶ء ظاہری اعتبار سے میری تعلیم کا آخری سال تھا۔ (حقیقی اعتبار سے تو آدمی ساری عمر طالب علم ہی رہتا ہے) مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ اس مرحلہ سے قبل ہی حضور ضلع انک کے لیے میری خطابت کا فیصلہ فرما چکے تھے۔ وہ میرے اور میرے خاندان کے سب ہی بڑے چھوٹوں کے لیے قابل احترام تھے۔ بالخصوص حضرت والد گرامی مولانا محمد رمضان علویؒ کو ان سے بہت تعلق خاطر تھا۔ (افسوس کہ جمعیت علماء اسلام کے اختلافات کے ایام میں، میں ان کے ساتھ نہ چل سکا کہ بعد میں مجھے اس کا بڑی شدت سے احساس ہوا۔ اور میں نے ان کی وفات سے چند دن قبل بھہ میں ان سے معذرت بھی چاہی۔ اب شدت سے احساس ہوتا ہے کہ صائب اور صحیح رائے انہی کی تھی۔ رحمہ اللہ) اس لیے ان کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے احقر حضور چلا گیا۔ وہ دن ایسے تھے کہ جمعیت علماء اسلام ہمارا اوڑھنا بچھونا تھی۔ اس لیے شہر کی مرکزی مسجد کی خطابت و امامت کے ساتھ ساتھ جمعیت کے کام میں ہم جت گئے۔ تا آنکہ ۱۹۷۰ء آگیا اور انکیشن کی گہما گہمی شروع ہو گئی۔ مغربی پاکستان کی حد تک جمعیت علماء اسلام نے قریب قریب ہر نشست پر اُمیدوار کھڑے کرنے کا فیصلہ کیا۔ ضلع انک اس زمانے میں دو سیٹوں پر مشتمل تھا۔ اور تحصیل تلمہ گنگ (جواب نئے ضلع چکوال کا حصہ ہے) انک ہی میں شامل تھی۔ جویلیاں (ہزارہ) کے قریب ”رجوعیہ“ نامی بستی میں ”نقشبندی سادات“ کی ایک خانقاہ کے بزرگ عالم پیر

محمد کامران صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو الیکشن لڑانے کی بات مولانا غلام غوث ہزاروی نے کی۔ پیر صاحب مولانا کے ساتھی تھے۔ تقسیم ملک سے قبل پیر صاحب صوبہ سرحد کی اسمبلی کے ممبر رہے تھے۔ ضلع انک کے ایک حصے میں ان کے عقیدت مندوں کا وسیع حلقہ تھا۔ مولانا ہزاروی کے حکم پر ہم لوگ حویلیاں گئے۔ ٹیکسلا کے قریب معروف قصبہ بھوئی گاڑ کے مشہور علمی خاندان کے فرزند مولانا حکیم عبدالحی نقشبندی، مولانا قاری سعید الرحمن (بہبودی ضلع انک)، مولانا سکندر خان جمعیت علماء اسلام ضلع انک کے ناظم اور احقر شریک سفر تھے۔ مولانا ہزاروی کے ہی حکم سے حویلیاں اترے تاکہ حضرت المجدوم مولانا قاضی جن پیر الہاشمی رحمہ اللہ تعالیٰ سے مل کر مزید رہنمائی لی جاسکے۔ حضرت ہاشمی صاحب سے احقر کی یہ پہلی ملاقات تھی۔ ان کی شخصیت نہایت متاثر کن تھی۔ چہرے پر علم و تقویٰ کا نور خوب محسوس ہو رہا تھا۔ حسن اخلاق، صائب مشوروں اور دھیمی گفتگو سے انہوں نے ہمیں گرویدہ بنا لیا۔ ان کے پاس کچھ دیر ٹھہر کر ہم لوگ رجوعیہ چلے گئے۔ وقت پہ وقت گزرتا رہا۔ حضور چھوڑ چھاڑ کر ہم سرگودھا اور فیصل آباد کی خاک چھان کر حضرت مولانا عبید اللہ انور رحمہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے (۱۹۷۴ء میں) لاہور آگئے۔ تاکہ حضرت مولانا احمد علی قدس سرہ کے یادگار دینی جریدہ خدام الدین کی ادارت کی ذمہ داری سنبھال سکیں۔ اسی دوران (سال یاد نہیں) ہمیں پہلی مرتبہ آزاد کشمیر کے سفر پر جانا پڑا۔ ضلع باغ کی بہتی (بیس بگلہ) کے بزرگ عالم مولانا عبدالغنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مدرسہ کے جلسہ کے لیے ان کے فرزندوں نے عزیزی مولوی محمد افضل سلمہ کی وساطت سے یاد فرمایا، ہم نے سفر کیا۔ مولوی محمد افضل سلمہ ہمراہ تھے۔ بہت دشوار گزار راستہ طے کر کے وہاں پہنچے۔ معلوم ہوا کہ

حضرت قاضی چن پیر الہاشمی بھی تشریف لا رہے ہیں۔ بہت مسرت ہوئی۔ خوشی کا ٹھکانہ نہ تھا۔ لیکن افسوس کہ موصوف اپنی علالت کے سبب تشریف نہ لاسکے۔ اس کے بعد مسلسل کئی مرتبہ وہاں جانے کا اتفاق ہوا۔ اور کم از کم دوسرے مرتبہ حضرت ہاشمی صاحب کی رفاقت کی سعادت میسر آئی۔ ان سے ملاقات کی حسین یادیں میری زندگی کا حاصل ہیں۔ نورانی چہرہ، علمی و اصلاحی گفتگو، محبت بھرا انداز، بات بات پر دعائیں..... آہ..... ایسے مردانِ احرار کہاں چلے گئے جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں؟ دن کے بھر پورا اجتماع میں انہی کی صدارت میں احقر کی تقریر ہوئی۔ ہر چند کہ اس میں کوئی ایسی بات نہ تھی لیکن تقریر کے بعد کم و بیش ۲۴ گھنٹے ہم اکٹھے رہے۔ معلوم نہیں حضرت نے کتنی مرتبہ تعریف کے جملے ارشاد فرمائے، محبت سے نوازا، دعائیں دیں۔ اگلے سال انہوں نے اپنے سعادت مند فرزند، محبت گرامی پروفیسر قاضی محمد طاہر الہاشمی (جو اپنی بھرپور صلاحیت علمی و دینی کے سبب ان کے جانشین ہیں) کے متعلق ذکر کیا کہ وہ اس علاقے کی ایک ”بڑی شخصیت“ کے خلاف نبرد آزما ہیں، حضرت نے کامیابی کی دعا کافرمایا۔ یہ میرے لیے اعزاز و اکرام تھا کہ وہ اس طرح مجھ سے مخاطب تھے۔ ورنہ اپنا معاملہ یہ ہے کہ

ع در حیرتم کہ دہقان بچہ کار کشت مارا

یہ نام نہاد بڑی شخصیت محمود شاہ صاحب کی تھی۔ جن کے علم و دانش سے بے بہرہ عقیدت مند انہیں ”محدث ہزاروی“ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ہم نے اس محدث صاحب کا تذکرہ سن رکھا تھا۔ اور ہمیں خوب احساس تھا کہ یہ شخص بری طرح

رفض کے جراثیم کا شکار ہے۔ گمراہی پھیلانا اس کا شیوہ ہے۔ لیکن مخدومی حضرت قاضی چن پیر الہاشمی سے یہ سن کر کہ ان کے جواں سال، جواں ہمت اور صاحب علم فرزند ہرمجاز پر اس نام نہاد محدث سے مقابلہ کر رہے ہیں۔ بڑی مسرت ہوئی اور دل سے دعا نکلی:

ع وہ زندہ رہیں ہزار برس، ہر برس کے دن ہوں پچاس ہزار

مولانا قاضی چن پیر الہاشمی سے اس کے بعد ملاقات نہ ہو سکی۔ میں نے ان کے حکم پر عرض بھی کیا کہ کسی وقت حویلیاں حاضری دوں گا۔ حاضر ہونا تو انہیں کتنی خوشی ہوتی۔ لیکن افسوس کہ مصائب و آلام اور ان سے بڑھ کر کمر و ہات دنیا نے مہلت نہ دی۔ حتیٰ کہ ایک دن ان کی موت کی خبر کسی عزیز نے سنائی۔ دل مسوس کر رہ گیا۔ بہت دیر تک کلمہ استرجاع کے ساتھ ساتھ ان کے لیے دعائے مغفرت کرتا رہا۔ سچی بات یہ ہے کہ وہ اب تک نہیں بھولے۔ میں نے جن بزرگ علماء سے بہت کچھ سیکھا اور جن کے چہروں پر بھول پن اور معصومیت کا مشاہدہ کیا ان میں وہ بھی شامل تھے۔ بلکہ نمایاں طور پر..... افسوس کہ زیادہ استفادہ نہ کر سکا۔ لیکن جو ہوا اسی کا اثر ہے کہ وہ اب تک مجھے یاد ہیں۔ ان کا چہرہ اب بھی میرے سامنے گھوم رہا ہے اور معلوم ہو رہا ہے کہ وہ حویلیاں کی مرکزی مسجد کے مصلیٰ پر بیٹھ کر علم و دانش کے موتی بکھیر رہے ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمة واسعة۔

ان کے عزیز فرزند اور میرے مخلص بھائی پروفیسر قاضی محمد طاہر نے پہلے ایک مسودہ (تحقیق نکاح سیدہ) لاہور کے ایک غیرت مند سنی عزیز می محمد معاویہ سلمہ کے ذریعے مجھے بھیجا کہ میں اس پر چند سطریں لکھ دوں۔ میں نے اپنی تمام تر نااہلی کے

باوجود تعمیل حکم کی تو اب ان کا دوسرا مسودہ میرے پاس آیا جس کا تعلق ”اہل بیت“ کے مسئلہ سے ہے۔ اس مسودہ کے ساتھ انہوں نے جو گرامی نامہ لکھا، اس میں موصوف نے اپنے مسودہ کے متعلق چند باتوں کی وضاحت کی ہے اور لکھا ہے کہ:

”احقر کو لکھنے کا ڈھنگ نہیں ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ علمی استعداد بھی بہت کمزور ہے۔ فقط ایک جذبہ ہے جس کے تحت یہ کام طے پا گیا ہے۔ ابتداءً بالکل اندازہ نہیں تھا کہ یہ کام اتنا پھیل جائے گا۔ اختصار کی کوشش کے باوجود طوالت ہو گئی ہے۔“

ہاشمی صاحب نے جس جذبہ کا ذکر کیا ہے وہ بڑا مبارک و مسعود ہے۔ اور اصل بات جذبہ ہی ہے کہ انسان حمایت و حفاظت حق کے لیے اٹھ کھڑا ہو۔ ورنہ آج دیکھا یہ جارہا ہے کہ بڑے بڑے لوگ مصلحتوں کا شکار ہو کر حقائق کا خون کر رہے ہیں۔ رہ گئی یہ بات کہ لکھنے کا ڈھنگ نہیں اور علمی استعداد کمزور ہے یہ محض کس نفسی ہے۔ جو حضرات اس تحریر کو وقت نظر سے پڑھیں گے وہ دیکھیں گے کہ جناب مؤلف نہ صرف یہ کہ پختہ کار اہل قلم ہیں بلکہ قدرت نے انہیں علمی استعداد سے بھی حصہ وافر عطا فرمایا ہے۔

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ

ہمارے یہاں صدیوں کے شیعہ اثرات نے ایسا رنگ دکھلایا ہے کہ بہت سے بنیادی حقائق کے معاملے میں چنگے بھلے پڑھے لکھے لوگ بہک کر رہ جاتے ہیں۔ یا کم از کم وہ محسوس نہیں کرتے کہ ان کے رویے سے کتنے لوگ خرابی کا شکار ہوں گے۔ مثلاً اس مسودے میں مخدوم گرامی مولانا محمد شفیع صاحب اور بزرگ عالم مولانا

محمد ادریس کاندھلوی رحمہما اللہ تعالیٰ کے بعض نظریات کا ذکر کر کے ان سے بڑا مؤدبانہ اختلاف کیا گیا ہے۔ قرآن مجید کی سورۃ الاحزاب کی آیت تطہیر میں ”کم“ کی ضمیر مذکر کا حضرت مفتی صاحب نے ذکر کر کے اس سے شیعہ کے موعومہ پیچ تن سے متعلق جو ارشاد فرمایا وہ بہر حال افسوس ناک ہے۔

حضرت مفتی صاحب جیسے صاحب علم یقیناً جانتے ہوں گے کہ روح المعانی سمیت متعدد تفاسیر میں اس اشکال کو بڑی خوبصورتی سے حل کیا گیا ہے۔ پھر پورے رکوع کا نظم اور بطور خاص ازواج مطہرات سے اللہ تعالیٰ کا خطاب ایسی داخلی شہادتیں ہیں جن کے بعد کسی شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ بڑے بڑے حضرات حالات کے بہاؤ کا شکار ہو کر رہ جاتے ہیں اور پھر جب قاضی طاہر الہاشمی جیسا کوئی شخص حمایت حق اور مقام صحابہؓ کی برتری کے جذبہ سے مؤدبانہ اختلاف کرنا ہے تو پھر اس پر بے ادبی کا الزام لگا دیا جاتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ہاشمی صاحب پر اس کا شدید اثر ہے کہ انہیں حضرت مفتی صاحب اور حضرت کاندھلوی کے نظریات پر تنقید کرنا پڑی۔ تاہم انہوں نے یہ کڑوا گھونٹ اس لیے پیا اور اپنے حلق میں اندر لایا کہ جن کی عظمت کا ذکر ہے وہ حضرت مفتی صاحب اور حضرت کاندھلوی صاحب سے یقیناً بڑے تھے۔ اور اہل سنت برادری پر ان کا احترام معاصر یا ماضی قریب کے بزرگوں سے کہیں زیادہ ہے۔

اسی طرح حضرت مفتی صاحب کا یہ نظریہ سیدہ مریم سلام اللہ تعالیٰ علیہا ورضوانہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن سے افضل ہیں۔ یا حضرت کاندھلوی کا

یہ ارشاد کہ سیدہ فاطمہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا ورضوانہ اپنی ماؤں سے افضل ہیں۔ ہاشمی صاحب نے اس پر عالمانہ تنقید کر کے جہاں ان بزرگوں کے شخصی احترام کا حق ادا کر دیا وہاں حقائق کو بھی الٰہی شرح کیا۔ فخر اہل اللہ تعالیٰ۔

ہاشمی صاحب کی تفصیلی کاوش کا تعلق جیسا کہ عرض کیا گیا اہل بیت سے ہے۔ شیعہ کی بات چھوڑیں ان سے متاثر برادران اہل سنت بھی قرآن، حدیث، اسماء الرجال اور مسلمہ تاریخی روایات سے صرف نظر کر کے سیدنا علیؑ اور ان کے گھرانے کے لیے ہر خیر ثابت کرتے اور انہیں ہی ان باتوں کا مصداق قرار دیتے ہیں تو ایک غیر متدنی یقیناً محسوس کرتا ہے اور پھر اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ علمی ہتھیاروں سے مسلح ہو کر میدان کارزار میں اترے اور اپنے بھولے بھالے سنی بھائیوں کو سمجھائے۔ قاضی محمد طاہر الہاشمیؒ پر تو یہ فرض زیادہ عائد ہوتا تھا کہ ان کے علاقے میں ایک شخص پیری مریدی کے نام پر اور اپنے نام کے ساتھ محدث کا لاقحہ لگوا کر خلق اللہ کی گمراہی کا باعث بن رہا تھا۔

ہاشمی صاحب اپنے خاندانی پس منظر اور حضور سرور کائنات، خاتم النبیین والمعصومین ﷺ کے عظیم تر خاندان کے ایک فرد کے طور پر اس معاملے میں زیادہ حساس ہیں اور انہیں حساس ہونا چاہیے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی دین ہے وہ جسے چاہے اس جذبے سے سرفراز فرمادے۔

انہوں نے لفظ ”آل“ کی لغوی تشریح کے بعد قرآن وحدیث کو کھنگالا ہے متعدد حوالہ جات نوٹ کیے ہیں تاکہ لفظ ”آل“ کی حقیقت واضح ہو سکے۔ پھر ”آل“

کی اقسام کو اجاگر کیا ہے۔ جس میں مذہبی، نسبی، مجازی اور حقیقی وغیرہ کی تفصیلات مندرج کر کے ہر قسم کے لیے متعدد حوالے اور دلائل سپرد قلم کیے ہیں۔ اس بحث میں انہوں نے حضور ختمی المرتبت ﷺ کے آباء کرام، ازواج مطہرات، اولاد، اولاد کی اولاد اور ان بہت سے خواتین و حضرات کا تذکرہ کیا ہے جن کا تذکرہ ناگزیر تھا۔

پھر انہوں نے اپنے قلم کا رخ ”اہل بیت“ کی طرف موڑا ہے اور بڑی معرکہ الآراء بحثیں کی ہیں۔ بتلایا ہے کہ یہ اصطلاح قرآن میں، حدیث میں اور شیعہ کے ہاں کیسے کیسے استعمال ہوئی۔ اس کی حقیقت کیا ہے۔ انہوں نے آیت تطہیر میں واقع مذکر کی ضمیر (بطہر کم تطہیرا) پر تفصیلی بحث کر کے بتلایا ہے کہ ایسا کیوں ہوا۔ ساتھ ہی مزعومہ بیخ تن کے تصور پر تاریخی حوالے سے گفتگو کر کے بتلایا ہے کہ یہ تصور ”قوم نوح“ سے چلا۔ جس نے اپنے یہاں بیخ تن کے تصور کو رواج دیا۔ (دیکھیں سورہ نوح) اس کے بعد تاریخ کے مختلف ادوار میں ایسا ہوتا رہا اور شیعہ حضرات نے اسی سے یہ تصور لیا۔ جسے بد قسمتی سے بہت سے غافل سنیوں نے اپنے گلے کا ہار بنالیا۔

مؤلف علام نے اس ”حدیث کساء“ کا بھی تفصیلی ذکر کیا ہے جس کی بنیاد پر یاران طریقت نے حقیقی اہل بیت (ازواج مطہرات) کو اہل بیت کی اصطلاح سے خارج کر کے ایک نیا تصور پروان چڑھایا۔

جناب مؤلف نے ان تمام موضوعات پر بڑی تفصیل سے قلم اٹھایا، ڈوب کر لکھا اور حقائق کو الم نشرح کیا۔ انہوں نے بتلایا ہے کہ شیعہ حضرات کا اپنے مزعومہ

اہل بیت اور عزت رسولؐ سے محبت و عقیدت کا دعویٰ کتنا مبنی بر حقیقت ہے۔

یہ اسکول جس کی بنیاد کذب و افتراء پر ہے اس نے جس طرح اپنے مزمومہ اہل بیت کی توہین کی اس کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے اور ہاشمی صاحب نے سادہ لوح سنیوں کو جھنجھوڑ کر انہیں غیرت و حمیت کا سبق بھی پڑھایا ہے۔

کتاب کا ایک بہت اہم حصہ وہ بحث ہے جس کا تعلق جناب ابوطالب کے ایمان سے ہے۔ ہمارے یہاں کے بعض کو چشم حضرات قرآن مجید کی نص صریح کے علی الرغم ایمان ابوطالب کے لیے سرگرم رہتے ہیں۔ کچھ عرصہ قبل فیصل آباد کے ایک نعت خوان نے اس پر لمبی چوڑی کتاب لکھ ماری جسے بہت سے ”مقد اور علماء(?)“ نے اپنی تحریرات سے مزین کیا..... انا للہ وانا الیہ راجعون..... اور ابھی شرعی کورٹ کے جج مکرم پیر کرم شاہ صاحب نے اپنی تازہ کتاب ”ضیاء النبیؐ“ میں اس مسئلہ پر قلم اٹھایا ہے اور افسوس کی بات یہ ہے کہ اس معاملے میں حقائق سے آنکھیں چھانے کے ساتھ ساتھ بعض بزرگ صحابہ سیدنا و مندر و منا ابوسفیان اموی، ان کی اہلیہ محترمہ، حضرت ولید بن عقبہ اور حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر چھینٹے برسائے کی سعی نامسعود بھی کی..... فیا حسرتا۔

اللہ بھلا کرے ہاشمی صاحب کا کہ انہوں نے بڑے مدلل طریق سے پیر صاحب کا تعاقب کیا اور انہیں توجہ دلائی کہ ان پر لازم تھا کہ وہ اپنے منصب (جج و منصفی) کا ہی کم از کم لحاظ کرتے اور انصاف سے کام لیتے، کس قدر مقام تاسف ہے کہ بہت سے لوگ خاندان بنو امیہ کے اکابر و اعظم کے معاملے میں دشمنوں کے مکروہ

پروپیگنڈے کا شکار ہیں۔ حالانکہ اسلام کی ابتدائی تاریخ میں بنو امیہ کے جتنے افراد نے اسلام قبول کیا اور اپنی عظیم قربانیوں کا ایک مستقل باب رقم کیا، اس کی مثال کسی دوسرے خاندان یا قبیلے میں نظر نہیں آتی۔ جہاں تک سیدنا ابوسفیانؓ اور ان کی اہلیہ کا تعلق ہے بلاشبہ وہ کافی دیر بعد مسلمان ہوئے لیکن بہت سی غلط کہانیاں ان کی طرف منسوب کر دی گئیں۔ مثلاً غزوہ احد میں سیدنا حضرت حمزہ سید الشہداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معاملے میں قاتل نے جو کردار ادا کیا اس کو حضرت ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سر تھوپا گیا اور کہا گیا کہ قاتل ان کے غلام تھے۔ حالانکہ ایسا نہ تھا۔ اسی طرح کتنی ہی کہانیاں ہیں جو ان اکابر کے کھاتے میں ڈال دی گئیں۔ جبکہ سب جانتے ہیں کہ اس خاندان کا حضور سرور کائنات ﷺ سے مصاہرت (سرالی) کا رشتہ تھا۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فتح مکہ کے موقع پر تنہا ان کے گھر کو ”دارالامن“ قرار دیا اور قبول اسلام کے بعد اس خاندان کے ہر فرد نے ایثار و قربانی کی لازوال مثالیں قائم کیں۔ اس کے باوجود حضرت پیر محمد کرم شاہ جیسے کتنے ہی لوگ ہیں جو ان اساطین ملت کے خلاف ادھار کھائے بیٹھے ہیں اور نہیں سوچتے کہ یہ حضرات صحابی ہیں۔ اور مقام صحابیت بہت اعلیٰ مقام ہے۔ جس کی تعریف و توصیف خود اس کائنات کے خالق و مالک نے بار بار قرآن ہی میں نہیں بچھلی کتابوں میں بھی کی۔

ذٰلِكَ مِثْلَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمِثْلَهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ

اسی طرح حضرت محمد عربی خاتم النبیین والمصومین ﷺ نے اپنے متعدد ارشادات میں اس پاک باز گروہ کی عظمت و رفعت کا ذکر کر کے لوگوں کو ان کے احترام

کی تلقین کی اور ان سے عداوت و دشمنی رکھنے والوں کو اللہ تعالیٰ کے قہر غضب سے ڈرایا۔ لیکن حیرت و تاسف ہے کہ سنیت کا لیبیل لگا کر بھی لوگ ایسی حرکات کرتے ہیں کہ پناہ بھلی۔

ماضی قریب میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے اس ضمن میں ایک لمبی چوڑی تحریر پہلے قسط وارا اپنے رسالے میں پھر کتاب کی شکل میں چھپوائی جسے شیعہ برادری نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور خوب اچھالا۔ اب پیر محمد کرم شاہ الازہری (?) جیسے حضرات وہی انداز اختیار کیے ہوئے ہیں..... اللہ تعالیٰ ہمارے طاہر الہامی کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے فوری اور بروقت نوٹس لے کر پیر صاحب اور ان جیسے حضرات کو مقام صحابیت کی رفعتوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اے کاش پیر صاحب جیسے حضرات اپنے رویے پر نظر ثانی کریں اور صبح قیامت اور محشر کے حضور حاضری کے لمحہ کو یاد رکھیں اور اس پر بھی سوچیں کہ شافع روز محشر ﷺ سے کس منہ سے شفاعت کی درخواست کریں گے؟

واقعہ یہ ہے کہ حضرت الخدوم مولانا قاضی چن پیر الہامی نور اللہ مرقدہ وبرد اللہ تعالیٰ مضجعہ کے سعادت مند، باصلاحیت، ذی علم اور ذی صلاحیت فرزند، برادر گرامی و محبت و مکرم پروفیسر قاضی محمد طاہر الہامی نے اس تحریر کے ذریعے بہت سی گریں کھولی ہیں اور اساطین ملت نے اپنی کتابوں میں جو جواہر ریزے بکھیرے ہیں انہیں بہت خوبصورتی کے ساتھ ایک ہار میں پرو دیا ہے۔ یہ گلدستہ انشاء اللہ تعالیٰ حسن و خوبصورتی کا باعث ہوگا۔ اور اس سے اہل اسلام کے قلب و روح مزید بالیدگی

حاصل کریں گے۔ اور اس کی خوشبو چارواں تک عالم میں پھیلے گی۔

اللہ تعالیٰ موصوف کو اپنی رحمتوں سے نوازے، حفظ و امان میں رکھے، عافیت سے سرفراز فرمائے، ان کی عمر، صحت اور صلاحیتوں میں برکت دے۔ اور وہ اس قسم کی بہت سی مفید خدمات سرانجام دیتے رہیں۔ آمین۔ بحرمۃ النبی الکریم ﷺ

(مولانا) محمد سعید الرحمن علوی

سابق ایڈیٹر ہفت روزہ خدام الدین

۱۲۔ اے شاہ جمال لاہور

۲۳ ذی قعدہ ۱۴۱۴ھ ۵ مئی ۱۹۹۴ء

﴿افسوس موصوفؒ کتاب کے منصہ شہود پر آنے سے پہلے ہی ۲۰

اکتوبر ۱۹۹۴ء کو رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

باری تعالیٰ حضرت مرحوم کو اپنی رحمت و مغفرت و رضوان سے نوازے

اور جنت الفردوس نصیب فرمائے۔ آمین ﴿

(از مؤلف کتاب ہذا)

☆☆☆

تقریظ (برائے طبع دوم)

از محقق اہل سنت مولانا ابوریحان عبدالغفور صاحب سیالکوٹی
(شیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ دھیمال کمپ رائیونڈی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ والصلوة علی اہلہا۔ اما بعد
زیر نظر کتاب _____ اہل بیت رسول کون؟ _____ کا نام جس قدر آسان
ہے اس کا کام اسی قدر بلکہ اس سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ یہ اس کی یہ ہے کہ کسی موجود
و معلوم حقیقت کی توضیح و تشریح اور اس پر کسی کتاب یا مضمون کی تصنیف و تالیف، آسان
کام ہے لیکن جو حقیقت موضوعات و مفروضات اور مفتریات و مزخرفات میں گم ہو کر
اپنی اصلی شناخت کھو بیٹھی ہو اس کا پتہ، کھوج لگا کر اس کو اس کی اصلی شکل و صورت اور
حقیقی خد و خال میں پیش کرنا خصوصاً جبکہ اس کو اس طرح پیش کرنے پر غیروں سے
زیادہ اپنوں کی مخالفتوں کا خطرہ بھی مول لینا پڑتا ہو، بہت ہی مشکل ہوا کرتا ہے۔ اس کا
اندازہ کچھ انہی کو ہو سکتا ہے جنہوں نے کبھی کسی ایسی ہی حقیقت کو دریافت کرنے پھر
اس کو اس کی اصلی شکل و صورت میں پیش کرنے میں اپنی جان جو کھوں میں ڈالی ہو۔
”اہل بیت رسول“ کی حقیقت بھی ایسی ہی ایک گمشدہ حقیقت تھی جو شروع
سے ہی رافضیانہ و سبائیہ مفتریات و کمذوبات کی سانوں پر چڑھا دی گئی تھی۔ جس سے
اس کی اصل شکل و صورت مسخ ہو گئی اور اس کے حقیقی خد و خال مٹ گئے تھے۔ پھر اسی مسخ
شدہ شکل و صورت کی اصل شکل و صورت کے طور پر تشہیر بھی کچھ ایسے انداز سے کی جاتی
رہی کہ بیگانے تو رہے ایک طرف یگانے اور فرزانے بھی اس مسخ شدہ شکل و صورت کو

ہی اس کی اصلی شکل و صورت باور کرتے اور کراتے رہے۔

ایسے میں اہل بیت رسولؑ کی اصل حقیقت کو دریافت کرنا، پھر اس کی اصلی شکل و صورت کو متعین اور اس کے حقیقی خدوخال کو نمایاں کرنا، پھر اس سارے کھیل کے کھلاڑیوں یعنی رافضیوں، سبائیوں اور ررفض و سبائیت گزیدوں اور ان کے حوالیوں مولیوں کی طرف سے متوقع مخالفتوں، عداوتوں، طعنوں اور تضحیوں کی پروا کیے بغیر دنیا کے سامنے پیش کر ڈالنا کوئی معمولی کام نہ تھا۔ بلکہ جان جوکھوں کا کام تھا۔ ایسی خطرناک کوہ کنی ہر کسی کے بس کا روگ نہ تھا۔ بلکہ ہمالیہ تحقیق کی یہ چوٹی تو وہی سر کر سکتا تھا جو ”ہرچہ بادا باد ماکشتی در آب انداختیم“ کا نعرہ مستانہ لگا کر میدان میں کودنے کا حوصلہ رکھتا ہو۔

حضرت مولانا قاضی پروفیسر محمد طاہر علی الہاشمی مدظلہ ایسی ہی ہستیوں میں سے ہیں جو انجام کی پروا کیے بغیر خطرناک سے خطرناک میدان میں کودنے کا نہ صرف حوصلہ بلکہ تجربہ بھی رکھتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے رافضیانہ و سبائیانہ مفروضات و مزعومات اور مزخرفات کی دلدل میں صدیوں سے گمشدہ اور رافضیت و سبائیت کے ہاتھوں مسخ شدہ حقیقت کو نہ صرف یہ کہ دریافت کیا بلکہ اس کی تحقیق و سرجری کر کے اس کی اصلی شکل و صورت اور حقیقی خدوخال کو نمایاں بھی کیا۔ پھر ہر قسم کے انجام کی پروا کیے بغیر اس کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کی جرأت مردانہ دکھائی۔

اس جانکاہی و جانفشانی پر ان کو جتنا بھی ہدیہ تہریک پیش کیا جائے کم ہے۔ حضرت قاضی صاحب مدظلہ سب اہل السنۃ کی طرف سے بجا طور پر مبارک باد کے مستحق ہیں۔

کتاب کے پہلے ایڈیشن کا پورا تعارف حضرت مولانا سعید الرحمن علوی رحمہ اللہ نے مقدمہ کتاب میں کروادیا ہے۔ زیر نظر کتاب ”اہل بیت رسول کون؟“ کا جدید ایڈیشن ہے جس میں جا بجا موضوع سے متعلق نہایت ہی مفید اور تحقیقی مواد کا اضافہ کیا گیا ہے۔ بالخصوص ”کفیل محمد کون؟“، حجرات ازواج مطہرات کا محل وقوع، ام المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہؓ کی عدت سے متعلق اشکال کا حل اور ”حدیث نسب بنی فاطمہؓ“ پر ہر پہلو کے اعتبار سے انتہائی جامع، مکمل، مفصل اور مدلل بحث شامل کی گئی ہے۔

میں جناب پروفیسر قاضی محمد طاہر صاحب الہاشمی مدظلہ کو اس جرأت مندانہ اور محققانہ و فاضلانہ کاوش پر صدق دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت ان کی یہ محنت قبول فرما کر ان کے لیے اس کو ذخیرہ آخرت اور لوگوں کے لیے ذریعہ ہدایت بنائے۔ آمین یا رب العالمین
وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

محتاج دعا (مولانا) ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی
(شیخ الحدیث) جامعہ فاروقیہ دھیمال کمپ راولپنڈی

عرض مؤلف

زیر نظر کتاب رسول اکرمؐ کے ”اہل بیت“ کے تعارف پر مبنی ہے۔ اس پر فتن اور ابتلاء و آزمائش کے دور میں دشمنان اسلام نے جہاں اسلام کی دیگر اصطلاحات کو تبدیل کر دیا ہے وہاں ”اہل بیت“ کے صحیح، اصلی اور حقیقی مفہوم کو بھی مسخ کر ڈالا ہے۔ حد یہ ہے کہ ان کی ریشہ دوانیوں، سازشوں، اور مسموم پروپیگنڈے سے بعض خواص اہل سنت بھی متاثر ہو گئے ہیں۔ اور یہ اسی مکروہ پروپیگنڈے کا نتیجہ ہے کہ آج ازواج مطہرات کو عرفاً، قانوناً اور مذہباً اہل بیت کے زمرے سے خارج کر دیا گیا ہے۔

عرفاً تو ظاہر ہی ہے کہ معاشرے میں ہر سطح پر لفظ اہل بیت سے عموماً ”چارتن“، یعنی حضرت علیؑ سیدہ فاطمہؑ، حضرات حسینؑ اور ان کی اولاد ہی مراد لی جاتی ہے۔ ازواج مطہراتؑ کے مقام و مرتبہ سے امت کی عظیم اکثریت آگاہ ہی نہیں اور اگر آگاہ ہے بھی تو وہ انہیں عرفاً زمرہ اہل بیت میں شامل نہیں سمجھتی۔

قانوناً بھی ازواج مطہراتؑ کو ”اہل بیت“ سے خارج قرار دے دیا گیا

ہے۔ چنانچہ تعزیرات پاکستان دفعہ نمبر ۲۹۸-اے کے مطابق

298-A. "Use of derogatory remarks etc in

respect of holy personages.

Whoever by words, either spoken or written, or by visible representation or by any

imputation, innuendo or insinuation, directly or indirectly, defiles the sacred name of any wife (Ummu-Mumineen), of the Holy Prophet (P.B.H) or members of the family(Ahle-Bait) of the Holy Prophet(P.B.H), or any of the righteous caliphs (Khulafa-e-Rashideen), or companions (Sahaba) of the Holy Prophet (P.B.H) shall be punished with imprisonment of either discription for a term which may extend to three years, or with fine, or with both."

مقدس ہستیوں کے بارے میں اہانت آمیز رویہ رکس کا استعمال
جو شخص زبانی یا تحریری الفاظ کے ذریعے یا کسی ظاہری علامت کے ذریعے یا
کسی تہمت، طعن یا تعریض کے ذریعے بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر کسی بھی طرح نبی
کریم ﷺ کی کسی حرم محترم (ام المؤمنین) یا کنبہ کے افراد (اہل بیت) میں سے یا کسی
خلیفہ برحق (خلفائے راشدین) یا آنحضرتؐ کے رفقاء (صحابہؓ) کی اہانت کا مرتکب
ہوگا، وہ سزا کا مستوجب ہوگا، جو قید کی صورت میں تین سال تک یا جرمانہ یا دونوں
ایک ساتھ بھی دی جاسکیں گی۔

اس شق سے صاف ظاہر ہے کہ امہات المؤمنینؓ اہل بیت کے منہوم سے
خارج ہیں۔ یہ ملحوظ رہے کہ ۱۹۸۰ء میں یہ شق علماء کرام کی ”مسانی جلیلہ“ اور

”مشاورت“ سے آئین میں ترمیم کر کے داخل کی گئی۔ اس کے بعد جب احمدیوں اور قادیانیوں کے لیے دفعہ ۲۹۸ سی۔ کا اضافہ کیا گیا تو اس میں بھی سبائیت کی عیاری سے ازواج مطہرات کو اہل بیت کی اصطلاح کا مصداق نہیں سمجھا گیا۔ ملاحظہ ہو:

298-C.

(e) "To refer any person other than a caliph or companion of the Holy Prophet (P.B.H) as Ameerul Mumineen, Khaliphatul-Muslimeen, Sahabi or Razi-Allah-Anho, any person other than the wife of the Holy Prophet (P.B.H) as Ummul-Mumineen and any person other than a member of the family of the Holy Prophet (P.B.H) as Ahle Bait."

اس طرح ازروئے قانون بھی ازواج مطہرات پر اہل بیت کا اطلاق نہیں کیا گیا۔

بد قسمتی سے اہل تشیع کے زبردست پروپیگنڈے کی وجہ سے ہماری مذہبی کتب میں بھی امہات المؤمنین کو ”اہل بیت“ سے علیحدہ ہی رکھا گیا۔ چنانچہ جامع ترمذی میں ”چارتن“ کے مناقب پر جہاں الگ الگ باب قائم کیے گئے وہاں ”مناقب اہل بیت“ کا ایک مستقل باب بھی باندھا گیا۔ اس سارے باب میں چار

تن کا ذکر تو ہے لیکن ازواج مطہرات کے بارے میں کوئی اشارہ تک نہیں پایا جاتا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ جامع ترمذی میں مناقب اہل بیت سے ہٹ کر فضل عائشہؓ، فضل خدیجہؓ اور فضل ازواج النبیؐ کے ابواب بھی ضرور موجود ہیں۔

اسی طرح شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ تبریزی نے مشکوٰۃ المصابیح میں ایک باب ”مناقب اہل بیت النبیؐ“ قائم کیا ہے۔ اس پر رے باب میں حضرت علیؓ، سیدہ فاطمہؓ، حضرات حسنینؓ، حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد، جعفر طیارؓ، عبداللہ بن جعفرؓ، زید بن حارثہؓ اور اسامہ بن زیدؓ کا ذکر تو ہے لیکن ازواج مطہراتؓ کی اس باب میں شمولیت ”مناسب“ نہیں سمجھی گئی۔ اور ان کے لیے صاحب مشکوٰۃ نے ایک علیحدہ باب ”مناقب امہات المؤمنین“ قائم کیا ہے۔

صاحب مظاہر حق علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی نے اس کی توجیہ یوں فرمائی ہے۔

”بہر حال ایک طرف تو وہ روایتیں ہیں جن سے بنو ہاشم اور آنحضرت ﷺ کے اہل و عیال پر اہل بیت کا اطلاق ثابت ہوتا ہے اور دوسری طرف یہ روایتیں ہیں جن سے اہل بیت کا مصداق صرف حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ معلوم ہوتے ہیں۔ بلکہ ان ہی ”چہارتن“ پاک پر اہل بیت کا اطلاق شائع اور مشہور بھی ہے..... مؤلف مشکوٰۃ نے جو اس باب (مناقب اہل بیت النبی ﷺ) میں ازواج النبیؐ کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ ان کے لیے علیحدہ سے ایک باب (مناقب امہات المؤمنین) قائم کیا ہے تو اس کی وجہ بھی یا تو یہ ہے کہ ان کے مخصوص مناقب و

فضائل کے اعتبار سے ان کا ذکر مستقل طور پر (اہل بیت نبویؑ کے عنوان سے خارج کر کے) علیحدہ ہی باب میں کیا جانا موزوں جانا گیا۔ یا عرف عام کی رعایت سے ان کا ذکر اہل بیت سے الگ کر کے کیا گیا۔ کیونکہ عام طور پر اہل بیت کا اطلاق ان ہی چارتن پر ہوتا ہے۔

(مطابق حدیث - جلد ۵ صفحہ ۷۷)

اس کا جواب کتاب میں زیر عنوان ”اہل بیت نبویؑ“ ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب رقم طراز ہیں۔

عقیدہ نہم:۔ تمام اہل بیت نبویؑ اور ازواج مطہرات کی محبت اور عظمت اور حرمت عین ایمان اور اسلام ہے۔ صحابہ کرامؓ نجوم ہدایت اور اہل بیت کی محبت سفینہ نوح ہے۔

الحمد للہ کہ اہل سنت سفینہ نوح میں سوار ہوئے اور نجوم ہدایت کی رہنمائی میں اپنا سفر طے کیا اور منزل مقصود کو پہنچ گئے۔ خوارج تو سفینہ نوح میں سوار ہی نہ ہوئے اور شیعہ کشتی میں اگر چہ سوار ہو گئے لیکن نجوم ہدایت سے آنکھیں بند کر لیں۔ کشتی چل رہی ہے، راستہ معلوم نہیں۔ نجوم ہدایت کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے نہیں۔ معلوم نہیں کہ کشتی ڈوبے گی یا پار لگے گی۔ اور منزل مقصود پر پہنچے گی یا کہیں راستہ کی موجوں میں غرق ہو جائے گی۔

(مقام اسلام صفحہ ۱۹۵)

حضرت موصوف کا بیان کردہ عقیدہ محل نظر ہے۔ حدیث میں کشتی میں سوار ہونے کو ہی مدار نجات قرار دیا گیا ہے اور شیعہ کشتی میں سوار ہونا ہتہ غلط ہے۔ جو حضرات ازواج مطہراتؓ پر تمرا کریں۔ نماز میں بھی ان پر لعن طعن کریں اور انہیں

خدا رہ، منافقہ اور کافر کہیں وہ کشتی میں کیسے سوار ہو سکتے ہیں؟

موصوف کی عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آں محترم کے نزدیک اہل بیت نبویؑ اور ازواج مطہراتؑ الگ الگ اصطلاحات ہیں۔ ان کا ”شیعہ حضرات کے کشتی میں سوار ہونے“ کو تسلیم کر لینا ہی اس کا واضح ثبوت ہے۔

ملی یکجہتی کونسل کے حوالے سے ضابطہ اخلاق میں شامل شق ”اہل بیت“:

پاکستان کی تمام مذہبی جماعتوں پر مشتمل ”ملی یکجہتی کونسل“ (جس کا باضابطہ قیام ۲۳ مارچ ۱۹۹۵ء کو عمل میں آیا تھا) نے لاہور میں منعقدہ اپنے سربراہی اجلاس میں ایک ضابطہ اخلاق کی منظوری دی۔ اس کی شق نمبر ۴، جز ”ب“ ملاحظہ فرمائیں۔

”عظمت ازواج مطہرات و عظمت اہل بیت اطہار و عظمت خلفائے راشدین و عظمت صحابہ کرامؓ و امام مہدی ایمان کا جزء ہیں۔ ان کی تکفیر کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اور ان کی توہین و تنقیص حرام اور قابل مذمت و تعزیر جرم ہے۔“

سپاہ محمدؐ کے سربراہ مرید عباس یزدانی نے اس ترتیب پر شدید احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ:

”چونکہ امام (مہدی) فرزند رسول ﷺ ہیں اس لیے آپ کا نام رسول و آل رسول ﷺ کے ساتھ ہی لکھا جائے گا۔ (ماہنامہ سخن چارپارہ۔ اگست ۱۹۹۵ء)

چنانچہ مرید عباس یزدانی کے پرزور احتجاج پر ملی یکجہتی کونسل کے رہنماؤں نے ان کی خواہش کے مطابق مذکورہ شق میں حسب ذیل ترتیب و ترمیم منظور کر لی:

”عظمت رسول ﷺ، عظمت اہل بیت اطہار و امام مہدی، عظمت ازواج

مطہرات اور عظمت صحابہ کرام و خلفائے راشدین ایمان کا جزء ہے۔ ان کی تکفیر کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اور ان کی توہین و تنقیص حرام اور قابل مذمت و تعزیر جرم ہے۔“

(ماہنامہ خلافت راشدہ۔ مئی نمبر ۱۳۰۱ھ۔ ۱۴۱۶ھ۔ جون جولائی ۱۹۹۵ء)

یہ ملحوظ رہے کہ اس سترہ نکاتی ضابطہ اخلاق پر دستخط کرنے والوں میں ”علی بیگہتی کونسل“ کے سربراہ اور جمعیت علماء پاکستان کے صدر مولانا شاہ احمد نورانی، جماعت اسلامی کے امیر قاضی حسین احمد، جمعیت علماء اسلام (فضل الرحمن گروپ) کے سربراہ مولانا محمد اجمل خان، تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے سربراہ علامہ ساجد نقوی، جمعیت علماء پاکستان کے صدر مولانا عبدالستار خان نیازی، سپاہ صحابہ کے مولانا ضیاء القاسمی، مرکزی جمعیت اہل حدیث کے پروفیسر سینیئر ساجد میر، سواد اعظم اہل سنت کے سربراہ مولانا اسفندیار خان، حزب جہاد کے امیر آغا مرتضیٰ پویا، جمعیت علماء اسلام (س) کے امیر مولانا سمیع الحق اور سپاہ محمد کے امیر مرید عباس یزدانی شامل تھے۔

ان اکابرین کے علاوہ دیگر جن اہم رہنماؤں نے اپنے دستخط ثبت کیے ان میں جنرل کے ایم اظہر، پیر اعجاز ہاشمی، پروفیسر شاہ فرید الحق، محمد خان انصاری، مولانا اجمل قادری، قاضی عبداللطیف، مولانا امیر حسین گیلانی، مولانا احمد خان، حافظ عبدالقادر روپڑی، صاحبزادہ عارف سلیمان روپڑی، میاں فضل حق، حاجی عبدالرزاق ایم پی اے، شیخ حاکم علی ایم پی اے، مولانا کوہ الرحمان، مولانا عبدالملک، مولانا حنیف جالندھری، صاحبزادہ فضل کریم اور انجینئر سلیم اللہ خان شامل تھے۔

(نعت روز ہفتگی۔ صفحہ ۳۲، ۳۳، ۱۸۵۵، ۱۸۵۶، ۱۹۹۵ء)

جہاں علماء اہل سنت کا یہ حال ہو تو وہاں سنی عوام سے کیا شکوہ ہو سکتا ہے؟ ابھی حال ہی میں یکم جولائی ۲۰۰۹ء کو خادم پنجاب محمد شہباز شریف کی صدارت میں مختلف مکاتب فکر کے جید علماء کرام کا ایک خصوصی اجلاس منعقد ہوا جس کے بعد اتفاق رائے سے گیارہ نکاتی ”مشترکہ اعلامیہ“ جاری کیا گیا۔ اس کی شق نمبر چار اور پانچ ملاحظہ فرمائیں:

۴۔ حضور اکرمؐ کے تمام صحابہ کرامؓ بالخصوص خلفائے راشدینؓ اور امہات المؤمنینؓ کا ادب و احترام و تعظیم و تکریم پوری امت مسلمہ کے لیے واجب ہے اور ایسا قول و عمل جس سے ان کی بالواسطہ یا بلاواسطہ تنقیص و اہانت کا پہلو نکلتا ہے حرام ہے۔

۵۔ حب اہل بیت کرام و ائمہ اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین اساس ایمان اور حضورؐ کی محبت کا جزو لاینفک ہے۔ ان ذوات مقدسہ کا ادب و احترام واجب ہے۔ اہل بیت نبویؐ سے بغض و عناد رکھنے والا ایمان سے محروم اور خارج از اسلام ہے۔ ہر ایسا قول و فعل جس سے ان کی بالواسطہ یا بلاواسطہ تنقیص و اہانت کا پہلو نکلتا ہے صریحاً ضلالت و گمراہی ہے۔

حسب ذیل علماء اہل سنت نے اس ”مشترکہ اعلامیہ“ پر دستخط ثبت فرمائے ہیں:

مولانا حنیف جالندھری، مولانا فضل الرحیم، مولانا امجد خان، مولانا زاہد الراشدی، مولانا رشید میاں، مولانا عبدالرؤف ربانی، پیر محمد افضل قادری، مولانا غلام محمد سیالوی اور مولانا محمد شریف رضوی۔ تمام قومی اخبارات میں اس اجلاس کی کاروائی کو بصورت اشتہار شائع کرایا گیا۔ ملاحظہ ہو روزنامہ جناح،

روزنامہ ایکسپریس (۳ جولائی ۲۰۰۹ء)

مذکورہ تفصیل سے بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کس سادہ لوحی، مصلحت پسندی، منصوبہ بندی اور یک طرفہ پروپیگنڈے کے زور سے ازواج مطہراتؑ کو اہل بیت کے مصداق سے عرفاً، قانوناً اور مذہباً خارج قرار دے دیا گیا ہے۔ اور ستم بالائے ستم یہ کہ اس اخراج کا سہرا بھی خود علماء اہل سنت کے سر پر سجا ہوا ہے۔

فلیسک علی الاسلام من کان باکیا۔

جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قرآن مجید میں اہل بیت کے لفظ سے مخاطب کیا ہے۔ خود آنحضرت ﷺ نے ان پر اہل بیت کا اطلاق کیا ہے۔ اور از روئے لغت بھی انہیں کسی طور پر اس کے مصداق سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن ”سبائیت“ اور ”عرف و قانون“ کے سامنے سارے ہی اعظم اہل سنت بے بس نظر آتے ہیں۔

زیر نظر کتاب میں اسی موقف کو دلائل قاہرہ کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ ازواج مطہراتؑ، آنحضرت ﷺ کے بیٹوں (قاسمؑ، عبداللہؑ، ابراہیمؑ) اور بیٹیوں (زینبؑ، رقیہؑ، فاطمہؑ اور ام کلثومؑ) پر ہی اہل بیت رسولؐ اور آل رسولؐ کی اصطلاحات کا اصلاً اور حقیقتاً اطلاق ہوتا ہے۔ بلکہ ازواج مطہراتؑ عترت کے مفہوم میں بھی داخل ہیں۔ اور مجازاً آنحضرت ﷺ کے داماد (ابوالعاصؑ، عثمانؑ، علیؑ) بنوا سے (علیؑ، عبداللہؑ، حسنؑ، حسینؑ) اور نواسیاں (امامہؑ، ام کلثومؑ، اور زینبؑ) اصطلاح اہل بیت کی مصداق ہیں۔ جبکہ تمام امت مسلمہ ”آل رسولؐ“ میں مذہباً ولغۃً داخل و شامل ہے۔ (تفصیل کتاب میں ملاحظہ فرمائیں)

ازواج مطہرات وامہات المؤمنینؓ کا اہل بیت کی اصطلاح سے اخراج جہاں ایذائے رسولؐ کا موجب ہے وہاں ”عرف وقانون“ پر قرآن کو قربان کر دینے کے مترادف بھی ہے۔

کتاب میں جنٹس پیر کرم شاہ الازہری کی تازہ تالیف ”ضیاء النبی“ کے حوالے سے جناب ابوطالب کے ایمان کی بحث ضمناً آگئی ہے۔ موصوف نے آں محترم کا ایمان ثابت کرنے کی سعی لا حاصل فرمائی ہے اور عدم ایمان کے قائلین کو خاموش رہنے کا حکم صادر فرمایا ہے۔

اس کے جواب میں اہل سنت کا صحیح موقف قوی دلائل کے ساتھ پیش کیا گیا کہ آں محترم دولت ایمان سے محرومی کی حالت میں ہی دنیا سے رحلت کر گئے۔ یہ بحث بھی ایک فریق کی ضد، ہٹ دھرمی، غلط بیانی اور محض اصل مسئلہ کی وضاحت کے پیش نظر شامل کتاب کی گئی ہے۔

حضرت مولانا ادریس کاندھلوی صاحبؒ کے نظریہ فضیلت سیدہ فاطمہؓ اور حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کے نظریہ فضیلت سیدہ مریمؓ اور آیت تطہیر میں وارد مذکر کی ضمیروں سے غلط فہمی کا ازالہ کیا گیا ہے۔ اس اختلاف سے ان ہز رکوں کی شان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ کیونکہ انہوں نے جن شخصیات کو مفضول یا نظر انداز فرمایا ہے، ان کے مقام مرتبہ اور عظمت و رفعت کا اندازہ بھی مشکل ہے۔ افسوس کہ مرحومین ان غلط توجیہات کے نتائج پر توجہ نہیں دے سکے۔ ان کے جانشین حضرات سے توقع تھی کہ وہ اس کا ازالہ فرمائیں گے۔ مگر صد افسوس کتاب ہذا کی طباعت ثانیہ کے موقع پر پندرہ

سال بیت جانے کے باوجود ان کے خلف الرشید اس توقع پر پورے نہ اتر سکے۔

اس مختصر کاوش کا مدعا و مقصد محض یہ ہے کہ امت مسلمہ کے افراد اس حقیقت کو سمجھ جائیں کہ ازواج مطہراتؑ ہی آیت تطہیر اور اس میں وارد لفظ ”اہل بیت“ کی اصلاً اور حقیقتاً مصداق ہیں اور دنیا کا کوئی عرف اور قانون انہیں اس اعزاز سے محروم نہیں کر سکتا۔

راقم الحروف اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوا ہے..... اس کا بہتر فیصلہ اہل علم، غیر متعصب، غیر جانبدار اور منصف مزاج قارئین ہی کر سکتے ہیں۔ قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ زیر بحث مسائل کا پوری طرح احساس کرتے ہوئے کامل یکسوئی، دلجمعی اور مکمل غور و فکر کے ساتھ مطالعہ فرمائیں۔ امید واثق ہے کہ انہیں اس کتاب کے مطالعے سے کامل سکون اور اطمینان قلب حاصل ہوگا اور یہی راقم کی عرق ریزی اور شب و روز کی طویل محنت کا پھل ہے۔

راقم الحروف جناب علامہ سعید الرحمن صاحب علویؒ سابق ایڈیٹر ہفت روزہ خدام الدین لاہور کا بطور خاص شکریہ ادا کرنا اپنا خوشگوار اخلاقی فرض سمجھتا ہے۔ جنہوں نے کونا کون مصروفیات کے باوجود راقم کی درخواست کو شرف قبولیت بخشے ہوئے گراں قدر مقدمہ تحریر کر کے حوصلہ افزائی فرمائی۔

ناسپاسی ہوگی اگر اس موقع پر ابن امیر شریعت، فاتح قادیانیت، قاطع رافضیت سید عطاء الحسن شاہ صاحب بخاریؒ کا ذکر خیر نہ کیا جائے۔ موصوف کی نوازشات راقم پر تادم زیست برآمد جاری رہیں، کتاب کی طباعت کے بعد ۱۸

دسمبر ۱۹۹۳ء کو علالت کے باوجود طویل سفر طے کر کے حویلیاں تشریف لائے اور زیر نظر کتاب کی تقریب رونمائی سے بحیثیت مہمان خصوصی انتہائی مدلل اور جامع خطاب فرمایا۔ (ملاحظہ ہو ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان جنوری ۱۹۹۵ء) موصوفؒ شعبان ۱۴۲۰ھ / ۱۲ نومبر ۱۹۹۹ء بروز جمعۃ المبارک ۲۳ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے۔

علاوہ ازیں راقم محقق اہل سنت مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی، برادر مکرم سید کفیل شاہ صاحب بخاری، مدیر ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان، عزیزم محمد صابر حیدری اور جملہ احباب و معاونین کا شکر گزار ہے کہ جن کے اصرار اور تعاون سے زیر نظر کتاب دوبارہ زیور طباعت سے آراستہ ہوئی۔

باری تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ غلطیوں اور لغزشوں کو معاف فرمائے (و ما أبرئ نفسي ان النفس لامارة بالسوء الا ما رحم ربي ان ربي غفور رحيم) اور اس حقیر کاوش کو شرف قبولیت بخشے ہوئے اس امت مسلمہ کی اصلاح کا ذریعہ بنائے۔ آمین

الحمد لله على وضوح الحق وفضوح الباطل والحق احق بالاتباع فماذا بعد الحق الا الضلال فاني تصرفون- انظروا الى ما قال ولا تنظروا الى من قال- ان اخطأت فمَنى وان اصبحت فمَن الله- ان لريد الا الاصلاح مستطعت وماتوفيقى الا بالله- عليه توكلت واليه ائيب- ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم۔

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

خطیب مرکزی جامع مسجد

سیدنا امیر معاویہؓ چوک حویلیاں

آل کی لغوی تشریح

آل رسول ﷺ، آل محمد، اہل بیت رسول، عمرت رسول، آل کساء، آل عبا، بیچ تن پاک اور سادات کی اصطلاحات کثیر الاستعمال ہیں۔ ان ترکیبات نے اسلامی معاشرے میں ایک خاص مفہوم اختیار کر لیا ہے جس سے مراد بالعموم حضرت علیؑ، سیدہ فاطمہؑ اور ان کے دو بیٹے حضرات حسنینؑ لیے جاتے ہیں۔ بعد میں اسی مفہوم میں وسعت پیدا کر کے حضرات حسنینؑ کی تمام اولاد پر ان اصطلاحات کا استعمال ہونے لگا ہے۔ اس مفہوم سے سیدہ فاطمہؑ کی بیٹیاں سیدہ ام کلثومؑ اور سیدہ زینبؑ (جن کے نکاح بالترتیب سیدنا عمرؓ اور سیدنا عبداللہ بن جعفرؑ کے ساتھ ہوئے تھے) کی اولاد اور ان تمام سادات جن کے نکاح غیر سادات کے ساتھ ہوئے کی اولاد کو خارج کر دیا گیا۔ دشمنان اسلام کی ریشہ دوانیوں، سازشوں اور مسلسل پروپیگنڈے کے زور سے ازواج مطہراتؑ کو بھی اہل بیت رسول، آل رسول اور عمرت رسول کے مفہوم سے خارج کر دیا گیا۔ تم بالائے ستم یہ کہ اہل سنت کی عظیم اکثریت نے بھی لاشعوری طور پر اس زہریلے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر مذکورہ اصطلاحات کو صرف حضرت علیؑ کی فاطمی اولاد کے لیے مختص کر دیا۔ جبکہ قرآن حدیث اور لغت کی رو سے ازواج مطہراتؑ کو کسی طور پر بھی خارج قرار نہیں دیا جاسکتا اور وہ ان اصطلاحات کی اولین مصداق ہیں۔ اس تمہید کے بعد ”آل“ کی لغوی تشریح ملاحظہ فرمائیں:

آل کا لفظ اصل میں اہل تھا۔ ہا ہمزہ سے بدل کر دو ہمزے ہوئے اور

اہل بیت رسول کون؟

۴۵

آل کی لغوی تشریح

دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل کر آل بنایا گیا۔ علامہ ابن منظور افریقی مصری آل کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

قَالَ الرَّجُلُ أَهْلُهُ وَاللَّهُ وَالْ رَسُولُ لِأَوْلِيَاءِهِ أَصْلُهَا أَهْلٌ ثُمَّ أَبْدَلَتْ
الْهَاءُ هَمْزَةً فَصَارَتْ فِي التَّقْدِيرِ آلٌ فَلَمَّا تَوَالَتْ الْهَمْزُ تَانِ أَبْدَلُوا الثَّانِيَةَ أَلِفًا
كَمَا قَالُوا آدَمُ وَآخَرُ۔
(لسان العرب - جلد ۱۱ ص ۳۰، طبع بیروت)

آدمی کی آل اس کے اہل و عیال ہوتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی آل ان کے دوستوں کو کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ دراصل اہل تھا پھر حا کو ہمزہ سے تبدیل کیا گیا تو آل ہو گیا۔ جب لگاتار دو ہمزے آئے تو انہوں (اہل عرب) نے دوسرے ہمزے کو الف میں تبدیل کر دیا جیسا کہ آدم اور آخر میں کیا گیا۔

آل کُلِّ شَيْءٍ شَخْصُهُ، یعنی کسی چیز کی آل کے معنی اس چیز کی اپنی شخصیت ہے۔ قرآن پاک اسی مفہوم کے لیے فرماتا ہے۔

”أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ
مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ“
(البقرہ ۲۴۸)

اس صندوق میں تمہارے رب کی طرف سے سامان تسکین اور موسیٰ و ہارون کے بقیہ متروکات ہیں۔

یہاں اولاد موسیٰ و اولاد ہارون کے متروکات ثابت نہیں کیے جاسکتے۔ لہذا آیت میں آل موسیٰ و آل ہارون سے مراد خود ان دونوں پیغمبروں کی اپنی شخصیت ہے۔

الْ رَّجُلُ: أَهْلُهُ وَعِيَالُهُ وَاتِّبَاعُهُ وَانْصَارُهُ

یعنی کسی آدمی کی آل کے معنی ہیں، اس کے بال بچے، اس کے پیروکار اور اس کے مددگار۔

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں۔

الْأُلُّ: بعض کہتے ہیں کہ آل اصل میں اَہْلٌ ہے۔ کیونکہ اس کی تغیر اَہْلٌ آتی ہے۔ مگر یہ لفظ انسانوں سے کسی عَاسَم کی طرف مضاف ہوتا ہے۔ لہذا اسم نکرہ یا زمان و مکان کی طرف اس کی اضافت جائز نہیں۔ اس بنیاد پر اَلْ فُلَانِ کا محاورہ تو استعمال ہوتا ہے لیکن اَلْ زَمَانِ یا اَلْ مَوْضِعِ نہیں بولا جاتا۔ اور نہ ہی اَلْ اَلْخَيَّاطِ (درزی کا خاندان) بلکہ یہ ہمیشہ صاحب شرف اور افضل ہستی کی طرف مضاف ہوتا ہے جیسے اَلْ اَللّٰہُ وَاَلْ السُّلْطَانِ۔

مگر اہل کا لفظ ہر ایک کی طرف مضاف ہوتا ہے۔ چنانچہ جس طرح اَلْ زَمَنِ كُنَّا وَ بَلَدِ كُنَّا اسی طرح اَہْلُ اللّٰہِ وَاَہْلُ اَلْخَيَّاطِ بھی کہہ دیتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اَلْ النّبِیِّ ﷺ سے آپ کے رشتہ دار مراد ہیں۔ اور بعض کے نزدیک اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنہیں علم و معرفت کے لحاظ سے آپ کے ساتھ خصوصی تعلق ہو۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اہل دین دو قسم پر ہیں۔ ایک وہ جو علم و عمل کے لحاظ سے راسخ القدم ہوتے ہیں۔ ان پر اَلْ السَّیِّیِّ وَاُمَمَّتْہِ دونوں لفظ بولے جاسکتے ہیں۔ دوسرے وہ لوگ جن کا علم سراسر تقلیدی ہوتا ہے۔ انہیں اُمت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ

والسلام تو کہا جاتا ہے لیکن آل محمد نہیں کہہ سکتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امة النبی والہ

میں عموم و خصوص کی نسبت ہے؛ یعنی

كُلُّ آلِ النَّبِيِّ اُمَّتُهُ وَلَيْسَ كُلُّ اُمَّةٍ اِلًا لَهُ

حضرت جعفر صادقؑ سے کسی نے دریافت کیا کہ لوگ تمام مسلمانوں کو آل النبیؐ میں داخل سمجھتے ہیں تو انہوں نے فرمایا یہ صحیح بھی ہے اور غلط بھی۔ سائل نے عرض کی یہ کیسے؟ فرمانے لگے غلط تو اس لیے کہ تمام امت آل النبیؐ میں داخل نہیں ہے۔ اور صحیح اس لیے کہ اگر وہ شریعت کے کماحقہ پابند ہو جائیں تو آل النبیؐ کہا جاسکتا ہے۔

(مفردات القرآن اردو۔ ص ۵۷ طبع لاہور)

آل: آل النبیؐ میں ہاشم اور المطلب کی اولاد شامل ہے۔ لیکن ادھر تو شیعوں نے اس لفظ کا مفہوم اتنا محدود کر دیا ہے کہ اس سے صرف آنحضرتؐ کے سب سے قریبی اعزہ اور اخلاف مراد لیے اور ادھر اہل سنت نے اس قدر وسیع کر دیا کہ آپؐ کی تمام امت کو اس میں شامل کر دیا۔ بعد میں یہ لفظ کسی حکمران خاندان کے لیے استعمال ہونے لگا۔ مثلاً آل عثمان یعنی خاندان عثمان، آل بوسعید یعنی عمان اور زنجبار کے حکمرانوں کا خاندان، آل فیصل آل سعود۔ جو عرب کے سعودی خاندان کا سرکاری لقب ہے۔

(اروودائر و معارف اسلام۔ جلد اول ص ۱۹۵)

اسی کتاب کی تیسری جلد ص ۷۷ پر تحریر ہے کہ:

ابن خالویہ نے اپنی تصنیف ”کتاب الآل“ میں آل کے مفہوم میں پچیس اصناف کو شامل کیا ہے۔

سید قاسم محمود لکھتے ہیں کہ:

آل رسول: رسول اللہ ﷺ کی اولاد۔ آپ کے نسب سے تعلق رکھنے والے لوگ۔ آل ایک وسیع المعنی لفظ ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس لفظ کے آجانے سے اس کے معنی قوم، اولاد، خاندان اور وارث کے مشہور ہیں۔ جیسا کہ آل ابراہیم، آل یعقوب، آل عمران، آل لوط، آل ہارون اور آل فرعون وغیرہا قرآنی ترکیب سے ظاہر ہے۔ ایک گروہ کے نزدیک آل رسول کے معنی پیغمبر اسلام حضرت محمد کی لخت جگر سیدہ فاطمہؑ، آپ کے داماد حضرت علیؑ اور آپ کے دونوں اسے حضرات حسنینؑ ہیں۔ پھر اس کے ساتھ ہی اس نقطہ نظر کا ایک اور گروہ آنحضرتؐ کے محترم چچا حضرت عباسؑ، آپؑ کی اولاد اور حضرت علیؑ کے دونوں بڑے بھائیوں حضرت جعفر طیارؑ اور حضرت عقیلؑ ہی اولاد کو بھی آل رسول قرار دیتا ہے۔

اب رہے وہ لوگ جو اس لفظ کے روحانی پہلو کو مد نظر رکھتے ہیں، ان کے نزدیک آنحضرتؐ کی تمام امت یعنی فرزندان توحید، ملت اسلامیہ پر آل رسول کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ نبوت و رسالت وہی چیز ہے کسی نہیں، جس سے خون اور جسم کی وراثت چل سکے۔ جب آنحضرتؐ کی وفات ہوئی تو اس وقت آپؐ کی صلبی اولاد میں حضرت فاطمہؑ اور آپؐ کے خاندان میں عم محترم حضرت عباسؑ، آپؐ کے داماد (حضرت ابوالعاصؑ، حضرت عثمانؑ، حضرت علیؑ) ازواج مطہراتؑ اور آپؐ کے دیگر قریب ترین رشتہ دار بقید حیات تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ روحانی طور پر آنحضرتؐ اپنی امت کے روحانی باپ اور جسمانی طور پر کسی مرد کے باپ نہیں اور آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہراتؑ امت کی مائیں کہلاتی ہیں۔

مختصر یہ کہ چاہے وہ اللہ کے نبی حضرت نوحؑ کا حقیقی بیٹا کنعان ہو یا

آنحضرتؐ کے چچا (ابولہب و ابوطالب) ایمان لانے کی سعادت سے جو بھی محروم رہا وہ آل رسولؐ سے خارج ہے۔ بخلاف اس کے جو صاحب ایمان ہے اسلام کی نسبت سے وہ آل رسولؐ میں داخل ہے۔ علماء اسلام کی وہ کثیر جماعت جس کے نزدیک آنحضرتؐ کی تمام امت پر آل رسولؐ کا اطلاق ہوتا ہے اپنے دعوے کے ثبوت میں یہ دلیل بھی پیش کرتی ہے کہ اسلام نے دنیا کی تمام قوموں اور نسلوں کو ایک باپ حضرت آدمؑ کی اولاد بیان کیا ہے اور وہ لوگ جو اسلام کے دائرے میں داخل ہیں، ایک اللہ کے بندے، اور ایک باپ حضرت آدمؑ کے بیٹے ہونا ان کی حقیقی قومیت قرار دی ہے۔ وہ چاہے کسی نسل اور کسی ملک سے تعلق رکھتے ہیں۔ پس آنحضرتؐ جب اپنی تمام امت مسلمہ کے روحانی باپ ہیں تو ملت اسلامیہ آپؐ کی آل ہے۔

آل رسولؐ سے متعلق یہ خیالات کہ اللہ کے رسولؐ، پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ عربی قریشی الہاشمی کی امت، فرزند ان توحید، ملت اسلامیہ ہی آل رسولؐ کہلاتی ہے اہل سنت کے ہیں۔

اہل تشیع نے اس لفظ کے معنی اتنے محدود کر دیے ہیں کہ ان میں صرف اہل

بیت آتے ہیں.....

ہر چند کہ آنحضرتؐ کے کسی بیٹے سے جو صلی ہو آنحضرتؐ کی نسل نہیں چلی تاہم لغت العرب کے مطابق چچا کے بیٹے بھی تمام قرابتوں پر قیاس کرتے ہوئے اولاد ہیں۔ اس لیے یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ تمام بنی ہاشم جو ایمان لائے آل رسولؐ میں شامل ہیں۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں زید بن ارقم کی روایت سے ظاہر ہے اور یہی سبب ہے کہ تمام مؤمنین بنی ہاشم پر صدقہ حرام ہے..... تاریخ سے یوں تو عبدالمطلب بن ہاشم کی نسل کا ان کے

چار بیٹوں حارث، زبیر، ابوطالب اور حضرت عباسؓ کی اولاد سے قائم ہونا ثابت ہے تاہم عبدالمطلب کے جن بیٹوں سے کثرت کے ساتھ اولاد بڑھی یہاں تک کہ افریقہ سے لے کر تمام وسط ایشیا تک دنیائے اسلام کے گوشے گوشے میں اولاد عبدالمطلب (بنی ہاشم) یعنی آل محمد ﷺ پھیل گئی وہ ابوطالب اور حضرت عباسؓ ہیں۔ سچ تو یہ ہے روحانی اور جسمانی دونوں اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے آل رسول کو جو حقیقت میں آل ابراہیم ہے۔ دنیا کے ہر خطے اور ملک میں پھیلا کر اپنا وعدہ پورا کر دیا کہ اے ابراہیم! میں تیری آل کو وسعت اور زرقی دوں گا۔ (شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، جلد ۳ ص ۴۷۳)

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ:

(ال) قرابتہ النہین حرمت علیہم الصلۃ علی الاختلاف فیہم وقیل

جميع امة الاجابة واليه ذهب نشوان الحمیری امام الغة ومن شعره فی ذلك۔

آل النبی ہم اتباع ملتہ من الاعاجم و السودن و العرب

لو لم یکن الہ الاقرابتہ صل المصلی علی الطاغی ابی لہب

و یدل علی ذلك ایضاً قول عبدالمطلب من ابیات

وانصر علی ال الصلیب و عابدیہ الیوم الک

والمراد بال الصلیب اتباعہ.....

(شرح المسموع ص ۴۷۳)

آل سے آپؐ کے وہ اہل قرابت مراد ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ اور یہ

بھی کہا گیا ہے کہ امت مسلمہ مراد ہے۔ اور امام لغت نشوان حمیری نے بھی یہی مراد

لی ہے۔ اس بارے میں ان کا ایک شعر ہے، عجم، سوڈان اور عرب میں آپ ﷺ

کے متبعین پر مشتمل آپ کی آل ہے۔ اگر یہ (غلط) بات مان لی جائے کہ آل سے مراد صرف رشتہ دار ہوتے ہیں تب تو درود شریف پڑھنے والے کا درود بے ایمان اور طاغوت ابولہب پر بھی پڑے گا۔

جناب عبدالمطلب کا قول بھی اس پر دلالت کرتا ہے

آل صلیب سے مراد اس کے پیرو ہیں۔

شیعہ مفسر ابوعلی فضل بن حسن طبرسی لکھتے ہیں:-

قِيلَ آلَ الرَّجُلِ قَرَابَتُهُ وَأَهْلُ بَيْتِهِ..... وَقَالَ ابْنُ دُرَيْدٍ: آلُ كُلِّ شَيْءٍ

شَخْصَةٍ وَآلُ الرَّجُلِ أَهْلُهُ وَقَرَابَتُهُ۔ (تفسیر مجمع البیان جلد اول ص ۴۰۲ تحت بیت وَأَذْنَعُكُمْ مِنْ آلِ يَزِيدٍ)

کہا گیا ہے کہ آل الرجل سے مراد اس کے رشتہ دار اور اس کے گھر والے

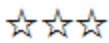
ہیں۔ ابن درید نے کہا ہر شی کی آل اس کی ذات ہے اور آدمی کی آل اس کے اہل

و عیال اور اس کے رشتہ دار ہیں۔

مذکورہ تصریحات سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ لفظ آل ایک کثیر المعانی لفظ

ہے اور اس سے صرف اولاد مراد لے کر ازواج مطہرات کو خارج قرار دینا جہالت

و حماقت اور لغت عرب سے ناواقفی کی علامت ہے۔



لفظ آل قرآن مجید میں

قرآن مجید میں ”آل“ کا لفظ چھبیس (۲۶) مرتبہ آیا ہے اور ہر مرتبہ کسی معروف و مشہور شخصیت کے ساتھ بطور مضاف استعمال ہوا ہے۔ لفظ آل چودہ مرتبہ فرعون کے ساتھ درج ذیل مقامات پر آیا ہے:

۱۔ البقرہ، پارہ ۱، آیت ۴۹	۲۔ البقرہ، پارہ ۱، آیت ۵۰
۳۔ آل عمران، پارہ ۳، آیت ۱۱	۴۔ الاعراف، پارہ ۹، آیت ۱۳۰
۵۔ الاعراف، پارہ ۹، آیت ۱۴۱	۶۔ الانفال، پارہ ۱۰، آیت ۵۲
۷۔ الانفال، آیت ۵۴ میں دو مرتبہ	۹۔ ابراہیم، پارہ ۱۳، آیت ۶
۱۰۔ القصص، پارہ ۲۰، آیت ۸	۱۱۔ المؤمن، پارہ ۲۴، آیت ۲۸
۱۲۔ المؤمن، پارہ ۲۴، آیت ۴۵	۱۳۔ المؤمن، پارہ ۲۴، آیت ۴۶
۱۴۔ القمر، پارہ ۲۷، آیت ۴۱	

آل کا لفظ چار مرتبہ حضرت لوطؑ کے ساتھ آیا ہے:

۱۔ الحجر، پارہ ۱۴، آیت ۵۹	۲۔ الحجر، پارہ ۱۴، آیت ۶۱
۳۔ النمل، پارہ ۱۹، آیت ۵۶	۴۔ القمر، پارہ ۲۷، آیت ۴۳

آل کا لفظ دو مرتبہ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ آیا ہے:

۱۔ آل عمران، پارہ ۳، آیت ۳۳	۲۔ النساء، پارہ ۵، آیت ۵۴
-----------------------------	---------------------------

آل کا لفظ دو مرتبہ حضرت یعقوبؑ کے ساتھ آیا ہے:

۱۔ یوسف، پارہ ۱۳، آیت ۶ ۲۔ مریم، پارہ ۱۶، آیت ۶

ایک مرتبہ حضرت موسیٰ کے ساتھ آیا ہے:

البقرہ، پارہ ۲، آیت ۲۳۸

ایک مرتبہ حضرت ہارون کے ساتھ آیا ہے:

البقرہ، پارہ ۲، آیت ۲۳۸

ایک مرتبہ حضرت داؤد کے ساتھ آیا ہے:

سبا، پارہ ۲۲، آیت ۱۳

اور ایک مرتبہ سیدہ مریم کے والد عمران کے ساتھ آیا ہے:

آل عمران، پارہ ۳، آیت ۳۳

اہل تشیع کے ہاں بھی آل کا لفظ کثرت کے ساتھ بمعنی قوم اور پیروکار استعمال

ہوا ہے۔ ملاں مقبول دہلوی ”وَاعْرِفْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَانْتُمْ تَنْظُرُونَ“ کا ترجمہ کرتا ہے

کہ: ”اور تمہارے دیکھتے دیکھتے فرعون والوں کو ڈبو دیا۔“ (ترجمہ مقبول، جتہ آیت مذکورہ)

ملاں فتح علی کا شانی ”وَإِذْ نَجَّيْنَاكَ مِنَ آلِ فِرْعَوْنَ“ کے تحت لکھتا ہے:

از اتباع و متعلقان فرعون۔ یعنی فرعون کے تابعین و متعلقین سے۔

(تفسیر مجمع الصادقین، جلد اول ص ۱۸۸)

محولہ بالا تمام آیات میں سیاق و سباق اور شان نزول کی روشنی میں غور و فکر

سے معلوم ہوتا ہے کہ ”آل“ کا مطلب گروہ، اتباع و انصار، جماعت، پیروکار، قوم اور

طرفدار ہے۔ بعض مقامات پر اولاد کو بھی اس میں شامل کیا گیا ہے۔ لیکن وہاں بھی

اتباع و پیروی کا وصف نمایاں ہے اور کسی مقام پر بھی محض اولاد یا رشتہ دار ہونے کی وجہ سے آل کا اطلاق نہیں کیا گیا ہے۔ اسی طرح لفظ آل میں بیوی بھی شامل ہے۔ کیونکہ قرآن نے واقعہ لوطؑ میں بیوی کو مستثنیٰ کر دیا:

إِلَّا آلَ لُوطٍ إِنَّا لَمُنَجِّوهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا مَرْأَتَهُ..... (الحجر، پارہ ۱۴، آیت ۶۰-۵۹)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ آل کے لفظ میں بیوی بھی شامل ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ”آل لوط“ سے ان کی بیوی کو مستثنیٰ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا۔ (النقص، پارہ ۲۰، آیت ۸)

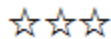
دریا سے سیدہ آسیہ نے حضرت موسیٰؑ کو نکالا تھا جو فرعون کی بیوی تھیں۔ رب نے انہیں آل فرعون کہا۔ معلوم ہوا کہ قرآنی اصطلاح میں بیوی بھی آل ہے۔

علاوہ ازیں قرآن مجید میں لفظ ”آل“ حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ اور حضرت داؤدؑ کے ساتھ تو استعمال کیا گیا ہے لیکن پورے قرآن میں کسی ایک مقام پر بھی اور کسی معنی میں بھی آنحضرت ﷺ کے اسم گرامی کے ساتھ استعمال نہیں کیا گیا۔ آل محمدؐ، آل نبیؐ یا آل رسولؐ قرآنی اصطلاح نہیں ہے۔ اس کا موجودہ مفہوم اور آل عبا و کساء کے ساتھ تخصیص عبد اللہ بن سبا اور اس کی ذریت کی ایجاد ہے۔ جن صحیح احادیث اور روایات میں آنحضرتؐ سے اس کا استعمال ثابت ہے ان میں ازواج مطہراتؓ، مومنین، مخلصین اور تمام فرزندانِ تو حید بھی شامل ہیں۔ رحمۃ للعالمین کے فیض عام کو کسی خاندان یا نسل کے لیے مخصوص کرنا اسلامی تعلیمات کے سراسر منافی ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ تا قیام قیامت تمام بنی نوع انسان کی طرف مبعوث ہوئے ہیں۔ وہ اللہ ہی کا دیا ہوا پیغام امت تک پہنچاتے ہیں۔

جو اس کو قبول کر لیتا ہے وہ آل میں داخل ہو جاتا ہے اور جو اس پیغام کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے وہ آل سے خارج ہو جاتا ہے خواہ اس کی صلبی اولاد ہی کیوں نہ ہو۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب لکھتے ہیں:

رہا آل کا لفظ تو وہ محض حضورؐ کے خاندان والوں کے لیے مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ اس میں وہ سب لوگ آ جاتے ہیں جو آپؐ کے پیرو ہوں اور آپؐ کے طریقے پر چلیں۔ عربی لغت کی رو سے آل اور اہل میں فرق یہ ہے کہ کسی شخص کی ”آل“ وہ سب لوگ سمجھے جاتے ہیں جو اس کے ساتھی، مددگار، متبع ہوں خواہ وہ اس کے رشتہ دار ہوں یا نہ ہوں۔ اور کسی شخص کے اہل وہ سب لوگ کہے جاتے ہیں جو اس کے رشتہ دار ہوں خواہ وہ اس کے ساتھی اور متبع ہوں یا نہ ہوں۔ قرآن مجید میں چودہ مقامات پر آل فرعون کا لفظ استعمال ہوا ہے اور ان میں کسی جگہ بھی آل سے مراد محض فرعون کے خاندان والے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ سب لوگ ہیں جو حضرت موسیٰؑ کے مقابلے میں اس کے ساتھی تھے۔ پس آل محمدؐ سے ہر وہ شخص خارج ہے جو محمدؐ کے طریقے پر نہ ہو۔ خواہ وہ خاندان رسالت ہی کا ایک فرد ہو۔ اور اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جو حضورؐ کے نقش قدم پر چلتا ہو خواہ وہ حضورؐ سے کوئی دور کا نسبی تعلق بھی نہ رکھتا ہو۔ البتہ خاندان رسالت کے وہ افراد بدرجہ اولیٰ آل محمدؐ ہیں جو آپؐ سے نسبی تعلق بھی رکھتے ہیں اور آپؐ کے پیرو بھی ہیں۔

(تفہیم القرآن، حصہ چہارم ص ۱۲۶)



لفظ آل حدیث میں

آل کا لفظ جن وسیع معنوں میں قرآن میں استعمال ہوا ہے اسی طرح احادیث صحیحہ میں بھی زیادہ وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ان روایات سے محض اولاد مراد لینا اور ازواج مطہرات کو خارج قرار دینا جہالت اور ان کی توہین کے مترادف ہے۔ چند روایات ملاحظہ ہوں:

۱۔ إِنَّ النَّبِيَّ لَمَّا سُئِلَ عَنِ الْآلِ قَالَ الْإِ مُحَمَّدٌ كُلُّ تَقِيٍّ۔

(بخاری، شرح صحیح مسلم، ص ۴۷)

آنحضرت ﷺ سے جب آل کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا ہر متقی محمد (ﷺ) کی آل ہے۔

۲۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اللَّهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قُرْتًا۔ (صحیح مسلم، کتاب الزہد)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا اے اللہ! محمد کی آل کو بقدر کفاف روزی دے۔

۳۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا شَبَعَ آلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مُنْذُ قَدِيمِ الْمَدِينَةِ مِنْ طَعَامٍ بُرْ ثَلَاثَ لَيَالٍ تَبَاغَا حَتَّى قُبِضَ۔ (صحیح مسلم، کتاب الزہد)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ کی آل جب سے آپؐ مدینہ منورہ تشریف لائے کبھی تین دن برابر گیہوں کی روٹی سے سیر نہیں ہوئی یہاں تک کہ آپؐ نے وفات پائی۔

۴۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

مَا شَيْعَ آلُ مُحَمَّدٍ مِّنْ خُبْرٍ شَعِيرٍ يُؤْمِنُ مُتَّبِعِينَ حَتَّى قُبِضَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (صحیح مسلم، کتاب الزہد)

آل محمدؐ دو دن تک برابر جو کی روٹی سے سیر نہ ہوئے یہاں تک کہ اللہ کے
رسولؐ کی روح قبض کر لی گئی۔

۵۔ حضرت عائشہؓ ہی سے روایت ہے کہ

مَا شَيْعَ آلُ مُحَمَّدٍ مِّنْ خُبْرٍ بَرٍّ فَوْقَ ثَلَاثٍ۔

تین دن سے زیادہ آل محمدؐ گھروں کی روٹی سے سیر نہیں ہوئے۔

۶۔ حضرت عائشہؓ ہی سے روایت ہے کہ

إِنَّمَا كُنَّا آلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنَمُكُّكَ شَهْرًا مَا نَسْتَوْفِدُ
بِنَارٍ إِنْ هُوَ إِلَّا التَّمَرُ وَالْعَمَاءُ۔ (صحیح مسلم، کتاب الزہد)

ہم آل محمدؐ کا یہ حال تھا کہ مہینہ مہینہ بھر تک آگ نہ سلگاتے، صرف کھجور اور
پانی پر گزارا کرتے۔

۷۔ فَاطِمَاتُ بِنَاتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِسَاءٌ كَثِيرٌ
يَشْكُونَ أَزْوَاجَهُنَّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ طَافَ بِإِلِ مُحَمَّدٍ
نِسَاءٌ كَثِيرٌ يَشْكُونَ أَزْوَاجَهُنَّ لَيْسَ أَوْلَئِكَ بِخِيَارِكُمْ۔ (ابوداؤد، کتاب النکاح)

بہت سی عورتیں آل رسول ﷺ (یعنی ازواج مطہرات) کے پاس جمع
ہوئیں اور اپنے خاوندوں کی شکایتیں کرنے لگیں تو آپؐ نے فرمایا کہ میری گھر والیوں
(آل محمدؐ) کے پاس بہت سی عورتیں اپنے خاوندوں کی زیادتی کی شکایت کر رہی

ہیں (یا درخواپنی بیویوں کو تنگ کرنے والے) اچھے آدمی نہیں ہیں۔

ان تمام روایات میں ازواج مطہراتؑ کے علاوہ اور کون مراد ہو سکتا ہے؟ حتّٰی قُبُضَ کے الفاظ قابل غور ہیں۔ وہ کون سے گھرتھے جہاں آگ نہیں جلتی تھی؟ آنحضرتؐ کی بیٹیاں تو اپنے اپنے گھروں میں رہائش پذیر تھیں۔ حضرات حسینؑ اپنے والدین کے ہمراہ تھے۔ یہ طرز زندگی عین قرآنی احکامات کے مطابق ہے جس کا ذکر سورہ احزاب کی آیت تحریر میں ہے اور یہ احکام صرف ازواج مطہراتؑ کے ساتھ خاص تھے۔

۸۔ جب ازواج مطہراتؑ نے حضرت عثمانؓ کو حضرت ابو بکرؓ کے پاس مال فتنے سے اپنا حصہ لینے کے ارادے سے بھیجنا چاہا تو حضرت عائشہؓ نے انہیں بتایا کہ پیغمبر کا کوئی ورثہ نہیں ہوتا، جو وہ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔

”إِنَّمَا يَأْكُلُ آلُ مُحَمَّدٍ فِي هَذَا الْمَالِ فَإِنَّتَهُیْ أَزْوَاجُ النَّبِیِّ ﷺ۔“

(بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث بنو نضیر)

البتہ محمد ﷺ کی آل اس میں سے کھا سکتی ہے یہ سن کر ازواج النبیؑ نے حضرت عثمانؓ کو بھیجنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

۹۔ حضرت عباسؓ اور حضرت فاطمہؓ نے جب حضرت ابو بکر صدیقؓ سے نبی اکرم ﷺ کے ترکے کی تقسیم کا مطالبہ کیا تو آپؐ نے فرمایا میں نے نبی اکرمؐ سے سنا ہے کہ:

”لَا دُورَکَ مَا تَرَکْنَا صَلَاقَہُ إِنَّمَا يَأْكُلُ آلُ مُحَمَّدٍ فِي هَذَا الْمَالِ۔“

ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ البتہ اس

(عوالد مذکور)

مال میں سے آل محمد کھا سکتے ہیں۔

ایک دوسرے موقع پر نبی اکرمؐ نے ”آل محمدؑ“ کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

لَا يُغْنِسُكُمْ وَرَثَتِي دِينَارًا مَّا تَرَكَتُ بَعْدَ نَفَقَةِ نِسَائِي وَمَوْثِقَةِ عَامِلِي
فَهَوَّ صَدَقَةٌ۔

میرے وارث دینار و درہم تقسیم نہ کریں۔ میری بیویوں اور عامل کی اجرت

کے بعد جو کچھ میں چھوڑ جاؤں وہ صدقہ ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب الوصایہ باب نفقة النبی للوقوف)

نبی اکرمؐ اپنی زندگی میں خود بھی اسی طریقہ پر عمل پیرا رہے چنانچہ حضرت عمرؓ

فرماتے ہیں:

بنو نضیر کے اموال (جو مال فتنے کی تعریف میں آتے ہیں) خاص طور پر

رسول اکرمؐ کے لیے تھے۔

وَكَانَ يُنْفِقُ عَلَى أَهْلِهِ نَفَقَةً سُنَّتُهُ لَمْ يَجْعَلْ مَابَقِيَ فِي السَّلَاحِ
وَالْكَرَاعِ عِدَّةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔

آپ ﷺ ان میں سے اپنی بیویوں کا سال بھر کا خرچ دینے کے بعد باقی

مال کو اسلحہ اور گھوڑوں کی فراہمی کے لیے اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کے واسطے

خرچ فرماتے تھے۔ (صحیح بخاری، کتاب الجہاد باب المحن ومن یقرس یقرس صاحبہ)

۱۰۔ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

مَا امْسَى عِنْدَ آلِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم صَاعٌ بَرٌّ وَلَا صَاعٌ حَبٌّ وَانْ عِنْدَہٗ

لِتَسَعِ نِسْوَةٌ۔

محمد ﷺ کی آل کو کبھی ایسی حالت میں شام نہیں ہوئی کہ ان کے پاس ایک

صاع گیہوں یا ایک صاع (کوئی اور) غلہ ہو، حالانکہ ان کی نویویاں ہیں۔

(صحیح بخاری کتاب البیوع، باب شرائط بیعی بائع)

اس حدیث میں نبی اکرمؐ نے خود ”آل محمدؐ“ کی تشریح کرتے ہوئے اس سے ”ازواج مطہرات“ مراد لی ہیں۔

۱۱۔ حضرات صحابہ کرامؓ نے آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ ہم آپؐ پر درود کیسے بھیجا کریں۔ آپؐ نے فرمایا یوں کہا کرو:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ
وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ
مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ۔

(رواہ البخاری و مسلم، بحوالہ معارف النجد، جلد سوم، ص ۲۹۸)

اے اللہ اپنی خاص رحمت فرما حضرت محمد ﷺ پر اور آپؐ کے گھروالوں پر
جیسا کہ تو نے رحمت فرمائی حضرت ابراہیمؑ پر اور ان کے گھروالوں پر، بے شک تو حمد و
ستائش کے لائق اور عظمت و بزرگی والا ہے۔

حضرت مولانا منظور نعمانی صاحبؒ لکھتے ہیں:

اس درود شریف میں آل کا لفظ چار دفعہ آیا ہے۔ ہم نے اس کا ترجمہ
گھرانے والے کیا ہے۔ عربی زبان اور خاص کر قرآن وحدیث کے استعمالات میں
کسی شخص کی آل ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو ان لوگوں کے ساتھ خصوصی تعلق رکھتے
ہوں۔ خواہ یہ تعلق نسب اور رشتے کا ہو جیسے اس کے بیوی بچے یا رفاقت اور عقیدت و
محبت اور اتباع و اطاعت کا جیسے اس کے مشن کے خاص ساتھی اور محبین و متبعین۔ اس

لیے نفس لغت کے لحاظ سے یہاں آل کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔

بہر حال اس عاجز کے نزدیک رائج یہی ہے کہ درود شریف میں آل محمد ﷺ سے آپ کے گھر والے یعنی ازواج مطہرات اور ذریت مراد ہے۔ اور اسی طرح آل ابراہیم سے حضرت ابراہیم کے گھر والے۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کی زوجہ مطہرہ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے:

رَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ ۝

بلاشبہ آل ابراہیم وہی ہیں جن کو اس آیت میں اہل بیت فرمایا گیا ہے۔

(معارف الحدیث، جلد پنجم، ص ۸۷، ۸۸)

۱۲۔ حضرت ابو حمید ساعدیؒ کی روایت میں ہے کہ صحابہ کرام نے نبی اکرمؐ

سے دریافت کیا کہ

يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ نُصَلِّيْ عَلَيْكَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُولُوا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى اِبْرَاهِيْمَ وَبَارَكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔
(صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب هل یصلی علی غیر النبی ﷺ)

یا رسول اللہ! ہم آپ پر درود کس طرح پڑھا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے یوں عرض کیا کرو، اے اللہ اپنی خاص رحمت نازل فرما حضرت محمدؐ پر اور آپ کی ازواج مطہرات اور آپ کی نسل پر جیسا کہ آپ نے رحمت نازل فرمائی آل ابراہیم پر اور خاص برکت نازل فرما حضرت محمدؐ اور آپ کی ازواج مطہرات پر اور آپ کی نسل پر جیسا کہ آپ نے برکتیں نازل فرمائیں آل ابراہیم پر۔ بے شک تو حمد و

ستائش کے لائق اور عظمت و بزرگی والا ہے۔

بخاری کی اس حدیث میں دونوں جگہ آل محمد کی بجائے وَأَزْوَاجُہِ وَذُرِّیَّتُہِ فرمایا گیا ہے۔ تو اس طرح آنحضرتؐ نے خود آل کی تشریح فرمادی کہ اس سے مراد اولاد ازواج مطہرات ہیں اور ثانیاً اولاد و ذریت۔

قاضی سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں:

یہ لفظ (آل) ازواج کے لیے بھی آیا ہے۔ دیکھو ابو نعیم محمد کی حدیث میں
 اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ ہے اور ابو حمید ساعدی کی حدیث میں
 اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اَزْوَاجِہِ ہے۔ یعنی حدیث دوم حدیث اول کی تفسیر
 کرتی ہے۔
 (تہذیب للعالمین، جلد دوم، ص ۱۳۹)

علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں کہ:

بعض محققین نے لکھا ہے کہ نمازوں میں جو درود شریف پڑھتے ہیں اس کے
 الفاظ میں اس آیت سے اقتباس کیا گیا ہے۔
 (ص ۱۲۰، پارہ ۱۲، آیت ۳۷ تفسیر عثمانی)

اس لیے اس درود کو درود ابراہیمی کہا جاتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس میں
 آل ابراہیم اور آل محمد سے کیا مراد ہے۔ ہمارا درود شریف جس میں ﷺ اور آل محمدؐ
 کے لیے رحمت و برکت کی دعا کی جاتی ہے، اس کا اختتام ”إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ“ پر
 ہوتا ہے۔ اور فرشتوں نے جو آل ابراہیمؑ کے لیے رحمت و برکت کی دعا کی ہے اس
 کا اختتام بھی ”إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ“ پر ہوتا ہے۔ آل ابراہیمؑ سے مراد حضرت ابراہیمؑ
 کی زوجہ مطہرہ ہیں، کیونکہ فرشتے ان ہی سے مخاطب ہو کر رحمت و برکت کی دعا مانگ
 رہے ہیں۔ اگر اس سے حضرت ابراہیمؑ کے جملہ رشتہ دار مراد لیے جائیں تو اس کا

مطلب یہ ہوا کہ ہم مغضوب اور ملعون قوم (یہودیوں) کے لیے رحمت اور برکت کی دعا مانگ رہے ہیں کیونکہ وہ سب حضرات ابراہیمؑ کی نسل سے ہیں۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

اس میں شک نہیں کہ ازواج مطہرات بھی آل محمد ﷺ میں داخل ہیں۔ بلکہ اصل مقتضائے لغت یہ ہے کہ ازواج تو آل محمد میں اصالۃً داخل ہوں اور ذریت تبعاً داخل ہو۔ کیونکہ آل کہتے ہیں اہل بیت کو یعنی گھر والوں کو اور گھر والوں کے منہوم میں بیوی سب سے پہلے داخل ہے۔ پس احتمال نہیں ہو سکتا کہ ذریت تو آل میں داخل ہو اور ازواج داخل نہ ہوں۔ (اشرف الجواب ص ۸۶، البصائر فی رمضان ص ۴)

۱۳۔ اِنْ هَدَيْتُمُ الصَّالِحَاتِ اِنَّمَا هِيَ اَوْسَادُ النَّاسِ وَانْهَآ لَا تَجِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِآلِ مُحَمَّدٍ۔ (صحیح مسلم، باب تحریم الزکوٰۃ علی رسول اللہ ﷺ و آلہ و بنو مطلب و بنو فہر) بے شک یہ صدقات تو لوگوں کا میل ہیں اور یہ محمد ﷺ اور ان کی آل کے لیے حلال نہیں۔

امام شافعیؒ اور بعض مالکیہ کے نزدیک بنو ہاشم اور بنو مطلب پر صدقہ حرام ہے۔ امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ وہ صرف بنو ہاشم ہیں اور قاضی عیاضؒ نے کہا کہ بعض علماء کے نزدیک سب قریش اس میں داخل ہیں۔ اور اصح مالکی نے کہا کہ وہ اولاد ہیں قصی کی اور دلیل امام شافعیؒ کی یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ بنی ہاشم اور بنی مطلب ایک ہی ہیں۔ اور آپؐ نے حصہ ذوالقربیٰ کا ان ہی میں تقسیم کیا۔

بنی ہاشم اور بنی مطلب کے موالی میں بھی شافعیہ کے دو قول ہیں اور صحیح یہی ہے کہ ان پر بھی حرام ہے۔ کوفیوں اور ابو حنیفہؒ کا قول بھی یہی ہے کہ حرام ہے اور بعض

مالکیہ بھی یہی کہتے ہیں۔ اصحاب شافعیہ کے نزدیک بنی ہاشم اور بنی المطلب دونوں کے موالی پر حرام ہے اور ان میں کسی طرح کا فرق نہیں۔ (نودی، شرح صحیح مسلم)

آنحضرتؐ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الصَّلَاةَ لَا تَجِلُّ لَنَا وَأَنَّ مَوَالِيَ الْقَوْمِ مِنْ أَنْفُسِهِمْ۔

(جامع ترمذی، ابواب الزکوۃ، باب ملجاء فی کراہیۃ صدقۃ للنسب، واصل بیتہ وموالیہ وایو داؤد ونسائی)

بے شک صدقہ ہمارے لیے حلال نہیں ہے اور کسی گھرانے کے آزاد کردہ غلام بھی ان ہی میں سے ہیں۔

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جس طرح آنحضرت ﷺ کے اہل خانہ کے لیے زکوٰۃ حلال نہیں ہے اسی طرح آپؐ کے اور آپؐ کے خاندان کے غلاموں کے لیے بھی حلال نہیں ہے۔ حتیٰ کہ آزاد ہونے کے بعد بھی وہ زکوٰۃ فتنہ سے کچھ نہیں لے سکتے۔

مورلی: آزاد شدہ غلام کو کہتے ہیں۔ عرب دستور کے مطابق آزاد کردہ غلام اور اس کی اولاد کو آزاد کرنے والے اور اس کے خاندان کے ساتھ ایک خصوصی نسبت اور تعلق قائم ہو جاتا تھا۔ اس لیے جس طرح بنی ہاشم کے لیے زکوٰۃ و صدقات لینا حرام ہے اسی طرح بنی ہاشم کے موالی کے لیے بھی حرام ہے۔ چونکہ آل کے مفہوم میں بیوی شامل ہے لہذا ازواج مطہراتؓ پر بھی زکوٰۃ و صدقات حرام ہیں۔

علامہ آلوسی نے قرطبی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ازواج مطہراتؓ بھی حرمت زکوٰۃ کے حکم میں داخل ہیں۔ لیکن ابن حجر نے کہا کہ:

والمقول بتحريم الزكوة عليهن ضعيف وان حكى ابن عبد البر

الاجماع علیہ فتامل۔

(روح المعانی، جلد ۲، ص ۱۶)

ابن حجر کے اس قول کے ساتھ اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔ جب بنی ہاشم کے موالی پر صدقات و زکوٰۃ حرام ہے جن کے ساتھ ایک مخصوص نسبت اور تعلق قائم ہوا تھا تو ازواج مطہرات جن کے ساتھ ابدی تعلق قائم ہوا ہے ان پر زکوٰۃ کیسے حلال ہو سکتی ہے؟ بقول قاضی عیاضؒ سب قریش اس حرمت میں داخل ہیں تو سیدہ خدیجہؓ، سیدہ عائشہؓ، سیدہ حفصہؓ، سیدہ ام حبیبہؓ، سیدہ سودہؓ اور سیدہ ام سلمہؓ کو قریش سے کون خارج کر سکتا ہے؟

علاوہ ازیں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ ہمارے صدقات واجبہ کی مستحق ہماری مائیں نہیں ہیں تو وہ امہات المؤمنینؓ جن پر ہماری کروڑوں مائیں قربان ہوں وہ کیسے صدقات واجبہ کی مستحق ہو سکتی ہیں؟ جبکہ حضرات صحابہ کرامؓ بھی ان کی مطیع و فرمانبردار اولاد بھی موجود ہو۔

نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ازواج مطہراتؓ کے لیے صدقہ حرام تھا۔

ایک مرتبہ حضرت بریرہؓ نے نبی اکرمؐ کی خدمت میں گوشت بھیجا جو انہیں کسی نے صدقہ دیا تھا تو آپؐ نے فرمایا ”ھولہما صدقۃ ولناھدیۃ“ کہ یہ بریرہؓ کے لیے تو صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ بریرہؓ کے واقعہ سے تین شرعی حکم ثابت ہوئے۔

لوگ ان کو صدقہ دیتے اور وہ ہم کو ہدیہ دیتیں، میں نے اس چیز کا ذکر نبی

اکرم سے کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ:

هو عليها صدقة ولكم هدية فكلوه

وہ اس پر صدقہ ہے اور تمہارے لیے ہدیہ ہے، سو تم اسے کھاؤ۔

(صحیح مسلم، کتاب الزہد، باب اباحة الهبة للنبي ﷺ وكتاب العتق كتاب انما الولاء لمن اعتق)

اس حدیث میں ایک شرعی حکم بیان ہوا ہے۔

دوسرا یہ ہے کہ حق ولاء اسی کو حاصل ہے جو آزاد کرے۔

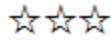
اور تیسرا حکم یہ کہ لونڈی جب آزاد ہو تو اس کو اپنے خاوند کے پاس رہنے کا

اختیار ہوتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا حضرت عائشہؓ کو اس ہدیہ کے کھانے کا حکم یا اجازت دینا اس

بات کا واضح ثبوت ہے کہ اگر صدقہ براہ راست آتا تو حضرت عائشہؓ پر اس کا کھانا

حرام ہوتا۔



آل کی اقسام

قرآن، حدیث اور لغت کی رو سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ لفظ آل ایک کثیر المعانی لفظ ہے۔ اور اس سے صرف اولاد مراد لے کر ازواج مطہرات کو خارج قرار دینا جہاں جہالت و حماقت اور لغت عرب سے ناواقفی کی علامت ہے وہاں شدید ترین ایذائے رسول کا موجب ہو کر دنیا و آخرت میں لعنت کا طوق پہننے ہوئے رسوا کن عذاب کا مستحق بھی بننا ہے۔

گزشتہ بحث کی رو سے آل کا اطلاق حسب ذیل اشخاص پر ہوتا ہے۔

- ۱۔ آل سے پیغمبر کی اپنی شخصیت مراد ہے۔
- ۲۔ آل کا اولین مصداق ازواج مطہرات ہیں۔
- ۳۔ آل سے اولاد اور ذریت طیبہ مراد ہے۔
- ۴۔ آل سے آنحضرت ﷺ کے تمام اہل ایمان قرابت دار مراد ہیں۔
- ۵۔ آل سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں علم و معرفت کے لحاظ سے آپ ﷺ کے ساتھ خصوصی تعلق ہو۔

- ۶۔ جو لوگ شریعت کے مکلفہ پابند ہو جائیں انہیں آل النبی ﷺ کہا جاسکتا ہے۔
- ۷۔ آل میں ہاشم اور مطلب کی وہ ساری اولاد شامل ہے جن پر صدقات حرام ہیں۔
- ۸۔ آل میں بنو ہاشم اور بنو مطلب کے آزاد کردہ غلام بھی داخل ہیں کیونکہ ان پر بھی صدقات حرام ہیں اور وہ ”موالی القوم من انفسہم“ کے تحت ان ہی میں شامل ہیں۔
- ۹۔ آل سے قوم اور وارث مراد ہے۔

۱۰۔ آل رسول کا اطلاق آپ کے اتباع و انصار، امت مسلمہ، اور فرزندان

توحید پر ہوتا ہے۔

الغرض آل کے مفہوم میں ازواج مطہرات، اولاد، اہل قرابت اور اہل دین سب ہی شامل ہیں۔ تو مذکورہ تفصیل کی روشنی میں آل محمد کو حسب ذیل اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ آل مذہبی ۲۔ آل نسبی ۳۔ آل مجازی ۴۔ آل حقیقی

آل مذہبی

نبی اکرم ﷺ کی تمام امت اجابت، فرزندان تو حید اور ملت اسلامیہ آل مذہبی میں داخل ہے۔ آپ مسلمانوں کے بمنزلہ باپ ہیں اور آپ کی ازواج مطہرات مومنین کی مائیں ہیں تو اس طرح ملت اسلامیہ مجموعی طور پر آپ کی آل قرار پاگئی۔ قرآن مجید میں اکثر مقامات پر آل کا لفظ اتباع و انصار کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح درود شریف میں بھی لفظ آل کا اطلاق امت مسلمہ پر ہوتا ہے۔ وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ سے اس کا مزید ثبوت ملتا ہے۔

إِنَّ الْمَلَأَةَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

(احزاب، پارہ ۲، آیت ۵۶)

بلاشبہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی اس پر صلوٰۃ بھیجو اور سلام بھی۔

اس سے صرف تیرہ آیات پہلے بالکل یہی الفاظ تمام اہل ایمان کے لیے بھی آئے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اس کے اولین مخاطب مہاجرین و انصار اور جمیع صحابہ کرام ہیں۔

هُوَ الَّذِي يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّوْرِ
وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيْمًا ۝ (آپ: ۴۳)

(اے ایمان والو) وہ اللہ ہی ہے جو خود بھی اور اس کے فرشتے بھی تم سب پر
صلوٰۃ بھیجتے ہیں، تاکہ تمہیں (جہالت و غفلت کی) تاریکیوں سے نکال کر (علم و حکمت
کی) روشنی کی طرف لے آئے اور وہ تمام اہل ایمان کے لیے رحیم ہے۔
جس طرح اللہ اور اس کے فرشتے رسول ﷺ پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں اسی طرح
اللہ اور اس کے فرشتے اہل ایمان پر بھی صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ اللہ کی طرف سے مومنوں پر
صلوٰۃ نزول رحمت الہی ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے

اُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ (البقرہ: ۱۵۴)

مگر سبائیوں اور سبائیت نوازوں کا کہنا ہے کہ تم صلوٰۃ کو اتنا عام نہ کرو بلکہ
صرف چند افراد تک محدود رکھو اور فقط ان ہی چند افراد کو آل محمدؐ سمجھو اور ان ہی کو صلوٰۃ کا
مستحق جانو۔ اللہ اور اس کے فرشتے تو اہل ایمان پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ خود آنحضرتؐ
کو ایک موقع پر اہل ایمان پر صلوٰۃ بھیجنے کا حکم دیا گیا ہے۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ

صَلٰوَتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ (البقرہ: ۱۰۳)

(اے نبی) ان کے اموال میں سے صدقہ وصول کر کے ان کو پاک و صاف
(مطہر و مزکی) کر دو اور ان پر صلوٰۃ بھیجو۔ بے شک آپؐ کی صلوٰۃ ان کے لیے باعث
سکون و تسکین ہے۔ اور اللہ سننے والے ہیں، جاننے والے ہیں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جن سے آنحضرتؐ نے صدقات و زکوٰۃ وصول فرمائے اور ان پر صلوٰۃ بھیجی؟ وہ اولاد رسولؐ تھے یا غیر اولاد رسولؐ؟ یقیناً وہ غیر اولاد رسولؐ ہی تھے جن سے آنجناب نے صدقات وصول کیے۔ اور انہی پر بحکم الہی صلوٰۃ بھیجی۔ تو اب انہیں درود شریف پڑھتے وقت مستحقین صلوٰۃ سے کیسے خارج کیا جاسکتا ہے۔ جبکہ اللہ بھی ان پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ جیسا کہ آل ابی اوفی کے بارے میں آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا اللہُمَّ صَلِّ عَلٰی اِلٰی لَبِیْ اَوْفٰی، اے اللہ آل ابی اوفی پر صلوٰۃ بھیج۔ (بخاری، ج ۲ ص ۴۷)

تو پھر اللہُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اِلٰی مُحَمَّدٍ کہتے وقت وہ کون سا جذبہ ہے جو تمام (اہل ایمان) مستحقین صلوٰۃ کو خارج کر کے محض چند افراد تک محدود کرنے پر ابھارتا ہے۔ اگر آل فرعون، آل لوط، آل ابراہیم اور آل داؤد سے مراد ان کے پیرو ہیں تو آل محمد ﷺ سے پیروان محمد ﷺ مراد لینے سے کون سی آیت، کون سی حدیث اور کون سی لغت روک سکتی ہے۔

حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کلڑوی رقم طراز ہیں:

قال رسول اللہ ﷺ لکل نبی ال وعدۃ والی وعدتی المؤمن۔
ہر ایک نبی کے لیے اتباع و جماعت ہیں اور میرے تابعین و جماعت وہ لوگ ہیں جنہوں نے مجھ کو صدق دل سے سچا بنی مانا ہے۔

اس حدیث سے جس کو حضرت شیخ اکبرؒ نے فتوحات مکیہ کی دوسری جلد میں بجواب سوال حکیم ترمذی ذکر کیا ہے، صاف ظاہر ہے کہ آل محمد ﷺ سے مراد سب مومن ہیں۔ قارب وازواج واولاد وغیرہم۔

اہل بیت رسول کون؟

۷۱

آل مذہبی

اور لغت والوں، جیسا کہ قاموس وغیرہ نے بھی معنی اقارب و اتباع لیا ہے۔
ہاں اس میں شک نہیں کہ کسی مقام پر اہل بیت و آل محمد ﷺ سے مراد وہ اقارب ہیں
جن پر صدقہ لینا حرام ہے۔ چنانچہ آل علی و آل جعفر و آل عقیل و آل عباس
علیہم الرضوان۔

خلاصہ آنکہ لفظ آل محمد ﷺ مندرجہ درود شریف اور آل ابراہیم و آل فرعون
سے مراد اتباع اور پیرو لوگ ہیں۔ ماسوائے درود شریف جیسا جیسا مقام ہوگا بقریہ نہ
مقام خاص خاص معانی مراد ہوں گے۔ (فتاویٰ ہریہ ص ۱۸، کواثر شریف، جنوری ۱۹۸۸ء)
سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

پس آل محمد ﷺ سے ہر وہ شخص خارج ہے جو محمد ﷺ کے طریقے پر نہ ہو خواہ
وہ خاندان رسالت ہی کا فرد (کیوں نہ ہو)۔ اور اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جو
حضور ﷺ کے نقش قدم پر چلتا ہو خواہ وہ حضور ﷺ سے کوئی دور کا نسب تعلق نہ رکھتا ہو۔
(تفہیم القرآن، جلد ۲، ص ۱۳۶)

قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ ایک سوال کے جواب میں
فرماتے ہیں:

سوال: نبی اکرم ﷺ کی آل میں کون لوگ داخل ہیں؟

جواب: احقر کے نزدیک تو تمام نیک مسلمان حضور ﷺ کی آل میں داخل ہیں۔
(حیات طیبہ، ص ۵۳۲)

اہل تشیع بھی آل محمد ﷺ سے پیرو ہی مراد لیتے ہیں۔ اگر ان کے نزدیک
آل سے صرف اولاد یا ذریت مراد ہوتی تو ضرور اپنے درود میں اسماعیلی اماموں کو

اہل بیت رسول کون؟

۷۲

آل مذہبی

شریک کرتے۔ کیونکہ ان کا آل محمد ﷺ ہونا مسلم ہے، حالانکہ وہ اسماعیلیوں کے کفر کے قائل ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک آئمہ اثنا عشر کے مقابلے میں امامت کا دعویٰ کرنے والے اور ان کے پیرو بھی کافر ہیں۔

اہل سنت کے نزدیک آل رسول ﷺ اور آل محمد کا ایک ہی مفہوم ہے۔ جبکہ اہل تشیع آل رسول کی بجائے ”آل محمد ﷺ“ کی اصطلاح کثرت کے ساتھ استعمال کرتے ہیں اور اسے انہوں نے آئمہ اہل بیت کے لیے مخصوص کر رکھا ہے۔ مندرجہ ذیل بارہ حضرات کو آئمہ اہل بیت کہا جاتا ہے۔

حضرات: ۱۔ علیؑ ۲۔ حسنؑ ۳۔ حسینؑ ۴۔ زین العابدینؑ

۵۔ محمد الباقرؑ ۶۔ جعفر صادقؑ ۷۔ موسیٰ کاظمؑ

۸۔ علی رضاؑ ۹۔ محمد تقیؑ ۱۰۔ علی نقیؑ

۱۱۔ حسن عسکریؑ ۱۲۔ محمد مہدی المنتظرؑ

لیکن یہ صرف فرقہ اثنا عشریہ کے امام ہیں۔ ان کے دیگر فرقوں کے امام جدا

جدا ہیں۔

اہل تشیع جو اپنے ائمہ کو آل رسول ﷺ کی بجائے ”آل محمد ﷺ“ کہتے ہیں اس میں ایک راز یہ بھی ہے کہ ان کے ہر اہم فرقے کا ”محمد“ جدا ہے۔ شیعہ مؤلف عبدالکریم مشتاق لکھتا ہے کہ معصومین نے فرمایا ہے کہ:

اولنا محمد و آخرنا محمد و او سطنا محمد و کلنا محمد۔

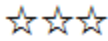
ہمارا اول بھی محمد، ہمارا آخر بھی محمد اور ہمارا درمیان والا بھی محمد اور ہمارے

سب محمد۔ یعنی چودہ معصومین کا نور ایک ہی ہے۔ (علی ولی اللہ ص ۱۰)

۱۔ شیعہ امامیہ اثنا عشریہ: محمد بن حسن عسکری کو امام العصر، امام غائب، امام قائم کہتے ہیں اور اسی نسبت سے آل محمد بنتے ہیں۔

۲۔ شیعہ اسماعیلیہ: محمد بن اسماعیل بن جعفر صادق کو امام اول قائم القیامہ اور ظہور کا امام کہتے ہیں اور خود کو ان کی ذریت بتاتے ہیں۔

۳۔ شیعہ کیسانہ: یہ محمد بن حنفیہ کو اپنا امام مانتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ وہ بادلوں میں چھپے ہوئے ہیں۔ ایک دن ظاہر ہوں گے اور حکومت حاصل کریں گے۔ بہر حال اہل تشیع ”آل محمد“ کی کسی ایک تعریف پر متفق نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں جنہیں یہ ظاہری طور پر آل محمد کہتے ہیں درحقیقت ان کے سخت گستاخ اور بدترین دشمن ہیں۔
(تفصیل آخر میں ملاحظہ فرمائیں)



آل نبی

شجرہ نبی اکرم ﷺ:

محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار لکھتے ہیں کہ:

حضور علیہ السلام کے تمام اہل ایمان قرابت دار ”آل“ میں داخل ہیں بالخصوص ہاشم اور المطلب کی ساری اولاد۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد اول، ص ۱۹۵)

ہر چند آنحضرت ﷺ کے کسی بیٹے سے جو صلیبی ہو آپ کی نسل نہیں چلی تاہم لغت عرب کے مطابق چچا کے بیٹے بھی تمام قرابتوں پر قیاس کرتے ہوئے اولاد میں شامل ہیں، اس لیے کہہ سکتے ہیں کہ وہ تمام بنی ہاشم جو ایمان لائے آل رسول ﷺ میں شامل ہیں۔ اور یہی سبب ہے کہ تمام مومنین بنی ہاشم پر صدقہ حرام ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خمس خیبر کی تقسیم کے وقت سہم ذی القربی میں سے بنی ہاشم اور بنو مطلب ہی کو حصہ دیا تھا۔ امام شافعی کی روایت بھی اسی کے ہم معنی ہے۔ ابو داؤد و نسائی کی روایت میں ہے کہ بنو نوفل اور بنو امیہ نے بھی اپنا حصہ اس بنیاد پر طلب کیا کہ جب بنو مطلب کو شامل کر لیا گیا ہے تو ہمیں بھی اس تقسیم میں شامل کیا جائے۔ اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا:

”أما بنو ہاشم و بنو المطلب شیء واحد ہکذا و شبک بین اصابعہ“

بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک ہی چیز ہیں پھر ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ میں ڈال کر فرمایا، اس طرح۔ (رمز للعالمین جلد ۲ ص ۶۲، نووی شرح صحیح مسلم مترجم، جلد ۲، ص ۸۸)

عبد مناف کے چھ بیٹے تھے: ۱۔ مطلب ۲۔ ہاشم ۳۔ عبد شمس

۴۔ نوفل ۵۔ ابو عمرو ۶۔ ابو عبیدہ

پہلے تین بیٹوں مطلب، ہاشم، اور عبد شمس کی والدہ عاتکہ الکبریٰ بنت مرہ بن ہلال ہے اور مؤخر الذکر تین بیٹوں کی ماں واقد بن عامر بن عامر ہے۔

چونکہ مطلب اور ہاشم کی اہل ایمان اولاد ”آل“ میں شامل ہے لہذا ان ہی کی اولاد کے بارے میں ایک مختصر تجزیہ یہ دیہ قارئین کیا جاتا ہے۔

مطلب بن عبد مناف

مطلب اپنے باپ کے پہلوٹے بیٹے تھے۔ ان کی اولاد ”مطلبی“ کہلاتی ہے۔ ان کے بیٹے حارث ہیں اور حارث بن مطلب کے تین بیٹے صحابی ہیں۔

۱۔ عبیدہ بن حارث، جو غزوہ بدر میں شہید ہوئے۔

۲۔ طفیل بن حارث ۳۔ حصین بن حارث

امام شافعی کا نسب نامہ مطلب بن عبد مناف سے ملتا ہے۔ یعنی محمد بن ادریس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبیدہ القریشی البہاشمی المطلبی۔ ساتویں پشت پر آپ کا سلسلہ نسب آنحضرت ﷺ سے مل جاتا ہے۔

ہاشم بن عبد مناف

یہ نبی اکرم ﷺ کے پردادا ہیں۔ ان کا اصل نام عمرو اور کنیت ابو الاسد تھی۔ سخاوت میں مشہور اور نہایت ہی حسین و جمیل تھے۔

ایک دفعہ مکہ میں قحط سالی کی وجہ سے غذا کی قلت پیدا ہو گئی۔ ہاشم ملک شام سے اپنے تمام اونٹوں پر آنا لا دلائے اور مکہ پہنچ کر دعوت عام کا انتظام کیا۔ اس دعوت میں روٹیوں کو شوربے میں نکلڑے اور چورہ کر کے ڈالا گیا۔ چونکہ ہاشم کے معنی ہیں نکلڑے نکلڑے اور چورہ چورہ کرنا، اس لیے عمرو بن عبد مناف ہاشم کے نام سے مشہور ہو گئے۔ اس کے بعد ہر سال موسم حج میں زائرین کو عام دعوت دیا کرتے اور یہی کھانا جسے ”ثرید“ کہا جاتا ہے کھلایا کرتے تھے۔

ہاشم کی فہم و فراست اور اثر و رسوخ کا اس واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے قیصر روم سے یہ اجازت حاصل کر لی تھی کہ قریش کا مال تجارت شام میں بغیر کسی ٹیکس کے داخل ہوتا رہے۔ قیصر روم اور شاہ حبشہ، نجاشی دونوں ہاشم کا بہت احترام کرتے تھے۔

اس کے علاوہ انہوں نے قریش میں سب سے پہلے یہ طریقہ بھی جاری کیا کہ مکہ مکرمہ سے تجارتی قافلے سال میں دو مرتبہ موسم گرما میں شام کی طرف اور موسم سرما میں یمن و حبشہ کی طرف روانہ ہوا کریں۔

ہاشم بن عبد مناف نے موسم حج میں حوض بنوا کر حجاج کے لیے پانی کا بھی انتظام کیا۔ نیز ان کے طعام و قیام کی سہولتوں پر انہوں نے ہر سال ایک خطیر رقم مختص کر رکھی تھی۔

ہاشم بن عبد مناف کے چار بیٹے ہیں:-

۱۔ عبدالمطلب (عامر، شیبہ) ۲۔ ابی صفی

۳۔ اسد ۴۔ نھلمہ

تاریخ میں ابی صفی، اسد اور نھلمہ کے حالات کم ملتے ہیں۔ بنو خزاعہ کے معاہدے یا عبدالمطلب کے تذکرے میں اس قدر پایا جاتا ہے کہ نھلمہ کا فرزند ارقم اور ابی صفی کے فرزند ان ضحاک اور عمر و بھی بیچا کے ساتھ اس معاہدے میں شریک تھے۔ قاضی سلیمان منصور پوری نے رقیہ بنت ابی صفی بن ہاشم کے اشعار آپ ﷺ کی مدح میں نقل کیے ہیں۔

(ترجمہ لطیف جلد ۱، ص ۶۹)

حضرت شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں کہ:

ہاشم بن عبد مناف کے چار بیٹے تھے۔ مگر ان کی نسل صرف عبدالمطلب بن ہاشم ہی سے چلی ہے۔

(فتح البیوم جلد ۳، ص ۹۹)

ابھی اوپر حوالہ گزرا ہے کہ نھلمہ اور ابی صفی کے فرزند بنو خزاعہ کے معاہدے میں موجود تھے۔

نیز رقیہ بنت ابی صفی بن ہاشم کے مدحیہ اشعار آپ ﷺ کے بارے میں ملتے ہیں۔ ممکن ہے آگے ان کی نسل ختم ہو گئی ہو۔ حالانکہ بہت سے افراد ایسے ہیں جو معروف نہ ہونے کی وجہ سے تاریخ کے صفحات سے غائب یا اولاد قرار دیے جاتے ہیں۔ بہر حال مؤخر الذکر قول کو تسلیم کرتے ہوئے عبدالمطلب بن ہاشم کی اولاد کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ اس وقت جتنے ہاشمی سادات ہیں وہ سب کے سب عبدالمطلب بن ہاشم ہی کی اولاد سے ہیں۔

عبدال مطلب بن ہاشم

حضرت عبدال مطلب نبی اکرم ﷺ کے دادا ہیں۔ ان کا نام عامر اور لقب شیبہ ہے۔ ولادت کے وقت ان کے سر میں کچھ سفید بال تھے، اس لیے شیبہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

عبدال مطلب کی والدہ مدینہ منورہ کی خاتون سلمیٰ بنت عمرو بن زید خزرجی بخاری ہیں۔ بچپن کا ابتدائی حصہ نخیال میں بسر ہوا۔ ہاشم کے انتقال کے بعد مطلب بن عبد مناف انہیں مکہ مکرمہ لے آئے اور نہایت پیار و شفقت کے ساتھ اپنے بھتیجے عامر کی پرورش کی۔ ان ہی احسانات کی وجہ سے ان کی شہرت عبدال مطلب (مطلب کا غلام) کے نام سے ہوئی اور یہی نام ان کے اصل نام پر غالب آ گیا۔

عبدال مطلب نہایت حسین و جمیل، قوی الجثہ، مہمان نواز، فیاض، باوقار، بارعب، سید قریش، شریف قریش، رئیس مکہ، امور خیر کی طرف دعوت دینے والے اور فتنہ و شر سے روکنے والے تھے۔ قریش میں کوئی شخص ان کے اوصاف حمیدہ کا منکر نہ تھا۔ عبدال مطلب کا ایک اہم اور یادگار کا رنامہ بزم زمزم کی دوبارہ تلاش اور کھدائی ہے، جو پہلے غائب ہو گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سقایہ (حجاج کو زمزم پلانے) کا منصب زندگی بھر عبدال مطلب کے پاس رہا۔ ان کے بعد یہ منصب ابوطالب سے ہوتا ہوا حضرت عباسؓ اور پھر ان کی اولاد میں منتقل ہو گیا۔

نبی اکرم ﷺ کا اسم گرامی ”محمد“ عبدال مطلب ہی کا تجویز کردہ تھا اور آپؐ کی آٹھ سال تک تربیت بھی موصوف ہی نے کی تھی۔

یمن کے حاکم ام رہہ کی زیر قیادت کعبہ معظمہ کو منہدم کرنے کا واقعہ جو ”اصحاب الفیل“ کے نام سے مشہور ہے، عبدال مطلب کی سرداری کے دوران ہی پیش آیا تھا۔

عبدال مطلب نے چھ شادیاں کیں اور ان سے ان کے بارہ بیٹے اور چھ بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ بیٹوں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ بعض نے پندرہ لکھی ہے۔ صحیح یہی ہے کہ ان کی تعداد بارہ ہے۔

۱۔ حارث	۲۔ زبیر	۳۔ ابوطالب
۴۔ عبدال کعبہ	۵۔ عبداللہ	۶۔ ابولہب
۷۔ مغیرہ	۸۔ حمزہؓ	۹۔ ضرار
۱۰۔ عباسؓ	۱۱۔ غیداق	۱۲۔ مصعب

بیٹیاں حسب ذیل ہیں:-

۱۔ برہ	۲۔ ام حکیم	۳۔ امیمہ
۴۔ عاتکہ	۵۔ اروی	۶۔ صفیہؓ

عبدال مطلب بن ہاشم کی نسل چار بیٹوں حارث، زبیر، ابوطالب اور حضرت عباس سے آگے چلی۔ آنحضرت ﷺ کے دو چچا حضرت حمزہؓ اور حضرت عباسؓ شرف بہ اسلام ہوئے۔ عبدال مطلب نے عمر بیاسی (۸۲) برس وفات پائی اور حجون میں مدفون ہوئے۔ اُس وقت نبی اکرم ﷺ کی عمر آٹھ (۸) برس تھی۔ آپؐ جنازے کے ساتھ ساتھ فرط محبت سے روتے جاتے تھے۔ بعض روایات کے مطابق وفات کے وقت عبدال مطلب کی عمر ایک سو چالیس سال یا ایک سو دس سال تھی۔

حارث بن عبدالمطلب

عبدالمطلب کے سب سے بڑے بیٹے ہیں۔ ان ہی کے نام پر عبدالمطلب کی کنیت ابو الحارث تھی۔ یہ اپنے والد کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ مگر ان کے چار فرزند ۱۔ حضرت نوفلؓ ۲۔ حضرت عبد اللہؓ

۳۔ حضرت ربیعہؓ ۴۔ حضرت ابوسفیان مغیرہؓ

اسلام اور شرف صحابیت سے شرف ہوئے۔

۱۔ نوفلؓ بن حارث بن عبدالمطلب: غزوہ احزاب یا فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے۔ غزوہ جنین کے موقع پر تین ہزار نیزے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیے۔ ۲۵ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ ان کے تینوں فرزند مغیرہؓ، عبد اللہؓ اور حارثؓ بھی صحابی ہیں۔

مغیرہ بن نوفلؓ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں قاضی مدینہ تھے۔ آنحضرت ﷺ کی نواسی سیدہ امامہ بنت سیدہ زینبؓ بنت رسول ﷺ کا نکاح حضرت علیؓ کے انتقال کے بعد آپ ہی سے ہوا تھا۔ جن سے یحییٰ بن مغیرہ پیدا ہوئے۔

۲۔ عبد اللہ بن نوفلؓ: عبد اللہ بن نوفلؓ کو حضرت عمرؓ نے کوفہ کا حاکم مقرر کیا تھا۔ ان کا چہرہ کسی قدر آنحضرت ﷺ سے مشابہت رکھتا تھا۔

۳۔ حارثؓ بن نوفلؓ بن حارث: حارث بن نوفلؓ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں مکہ کے حاکم تھے۔ ان کے فرزند عبد اللہؓ بھی صحابی ہیں۔ یعنی حضرت نوفلؓ بن حارث بن عبدالمطلب خود، تینوں بیٹے اور ایک پوتا بھی صحابی ہے۔

عبداللہ بن حارث بن عبدالمطلب

موصوف نے حیات نبوی ﷺ میں انتقال فرمایا۔ آنحضرتؐ نے ان کو ”سعید“ کے خطاب سے شرف فرمایا تھا۔

ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب

یہ وہی ربیعہؓ ہیں جن کا ذکر آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں کرتے ہوئے فرمایا ”وان اول دم اضعه دم ابن ربیعہ ابن حارث“ خون کا پہلا مطالبہ جسے میں ختم کرنے کا اعلان کرتا ہوں وہ ربیعہ بن حارث کے خون کا مطالبہ ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ ربیعہؓ کے ایک بیٹے کو عالم شیر خوارگی میں دشمنوں نے مار ڈالا تھا تو آپ ﷺ نے بحیثیت ولی الدم گزشتہ جھگڑوں کا خاتمہ کرنے کے لیے یہ اعلان فرمایا۔ ربیعہ بن حارث کے دو بیٹے عبدالمطلبؓ اور مطلبؓ بھی صحابی ہیں۔ عبدالمطلب بن ربیعہؓ نے دمشق میں سکونت اختیار کر لی تھی اور بوقت وفات امیر یزیدؓ کو اپنا وصی مقرر کیا تھا۔

ابوسفیان مغیرہ بن حارث بن عبدالمطلب

یہ آنحضرت ﷺ کے چچا زاد بھائی ہونے کے علاوہ رضاعی بھائی بھی ہیں۔ انہوں نے بھی حلیمہ سعدیہ کا دودھ پیا تھا۔ عرب کے مشہور شاعر اور صحابی ہیں۔ جب نبی کریمؐ نے اعلان نبوت فرمایا تو ابوسفیان مغیرہ بن حارث نے آپؐ کی اور آپؐ کے صحابہؓ کی بھر کر عداوت و مخالفت کی۔ متواتر بیس سال تک مخالفت میں گزارے۔

اور قریش جب بھی آپؐ کے مقابلے میں آتے تو یہ ہر مرتبہ ان کے ساتھ ہوتے۔
 رمضان ۸ھ میں نبی اکرمؐ کے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے پہلے ”ابواء“ کے مقام پر
 خدمت اقدس میں حاضر ہو گئے۔ انہوں نے قریبی عزیز ہو کر اسلام کی مخالفت میں جو
 شدید اذیتیں حضورؐ کو دی تھیں ان کی بناء پر آپؐ نے ملنے سے انکار کر دیا۔ ابوسفیانؓ نے
 عالم یاس میں کہا کہ اگر معافی نہ ملے تو میں بال بچوں کو عرب کے آتشیں ریگستان میں
 لے جاؤں گا اور ہم سب بھوکے پیاسے رہ کر مرجائیں گے اور مرداران یوسفؑ کے
 الفاظ ”مَا الْمَلِكُ لَقَدْ تَرَكَهُ اللَّهُ عَلَيْنَا وَإِنْ كُنَّا لَخَاطِئِينَ“ (اللہ کی قسم! اللہ نے آپؐ کو
 ہم پر برتری بخشی اور واقعی ہم خطا کار تھے) اس پر آپؐ نے بھی وہی حضرت یوسفؑ والا
 جواب دیا ”لَا تَنْتَرِبْ عَلَيْهِمْ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ“ (تم
 پر آج کے دن کوئی گرفت نہیں ہے۔ اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ رحم کرنے والوں
 سے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔) (ملاحظہ ہو ”محسن انسانیت“ مولفہ فہم مدنی ج ۱ ص ۳۸)

غزوہ حنین میں ثابت قدم رہے۔ آپؐ کی خچر کی باگ ان ہی کے ہاتھ میں
 تھی اور ایک لمحہ کے لیے بھی رکاب نبوی ﷺ سے الگ نہیں ہوئے۔ آنحضرتؐ کو ان
 سے بہت محبت تھی۔ ان کے فرزند عبد اللہؓ اور جعفرؓ دونوں صحابی ہیں۔ جعفر بن ابی سفیانؓ
 غزوہ حنین میں بھی شریک تھے اور حضرت معاویہؓ کے دور خلافت میں وفات پائی۔ ان
 کا سلسلہ نسب بھی جاری ہے اور ان کی اولاد آل رسولؐ میں داخل ہے۔

حضرت ابوسفیانؓ بن حارث کی موت منیٰ میں سر کے بال منڈواتے وقت
 سر میں مسکا کے کٹ جانے کی وجہ سے ۲۰ھ میں مدینہ منورہ میں واقع ہوئی۔ حضرت عمرؓ

نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور قہقہے میں عقیل بن ابی طالب کے مکان میں دفن کیے گئے۔ یہ وہی ہیں جنہوں نے اپنی موت سے تین دن قبل اپنی قبر تیار کر لی تھی۔

(المستدرک جلد سوم ص ۲۵۲ تحت ذکر مناقب ابی حنیفہ)

زبیر بن عبدالمطلب

زبیر، ابو طالب اور حضرت عبداللہ تینوں عینی و حقیقی بھائی ہیں۔ ان کی والدہ کا نام فاطمہ بنت عمرو مخزومیہ ہے۔ حارث بن عبدالمطلب اگرچہ سب بھائیوں میں بڑے تھے لیکن یہ عبدالمطلب کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ حارث کے بعد زبیر سب سے بڑے تھے لہذا یہ اپنے والد کے وصی ہونے کی وجہ سے ان کی وفات کے بعد بنو ہاشم کے سردار مقرر ہوئے۔ بلکہ ایک روایت کے مطابق آخری عمر میں عبدالمطلب کی بیٹائی روز بروز کم ہوتی جا رہی تھی اور بڑے بیٹے حارث کی وفات ہو چکی تھی، اس لیے زبیر نے اپنے والد کی موجودگی ہی میں ان کی تمام ذمہ داریاں سنبھال لیں۔

زبیر بنو ہاشم کے نہایت معزز اور باوقار سردار تھے۔ نخی، بہادر، شاعر، خطیب اور فصیح البیان تھے۔ ان کا پیشہ تجارت تھا اور اس سلسلے میں وہ یمن اور شام کا سفر کرتے رہتے تھے۔ وہ اپنے زمانے کے صاحب ثروت شخص تھے۔

زبیر ”جنگ فجار“ میں ہاشمی خاندان کے سربراہ کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ کی عمر اس وقت تقریباً بیس برس تھی۔ آپؐ نے اس جنگ میں شرکت فرمائی اور تیراٹھا اٹھا کر اپنے چچا زبیر کو دیتے رہے۔

جنگ کے بعد ”حلف الفضول“ کے نام سے امن کا ایک معاہدہ زبیر ہی کی کوشش اور بھاگ دوڑ سے طے پایا۔ اس معاہدے میں نبی اکرم ﷺ نے بھی شرکت فرمائی تھی۔

نبی اکرم ﷺ اپنی چچی عاتکہ بنت ابی وہب بن عمرو زبیرہ زبیر کو ”امی“ (میری ماں) کہا کرتے تھے اور ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ یہ ملحوظ رہے کہ تائی عاتکہ نبی اکرم کی دادی فاطمہ کی سگی بھتیجی تھیں۔ اس لیے تایا اور تائی کی محبت میں کامل خلوص تھا جسے آپؐ نے زندگی بھر محسوس کیا۔

بیٹے کا نام طاہر تھا، جو جوانی ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان ہی کی یاد میں (جوان کے ہم عمر بھی تھے) اپنے ایک بیٹے کا نام طاہر رکھا تھا۔ یہ طاہر بڑے خوش طبع اور زندہ دل نوجوان تھے۔ آپ ﷺ نے اس عقیدت کا اظہار اپنے کسی دوسرے چچا کے ساتھ نہیں کیا کہ ان کی اولاد کے نام پر اپنی اولاد کے نام رکھے ہوں۔ نبی اکرم ﷺ کی پھوپھی سیدہ صفیہؓ نے اپنے بھائی کے نام پر اپنے بیٹے کا نام زبیر رکھا تھا جو یکے اڑشرہ مبشرہ ہیں۔

جب زبیر فوت ہوئے تو اس وقت نبی اکرم ﷺ کی عمر چوبیس برس تھی۔ ان کے ایک فرزند عبداللہؓ صحابی اور دو بیٹیاں صباؓ اور ام کلثیمؓ بھی صحابیات میں شامل ہیں۔

زبیر بحیثیت کفیل محمدؐ

زبیر بن عبدالمطلب کو جو سب سے بڑی سعادت حاصل ہوئی وہ نبی اکرمؐ کی کفالت تھی۔ اگرچہ جمہور ارباب سیر و تاریخ کے نزدیک عبدالمطلب کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی کفالت چچا ابوطالب نے کی تھی لیکن یہ بات خلاف حقیقت ہے۔ علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

عبدالمطلب کے دس بیٹے مختلف ازواج سے تھے۔ ان میں سے آنحضرت ﷺ کے والد عبد اللہ اور ابوطالب ماں جائے بھائی تھے۔ اس لیے عبدالمطلب نے آنحضرت ﷺ کو ابوطالب ہی کے آغوش تربیت میں دیا۔ ابوطالب آنحضرتؐ سے اس قدر محبت رکھتے تھے کہ آپؐ کے مقابلے میں اپنے بچوں کی پروا نہیں کرتے تھے۔ سوتے تو آنحضرتؐ کو ساتھ لے کر سوتے اور باہر جاتے تو ساتھ لے کر جاتے۔

(سیرت النبیؐ جلد اول ص ۱۸)

بلاشبہ علامہ شبلی نعمانی اپنے علم، قلم اور اصول سیرت نگاری سے بالکل ہی انصاف نہیں کر سکے اور اس ”پانچ سطری اقتباس“ میں جملہ امور ہی غلط لکھ گئے۔ یہ صفحات اس اقتباس کے مکمل پوسٹ مارٹم کے متحمل نہیں ہیں۔ یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ موصوف کا یہ دعویٰ کہ

”عبدالمطلب کے دس بیٹے مختلف ازواج سے تھے ان میں سے آنحضرتؐ کے والد عبد اللہ اور ابوطالب ماں جائے بھائی تھے، اس لیے عبدالمطلب نے آنحضرتؐ کو ابوطالب ہی کے آغوش تربیت میں دیا.....“

بالکل غلط، بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہے۔ عبدالمطلب کے بیٹوں کی تعداد (جیسا کہ پیچھے ”عبدالمطلب“ کے حالات میں گزر چکی ہے) کے بارے میں اختلاف ہے، ”بعض نے پندرہ لکھی ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ بارہ ہے۔“

اسی طرح زیر بحث مضمون یعنی ”زیر بن عبدالمطلب“ کے آغاز میں ہی یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ زیر، ابوطالب اور عبد اللہ تینوں کی والدہ ایک تھیں۔ علامہ شبلی کے اقتباس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ صرف ابوطالب اور عبد اللہ حقیقی بھائی تھے۔ جب صرف ان دونوں کا حقیقی بھائی ہونا خلاف واقع ثابت ہو گیا ہے تو اس بنیاد پر موصوف کا یہ دعویٰ کہ ”اس لیے عبدالمطلب نے آنحضرت ﷺ کو ابوطالب ہی کے آغوش تربیت میں دیا“ بھی خود بخود باطل ہو گیا۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ اب ”کفالت“ سے متعلق اصل روایت ملاحظہ فرمائیں۔

رسول اللہ ﷺ اپنے دادا کی وفات کے بعد اپنے حقیقی چچا حضرت ابوطالب کے پاس رہنے لگے۔

کہتے ہیں کہ حضرت عبدالمطلب نے ابوطالب کو حضو ﷺ کی پرورش کے متعلق وصیت کی تھی۔ کیونکہ حضو ﷺ کے والد ماجد حضرت عبد اللہ اور ابوطالب ایک ماں سے تھے، جن کا نام بی بی فاطمہ بنت عمرو بن عائد بن عمران بن مخزوم تھا۔

(سیرت ابن ہشام ۴، ص ۹۵، مطبوعہ مقبول اکبری لاہور)

پیر کرم شاہ صاحب لکھتے ہیں:

”حضرت عبدالمطلب کی وصیت کے مطابق سرور عالم ﷺ کی نگہداشت کی سعادت حضرت ابوطالب کے حصے میں آئی۔ آپ کی مالی حالت اچھی نہ تھی۔ لیکن اس

کے باوجود آپ نے خدمت گزاری کا حق ادا کر دیا۔ آپ اپنے بچوں سے بھی زیادہ حضور ﷺ سے پیار کرتے تھے۔ ایک لمحہ کے لیے بھی اپنی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتے۔

(نہاء النبی جلد دوم، ص ۹۸)

علمی دنیا میں اس روایت کا جو مقام ہے اس سے اہل علم بے خبر نہیں ہیں۔ ان ہی روایات میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ

ابو طالب مالی حیثیت سے کمزور اور کثیر العیال تھے۔ لیکن وہ اپنے یتیم بھتیجے سے بہت محبت کرتے تھے اور انہیں اکثر اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ ابو طالب کے عیال تنگی ترشی سے بسر کرتے تھے اور انہیں پیٹ بھر کر کھانا نہ ملتا تھا۔ یہ دیکھ کر آنحضرتؐ اکثر اوقات صبح صبح چاہ زمزم پر جا کر پانی پی آتے اور جب کھانا رکھا جاتا تو آپؐ دوسرے بچوں کو کھانے دیتے اور خود اس میں یہ کہہ کر شریک نہ ہوتے کہ مجھے خواہش نہیں ہے، میرا پیٹ بھرا ہوا ہے۔

اس قسم کی جملہ روایات ساقط الاعتبار اور محل نظر ہیں۔ کیونکہ کتب تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو طالب کے چار بیٹے طالب، عقیلؓ، جعفرؓ، علیؓ اور دو بیٹیاں ام ہانی (ہند یا فاختہ یا فاطمہ) اور جہانہ، فاطمہ بنت اسد کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ بیٹوں کے درمیان دس دس سال کا فرق تھا۔ یعنی طالب عقیلؓ سے دس سال، عقیلؓ جعفرؓ سے دس سال اور جعفرؓ علیؓ سے دس سال بڑے تھے۔ جب کہ صحیح روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ بعثت کے وقت حضرت علیؓ کی عمر آٹھ سال تھی اور وہ نبی اکرم ﷺ سے بتیس سال چھوٹے تھے۔

حضرت جعفرؓ نبی ﷺ سے بائیس سال، حضرت عقیلؓ نبیؐ سے بارہ سال اور

طالب نبی ﷺ سے دو سال چھوٹے ہوئے۔ ام ہانیؓ اور جمانہؓ کے متعلق یہ بات معلوم نہ ہو سکی کہ ان کی اور بھائیوں کی عمروں کے درمیان کیا فرق ہے۔ لیکن یہ بات قرین قیاس ہے کہ وہ طالب اور عقیلؓ سے عمر میں چھوٹی تھیں۔ البتہ ان بہنوں کے متعلق یہ بات ثابت ہے کہ ان دونوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس طرح عبدالمطلب کی وفات اور مفروضہ کفالت کے وقت آپ ﷺ کی عمر آٹھ برس تھی اور اس وقت ابو طالب کے گھر میں صرف ایک چھ برس کا بچہ طالب تھا۔ اس لیے یہ روایت کہ ابو طالب کثیر العیال تھے اور ان کے بچے کھانے پر ٹوٹ پڑتے اور خود ہی سب کھا جاتے اور آپ محروم رہ جاتے اور ابو طالب کو آپ کے حصے کا کھانا الگ کرنا پڑتا، روایتاً اور درایتاً صحیح نہیں ہے۔

بعد کے داستان کو حضرات جب اس بات کا انکار نہ کر سکے کہ زیر بھی ابو طالب ہی کی طرح عبد اللہ کے حقیقی بھائی ہیں تو انہوں نے یہ افسانہ تراشا کہ نبی اکرم ﷺ کی کفالت کے مسئلے پر زیر اور ابو طالب کے درمیان تنازعہ پیدا ہوا، جس پر قرعہ اندازی کی گئی اور قرعہ ابو طالب کے نام نکلا۔

قرعہ اندازی کا خیال بھی بالکل غلط ہے کیونکہ قرعہ تو ان کے درمیان ڈالا جاتا ہے جن کی حالت ہر اعتبار سے مساوی ہو۔ جناب ابو طالب کی جسمانی معذوری اور مالی حالت کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ جبکہ زیر صاحب حیثیت اور عبدالمطلب کے وصی اور جانشین تھے۔ لہذا والد کے بعد وہی اس وصیت اور عہد کے دستور کے مطابق بنو ہاشم کے سربراہ مقرر ہوئے اور ابو طالب نے بھی تمام خاندانی ذمہ داریوں

میں اپنے بڑے بھائی زہیر کی سیادت و قیادت تسلیم کر لی تھی اور کسی بھی معاملے میں ان سے اختلاف نہیں کیا تھا۔ ایسی صورت میں کفالت کے مسئلے پر قرعہ اندازی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ عبدالمطلب کی وفات کے وقت ان کی نابالغ اور کفالت کی مستحق اولاد میں اس یتیم پوتے کے علاوہ اپنے دو بیٹے حضرت عباسؓ اور حمزہؓ بھی تھے۔ جو بالترتیب نبی اکرم ﷺ سے تقریباً تین سال اور چھ ماہ بڑے تھے۔ ان دو یتیم اور چھوٹے بھائیوں کو ابوطالب نے اپنی کفالت میں لینے کی سرے سے کوئی کوشش حتیٰ کہ خواہش تک نہ کی، بھتیجے کی کفالت کے لیے یہ زور و اصرار اور بھائیوں کو نظر انداز کر دینا بعید از فہم ہے۔ کیونکہ یہ دو بھائی بھی یتیم، کم سن اور کسی کی کفالت کے حاجت مند تھے۔

قرعہ اندازی کی روایت کے ساقط الاعتبار ثابت ہو جانے کے بعد ”یار لوگوں“ نے یہ روایت وضع کی کہ ”خود ننھے آٹھ سالہ بچے نے اپنے چچا ابوطالب کی کفالت میں رہنا پسند کیا کیونکہ ابوطالب آپ ﷺ پر زیادہ مہربان اور مائل بہ لطف و کرم تھے۔“

کاش کہ واضعین روایت عبدالمطلب کی وفات تک اور نبی اکرم ﷺ کی ولادت کے بعد پورے آٹھ سال تک ابوطالب کے لطف و کرم اور مہربانی کی کوئی ایک مثال بھی پیش کر دیتے۔ لیکن اسے کیا کہیے کہ پورے قدیم ذخیرہ تاریخ میں ضعیف تو درکنار کوئی موضوع روایت بھی موجود نہیں ہے۔ سخت حیرت ہے کہ دادا کی وفات کے بعد اپنی مفلسی کے باوجود اپنے چھوٹے یتیم بھائیوں کو نظر انداز کر کے اور اپنی اولاد پر

یتیم بھتیجے کو ترجیح دیتے ہوئے یکا یک یہ ہمدردانہ جذبہ کیوں کر پیدا ہو گیا؟ اگر یہ جذبہ پیدا ہو ہی گیا تھا تو پھر یہ جذبہ اس وقت کیوں مفقود ہو گیا تھا جب نبی اکرم ﷺ نے ابوطالب کی بیٹی ام ہانی سے شادی کے لیے رشتہ مانگا تھا تو ایسے مشفق چچا نے صاف انکار کر دیا اور ام ہانی کی شادی موذی رسولؐ سمیرہ بن ابی وہب کے ساتھ کر دی۔ جب نبی اکرمؐ نے بطور شکوہ اس بات کا چچا سے ذکر کیا تو ابوطالب نے جواب دیا کہ ”بھتیجے ہم نے ان سے رشتہ کر دیا، محسن محسن کے ساتھ براہ کا احسان کرتا ہے۔“

(طبقات ابن سعد، جلد ۸، ص ۲۱۱ مطبوعہ نئیس اکیڈمی کراچی)

ابوطالب کے برعکس تایا زبیر کی والہانہ محبت و شفقت پر مشتمل روایت کتب طبقات میں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں

ان الزبیر بن عبدالمطلب کان یرقص النبی ﷺ وهو صغیر ویقول

محمد بن عبدالمطلب عشیت بعیش انعم فی عز فرع اسنم۔

(الاصابہ فی تیز الصلحہ، جلد دوم، ص ۳۰۸ تحت عبد اللہ بن زبیر بن عبدالمطلب)

یہ لوری دیگر کتب میں بھی معمولی فرق کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ چنانچہ بلاذری کے علاوہ ابو جعفر محمد حبیب الہاشمی متوفی ۲۴۵ھ نے بھی اپنی تصنیف ”کتاب الممنق“ میں اس کا ذکر کیا ہے کہ:

زبیر بن عبدالمطلب نبی اکرم ﷺ کو بچپن میں ہاتھوں پر جھلاتے وقت کہا کرتے کہ محمد ﷺ میرے بھائی عبد اللہ کی نشانی، آپ عزت و آبرو کے انتہائی اعلیٰ مقام میں خوب خوش حال و آسودہ زندگی گزاریں۔

کفالت کے سلسلے میں علامہ زبیری کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ عبدالمطلب

کی وفات کے بعد زیر اور ابوطالب دونوں مشترکہ طور پر آپ ﷺ کی کفالت کے ذمہ دار ٹھہرے، پھر جب آپ کی عمر ۱۴ سال ہوئی تو زیر کی بھی وفات ہو گئی۔ ان کے بعد ابوطالب تنہا آپ کی کفالت کرنے لگے۔ لیکن علامہ زینی تفصیلی ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ یہ قول کہ عبدالمطلب کی وفات کے بعد زیر اور ان کے بعد ابوطالب نے کفالت کی، محققین کے نزدیک درست نہیں، مگر اس کی وجہ بیان نہیں کی۔ لیکن مشترکہ کفالت کے قول پر انہوں نے بھی اعتراض نہیں کیا۔

(سیرت احمد زینی جلد اول، ص ۸۰ بحوالہ ہادی عظیم ص ۱۴۴ مطبوعہ زوارا کیریجی)

یہ روایت بھی بالکل من گھڑت اور موضوع ہے۔

یہ بات پیچھے گزر چکی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے تایا زیر کی قیادت میں جنگ فجار میں حصہ لیا تھا، اس وقت آپ کی عمر بیس برس تھی۔ سخت تعجب ہے کہ بعض مؤرخین نے یہ قول کس طرح نقل کر دیا کہ زیر بن عبدالمطلب کی وفات کے وقت نبی اکرم کی عمر چودہ برس تھی؟ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کی وفات کے وقت آپ کی عمر چوبیس سال تھی۔ ملاحظہ ہو سیرت رحمۃ للعالمین، جلد دوم، صفحہ ۸۸۔

صاف ظاہر ہے کہ چوبیس سالہ جوان کسی کی کفالت کا محتاج نہیں ہوا کرتا۔ مشترکہ کفالت کا دعویٰ اس سے عجیب تر ہے۔

اردو ادب کے مشہور نقاد پروفیسر ڈاکٹر محمد احسان الحق علامہ شبلی نعمانی کی عربی تالیف ”بداء الاسلام“ کے اردو ترجمے ”سیرت طیبہ“ (مترجمہ میمونہ سلطانہ شاہ بانو) کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ:

غلط فہمی یا لاعلمی کی بناء پر عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے

والد جناب عبداللہ کے ایک ہی ماں جائے بھائی تھے یعنی ابوطالب۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جناب عبداللہ کے ماں جائے بھائی دو تھے۔ ایک جناب زیر اور دوسرے ابوطالب۔ جناب زیر حضرت عبدالمطلب کی وفات کے وقت ان کے سات بقید حیات بیٹوں میں سب سے بڑے تھے اور وہی قریش کے دستور کے مطابق اپنے والد کے جانشین اور بنو ہاشم کے سردار بنائے گئے تھے۔

اپنی وفات سے پہلے حضرت عبدالمطلب نے جناب زیر ہی کو وصیت کی تھی کہ وہ ان کے بعد جناب محمدؐ کی کفالت کریں۔ جناب زیر کی اہلیہ محترمہ عاتکہ بھی (جو حضورؐ کی دادی محترمہ فاطمہ بنت عمرو کی حقیقی بھینچی تھیں) آپؐ سے اپنے بچوں جیسی محبت سے پیش آتی تھیں۔ اعلان نبوت کے بعد کے زمانے میں جناب زیر اور عاتکہ کے بیٹے عبداللہ جب کبھی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپؐ انہیں اپنے پہلو میں بٹھاتے اور فرمایا کرتے تھے ”یہ میری ماں کے بیٹے اور میرے محب ہیں۔“ اپنے تایا جناب زیر کی اہلیہ محترمہ کو ”ماں“ کے مقدس نام سے یاد کرنا آنحضورؐ کے ساتھ اس خاتون کی گہری محبت اور شفقت کا مظہر ہے۔

تاریخ کی تمام کتابوں میں یہ مغالطہ آفرینی پائی جاتی ہے کہ جناب عبدالمطلب کے بعد حضرت ابوطالب نے حضورؐ کی پرورش کی تھی۔ یہ غلط فہمی شاید اس لیے پیدا ہوئی کہ جس زمانے میں نبی کریمؐ نے باقاعدہ عملی زندگی کا آغاز کیا، اس وقت زیر وفات پا چکے تھے اور ابوطالب ان کی جگہ اپنے قبیلے بنو ہاشم کے سربراہ تھے۔ ورنہ اگر تاریخی شہادتوں سے قطع نظر کر کے صرف جناب زیر کی خوشحالی و ثروت اور رسول کریم ﷺ سے آپؐ کی بے پایاں محبت اور اس کے مقابلے میں جناب ابوطالب کی

مفسر و ناداری ہی کو مد نظر رکھا جائے تو بھی یہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ جناب عبدالطلب نے اپنی وفات سے پہلے جناب زبیر ہی کو جناب محمدؐ کی کفالت کا ذمہ دار بنایا ہوگا، جو نہ صرف مال و دولت کے اعتبار سے بلکہ جناب محمدؐ سے محبت و شفقت میں بھی سب بھائیوں سے آگے تھے.....

ایسے ہی واضح حقائق کے پیش نظر مؤرخ بلا ذری نے جناب ابوطالب کی کفالت کے قصے کی تردید کرتے ہوئے صاف لکھا ہے کہ:

”بعض یہ روایت کرتے ہیں کہ زبیر نے اپنی وفات تک نبی کریمؐ کی کفالت کی، پھر ابوطالب نے کی۔“

لیکن یہ غلط ہے زبیر ”حلف الفضول“ میں موجود تھے اور رسول اکرمؐ کی عمر اس وقت کچھ اوپر بیس سال تھی۔“

کفالت کسی بچے یا لڑکے کی ہوتی ہے، بیس سال کا جوان کسی کفالت کا محتاج نہیں ہوتا۔

(سیرت طیبہ۔ ص ۲۸-۳۱ تا یف شملی لہائی، ترجمہ محمد سلطان شاہ بانو، تہذیب و معنی محمد احسان الحق۔ ناشر نغمہ سہل بکس۔ ۱۴۰۰ھ ریدو بازار لاہور)

اس مختصر تجزیہ سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ ابوطالب کی کفالت کے حوالے سے تضاد بیانی اور ناقابل یقین تاویلات پر مبنی جملہ روایات (جو کہ ایک خاص مقصد کے تحت بنو عباس کے عہد میں سبائی ٹکسال میں وضع کی گئی ہیں) جہاں ساقط الاعتبار، موضوع، بے اصل اور خلاف واقع ہیں وہاں یہ بھی واضح ہو گیا ہے کہ عبدالطلب کے بعد خود ان کی وصیت کے مطابق ان کے جانشین اور بنو ہاشم کے سردار زبیر مقرر ہوئے

اور وہی بنو ہاشم کے جملہ امور کے ذمہ دار و نگران قرار پائے۔

یہ بھی ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے چھ سال کی عمر میں اپنی والدہ سیدہ آمنہ کے ساتھ مدینہ منورہ کا سفر کیا اور مدینہ سے واپس آتے ہوئے ”ابو“ کے مقام پر سیدہ آمنہ انتقال کر گئیں اور اسی مقام پر مدفون ہوئیں۔ جہاں سے ام ایمنؓ نبی اکرم ﷺ کو لے کر مکہ مکرمہ آئیں اور آپؐ کو دادا کے سپرد کر دیا گیا۔ دادا چونکہ انتہائی ضعیف اور نابینا تھے اس لیے دادا کی زندگی ہی میں آپ ﷺ تایا زیر اور تائی عاتکہ (جو آپؐ کی حقیقی بہتیجی ہیں) کے پاس رہنے لگے۔

تقریباً دو سال کے بعد جب دادا بھی انتقال کر گئے تو آپؐ مستقل اور باضابطہ طور پر تایا زیر کی کفالت میں آ گئے۔ لیکن آپ ﷺ کی پرورش کے فرائض ام ایمنؓ نے سرانجام دیے۔ یہ خاتون آپ ﷺ کے والد عبد اللہ کی لونڈی تھیں۔ جب آپؐ بڑے ہوئے تو آپؐ نے انہیں آزاد کر دیا۔

یہ ملحوظ رہے کہ اس ”کفالت“ سے مراد مالی کفالت ہرگز نہیں ہے۔ ابو طالب تو اپنی مالی معذوری اور جسمانی نقص کی وجہ سے کسی کی مالی کفالت کر ہی نہیں سکتے تھے۔ البتہ نبی اکرم ﷺ نے ہر دور میں ان کے ساتھ مالی معاونت جاری رکھی حتیٰ کہ بعثت سے قبل حضرت علیؓ کو چچا کا مالی بوجھ کم کرنے کی غرض سے اپنی کفالت میں لے لیا تھا۔

لیکن تایا زیر نے جو کفالت کی اس کا بھی ”مالی کفالت“ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ دادا کی وفات کے بعد نبی اکرم ﷺ کو مالی کفالت کی کوئی ضرورت

نہ تھی۔ آپؐ کو اپنے والد کے ترکے سے مکان، اونٹ اور بھیڑوں کا جو رپوڑ ملا تھا وہ آپؐ کی معاش کے لیے کافی تھا۔ البتہ ان کی دیکھ بھال ضروری تھی جو زیر نے انجام دی اور جب فوت ہوئے تو آپؐ کی عمر چوبیس سال تھی اور اب انہیں کسی کفیل کی مطلقاً کوئی ضرورت نہ تھی۔ چونکہ زیر تجارت پیشہ تھے اور وہ یمن و شام کی طرف تجارتی سفر کرتے رہتے تھے اور نبی اکرمؐ بھی بعض اسفار میں ان کے ہم سفر رہے، اس طرح آنحضرتؐ جوانی ہی میں تجارتی اصولوں سے بھی آگاہ ہو گئے۔

جن روایات میں ابوطالب کے ساتھ شام کے سفر اور اس دوران بحیرا راہب سے ملاقات کا ذکر ہے وہ حد درجہ مستحکمہ نیز اور من گھڑت ہیں۔

اس روایت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بحیرا اور سطورانی راہب نے ابو طالب کو ہدایت کی کہ آپؐ کے بھتیجے منصب رسالت پر فائز ہونے والے ہیں، اس لیے آپؐ انہیں فوراً واپس مکہ بھیج دیں تاکہ یہودیوں کی اذیت سے بچ سکیں۔ چنانچہ ابوطالب نے راہب کی ہدایت پر عمل کیا اور بھتیجے کو ابو بکرؓ یا حضرت بلالؓ کی معیت میں واپس کر دیا۔

عقل کا تقاضا تو یہ ہے کہ دشمن کے خطرے کے پیش نظر کسی بڑے ذمہ دار آدمی کے ساتھ واپس کرنا چاہیے تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ ہمدردیچانے بارہ سالہ بھتیجے کو ابو بکرؓ (جوان سے بھی عمر میں دو سال چھوٹے تھے) کے ساتھ بھیج دیا۔ جہاں تک بلالؓ کی معیت کا تعلق ہے وہ تو اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔

مزید برآں باپ کے ترکے کے علاوہ نبی اکرم ﷺ نے نوجوانی میں بھیڑ بکریاں بھی چرائی ہیں۔ کتب سیر کے علاوہ صحیح بخاری میں بھی یہ روایت موجود ہے کہ

آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا:

”مابعدت الملہ نبیاً الارعی الغنم فقال اصحابہ وانت فقال نعم کنت ارعاهما علی قراریط لاهل مکہ۔“ (صحیح بخاری، کتاب الاجارۃ، باب رعی الغنم علی قراریط) کہ کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے بھیڑ بکریاں نہ چرائی ہوں۔ صحابہؓ نے دریافت کیا کہ کیا آپؐ نے بھی (چرائی ہیں)؟ آپؐ نے فرمایا ہاں، میں اہل مکہ کی بکریاں چند قیراط کے عوض پڑایا کرتا تھا۔

”قراریط“ قیراط کی جمع ہے اور قیراط درہم یا دینار کے ٹکڑے کا نام ہے۔ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ اجرت پر لوگوں کی بکریاں چراتے تھے۔ اسی بنا پر امام بخاری نے مذکورہ حدیث کو ”کتاب الاجارۃ“ میں نقل کیا ہے۔

جبکہ بعض حضرات کے نزدیک ”قیراط“ اجیاد کے قریب ایک مقام کا نام ہے۔ ابن جوزی نے اس قول کو ترجیح دی ہے۔ علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں یہ بحث تفصیل سے لکھی ہے اور قوی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ابن جوزی کی رائے صحیح ہے۔

(بخاری، جلد ۲، ص ۶۳، بحوالہ سیرت النبی ﷺ، جلد اول، ص ۸۲، حاشیہ)

علامہ شبلی نعمانی نے دس بارہ سال کی عمر میں بکریاں پڑانے کا ذکر کیا ہے۔ مذکورہ تفصیل سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ زہیر بن عبدالمطلب نے بنو ہاشم کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے نبی اکرم ﷺ کے اثاثہ جات کی حفاظت و نگہداشت کی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو کسی کا بھی دست نگر نہیں ہونے دیا۔ اہل علم قرآنی آیات ”اَلَمْ یَجْعَلْ لَّیْسَ لَکَ یَتِیْمًا فَاُولٰٓئِیْ وَوَجَّعَلْکَ ضَالًّا فَهَلْ یَدْرِیْ ۚ وَوَجَّعَلْکَ غَآیِبًا فَاَعْنِیْ ۚ“ پر غور فرما لیں۔ اس کلام ربانی کی اصل روح یہ ہے کہ اس نے ذات اقدس ﷺ کو ہر قسم کے

مادی اسباب ووسائل سے بے پروا رکھ کر اپنی آغوشِ رحمت میں لے لیا اور آپؐ کے نشو و ارتقاء کو خالص اپنی تربیت میں کامل و مکمل کیا۔

زبیر بن عبدالمطلب کا تذکرہ قدرے طویل ہو گیا ہے۔ مضمون کے شروع میں بتایا گیا ہے کہ زبیر کے ایک فرزند عبداللہ بن زبیر صحابی ہیں اور دو بیٹیاں صباؓ اور ام حکیمؓ بھی صحابیہ ہیں۔ اب مختصر عبداللہ بن زبیرؓ کے حالات ملاحظہ فرمائیں۔

عبداللہ بن زبیر بن عبدالمطلب

عبداللہ بن زبیرؓ غزوہ خنین میں اپنے چچا حضرت عباسؓ کے ساتھ تھے اور ثابت قدم رہے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے انہیں اپنے پہلو میں بٹھایا، لباس عنایت کیا اور فرمایا کہ یہ میری ماں کے بیٹے ہیں اور ان کے والد میرے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا کرتے تھے۔ عبداللہ بن زبیرؓ بڑے بہادر اور مجاہد تھے۔ وہ بعد خلافت صدیقی جنگِ جنادین میں شہید ہوئے۔ ان کی نعش کے گرد دشمنوں کی نعشوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کیسی شجاعت کے بعد انہوں نے اپنی جان قربان کی تھی۔ آنحضرت ﷺ انہیں ابنِ عَمی وُحَی (میرے چچا کے بیٹے اور میرا محبوب) فرمایا کرتے تھے۔

بعض نے لکھا ہے کہ زبیر بن عبدالمطلب کے بیٹوں کی نسل نہیں چلی۔ یہ بات خلافِ تحقیق ہے۔ ان کی نسل عبداللہ بن زبیر سے آگے چلی ہے۔ مشہور بزرگِ مخدوم شرف الدین تہجدی منیری بہادری کا سلسلہ نسب ان ہی عبداللہ بن زبیر سے ملتا ہے۔

سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبدالمطلب

یہ آنحضرت ﷺ کے چچا ہونے کے علاوہ رضاعی بھائی بھی تھے۔ اسد اللہ و اسد رسول ان کا لقب تھا۔ دعوت کے ابتدائی دور میں ہی اسلام قبول کر لیا اور پھر ہمیشہ ناصر اسلام رہے۔ غزوہ بدر میں نہایت شجاعت و بہادری کے جوہر دکھائے اور غزوہ احد میں دشمنوں کے بڑے بڑے سوراؤں کو خاک و خون میں تڑپا کر خود جام شہادت نوش کر لیا۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں ”سید الشہداء“ کا خطاب دیا اور ان کی لغش پر کھڑے ہو کر فرمایا تھا ”چچا آپ پر اللہ رحم کرے آپ قرابت کا حق خوب ادا کرنے والے اور بکثرت نیکی کرنے والے تھے۔“

حضرت حمزہ کے دو فرزند تھے، عمارہ اور یعلیٰ۔ آپ کی دو بیٹیاں ام الفضل اور امامہ تھیں۔ عمارہ بن حمزہ کا ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام حمزہ ہی رکھا گیا۔ یعلیٰ بن حمزہ کے پانچ بیٹے تولد ہوئے مگر ان کی نسل آگے نہ چلی۔

ام الفضل بنت حمزہ سے ایک حدیث عبد اللہ بن شداد نے روایت کی ہے۔ امامہ وہی لڑکی ہے جن کی پرورش کے بارے میں حضرت زید بن حارثہ، حضرت جعفر طیارؓ اور حضرت علیؓ نے آپ ﷺ کی بارگاہ میں دلائل پیش کیے تھے۔ حضرت زیدؓ نے کہا حمزہ مواخات میں میرے بھائی تھے، اس لیے لڑکی پرورش کے لیے مجھے ملنی چاہیے۔ حضرت علیؓ نے کہا امامہؓ میرے چچا کی لڑکی ہے لہذا اسے میرے ساتھ روانہ کیا جائے۔ حضرت جعفر طیارؓ نے کہا ایک تو یہ میرے چچا کی لڑکی ہے دوسرے اس کی خالہ میری بیوی ہے۔ تو آپ ﷺ نے حضرت جعفرؓ کے حق میں فیصلہ فرما دیا۔

ابولہب بن عبدالمطلب

اس کا نام عبدالعزّٰی تھا۔ یہ آپ ﷺ سے دین اسلام کی وجہ سے ناراض اور عداوت رکھتا تھا۔ غزوہ بدر کے آٹھ دن بعد بعارضۃ طاعون ہلاک ہوا۔ اس کے چار بیٹے تھے۔ دو بیٹے عتبہ اور عتیبہ بحالت کفر بری طرح تباہ ہوئے جبکہ دو بیٹے عقبہ اور معقب فتح مکہ کے دن مشرف بہ اسلام ہوئے۔ (بحوالہ شہدائے اسیروں عالمی کراچی، جلد ۱، ص ۲۱۵)

ان دونوں (عقبہ اور معقب) نے آنحضرت ﷺ کی معیت میں غزوہ حنین میں شرکت کی۔ اس غزوہ میں معقبؓ بن ابی لہب کی ایک آنکھ بھی اللہ کے راستے میں قربان ہو گئی۔

ابولہب کی ایک لڑکی درّہ نے بھی اسلام قبول کیا۔ ان کا نکاح حارث بن نوفلؓ بن حارث بن عبدالمطلب کے ساتھ ہوا۔ درّہ نے آپ ﷺ سے حدیث بھی روایت کی۔ اس طرح عقبہؓ، معقبؓ اور درّہ بھی آل رسول ﷺ میں داخل ہیں۔

حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب

یہ آنحضرت ﷺ سے عمر میں دو سال بڑے تھے۔ اظہار اسلام کے بعد حنین، طائف اور تبوک کے غزوات میں شریک ہوئے۔ آپ اپنے چچا کا بہت احترام کرتے تھے۔ ایک دفعہ فرمایا ”ہذا عمی وصنوا ابی“ یہ میرے چچا ہیں اور میرے باپ کے برابر ہیں۔ حضرت عباسؓ نہایت فیاض، صلہ رحمی کرنے والے اور مستجاب الدعوات تھے۔

عبدالمطلب بن ربیعہ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا

کہ عباسؑ غصے میں بھرے ہوئے آئے۔ آپؐ نے ان سے پوچھا کس چیز نے آپؐ کو غضبناک بنایا۔ انہوں نے جواب دیا یا رسول اللہ، ہمارے اور قریش کے درمیان کیا بیگانگی ہے۔ جب وہ آپؐ میں ملتے ہیں تو نہایت بٹاس چہرے سے ملتے ہیں اور وہ جب ہم سے ملتے ہیں تو اس طرح نہیں ملتے۔ یہ سن کر آپ ﷺ غضبناک ہو گئے یہاں تک کہ آپؐ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور پھر فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے جس شخص کے دل میں ایمان پایا جائے گا وہ تم کو اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے دوست رکھے گا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا لو کو! جو شخص میرے چچا کو ستائے گا اس کے حق میں برا ہوگا، وہ مجھے ستائے گا۔ ”فَإِنَّمَا عَمَّ الرُّجُلُ صِنُوءَ آيَةٍ“ اس لیے کہ چچا باپ کی مانند ہوتا ہے۔

(ترمذی، مشکوٰۃ، باب مناقب اہل بیت)

ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے عباسؑ سے فرمایا کہ پیر کے دن صبح کے وقت اپنی اولاد کو لے کر میرے پاس آنا تاکہ تمہارے لیے دعا کروں جو تمہیں اور تمہاری اولاد کو نفع دے۔ پھر وہ پیر کے دن صبح کے وقت ان کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور (عباسؑ بتاتے ہیں کہ) آپؐ نے ہم پر اپنی چادر ڈالی اور پھر فرمایا اے اللہ! عباسؑ کو اور اس کی اولاد کو بخش دے۔ ظاہر اور باطن دونوں حالتوں میں ان کو پاک کر دے اور ان دونوں کا کوئی گناہ نہ چھوڑ۔

(ترمذی، بحوالہ مشکوٰۃ، باب مناقب اہل بیت النبیؐ)

حضرت عباسؑ کی نسل میں اللہ تعالیٰ نے بہت برکت عطا فرمائی۔ مامون الرشید عباسی نے اپنے دور حکومت میں اولاد عباسؑ کا شمار کر لیا تو سب مردوزن کا شمار

تینتیس ہزار (۳۳۰۰۰) ہوا۔ حضرت عباسؓ نے ۳۲ ہجری میں وفات پائی۔ حضرت عثمان غنیؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ ان کی اولاد حسب ذیل ہے۔

- | | | | |
|---------|--------------|--------------|---------|
| ۱۔ فضل | ۲۔ عبد اللہ | ۳۔ عبید اللہ | ۴۔ معبد |
| ۵۔ قثم | ۶۔ عبدالرحمن | ۷۔ عون | ۸۔ تمام |
| ۹۔ کثیر | ۱۰۔ حارث | ۱۱۔ ام حبیب | |
- فضل بن عباسؓ بن عبدالمطلب:-

بھائیوں میں سب سے بڑے ہیں۔ حضرت عباسؓ کی کنیت ابو الفضل اور ماں کی کنیت ام الفضل ان ہی کے نام پر ہے۔ یہ غزوہ حنین اور حجة الوداع میں شریک تھے اور غسل نبوی ﷺ میں بھی شامل تھے۔ آپ کی بیٹی ام کلثوم بنت فضل بن عباس کا نکاح حضرت حسن بن علیؓ سے ہوا۔ اس کے بعد ابو موسیٰ اشعریؓ سے ہوا۔

عبد اللہ بن عباسؓ:-

حبر الامت اور رأس المفسرین کے لقب سے مشہور ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے لیے علم و حکمت اور کتاب و سنت کے حصول کی دعائیں فرمائی تھیں۔ ڈیڑھ ہزار سے زائد احادیث کے راوی ہیں۔ اسلام کی نشر و اشاعت میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ان کی نسل پاک وہند میں کثرت کے ساتھ پھیلی ہوئی ہے۔ خلفائے بغداد جن کی حکومت ۱۳۲ھ سے ۶۵۰ھ تک قائم رہی ان ہی کی نسل سے تھے۔

عبید اللہ بن عباسؓ:-

حضرت علیؓ نے انہیں حاکم یمن بنایا۔ دوبار امیر حج کے فرائض انجام دیے۔ یہ اجود الناس مشہور تھے۔

معبد بن عباسؓ:-

عہد نبوی ﷺ میں پیدا ہوئے اور ۳۵ھ میں بعد خلافت عثمان غنیؓ افریقہ میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔

قسم بن عباسؓ:-

عبد اللہ بن جعفرؓ سے روایت ہے کہ میں، عبید اللہ اور قسم کھیل رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ وہاں سے گزرے۔ مجھے آگے اور قسم کو اپنے پیچھے سوار کر لیا اور ہمارے لیے دعا فرمائی۔ حضرت علیؓ نے انہیں حاکم مکہ بنایا تھا۔ یہ آپ ﷺ کی تدفین میں شریک تھے اور آپ گولہ میں اتارنے کے بعد سب سے آخر میں یہی آپ سے الگ ہوئے تھے۔ سعید بن عثمان کے ساتھ سمرقند کے جہاد میں شہید ہوئے۔

کثیر بن عباسؓ:-

دس ہجری (۱۰ھ) میں پیدا ہوئے ایک فقیہ اور نہایت ذکی و فاضل تھے۔

عبد الرحمن بن عباسؓ:-

عہد نبوی ﷺ میں پیدا ہوئے اور اپنے بھائی معبد کے ساتھ افریقہ میں شہید ہوئے۔

تمام بن عباسؓ:-

کثیر کے مادر زاد بھائی اور اولاد عباسؓ میں سب سے چھوٹے ہیں۔ بڑے شجاع و بہادر تھے۔ حضرت علیؓ کی جانب سے حاکم مدینہ بھی رہے۔ ان کی اولاد باقی ہے۔

ام حبیب بنت عباسؓ:-

ان کا نکاح اسود بن سفیان عبدالاسد مخزومی سے ہوا تھا اور اسود ام المومنین ام سلمہؓ کے حقیقی بھائی ہیں۔

عبدمناف (ابوطالب) بن عبدالمطلب

آپ کا اصلی نام عبدمناف ہے۔ (مناف ایک بت کا نام ہے) سب سے بڑے بیٹے طالب کے نام پر کنیت ابوطالب ہے، جو نام پر غالب آگئی۔ آپ اپنے بڑے بھائی زبیر بن عبدالمطلب کی وفات کے بعد ان کی وصیت کے مطابق اپنے خاندان کے سردار مقرر ہوئے۔

آپ جسمانی کمزوری (لنگڑاہٹ) کی وجہ سے عملاً کسی معرکے میں شرکت نہ کر سکتے تھے، حتیٰ کہ اپنے حقیقی بھائی عبداللہ (آنحضرت ﷺ کے والد محترم) کی عیادت کے لیے اپنے بھائی زبیر اور برہ وایت دیگر حارث کے ساتھ یثرب کا سفر بھی نہ کر سکے۔ اسی طرح مالی لحاظ سے بھی بہت کمزور تھے اور اپنے بچوں کی کفالت بھی نہیں کر سکتے تھے۔ جس کے پیش نظر آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ نے حضرت جعفرؓ کو اپنی زیر کفالت لے لیا تا کہ چچا پر بوجھ کم ہو۔

کیا ابوطالب مومن تھے؟

ابوطالب نے دس سال تک دور نبوت پایا لیکن آپ ﷺ کی مسلسل تبلیغ کے باوجود دولت ایمان سے محروم رہتے ہوئے سن ۱۰ انبوی میں انتقال کیا۔ ان کے ایمان نہ لانے کا آپ ﷺ کو بہت ہی افسوس رہا۔ مگر اہل تشیع اور شیعہ نواز حضرات اس حقیقت کو جھٹلاتے ہوئے انہیں نہ صرف صاحب ایمان بلکہ ابوالایمان کا لقب دیتے ہیں۔ اور اب ان کے نام کے ساتھ ”علیہ السلام“ بھی تحریر کیا جاتا ہے۔ شیعان علیؑ یہ کیسے برداشت کر سکتے ہیں کہ ان کے امام اول حضرت علیؑ جو ید اللہ، عین اللہ، اسد اللہ ساقی کوثر، مظہر العجائب والغرائب، قرآن ناطق، جامع القرآن اور قسیم النار والجنة ہیں ان کے والد کا شمار مشرکوں میں کیا جائے۔ لہذا ان کا ایمان ثابت کرنے کے لیے متعدد من گھڑت روایات پھیلائی گئیں اور مختلف لائسنس دلائل کا سہارا لیا گیا۔ یہاں تک کہ انہیں ایک فرضی اسلامی نام ”عمران“ سے بھی نوازا دیا گیا۔ بلکہ انتہائی ڈھٹائی سے یہ دعویٰ کر دیا کہ ”آپ کا اصلی نام عمران تھا۔“ (ملاحظہ ہو چودہ ستارے ص ۳۰، مؤلفہ نجم الحسن کراروی) تاکہ ”إِنَّ السَّلَامَ أَصْطَفَىٰ أَدَمَ وَ نُوحًا وَ آلَ إِبْرَاهِيمَ وَ آلَ عِمْرَانَ عَلَى الْغَالِبِينَ“ (آل عمران ۳۳) کی نص قطعی سے ابوطالب کی فضیلت ثابت کی جاسکے۔

ترجمان سبائیت ملا باقر مجلسی لکھتا ہے

جابر نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا لوگ کہتے ہیں کہ ابوطالب کافر مرے۔ آپ نے فرمایا اے جابر! تیرا پروردگار دانائے غیب ہے، میں جب شب معراج زیر عرش پہنچا تو چار نور دیکھے۔ میں نے عرض کی خداوند ایہ نور کیسے ہیں۔ آواز

اہل بیت رسول کون؟

۱۰۵

کیا ابو طالب مومن تھے؟

آئی اے محمد (ﷺ)! ایک نور عبدالمطلب، دوسرا ابو طالب، تیسرا تمہارے باپ عبد اللہ اور چوتھا تمہارے بھائی طالب کا ہے۔ میں نے عرض کی یا الہی! انہوں نے یہ درجہ کس چیز سے پایا ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا اس لیے کہ انہوں نے اپنا ایمان پوشیدہ رکھا اور اپنی قوم سے تقیہ کیا اور ان کے ظلم و آزار پر صبر کیا، یہاں تک کہ دنیا سے رحلت کی۔

(جلاء العیون اردو، ص ۲۶۳)

شیعہ مجتہد ظل حسنین زیدی لکھتا ہے:

نور محمدی ہمیشہ اصحاب موحدین و ساجدین میں منتقل ہوتا ہوا آیا ہے یہاں تک کہ یہ نور صلب عبدالمطلب میں پہنچا۔ وہاں سے دو جز ہو کر ایک حصہ پشت عبد اللہ میں اور دوسرا حصہ پشت جناب ابو طالب میں آیا اور نبی و علی پیدا ہوئے۔ پس نبی و علی کا خاندان ایک ہے، نور ایک ہے، طہارت مکانی ایک ہے۔ (علی اور بیوت، ص ۱۹)

شیعہ مجتہد ثقت الاسلام بشیر انصاری ”فاتح ٹیکسلا“ لکھتا ہے:

ابو طالب آپ (ﷺ) کی خدمت میں آئے تو اپنے تمام وصایا اور تبرکات جو انبیاء کی وصیتیں تھیں کل کی کل اور ان کے تبرکات جو بزرگوں سے محفوظ چلے آ رہے تھے وہ سب ابو طالب نے سرکار کو پیش کر دیے۔ اگر وصی نہ تھے انبیاء کے، تو یہ وصایا اور تبرکات حضور (ﷺ) کو کیوں پیش کرتے؟..... علیؑ نے فرمایا میرے باپ نور سے بنے ہیں اور اس وقت بنے ہیں جب حضرت آدم نہیں بنے تھے۔ دو ہزار سال پہلے آدم سے میرے باپ کو خدا نے نور سے بنایا اور پیدا کیا عالم ارواح میں۔ نور سے پیدا کیا۔ وہ اس طرح پیدا ہوئے ہیں جیسے ہم نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ اللہ نے اس زمانے میں ختم نبوت کی حفاظت کی ذمہ داری میرے باپ کو عطا کی تھی۔ آدم سے لے کر خاتم

تک جتنے انبیاء گزرے ہیں ان سب کی خدمتیں جو کچھ انہوں نے تبلیغ کی ان سب کو بچانے والا یعنی ختم نبوت کا بچانا، آدم کا بچانا، خاتم النبیین کا بچانا، نوح کا بچانا، ابراہیم واسماعیل کا بچانا، ان سب کی نبوتوں کے بچانے والے یہ میرے بابا ہیں۔ اس کے بعد آپ (یعنی حضرت علیؑ) فرماتے ہیں:

میرا باپ وہ ہے کہ روز قیامت تمام انبیاء کی امتیں آئیں گی اور انبیاء آئیں گے۔ اس وقت اگر میرا باپا کل انبیاء کی امتوں کی شفاعت کر دے تو خدا تمام امتوں کو بخش دے گا۔ حضرت نے فرمایا وہ خود نور سے پیدا ہوئے خلقت نورانی ثابت اور وحی انبیاء بھی ثابت۔ خدا نے ان کے فعل کو اپنا فعل کہا، عصمت ثابت۔ (اَلَمْ يَجْعَلْكَ يَتِيْمًا فَاَوَىٰ..... وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَاَغْنَىٰ) پرورش و تربیت کی نسبت اللہ نے اپنی طرف کی، درحقیقت ابوطالب نے کی اور پناہ بھی دی۔ لہذا فعل ابوطالب کو خدا اپنا فعل بتاتا ہے لیکن خدا نے کبھی غیر معصوم کافر کے فعل کو اپنا فعل نہیں کہا تو اب ان کے نام کے ساتھ شیعو! تم پر فرض ہے کہ ان کا نام بغیر علیہ السلام کے نہ لینا۔ یعنی حضرت ابوطالب علیہ السلام کہا کرو۔ یہ ہیں ہمارے عقائد۔ یہی ہم دینیات چاہتے ہیں، اسی کا مطالبہ ہے۔

(مقام اہل بیت، ص ۴۹)

محمود شاہ محدث ہزاروی لکھتے ہیں کہ:

حضرت ابوطالب مومن اور مسلمان ہیں۔ آپ ﷺ کی پرورش و حمایت بیالیس سال کرنے والا، کفار و مشرکین کے کھلم کھلا مقابلے میں رسول خدا کا ساتھ دینے والا کیوں مومن مسلمان نہیں۔ ضرور ہے، جسے ایسے مومن کے ایمان میں تردد رہے اس کے اپنے عدم ایمان میں تردد نہ ہونا چاہیے۔ بیالیس (۳۲) سال کفار

وشرکین کے ہر وار اور حملہ میں سپر بن کر دل میں ایمان رکھنے والا کس درجہ کا مومن، دین و ایمان میں سابق و فائق ہے۔ کتاب وسنت و آثار و انوار کی روشنی میں دین و ایمان کی پہلی منزل بے روک ٹوک سالک حضرت خواجہ ابوطالبؑ کی شان میں معروض ہوا۔

بوعلی عم نبی عظمت تمہاری واہ واہ کفر کے زرخے میں حق کی پاسداری واہ واہ پردہ دار دین و ایمان سابق و فائق ہے بارہویں کے چاند کی نمگساری واہ واہ تیرے دین و ایمان کی عظمت سے غافل بدگھر مصطفیٰ سے دل لگا کر عمر ساری واہ واہ حق سے بیگانے ہی تجھ کو بیگانہ کہیں حق کے پروانے تیری پروانہ داری واہ واہ آل فرعون سے بھی پردہ دار مومن رہا خواجہ ابوطالب تیری ایمانداری واہ واہ بے شبان گنت احسان آپ کے ملت پہ ہیں اس فداکاری پر تنقید بخاری واہ واہ نعت اور نعت شعاری مر حبا صدمر حبا عمر بھر محمود وہ خدمت گزاری واہ واہ (آخر میں لکھتے ہیں کہ) حبیب خدا کا سارا شجرہ دین و ایمان میں کفر و شرک

سے پاک اور حضرت ابوطالب مومن مسلمان ہیں۔ (انوار قادریہ، ص ۱۶، ۲۰۱۷ء)

حال ہی میں وفاقی شرعی عدالت کے جج پیر کرم شاہ الازہری کی تازہ تالیف ”ضیاء النبی ﷺ“ منصف شہود پر آئی جس کی پاکستان ٹیلی ویژن پر بھی خوب تشہیر ہوئی۔ علاوہ ازیں لاہور میٹروپولیٹن کارپوریشن کے جناح ہال میں ایک تعارفی تقریب زیر صدارت پیر صاحب منعقد ہوئی، جس کے مہمان خصوصی ڈاکٹر طاہر القادری نے کہا کہ: ضیاء النبی میں سرور کائنات کی عالم گیر شخصیت کا کامل بیان ہے۔ انہوں نے کہا یہ کتاب طالب علم کے لیے ایک اہم دستاویز اور عام مسلمانوں کے لیے سیرت

النبیؐ اور دیگر اسلامی علوم کا ایک مکمل انسائیکلو پیڈیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ضیاء النبیؐ کی اشاعت سے ایک سو سالہ علمی خلا پر ہو گیا ہے۔ (ضیاء، ص ۹۲، مارچ ۱۹۹۳ء)

پیر صاحب موصوف نے اپنی مذکورہ کتاب کی جلد دوم میں صفحہ ۴۱۸ سے ۴۲۷ تک ابوطالب کا ذکر کیا، جس میں انہوں نے نہایت سطحی، کمزور، خلاف کتاب وسنت اور بودے دلائل کے ساتھ ابوطالب کا ایمان ثابت کرنے کی سعی لامشکور فرمائی جس سے اہل تشیع کے موقف کو تقویت ملی۔ چنانچہ لکھتے ہیں

(آنحضرت ﷺ نے جب ابوطالب کی موت کے وقت کلمہ کی تلقین کی تو جواب میں) حضرت ابوطالب نے کہا:

اگر اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ میرے مرنے کے بعد تمہیں اور تیرے بھائیوں کو لوگ مطعون کریں گے اور قریش یہ گمان کریں گے کہ میں نے یہ کلمہ موت کے ڈر سے پڑھا ہے تو میں ضرور پڑھتا اور میں یہ کلمہ تمہیں خوش کرنے کے لیے پڑھتا۔ جب موت کا وقت قریب آگیا تو حضرت عباسؓ نے دیکھا کہ وہ اپنے ہونٹ ہلا رہے ہیں، انہوں نے کان لگا کر سنا اور عرض کیا اے بھتیجے بخدا میرے بھائی نے وہی کلمہ پڑھا ہے جس کے پڑھنے کا آپ نے انہیں حکم دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”لَمْ أَسْمَعْ“ میں نے نہیں سنا۔

(مزید دلائل میں پرورش، مصائب کا بھیلنا، محبت، دفاع اور قصائد وغیرہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں) بعض لوگوں نے اپنی حد سے تجاوز کرتے ہوئے حضرت عباسؓ کے مقام رفیع پر کچھ زچھا لےنے کی کوشش کی ہے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ وہ حضرت عباسؓ کو جھوٹ سے متهم کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس بات کی پناہ مانگتے ہیں

کہ آپؐ کی ذات کی طرف جھوٹ کی نسبت کریں، خواہ اسلام سے پہلے ہو۔ کیونکہ آپؐ خاندان قریش کے سر تاج اور سردار تھے اور ایک عام عربی بھی جھوٹ نہیں بولتا تھا..... اگر ابوسفیان جیسا آدمی جھوٹ بولنے کی جسارت نہیں کر سکتا تو حضرت عباسؓ جیسی ہستی جو ہاشمی خاندان کا سر تاج اور نبی کریم ﷺ کا محترم چچا ہے کیا اس کے بارے میں یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ اس نے غلط بیانی سے کام لیا ہو؟ (نہاء النبی، جلد ۲، ص ۴۴)

یہاں کمزور، منقطع اور سطحی دلیل کے علاوہ پیر صاحب حضرت ابوسفیانؓ پر ”تبرا“ کے مرتکب بھی ہوئے ہیں۔ حضرت عباسؓ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے کا ذکر بھی عقیدت و احترام کے ساتھ کر رہے ہیں اور یہی حق کا تقاضا بھی ہے لیکن خسر رسولؐ، مجاہد اسلام اور سردار قریش کا ذکر بغیر کسی لقب اور بغیر کسی احترام یا صحابیت کی علامت (ؓ) کے ایک ”عامی“ کی حیثیت سے مبنی بر تعصب کر رہے ہیں۔ علاوہ ازیں ابوطالب جن کا ایمان ہی ثابت نہیں کیا جاسکتا کا ذکر اپنی کتاب میں تقریباً اسی (۸۰) مرتبہ انتہائی احترام کے ساتھ کیا ہے۔ بلکہ طالب کا ذکر بھی اسی جذبے کے ساتھ کرتے ہیں۔ ”حضرت ابوطالب کے بیٹے طالب بھی اسی لشکر (لشکر ابو جہل) میں شریک تھے۔ ان کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ اثنائے سفر کسی قریشی کے ساتھ ان کی گفتگو ہوئی۔“ (نہاء النبی، جلد ۳، ص ۳۰۵)

یہی نہیں بلکہ پیر صاحب ”شہر باؤ“ (جن کا وجود ہی مختلف فیہ ہے)، صفوی ثانی خمینی اور دیگر متاخرین کا ذکر نہایت ہی عقیدت و احترام سے کرتے ہیں۔ جبکہ وہ آنحضرت ﷺ کی ساس جلیل القدر صحابیہ سیدہ ہندؓ، خسر رسولؐ سیدنا ابوسفیانؓ، ماعز

110

اسلمیٰؓ اور ولید بن عقبہؓ یرتبراک کے مرتکب ہوئے ہیں۔

(ملاحظہ ہو مقالات جلد اول ص ۲۸۵، ۳۳۳، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶ اور ضمیمہ الثانی جلد دوم ص ۳۶، سوم ص ۲۸، ۲۸۵)

کاش پیر صاحب تعصب سے بالا ہو کر ایک شرعی حج کی حیثیت سے ابوطالب کے ایمان پر فیصلہ صادر کر دیتے! لیکن انہوں نے اپنی مذکورہ کتاب میں ایک ناکام ترین وکیل کی حیثیت سے اپنا مقدمہ پیش کیا۔ ایک تو اہل تشیع کا وہ غلو اور مبالغہ آمیزی (جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے) اور دوسری طرف پیر صاحب اور ان کے دیگر ہم خیال حضرات کا یہ نکتہ نظر۔ جبکہ پیر صاحب تفسیر لکھتے وقت اتنا تسلیم کر گئے کہ اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ جب حضور ﷺ کے چچا ابوطالب کا آخری وقت آپہنچا تو حضورؐ نے جا کر کہا کہ چچا تم صرف اتنا کہہ دو لا الہ الا اللہ تاکہ میں اپنے رب سے تیری شفاعت کر سکوں لیکن انہوں نے ایسا کہنے سے انکار کر دیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

(مفسرین کے اس قول کے مقابلے میں پیر صاحب تفسیر میں بھی یہ روایت پیش کر رہے ہیں) کہ حضرت عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ آخری وقت میں حضرت ابوطالب کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ حضرت عباسؓ نے کان لگا کر سنا۔ حضور ﷺ نے جب پوچھا کہ کیا کہہ رہے تھے تو آپ نے جواباً عرض کیا کہ وہی کہہ رہے تھے جس کا آپ ﷺ نے ان سے مطالبہ کیا تھا۔ لیکن اگر کسی کے نزدیک دوسری روایتیں اس روایت سے زیادہ قابل قبول ہوں تب بھی اُسے آپ کے حق میں کوئی ناشائستہ بات کہنے سے احتراز کرنا چاہیے کہ ہم منبروں پر کھڑے ہو کر اپنا سارا زور بیان ان کو کافر ثابت کرنے اور ان کو کافر کہنے اور کہتے چلے جانے پر ہی صرف کرتے رہیں، اس سے

بڑھ کر ناشکری اور احسان فراموشی کی کوئی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔

(فیاء القرآن، جلد ۳ ص ۵۰۰)

پیر صاحب نے اپنی کتاب ”ضیاء النبیؐ“ میں اہل سنت کے دلائل کو مطلقاً نہیں چھیڑا۔ صرف ابوطالب کے ایمان کے حق میں ”دلائل“ پیش کرتے ہوئے اہل تشیع کو تو کھلا میدان فراہم کر دیا اور اہل سنت کو یوں فراموش کر دیا کہ ہم منبروں پر کھڑے ہو کر اپنا سارا زور بیان ان کو کافر ثابت کرنے اور ان کو کافر کہنے اور کہتے چلے جانے پر ہی صرف کرتے رہیں اس سے بڑھ کر ناشکری اور احسان فراموشی کی کوئی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

حضرت ابوطالب کے ایمان کا مسئلہ اختلافی ہے اور جو لوگ آپ کے ایمان کے قائل نہیں انہیں یہ بھی مناسب نہیں کہ اپنی زبان پر کوئی ناروا جملہ لے آئیں کیونکہ اس سے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد کو اذیت پہنچتی ہے اور کوئی بعید نہیں کہ حضور سرور عالم کا دل مبارک بھی رنجیدہ ہوتا ہو۔ ہر عقل مند آدمی جانتا ہے کہ ایسے نازک مقامات پر احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ پیر صاحب مزید لکھتے ہیں کہ مولانا شبلی نے اس موضوع پر جو لکھا ہے وہ بھی اس قابل ہے کہ اہل علم اس کا مطالعہ کریں۔ (ضیاء النبیؐ، جلد ۳ ص ۴۷۷)

پیر صاحب کے ”گراں قدر“ مشورہ کے مطابق شبلی نعمانی کی تحریر ہدیہ قارئین کی جاتی ہے:

ابوطالب کی وفات کے وقت آنحضرت ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ پہلے سے موجود تھے۔ آپؐ نے فرمایا مرتے مرتے لا الہ الا اللہ کہہ لیجیے کہ میں خدا کے ہاں آپ کے ایمان کی شہادت دوں۔

ابوجہل اور ابن ابی امیہ نے کہا ابوطالب تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے۔ بالآخر ابوطالب نے کہا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر مرتا ہوں۔ پھر آنحضرت ﷺ کی طرف خطاب کر کے کہا کہ میں وہ کلمہ کہہ دیتا لیکن قریش کہیں گے کہ موت سے ڈر گیا۔ آپؐ نے فرمایا میں آپ کے لیے دعائے مغفرت کروں گا جب تک کہ خدا مجھے اس سے منع نہ کر دے۔ (صحیح بخاری، باب کتاب الیمان، صحیح مسلم)

ابوطالب کا اخیر فقرہ مسلم میں ہے بخاری میں نہیں۔

یہ بخاری اور مسلم کی روایت ہے۔ ابن اسحاق کی روایت ہے کہ مرتے وقت ابوطالب کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ حضرت عباسؓ نے جو اس وقت تک کافر تھے، کان لگا کر سنا تو آنحضرت ﷺ سے کہا تم نے جس کلمہ کے لیے کہا تھا ابوطالب وہی کہہ رہے ہیں۔ اس بنا پر ابوطالب کے اسلام کے متعلق اختلاف ہے۔ لیکن چونکہ بخاری کی روایت عموماً صحیح تر مانی جاتی ہے اس لیے محدثین زیادہ تر ان کے کفر ہی کے قائل ہیں۔ لیکن محدثانہ حیثیت سے بخاری کی یہ روایت چنداں قابل حجت نہیں کہ اخیر راوی مسدبؓ ہیں جو فتح مکہ میں اسلام لائے اور ابوطالب کی وفات کے وقت موجود نہ تھے۔ اس بناء پر علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ روایت مرسل ہے۔ ابن اسحاق کے سلسلہ روایت میں عباس بن عبد اللہ بن معبد اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ ہیں۔ یہ دونوں ثقہ ہیں لیکن بیچ کا ایک راوی یہاں بھی رہ گیا ہے اس بناء پر دونوں روایتوں کے درجہ استناد میں چنداں فرق نہیں۔

ابوطالب نے آنحضرت ﷺ کے لیے جو جان نثاریاں کیں ان سے کون انکار کر سکتا ہے، وہ اپنے جگر کوشوں تک کو آپ ﷺ پر نثار کرتے تھے۔ آپؐ کی محبت

اہل بیت رسول کون؟

۱۱۳

کیا ابوطالب مومن تھے؟

میں تمام عرب کو اپنا دشمن بنالیا، آپ کی خاطر محصور ہوئے، فائقے اٹھائے، شہر سے نکالے گئے۔ تین تین برس تک آب و دانہ بند رہا۔ کیا یہ محبت، یہ جوش، یہ جان نثاریاں سب ضائع ہو جائیں گی؟

(سیرت النبی، جلد ۱، ص ۲۴۲)

اہل سنت کے نزدیک ابوطالب مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے اور ان کی موت حالت کفر پر ہوئی۔ حضرات مفسرین کا اجماع ہے کہ قرآن مجید کی یہ آیت ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ

بِالْمُهْتَدِينَ ۝

(التقصص، پارہ ۲، آیت ۵۶)

امام بغوی لکھتے ہیں

نزلت فی ابی طالب قال له النبی قل لا اله الا الله اشهدک بها يوم القيامة۔ قال لمؤلا ان تعیرنی قریش یقولون انما حملہ علی ذلک العجز لا قدرت بها عینک فانزل الله تعالیٰ هذه الایة۔ (تفسیر ابوی، جلد ۳، ص ۴۵۰)

یہ آیت ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان سے نبی کریم ﷺ نے کہا لا اله الا الله کہہ دیجیے تاکہ میں قیامت کے دن اس کی گواہی دے سکوں، تو ابوطالب نے کہا کہ اگر مجھے قریش کی اس عار کا کہ موت کے ڈر سے ایمان لا رہا ہے خوف نہ ہوتا تو میں آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

علامہ زمخشری لکھتے ہیں:

قال الزجاج اجمع المسلمون انها نزلت فی ابی طالب۔

(تفسیر کشاف، جلد ۱، ص ۱۰۰)

اہل بیت رسول کون؟

۱۱۴

کیا ابوطالب مومن تھے؟

زجاج نے کہا کہ مسلمانوں کا اجماع ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی۔

امام قرطبی لکھتے ہیں:

قَالَ الزَّجَّاجُ أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلَىٰ أَنَّهَا نَزَلَتْ فِي أَبِي طَالِبٍ - قُلْتُ! وَالصَّوَابُ أَنَّ يُقَالُ أَجْمَعَ جُلَّ الْمَفْسَرِينَ عَلَىٰ أَنَّهَا نَزَلَتْ فِي شَانِ أَبِي طَالِبٍ عَمِ النَّبِيِّ وَهُوَ نَصٌ (حدیث) البخاری و مسلم۔ (تفسیر قرطبی، جلد ۱۳، ص ۲۹۹)

زجاج نے کہا کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی۔ میں کہتا ہوں کہ صحیح یہ ہے کہ جلیل القدر مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ آیت ابوطالب، آپ ﷺ کے چچا کے بارے میں نازل ہوئی۔ بخاری اور مسلم کی حدیث بھی اس پر نص ہے۔

امام نسبی لکھتے ہیں:

قَالَ الزَّجَّاجُ أَجْمَعَ الْمَفْسَرُونَ عَلَىٰ أَنَّهَا نَزَلَتْ فِي أَبِي طَالِبٍ وَذَلِكَ أَنَّهُ قَالَ عِنْدَ مَوْتِهِ يَا مَعْشَرَ بَنِي هَاشِمٍ صَدَقُوا مُحَمَّدًا تَفْلَحُوا - فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا عَمُّ تَأْمُرُهُمْ بِالنَّصِيحَةِ لَا نَفْسَهُمْ وَتَدْعُهُمْ لِنَفْسِكَ - قَالَ فَمَا تَرِيدُ يَا بَنَی أَخِي؟ قَالَ أُرِيدُ مِنْكَ أَنْ تَقُولَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَشْهَدُ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللَّهِ - قَالَ يَا بَنَی أَخِي أَنَا قَدْ عَلِمْتُ أَنَّكَ صَادِقٌ وَلَكِنِّي أَكْرَهُ أَنْ يُقَالَ جَزَعٌ عِنْدَ الْمَوْتِ - (تفسیر القرآن الجلیل لابی البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود نسبی، جلد ۲، ص ۲۱)

زجاج نے کہا مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب اس نے اپنی موت کے وقت بنی ہاشم (کے ایک گروہ) سے کہا

محمد ﷺ کی تصدیق کرو کا میاب ہو جاؤ گے، تو آپ ﷺ نے فرمایا اے چچا آپ دوسروں کو تو نصیحت کر رہے ہیں اور اپنے آپ کو چھوڑ رہے ہیں۔ اس نے کہا اے بھتیجے آپ کیا چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں آپ سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ لا الہ الا اللہ کہہ دیں، میں اللہ کے پاس اس کی کواہی دے دوں۔ ابوطالب نے کہا اے بھتیجے میں جانتا ہوں کہ آپ سچے ہیں لیکن میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ یہ کہا جائے کہ اس نے موت کے وقت ڈر کر یہ کلمہ کہہ دیا۔

امام ابن کثیر لکھتے ہیں:

صحیحین میں ہے کہ یہ آیت رسول اللہ کے چچا ابوطالب کے بارے میں اتری ہے، جو آپ ﷺ کا بہت طرفدار تھا اور ہر موقع پر آپ کی طرفداری کرتا رہتا تھا اور آپ کا ساتھ دیتا تھا لیکن یہ محبت بوجہ رشتہ داری کے طبعی تھی، شرعاً تھی۔ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو حضور ﷺ نے اسے اسلام میں آنے کی دعوت دی اور ایمان لانے کی رغبت دلائی۔ لیکن تقدیر کا کھلا اور خدا کا چاہا غالب آیا، یہ ہاتھوں میں سے پھسل گیا اور اپنے کفر پر اڑا رہا۔ حضور ﷺ اس کے پاس انتقال کے وقت آئے، ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا لا الہ الا اللہ کہو، میں اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں تیرا سفارشی بن جاؤں گا۔ ابو جہل اور عبداللہ نے کہا، ابوطالب کیا تو اپنے باپ عبدالمطلب کے مذہب سے پھر جائے گا؟ اب حضور ﷺ سمجھاتے اور یہ دونوں اسے روکتے۔ یہاں تک کہ آخری کلمہ اس کی زبان سے یہی نکلا کہ میں یہ کلمہ نہیں پڑھتا اور میں عبدالمطلب کے مذہب پر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا بہتر ہے میں تیرے رب سے استغفار کرتا رہوں گا، یہ اور بات

ہے کہ روک دیا جاؤں، اللہ مجھے منع فرما دے۔ لیکن اسی وقت یہ آیت اتری مَآ كَانُ
لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ اٰمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا اُولٰٓئِیْ قُرْبٰی (۱۱۳)
یعنی نبی کو اور مومنوں کو ہرگز یہ بات سزاوار نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے
استغفار کریں، کو وہ ان کے نزدیک قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں۔ اور اسی ابوطالب
کے بارے میں آیت ”اِنَّكَ لَا تَهْدٰی“ بھی نازل ہوئی۔ (تفسیر ابن کثیر، جلد ۲، ص ۳۶)
مشہور درسی تفسیر جلالین میں ہے:

نزل فی حرصہ علیہ السلام علی ایمان عمہ ابی طالب۔ (جلالین کلاں، ص ۳۳)
یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے چچا کے ایمان لانے کی حرص کرنے کی وجہ
سے نازل ہوئی۔

شیخ اسماعیل حتی بروسی لکھتے ہیں:

والجمہور علی ان الاٰیۃ نزلت فی ابی طالب بن عبدالمطلب عم
رسول اللہ فیكون هو المراد بمن احببت۔ روی انه لما احتضر جاءه رسول
اللہ وکان حریصاً علی ایمانه..... ان اباطالب لما ابی عن کلمۃ التوحید
قال له النبی (لاستغفرون لك مالم انه عنك) فانزل اللہ تعالیٰ (ماکان للنبی
والذین امنوا ان يستغفروا للمشركين ولو كانوا اولیٰ قریباً.....)
(تفسیر روح البیان، جلد ۲، ص ۴۱۵)

جمہور کے نزدیک یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب بن عبدالمطلب
کے بارے میں نازل ہوئی.....

قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں:

واخرج النسائي وابن عساكر في تاريخ دمشق بسند جيد عن ابي سعيد بن رافع قال سالت ابن عمر عن هذه الآية انك لا تهدي من احببت في ابي جهل وابي طالب قال نعم..... حضرت ابا طالب الوفا جاءه رسول الله فوجد عنده ابا جهل وعبد الله بن ابي امية بن المغيرة فقال اي عم قل لا اله الا الله..... وابي ان يقول لا اله الا الله..... (تفسير الطبري)

اس کا مفہوم واضح ہے۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

والآية على ما نطقت به كثير من الاخبار نزلت في ابي طالب۔
(روح المعاني، جلد ۲، ص ۹۶)

فخر المفسرین عبدالحق حقانی لکھتے ہیں:

زجاج کہتے ہیں تمام اہل اسلام متفق ہیں کہ یہ آیت اہل طالب کے بارے میں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے بہت کچھ چاہا کہ ایمان لاویں پر وہ ایمان نہ لائے۔
(تفسیر حقانی، جلد ۲، ص ۸۶)

مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں:

صحیح مسلم میں اس آیت کا نزول ابوطالب کے بارے میں مروی ہے لیکن عموم الفاظ سے دوسروں کو بھی شامل ہے۔
(بیان القرآن، جلد ۸، ص ۱۱۳)

استاد احمد مصطفیٰ المراغی لکھتے ہیں:

وقد استفاضت الاخبار بان الآية نزلت في ابي طالب..... لما حضرت ابا طالب الوفا..... فانزل الله (انك لا تهدي من احببت) الآية۔
(تفسیر المراغی، جلد ۷، ص ۴۷)

منہوم واضح ہے۔

صدرالافاضل مولوی محمد سید نعیم الدین مراد آبادی اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی کے ترجمہ قرآن کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

شان نزول: مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے حق میں نازل ہوئی۔ نبی کریم ﷺ نے ان سے ان کی موت کے وقت فرمایا اے چچا کہولا لا الہ الا اللہ میں تمہارے لیے روز قیامت شاہد ہوں گا۔ انہوں نے کہا اگر قریش کے عار دلانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ضرور ایمان لا کر تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کرتا۔ اس کے بعد انہوں نے یہ شعر پڑھے:

ولقد علمت بان دین محمد من خیر ادیان البریۃ دینا

لولا العلامة او حذر مسبۃ لوجدتنی سمحاً بذالک مینا

یعنی میں یقین سے جانتا ہوں کہ محمد ﷺ کا دین تمام جہانوں کے دین سے بہتر ہے، اگر ملامت و بد کوئی کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں نہایت صفائی کے ساتھ اس دین کو قبول کرتا۔

اس کے بعد ابوطالب کا انتقال ہو گیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (بے شک یہ نہیں کہ تم جسے اپنی طرف سے چاہو ہدایت کر دو۔ ہاں اللہ ہدایت فرماتا ہے جسے چاہے اور وہ خوب جانتا ہے) (ترجمہ اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی، ص ۵۶)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے صاحبزادے شاہ عبدالقادر دہلوی لکھتے ہیں:

حضرتؑ نے اپنے چچا کے واسطے سعی کی کہ مرتے وقت کلمہ ہی کہے، اس نے

(موضح القرآن، ص ۶۵۰)

قبول نہ کیا، اس پر یہ آیت اتری۔

سید امیر علی ملیح آبادی لکھتے ہیں:

ہدایت رسول ﷺ کا کام نہیں ہے بلکہ آپ کی شان یہ ہے کہ آپ لوگوں کو پیغام الہی پہنچائیں اور ضروری نہیں کہ جس کو آپ ارشاد کریں وہ ایمان لائے۔ بلکہ اس وقت اللہ تعالیٰ عزوجل اپنے علم و حکمت کے موافق جس میں چاہتا ہے ہدایت پیدا فرماتا ہے۔ کیونکہ بندوں کے افعال بھی اللہ تعالیٰ ہی کے پیدا کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ لہذا اگر شیطان کسی کے دل میں وسوسہ لائے کہ اگر آپ اللہ تعالیٰ کے افضل پیغمبر ہیں تو ابوطالب جو آپ کے چچا اور بڑے حامی سرپرست تھے ان کو آپ نے مسلمان کیوں نہیں کیا۔ حالانکہ حبش و روم کے لوگ آئے اور مسلمان ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ وسوسہ قطع فرمایا کہ ایمان تصدیق قلبی جو بندہ کا فعل ہے وہ حضرت خالق عزوجل کے سوا کوئی پیدا نہیں کر سکتا۔

(تفسیر مواہب الرحمن، جلد ۶، ص ۹۱)

مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

صحیح مسلم میں ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کے چچا کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ آپ ﷺ کی بڑی تمنا یہ تھی کہ وہ کسی طرح ایمان قبول کر لیں۔ اس پر آنحضرتؐ کو یہ بتایا گیا کہ کسی کو مومن بنا دینا آپ کی قدرت میں نہیں۔ (معارف القرآن، جلد ۶، ص ۶۳۶)

سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحبؒ لکھتے ہیں:

صحیحین کی روایت ہے کہ یہ آیت نبی ﷺ کے چچا ابوطالب کے معاملے میں نازل ہوئی۔ ان کا جب آخری وقت آیا تو حضور ﷺ نے اپنی حد تک انتہائی

کوشش کی کہ وہ کلمہ لا الہ الا اللہ پر ایمان لے آئیں تاکہ ان کا خاتمہ بالخیر ہو مگر انہوں نے ملت عبدالمطلب پر ہی جان دینے کو ترجیح دی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَحْبَبْتَ۔ لیکن محدثین و مفسرین کا یہ طریقہ معلوم و معروف ہے کہ ایک آیت عہد نبویؐ کے جس معاملہ پر چسپاں ہوتی ہے اسے وہ آیت کے شان نزول کے طور پر بیان کرتے ہیں۔ اس لیے اس روایت اور اسی مضمون کی ان دوسری روایات سے جو ترمذی اور مسند احمد وغیرہ میں حضرات ابوہریرہؓ، ابن عباسؓ، ابن عمر وغیرہم سے مروی ہیں لازماً یہی نتیجہ نہیں نکلتا کہ سورۃ قصص کی یہ آیت ابوطالب کی وفات کے وقت نازل ہوئی تھی۔ بلکہ ان سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے مضمون کی صداقت سب سے زیادہ اس موقع پر ظاہر ہوئی۔ اگرچہ حضور ﷺ کی دلی خواہش تو ہر بندہ خدا کو راہ راست پر لانے کی تھی، لیکن سب سے بڑھ کر اگر کسی شخص کا کفر پر خاتمہ حضور ﷺ کو شاق ہو سکتا تھا اور ذاتی محبت و تعلق کی بنا پر سب سے زیادہ کسی شخص کی ہدایت کے آپؐ آرزو مند ہو سکتے تھے تو وہ ابوطالب تھے۔ لیکن جب ان کو ہدایت دینے پر آپ ﷺ قادر نہ ہوئے تو یہ بات بالکل ظاہر ہو گئی کہ کسی کو ہدایت بخشنا اور کسی کو اس سے محروم رکھنا نبی ﷺ کے بس کی بات نہیں ہے۔ یہ معاملہ بالکل اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اللہ کے ہاں یہ دولت کسی رشتہ داری و برادری کی بناء پر نہیں بلکہ آدمی کی قبولیت و استعداد اور مخلصانہ صداقت پسندی کی بناء پر عطا ہوتی ہے۔

(تفہیم القرآن، جلد ۳، ص ۶۵۰)

۱۔ امام بخاری حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب سے روایت کرتے ہیں:

قَالَ لِإِسْنِيسٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَغْنَيْتَ عَنْ عَمَلِكَ فَإِنَّهُ كَانَ يَحْضُرُكَ وَيَغْضَبُ لَكَ قَالَ هُوَ فِي ضَحْفَاحٍ مِنْ نَارٍ وَلَوْ لَا أَنَا لَكَانَ فِي النَّارِ الْكَافِرِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔

انہوں (حضرت عباسؓ) نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ آپؐ نے اپنے چچا ابوطالب کو کچھ نفع پہنچایا کیونکہ وہ آپؐ کی حمایت کرتے تھے اور آپؐ کی طرفداری میں (مخالفوں پر) غصہ کیا کرتے تھے تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ صرف ٹخنوں تک آگ میں ہیں اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے نچلے طبقے میں ہوتے۔

۲۔ أَنَّ أَبَا طَالِبٍ لَمَّا حَضَرَتْهُ الْمَوَافَةُ دَخَلَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ وَعِنْدَهُ أَبُو جَهْلٍ فَقَالَ أَيُّ عَمٍّ قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ كَلِمَةً أَحَاجُ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللَّهِ فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ يَا أَبَا طَالِبٍ تَرَعْبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَمَ يَزَالَا يَكَلِّمُ مَا بِهِ حَتَّى قَالَ اجْزُ شَيْءٍ كَلَّمَهُمْ بِهِ عَلَى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا تَسْتَغْفِرُوا لِمَا مَالَمُ أَتَاهُ عَنْهُ فَنَزَلَتْ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أَوْلَىٰ قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِمَاتِ الَّذِينَ لَهُمْ أَنْهُمْ أَصْحَابُ الْحَقِيقِمْ وَنَزَلَتْ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ۔

اس کا ترجمہ اوپر تفسیر ابن کثیر کے حوالے سے نقل ہو چکا ہے۔

۳۔ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَكَرَ عِنْدَهُ عَمَةً فَقَالَ لَعَلَّهُ تَنْفَعُهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُجْعَلَ فِي ضَحْفَاحٍ مِنَ النَّارِ يَمْلُغُ كَعَبِيٍّ يَغْلِي دَمَاعُهُ۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کے سامنے آپ کے چچا ابوطالب کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ امید ہے قیامت کے دن انہیں میری شفاعت کچھ نفع دے جائے گی کہ وہ آگ کے درمیانی درجے میں کر دیے جائیں گے کہ آگ ان کے کٹنوں تک پہنچے گی جس سے ان کا دماغ کھولنے لگے گا۔

۴۔ اور دوسری روایت میں ہے:

تُعْلَى مِنْهُ أُمُّ دِمَاحٍ اس سے بھیجا کھولنے لگے گا۔

امام بخاری نے مذکورہ بالا چار روایات صحیح بخاری میں باب قصۃ ابی طالب کے تحت درج کی ہیں۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

۱۔ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ لَمَّا حَضَرَتْ أَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةَ جَاءَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَحَّدَهُ أَبَا جَهْلٍ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ ابْنِ الْمُغِيرَةِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ يَا عَمِّ قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ كَلِمَةً أَشْهَدُ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللَّهِ فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ وَعَبْدُ اللَّهِ ابْنِ أَبِي أُمَيَّةَ يَا أَبَا طَالِبٍ أَتُرْغَبُ عَنْ قَوْلِ الْمُطَّلِبِ فَلَمْ يَزَلْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْزُّضُهَا عَلَيْهِ وَيَعْبِدُ لَهُ تِلْكَ الْمَقَالَةَ حَتَّى قَالَ أَبُو طَالِبٍ اخْرَجَ مَا كَلَّمَهُمْ هُوَ عَلَى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَأَبَى أَنْ يَقُولَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهِ لَا سَتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أَنُحِمْ عَنْكَ فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا..... الخ وَأَنْزَلَ الْمَلَكُ عَزَّ وَجَلَّ فِي أَبِي طَالِبٍ فَقَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ
بِالْمُهْتَدِينَ ۝

سعید بن مسیب (جو مشہور تابعین میں سے ہیں، ابن مدینی نے کہا میں نے ان سے زیادہ علم میں کوئی تابعی نہیں پایا، فقیہ ہیں، امام ہیں) روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے (مسیب بن حزن بن عمرو بن عابد بن عمران بن مخزوم قرشی مخزومی سے جو صحابی ہیں) انہوں نے کہا جب ابوطالب بن عبدالمطلب مرنے لگے تو رسول اللہ ان کے پاس تشریف لائے اور وہاں ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ کو بیٹھا دیکھا۔ رسول اللہ نے فرمایا اے چچا میرے! تم کہہ لو ”لا الہ الا اللہ“، ایک کلمہ۔ میں اللہ کے پاس اس کا کواہ رہوں گا تمہارے لیے۔ ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ بولے اے ابوطالب تم اپنے باپ عبدالمطلب کا دین نہیں چاہتے؟ پھر رسول اللہ براہم یہی بات ان سے کہتے رہے یہاں تک کہ ابوطالب نے اخیر بات جو کہ یہ تھی کہ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں اور انکا رکھا ”لا الہ الا اللہ“ کہنے سے تو رسول اللہ نے فرمایا قسم اللہ کی میں تو تمہارے لیے دعا کروں گا جب تک مجھے منع نہ کیا جائے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری؛ یعنی نبی اور مسلمانوں کو یہ درست نہیں کہ مشرکوں کے لیے دعا کریں اگرچہ وہ ناتے والے ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ابوطالب کے متعلق یہ آیت اتاری، رسول اللہ سے فرمایا یعنی تم راہ پر نہیں لا سکتے جس کو چاہو لیکن اللہ راہ پر لا سکتا ہے جس کو چاہے اور وہ جانتا ہے ان لوگوں کو جن کی قسمت میں ہدایت ہے۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابوطالب پر سکرات اور نزع کی کیفیت نہیں تھی۔ کیونکہ نزع کے وقت تو یہ قبول نہیں ہوتی اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ابوطالب

سے آنحضرت ﷺ نے گفتگو کی اور مشرکوں نے آپؐ کے خلاف ان کو سمجھایا۔ آخر ابوطالب نے مشرکوں کا کہنا مانا تو معلوم ہوا کہ نزاع کی حالت تھی۔ قاضی عیاض نے کہا بعض متکلمین نے یہاں یہ معنی کیے ہیں کہ ابوطالب پر نزاع کی حالت طاری ہوئی اور یہ صحیح نہیں۔ تو ابوطالب نے دین اسلام قبول نہیں کیا اور اپنی قوم کا پاس کیا اور جہنم کو اختیار کیا۔ امام ابوحنیفہؒ نے فقہ اکبر میں صاف لکھا ہے کہ ابوطالب کفر پر مرے۔

امام نووی نے کہا کہ مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت ”انک لا تہدی“ ابوطالب کے باب میں اتری ہے۔ زجاج نے بھی اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

۲۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَمِّهِ عِنْدَ الْمَوْتِ قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَشْهَدُ لَكَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَبَى قَالَ فَانْزَلَ اللَّهُ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے چچا سے اس کی موت کے وقت کہا تم لا الہ الا اللہ کہو میں قیامت کے دن تمہارے لیے اس کا کواہ ہوں گا۔ انہوں نے انکار کیا تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری ”انک لا تہدیٰ“ اخیر تک۔

۳۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَمِّهِ قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَشْهَدُ لَكَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ لَوْ لَا أَنْ تُعِيرَنِي قُرَيْشُ يَسْأَلُونَ إِنَّمَا حَمَلَهُ عَلَيَّ ذَلِكَ الْحَزَنُ لَا قَرَرْتُ بِهَا عَيْنِيكَ فَانْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے اپنے چچا سے فرمایا لا الہ الا اللہ

اہل بیت رسول کون؟

۱۲۵

کیا ابوطالب مومن تھے؟

کہو، میں قیامت کے دن تمہارے لیے اس بات کی گواہی دوں گا تو انہوں نے کہا اگر قریش کی عار کا خوف نہ ہوتا کہ ابوطالب دہشت میں آگیا تو میں اس کلمہ کا اقرار کر کے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔

(صحیح مسلم باب الدلیل علی صحة الاسلام من حضره الموت مالم یشرع فی الشرع وهو الغرقة ونسخ جوف الاستغفار للمشرکین والدلیل علی ان من مات علی الشک فهو من اصحاب الجحیم ولا ینقله من شیء من الرسل)

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قُلْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ عَمَّكَ الْمُتَيْخَ الْمَضَالَ قَدْ مَاتَ قَالَ إِذْ هَبْ فَوَارِ أَبَاكَ ثُمَّ لَا تُحَدِّثَنَّ شَيْئًا حَتَّى تَأْتِيَنِي فَلَهَبْتُ فَوَارِيَّتَهُ وَجِئْتُهُ فَأَمَرَنِي فَأَغْتَسَلْتُ وَدَعَانِي۔ (سنن ابو داؤد، باب الرجل يموت لقرابة مشرك)
حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ آپ کا بوڑھا گمراہ چچا مر گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ اور اپنے باپ کو گاڑاؤ، بیچ میں کوئی اور کام نہ کرنا جب تک میرے پاس لوٹ کر نہ آؤ۔ میں گیا اور ابوطالب کو مٹی میں چھپا کر آیا۔ آپ ﷺ نے حکم فرمایا (مجھے غسل کرنے کا) تو میں نے غسل کیا اور آپ نے میرے لیے دعا کی۔

امام عبد الرحمن نسائی نے کتاب الجنائز میں مشرک کی تدفین کے بارے میں ایک باب باندھا ہے ”باب موارات المشرک“ اور اس میں یہی ابوطالب والی روایت لائے ہیں۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قُلْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ عَمَّكَ الْمُتَيْخَ الْمَضَالَ قَدْ مَاتَ فَمَنْ يُوَارِيهِ قَالَ إِذْ هَبْ فَوَارِ وَلَا تُحَدِّثَنَّ حَدَّثْنَا حَتَّى تَأْتِيَنِي

فَلَنَهَبْتُ قَوَارِئَهُ ثُمَّ جِئْتُ فَأَمَرَنِي فَأَغْتَسَلْتُ وَدَعَا لِي لَمْ أَحْفَظْهُ۔
(سنن نسائی، جلد اول ص ۲۱۹، کتاب الجنائز، باب مواریث البحرک)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ آپؐ کا بوڑھا گمراہ چچا (ابوطالب) مر گیا ہے۔ اب کون اس کو گاڑھے گا؟ آپؐ نے فرمایا جا اور اپنے باپ کو گاڑ کر آ اور کوئی نئی بات نہ کرنا یہاں تک کہ میرے پاس لوٹ کر آ جاؤ۔ میں گیا اور ان کو زمین میں چھپا آیا۔ پھر لوٹ کر آپؐ کے پاس آیا تو آپؐ نے مجھے غسل کرنے کا حکم دیا، میں نے غسل کیا، آپؐ نے میرے لیے دعا فرمائی اور ایک ایسی دعا ذکر کی جو مجھے یاد نہیں رہی۔

مشکوٰۃ المصابیح میں ایک روایت ہے:

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْلُ الْبَيْتِ أَهْلُ النَّارِ عَذَابُ ابْنِ طَالِبٍ وَهُوَ مُتَّعِلٌ بِنَعْلَيْنِ يَغْلِي مِنْهُمَا دَعَاغُهُ۔
(مشکوٰۃ، باب صفة النار وأهلها)

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا دوزخیوں میں سب سے ہلکا عذاب ابوطالب کو ہوگا، اس کو آگ کی جوتیاں پہنائی جائیں گی جس سے اس کا دماغ کھولنے لگے گا۔

حیرت ہے کہ پیر کرم شاہ صاحب نے مفسرین کے اجماعی قول اور مذکورہ بالا احادیث صحیحہ کے مقابلے میں سیرت ابن ہشام کی ایک منقطع روایت کو رائج قرار دے دیا اور ”تجاہل عارفانہ“ یا ”تغافل عارفانہ“ سے کام لیتے ہوئے یہ لکھ دیا کہ:
”لیکن اگر کسی کے نزدیک دوسری روایتیں اس روایت سے زیادہ قابل اعتبار ہوں“

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا پیر صاحب خود ”کسی کے نزدیک“ میں شامل ہیں؟ بظاہر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موصوف شامل نہیں ہیں اور تاثر یہ دیا ہے کہ ”کسی کے نزدیک“ والے لوگ غیر معروف، غیر معتبر اور غیر ثقہ ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیل میں کیا بعض لوگوں نے اپنی حد سے تجاوز کرتے ہوئے حضرت عباسؓ کے مقام رفیع پر کچھ اچھا لےنے کی کوشش کی ہے؟ ایسی سوچ رکھنے والا کیا سبائیت کی صف اول میں شامل نہیں ہو جائے گا؟ معلوم نہیں کہ پیر صاحب نے مذکورہ بالا تفسیری اقوال اور احادیث صحیحہ کو نظر انداز کرتے ہوئے ”ابن اسحاق“ کی ایک منقطع روایت پر کیسے یقین کر لیا؟

علاوہ ازیں پیر صاحب نے مذکورہ روایت (ابن اسحاق) کے دیگر رواۃ کو نظر انداز کرتے ہوئے حضرت عباسؓ کی صداقت ثابت کرنے پر ہی سارا زور صرف کر دیا۔ پیر صاحب اگر غور فرماتے تو بآسانی حقیقت تک پہنچ سکتے تھے کہ امام ابو داؤد اور امام نسائی (جن کی سنن صحاح ستہ میں شامل ہے) نے حضرت علیؓ سے روایت بیان کی ہے۔ صاحب مشکوٰۃ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت بیان کی ہے۔ امام مسلم نے حضرت مسیبؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت لی ہے۔ جبکہ امام بخاری نے خود حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب، حضرت مسیبؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت بیان کی ہے۔

کیا یہ حضرات ”کسی کے نزدیک“ والے گروہ میں شامل ہو گئے؟ کیا پیر صاحب کے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنی حد سے تجاوز کرتے ہوئے مذکورہ حضرات کے مقام رفیع پر کچھ اچھا لےنے کی کوشش کی ہے؟ ہم پھر بھی اللہ

تعالیٰ سے اس بات کی پناہ مانگتے ہیں کہ ان حضرات کی طرف جھوٹ کی نسبت کریں۔
 ”ابن اسحق“ کی ذات گرامی کو پہچاننے کے لیے ہم مفسرین و محدثین کو جھوٹ سے مہم
 نہیں کر سکتے۔ یقیناً یہ رفض اور تعصب کا راستہ ہے۔ یہاں تعصب کے بارے میں ان
 کی خدمت میں خود ان کا اپنا قول پیش کیا جاتا ہے۔

”فرقہ وارانہ تعصب سے بلند اور خالی الذہن ہو کر اگر ان آیات کا مطالعہ کیا
 جائے تو ان آیات کا بھی مفہوم ہے جو بلا تکلف سمجھ میں آتا ہے۔ خدا نہ بھلا کرے فرقہ
 وارانہ تعصبات کا کہ وہ حق نبی کی راہ میں پہاڑ بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔“
 (ضیاء القرآن، جلد ۴، ص ۵۱)

پیر صاحب سیارہ ڈائجسٹ کو انٹرویو دیتے ہوئے فرماتے ہیں:
 ”میری تقریر و تحریر سے آج تک کوئی ایسا جملہ نہیں دکھایا جاسکتا جس میں
 اتحاد کے خلاف کوئی بات پائی گئی ہو۔“

بلاشبہ ایمان ابوطالب کے بارے میں آپ کی مذکورہ تحریر میں ”رافضیت
 کے ساتھ اتحاد واضح ہوتا ہے۔ لیکن اس انٹرویو میں ایک خالص مذہبی اور اصلاحی
 ”تبلیغی جماعت“ پر جو الزام آپ نے عائد کیا ہے وہ آپ ہی کا حوصلہ ہے۔
 موصوف تبلیغی جماعت کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں فرماتے
 ہیں کہ اسلام کی دو بنیادی باتوں کے منکر ہیں:

۱۔ جہاد ۲۔ درود شریف (سیارہ ڈائجسٹ، مارچ ۱۹۹۳ء)

یقین نہیں آتا کہ پیر صاحب جیسا آدمی جو وفاقی شرعی عدالت کا جج بھی ہو
 ایسا جواب دے سکتا ہے، جبکہ ایک معمولی عقل و فہم رکھنے والا انسان بھی یہ بخوبی جانتا

ہے کہ تبلیغی جماعت کا ہر فرد صدق دل سے ان بنیادوں کا قائل ہے۔ موصوف یہ بھی جانتے ہیں کہ عدم ذکر ذکر عدم کو مستلزم نہیں۔ پھر کسی چیز کے عدم ذکر سے اس چیز کا انکار کیسے ثابت ہوا۔ ”سبحانک هذا بہتان عظیم“

تعصب کے حوالے سے یہ بات ضمناً آگئی۔ دراصل ذکر ہو رہا تھا صحیحین کی روایات کا کہ کس ”سادگی“ سے پیر صاحب نے ابن ہشام کی روایت کو اجماعی نقطہ نظر کے برعکس مستند، معتبر اور رائج قرار دے دیا۔

پیر صاحب کے صاحبزادے محمد امین الحسنات شاہ صاحب اپنے ماہنامے ضیائے حرم میں (جس کے سرپرست اعلیٰ خود پیر صاحب ہیں) زیر عنوان ”سر دلبراں عورت کی حکمرانی، احادیث مقدسہ کی روشنی میں“ ”صحیح بخاری کی حدیث لن یفلح قوم ولوا امرہم امراء“ کا دفاع کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

عورت کی سربراہی ان لوگوں کو اتنی عزیز ہے کہ قرآن وحدیث کی صداقت کو بھی بے اعتبار کرنے میں وہ شرم محسوس نہیں کرتے۔ اس حدیث پر ہر طرح سے جرح کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث پاک کو ہدف بنانا اور اس کے رواج پر بلا جواز تنقید کرنا اسلام دشمنی اور بغض باطنی کا اظہار ہے۔

یہ حدیث ابوبکرؓ نہ موضوع ہے اور نہ ضعیف بلکہ اعلیٰ درجہ کی صحیح حدیث ہے۔ اس کا بخاری شریف میں ہونا ہی اس کی صحت کے لیے کافی ہے.....

بعض لوگ اس حدیث کو رد کرنے کے لیے صحابی رسول حضرت ابوبکرؓ کو مطعون کرتے ہیں اور بعض حضرت ابوبکرؓ کے بعد کے راویوں پر جرح کر کے صحیح بخاری کی عظمت و اہمیت گھٹانے کی مذموم سعی کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں اہل

سنت کے مسلمہ اصولوں کے خلاف ہیں۔

اہل سنت کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ ”المصحابة کلہم عدول“ تمام صحابہ عادل ہیں۔ جس روایت کا سلسلہ سند صحابی تک بالکل صحیح ہو وہ روایت صحیح ہے اور صحابی کے بارے میں سرے سے کوئی جرح نہ ہوگی، کیونکہ تمام صحابہ عادل ہیں۔ یعنی حدیث رسول بیان کرنے میں کسی صحابی سے کذب و تلمیس کا امکان نہیں۔

اہل سنت کا دوسرا اصول اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ صحیح بخاری کتاب اللہ کے بعد حدیث رسول کا صحیح ترین مجموعہ ہے۔ حضرت ابو بکرؓ کے علاوہ اسی حدیث کے دوسرے راویوں پر جرح کر کے روایت کو مخدوش قرار دینے کا مطلب صحیح بخاری کی اہمیت کو گھٹانا ہے۔ اس کی کسی روایت کی تضعیف و تردید اس مسلمہ اصول کے منافی ہے۔ اس لیے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ارشاد فرمایا:

صحیح بخاری و مسلم کے بارے میں محدثین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ان کی تمام روایات متصل و مرفوع اور قطعی طور پر صحیح ہیں اور ان کے مصنفین تک متواتر ہیں۔ ہر وہ شخص جو ان دونوں کتابوں کی اہمیت گھٹانے کے درپے ہے وہ بدعتی اور مومنین کے راستے کو چھوڑ کر کسی اور راستے کا پیروکار ہے۔ (ماہنامہ ضیائے حرم، ص ۱۷۱-۱۷۲ مارچ ۱۹۹۳ء)

اس توضیح کے بعد ”ابن ہشام کی روایت کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ دراصل سیرت ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک بن ہشام متوفی ۲۱۳ھ کی اپنی تصنیف نہیں ہے بلکہ وہ سیرت ابن اسحاق کی ایک نئی ترتیب ہے۔ جب یہ کتاب سامنے آئی تو اس کتاب کے بعض واقعات پر اہل علم نے اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی اور ان اعتراضات کی وجہ سے سیرت النبیؐ پر یہ کتاب اپنے زمانے میں مقبولیت حاصل نہ کر

سکی۔ جسے بعد میں ابن ہشام نے بعض قابل اعتراض واقعات خارج کر کے اور بعض واقعات کا اضافہ کر کے نئے سرے سے مرتب کیا۔ لیکن اس کوشش کے باوجود بعض قابل اعتراض واقعات کتاب میں شامل کر دیے گئے۔

سیرت النبیؐ پر سب سے پہلے ابن شہاب زہری نے ایک کتاب تحریر کی۔ کو کہ یہ کتاب بعد کے مسلمانوں تک نہیں پہنچ سکی تاہم ان کے ایک ممتاز شاگرد محمد بن اسحاق نے اس موضوع پر ایک کتاب مرتب کی۔ (جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے) اس کتاب کی صحت کا اندازہ اسی ایک بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ابن اسحاق کے استاد جناب ”ابن شہاب زہری“ ہیں۔ اور ابن شہاب زہری کا تعارف پیر کرم شاہ صاحب کے مرشد خواجہ قمر الدین سیالوی (جن کے والد ماجد جناب خواجہ ضیاء الدین صاحب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پیر صاحب نے اپنے ماہنامے ”ضیائے حرم“ تفسیر ضیاء القرآن، اور سیرت پر کتاب ضیاء النبیؐ، کو اسی عقیدت کی وجہ سے اپنے مرشد کے نام کی طرف منسوب کیا ہے) کے قلم سے ملاحظہ ہو:

ابن شہاب زہری اہل تشیع کی اصول کافی میں بیسیوں جگہ پر روایتیں کرتا نظر آتا ہے اور اہل تشیع کی فروع کافی نے تو اس کی روایتوں کے بل بوتے پر کتاب کی شکل اختیار کی ہے..... آپ کی مزید تسلی کے لیے اسی محمد بن مسلم بن شہاب زہری صاحب کو کتاب منہی المقال یا رجال بوعلی میں شیعوں کی صف میں بے نقاب بیٹھا ہوا دکھاتے ہیں۔ دیکھو کتاب رجال بوعلی جہاں صاف لکھا ہوا ہے کہ محمد بن مسلم بن شہاب زہری شیعہ ہے۔

(نہ ہب شیعہ، ص ۹۳)

اس وضاحت کے بعد سیرت ابن ہشام کی روایت ملاحظہ فرمائیں:

آپ ﷺ نے فرمایا کہ چچا تم ہی اس کلمہ کو پڑھ لو تا کہ قیامت کے روز میں تمہاری شفاعت کر سکوں۔ ابوطالب نے حضور ﷺ کی خواہش دیکھ کر کہا اے بھتیجے اگر مجھ کو اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ کہیں گے ابوطالب نے موت کے خوف سے یہ کلمہ کہا تو میں ضرور اس کا اقرار کر لیتا۔ پھر جب ابوطالب کے انتقال کا وقت قریب آیا، دیکھا تو وہ ہونٹ ہلا کر کچھ کہہ رہے ہیں۔ عباسؓ نے جھک کر کان لگائے پھر حضورؐ سے کہا اے بھتیجے جو کلمہ تم کہہ رہے تھے وہی کلمہ ابوطالب نے پڑھا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا میں نے نہیں سنا۔

(سیرت ابن ہشام، رد، ص ۲۳۶، تاریخ لا ہور)

پیر صاحب نے اپنی بحث کے آخر میں لکھا ہے کہ مولانا شبلی نے اس موضوع پر جو لکھا ہے وہ بھی اس قابل ہے کہ اہل علم اس کا مطالعہ کریں۔ (نبیاء النبی، جلد ۱، ص ۴۷)

اس کے جواب میں پیر صاحب کی خدمت میں اتنی گزارش ہے کہ علامہ سید سلیمان ندوی نے اس موضوع پر جو لکھا ہے وہ بھی اس قابل ہے کہ اہل علم اس کا مطالعہ کریں۔ چنانچہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

مصنف (شبلی نعمانی) کے اس نظریہ سے مجھے اتفاق نہیں ہے۔ اس لیے کہ بخاری کی روایت کے آخری راوی حضرت مسیبؓ ہیں جو صحابی ہیں۔ ظاہر ہے کہ صحابی کی روایت صحابی ہی سے ہوگی۔ اسی لیے مرا سیل صحابہؓ حجت ہیں اور ابن اسحاق کی روایت منقطع ہے اور چھوٹا ہوا راوی صحابی نہیں ہے۔ خود ابن اسحاق بھی استناد کا اعلیٰ درجہ نہیں رکھتے۔ اس لیے دونوں روایتوں کو یکساں نہیں قرار دیا جاسکتا۔ علاوہ بریں حضرت مسیبؓ کی اس روایت کی تائید میں خود حضرت عباسؓ کی وہ روایت ہے جو اسی مسیبؓ والی روایت سے اوپر صحیح بخاری میں موجود ہے، جس میں ذکر ہے کہ حضرت عباسؓ نے

دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپؐ کے چچا ابوطالب کو آپؐ سے کیا فائدہ پہنچا کہ وہ آپؐ کی حفاظت کرتے تھے اور آپؐ کے لیے آپؐ کے دشمنوں سے برسرِ پر خاشاں رہتے تھے۔ فرمایا وہ دوزخ کی آگ میں صرف ٹخنے تک ہیں مگر اس کا اثر بھی دماغ تک پہنچ جاتا ہے، اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ خود حضرت عباسؓ کے علم میں تھا کہ ان کا خاتمہ تو حید کے اقرار پر نہیں ہوا۔ اسی مضمون کی روایت حضرت ابوسعید خدریؓ سے بھی ہے، جو صحیح بخاری باب قصہ ابی طالب میں اسی موقع پر موجود ہے۔ (سیرت ابنی، جلد اول، حاشیہ ص ۲۴۲)

علامہ شبلی نعمانی کا نظریہ اور اس کی بھرپور علمی تردید سید سلیمان ندوی کے قلم سے آپؐ نے اوپر ملاحظہ کی۔ اب علامہ شبلی کے دیگر اشکالات کے جوابات پیش خدمت ہیں۔

علامہ موصوف کے نزدیک سیرت ابن ہشام کی روایت بخاری کی روایت کے ہم پلہ اور رائج ہے۔ پوری علمی دنیا میں اس کی تائید کرنے والا سوائے اہل تشیع کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے ایمان ابوطالب کے بارے میں دو دلیلیں پیش کیں۔

۱۔ مرتے وقت ابوطالب کے ہونٹ بل رہے تھے۔ حضرت عباسؓ جنہوں نے خود اس وقت اسلام قبول نہیں کیا تھا کان لگا کر سنا تو بتایا کہ وہ کلمہ پڑھ رہے ہیں۔

۲۔ ابوطالب کی جاں نثاریاں، خدمتیں، محصور ہونا، فاقے برداشت کرنا محبت اور جوش کیا سب ضائع ہو جائے گا؟

پہلی دلیل میں ابن اسحاق کی روایت پیش کی گئی ہے اور موصوف کو اعتراف ہے کہ وہ منقطع ہے۔ سید سلیمان ندوی نے یہ جواب دیا کہ چھوٹا ہوا راوی صحابی نہیں

ہے۔ معلوم نہیں کہ وہ راوی کیسا ہے؟ تو ایسی روایت کو کیسے دلیل بنایا جاسکتا ہے۔ جبکہ اس روایت میں بنیادی سقم خود ”ابن اسحق“ متوفی ۱۵۱ھ کی ذات گرامی ہے۔

اگرچہ بعض حضرات نے ان کی توثیق بھی کی ہے لیکن کتب رجال میں ان پر سخت جرح بھی کی گئی ہے۔ مثلاً یہ حدیث کے زیادہ ضبط کرنے والے نہیں تھے۔ اس لیے ان کی حدیث صحت کے درجے سے گر گئی ہے۔ امام بخاری نے کہا کہ یہ قابلِ حجت نہیں ہیں۔ امام نسائی فرماتے ہیں یقوی نہیں ہیں۔ دارقطنی کہتے ہیں کہ ان سے حجت نہیں پکڑی جاتی۔ امام مالک نے فرمایا کہ دجالوں میں سے اس دجال کو دیکھو۔

بعض کا خیال ہے کہ یہ عقیدہ قدر کی طرف مائل تھے۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ مرغوں کے ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ از امام ذہبی، حجت محمد بن اسحق بن یسار)

حیرت ہے کہ مولانا شبلی بخاری کی روایت اور ابن اسحق کی روایت کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ دونوں روایتوں کے درجہ استناد میں چنداں فرق نہیں۔ اس لیے پیر صاحب کو بھی موصوف کی یہ زالی ”علمی تحقیق“ بہت زیادہ پسند آئی اور وہ دوسروں کو بھی اس سے استفادے کا مشورہ دے رہے ہیں۔

اگر ابن ہشام کی اس روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر بھی اس سے ابوطالب کا ایمان ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ایک تو حضرت عباسؓ نے اس وقت اسلام ہی قبول نہیں کیا تھا۔ دوسری یہ بات کہ حضرت عباسؓ نے خود آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ آپؐ سے ابوطالب کو کیا فائدہ پہنچا تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ میری وجہ سے دوزخ میں صرف ٹخنے تک ہوں گے اور اس سے بھی ان کا دماغ کھولتا ہوگا۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ سیرت ابن ہشام میں یہ فیصلہ بھی موجود ہے کہ ”انّ المصحیح من الاثر قد

اثبت لابی طالب الوفاة علی الکفر والشک “ کہ حدیث کی رو سے ابوطالب کی وفات کفر اور شرک کی حالت میں ہونا ثابت ہو چکا ہے۔

(اسیر اللہ لایقین بشام جلد ۸، ص ۸۱، الطبعة الثانیہ ۱۹۵۵ء مصر)

علاوہ ازیں اس روایت سے یہ بات بھی خود بخود ثابت ہو جاتی ہے کہ ابوطالب کو ایمان لانے کی سعادت حاصل نہیں ہو سکی کیونکہ آخری وقت میں آنحضرت ﷺ کا انہیں کلمہ پڑھنے کی تلقین کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس سے پہلے ایمان نہیں لائے تھے اور اگر یہ روایت صحیح ہے کہ حضرت عباسؓ نے کان لگا کر انہیں کلمہ پڑھتے سنا تو یہ ان کے ایمان نہ لانے کی اور بھی قوی دلیل ہے کیونکہ قرآن کا فیصلہ یہ ہے کہ:

لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ..... (اسماءہ)

تو بہانہ لوگوں کی مقبول ہی نہیں جو برائیاں کرتے رہے اور جب موت سر پر آگئی تو کہنے لگے اب میری توبہ۔

آنحضرت ﷺ نے جب ابوطالب پر اسلام پیش کیا تھا اس وقت ان پر نزعی کیفیت طاری نہیں ہوئی تھی اور انہوں نے واضح طور پر اس کا انکار کیا جسے سب اہل محفل نے سنا اور جب نزعی کیفیت پیدا ہوئی تو اس وقت حضرت عباسؓ کو کان لگا کر سننا پڑا، جس کی تردید اسی وقت آنحضرت ﷺ نے ”لستم اسمع“ کہہ کر کر دی کہ میں نے نہیں سنا۔ اب ایک طرف حضرت عباسؓ کی شہادت اور دوسری طرف خود آنحضرتؐ کی شہادت ہے، کون سی شہادت مقبول ہے؟

نیز اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ابوطالب ایسی حالت میں ایمان لے آئے تھے کہ ان کے کلمے کو سننے کے لیے حضرت عباسؓ کو کان لگانے پڑے تھے تو اس روایت سے بہت ہی زیادہ یقینی قرآن کی وہ آیت ہے جس میں فرعون کے ایمان لانے کا صریح ذکر موجود ہے یعنی:

حَتَّىٰ إِذَا آذَرَكُمُ الْعُرْقُ قَالَ آمَنْتُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا الَّذِي آمَنْتُ بِهِ بَنُوآ

إِسْرَائِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝

(یونس، پارہ ۱۱، آیت ۹۰)

جب فرعون ڈوبنے لگا تو پکارا کہ میں اس بات پر ایمان لایا کہ اس اللہ کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں جس اللہ پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں۔ اور میں بھی فرمانبرداروں میں شامل ہوتا ہوں۔

اگر سانس اکھڑتے وقت ابوطالب ایمان لائے تھے تو اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ فرعون ایمان لے آیا تھا؛ جس کی کواہی ابن اخط و شبلی نہیں بلکہ خود اللہ دے رہا ہے۔

علامہ شبلی اور پیر کرم شاہ صاحب اپنے استدلال کی علمی کمزوری کو بھانپتے ہوئے محض خطیبانہ جوش میں دوسری دلیل یہ بیان فرما گئے کہ ابوطالب کی جاں نثاریاں پرورش، شعب بنی ہاشم میں محصور ہونا اور فاقے برداشت کرنا کیا ضائع جائے گا؟ کسی کی پرورش کرنا اگر دلیل ایمان ہو سکتی ہے تو سب سے بڑا مومن فرعون کو ہونا چاہیے، جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بے لوث پرورش کی تھی۔ آنحضرت ﷺ کی پرورش سب سے پہلے عبدالمطلب نے کی اس کے بعد بڑے تایا زبیر نے کی جو صاحب ثروت اور تاجر تھے۔ جب زبیر فوت ہوئے تو آپؐ چوتیس

سال کے جوان تھے اور اپنا کاروبار کرتے تھے۔ زبیر کے فوت ہونے کے بعد خاندانی سرداری ابو طالب کو ملی لیکن یہ خود ایک غریب آدمی تھے۔ ان کی اس مفلسی کی وجہ سے بعد میں حضرت جعفر طیارؓ کی تربیت حضرت عباسؓ نے اپنے ذمہ لے لی اور حضرت علیؓ کی پرورش آنحضرت ﷺ نے خود فرمائی۔

مزید برآں نبوت کے بعد ابو طالب نے جو آپؐ کی حمایت کی وہ کوئی دینی حمایت نہ تھی بلکہ وہ دستور عرب کے مطابق محض خاندانی عصبيت تھی۔ آپؐ کی ایسی حمایت بہت سے دوسرے ہاشمی بھی کر رہے تھے۔ عباسؓ اور حمزہؓ بھی قبول اسلام سے پہلے حمایت کرتے رہے۔ حضور ﷺ جب شعب بنی ہاشم میں محصور ہو گئے تو ابوہلب کے سوا سارے کافر و مسلم ہاشمی اس محصوری میں شریک تھے لیکن یہ حمایت دینی نہ تھی۔ اس محصوری کے دوران جہاں بعض مسلمان خفیہ طور پر غلہ پہنچا دیا کرتے تھے وہاں مطعم بن عدی جیسے کافر بھی خفیہ طریقے سے غلہ وغیرہ پہنچایا کرتے تھے۔ ان کی یہ ہمداری شرافت انسانی کی دلیل ضرور ہے لیکن مومن ہونے کی دلیل نہیں۔ آپ ﷺ کے اموی داماد حضرت ابوالعاصؓ کافر ہونے کے باوجود باقاعدہ غلہ وغیرہ بھیجتے رہے۔ ابو طالب کے فوت ہونے کے بعد ہاشمی خاندان کا سربراہ ابوہلب مقرر ہوا۔ اس نے بھی حضورؐ کی ایسی ہی حمایت کی تھی جیسی ابو طالب نے کی تھی۔ علامہ محمد بن سعد لکھتے ہیں:

آپ ﷺ سفر طائف سے واپسی کے بعد گھر ہی میں رہنے لگے اور باہر نکلتا کم کر دیا۔ قریش کو وہ کامیابی حاصل ہو گئی تھی جواب تک حاصل نہ ہوئی تھی اور نہ انہیں توقع تھی۔ ابوہلب کو معلوم ہوا تو آپؐ کے پاس آیا اور کہا اے محمد (ﷺ)! آپ جہاں چاہتے ہیں جائیے، جو کام آپ ابو طالب کی زندگی میں کرتے تھے کیجیے۔ لات کی قسم!

جب تک میں زندہ ہوں کسی کی آپؐ تک رسائی نہ ہوگی۔

ابن الغیطلہ نے آپؐ کو برا بھلا کہا تھا، ابولہب اس کے پاس آیا اور برا بھلا کہا تو وہ چلاتا ہوا بھاگا کہ اے گروہ قریش ابو عتبہ (ابولہب) بے دین ہو گیا۔ قریش آگئے اور ابولہب کے پاس کھڑے ہو گئے، ابولہب نے کہا میں نے دین عبدالمطلب کو ترک نہیں کیا، مگر میں ظلم سے اپنے بھتیجے کی حفاظت کرتا ہوں؛ یہاں تک کہ یہ جس کام کا ارادہ کرتے ہیں اس کے لیے چلے جائیں۔ آپؐ چند روز اسی حالت پر رہے، آپؐ جاتے تھے، آتے تھے۔ قریش میں سے کوئی شخص آپؐ کی روک ٹوک نہ کرتا تھا۔ یہ لوگ ابولہب سے ڈر گئے تھے۔ (طبقات ابن سعد، جلد ۹، ص ۲۷۹، اشاعت سوم، اپریل ۱۹۸۳ء، نیس اکیڈمی کراچی)

ابوطالب کی خاندانی ہمداری کا بھی یہ حال تھا کہ جب آنحضرت ﷺ نے ابوطالب کی بیٹی ام ہانی سے شادی کی خواہش فرمائی تو ابوطالب نے رشتہ دینے سے انکار کر دیا اور ام ہانی کا نکاح ایک خوشحال لیکن موذی رسولؐ سے کر دیا، جو آخر وقت تک ایمان نہ لایا اور فتح مکہ کے بعد کہیں بھاگ گیا۔

علامہ محمد بن سعد لکھتے ہیں:

نبی کریم ﷺ نے جاہلیت میں ابوطالب سے ان کی بیٹی ام ہانی پر پیام ڈالا اور ہبیرہ بن ابی وہب نے بھی پیام ڈالا۔ پھر ان سے ہبیرہ نے نکاح کر لیا۔ آپؐ نے فرمایا چچا جان آپؐ نے ام ہانی کا نکاح ہبیرہ سے کر دیا اور مجھے محروم فرما دیا۔ ابوطالب نے جواب دیا: بھتیجے! ہم نے ان سے رشتہ کر دیا، محسن محسن کے ساتھ برابر کا احسان کرتا ہے۔ (طبقات ابن سعد، جلد ۹، ص ۲۸۱، فتح ۲۱، مہانی، نیس اکیڈمی کراچی)

ابوطالب کے اصل الفاظ یہ ہیں:

یا ابنِ اخی انا قد صاہرنا الیہم والکریم یکافی الکریم

اے بھتیجے ہم نے ان لوگوں (بنو مخزوم) میں شادی بیاہ کا رشتہ کیا ہے اور کریم ہی کریم کا کفو (ہمسرا اور ہم پایہ) ہوتا ہے۔

یہی ابن سعد زیر عنوان ابوطالب کا خاتمہ اور عرض اسلام لکھتے ہیں:

جب آنحضرت ﷺ نے ابوطالب پر موت کے وقت اسلام پیش کیا تو انہوں نے کہا میں عبدالمطلب کی ملت پر ہوں، یہ کہا اور پھر انتقال کر گئے۔ آپؐ نے فرمایا اے چچا جب تک روکا نہ جائے میں آپ کے لیے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا۔ اس کے بعد آپ ﷺ استغفار کرتے رہے تا آنکہ یہ آیت نازل ہوئی۔

وَمَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا.....

پیغمبر اور مومنین پر جب یہ بات واضح ہو چکی کہ مشرکین جہنمی ہیں تو چاہے یہ مشرکین قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں ان کے لیے استغفار مناسب نہیں۔ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آیت اِنَّكَ لَا تَهْدِي..... ابوطالب کے حق میں نازل ہوئی..... علیؓ بن ابی طالب کہتے ہیں میں نے آنحضرت ﷺ کی جناب میں حاضر ہو کے عرض کی ”اِنَّ عَمَلَكَ الشَّيْخَ الْمَضَالَقَدْ مَاتَ“ یا حضرت آپؐ کا بوڑھا گمراہ چچا مر گیا۔ بوڑھے گمراہ چچا سے علیؓ کی مراد خود ان کے والد تھے یعنی ابوطالب۔

(طبقات ابن سعد، جلد ۲، ص ۲۷۷، اشاعت سوم، اپریل ۱۹۸۳ء)

علاوہ ازیں ابوطالب کے ترکہ سے حضرت جعفرؓ اور حضرت علیؓ شرف بہ اسلام ہونے کی وجہ سے محروم ہو گئے تھے اور وہ ترکہ طالب اور عقیلؓ کے حصے میں آیا۔ (عقیلؓ نے اس وقت اسلام قبول نہیں کیا تھا) (کتاب العارف، ج ۲، ص ۲۰۲، طبع کراچی)

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب فرماتے ہیں:

حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے چچا تھے۔ حضورؐ سے بے حد پیار و محبت تھی کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ مسلمانوں میں سب سے بڑھ کر محبت ابو بکر صدیقؓ کو تھی اور ایمان نہ لانے والوں میں سب سے زیادہ ابوطالب کو۔ حضورؐ کی طفولیت سے لے کر اپنی وفات تک کفار سے مقابلہ کرتے رہے، قید و بند کی صعوبتیں گزاریں، تین سال تک شعب ابی طالب میں قید رہے..... مگر ایمان نہ تھا تو حضور اقدس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابوطالب جہنم میں ہے اور مسلم شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم میں بھی درجات ہیں۔ کو یا اے کلاس، بی کلاس، سی کلاس جیسے درجے ہیں۔ مگر ہے وہ جیل ہی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ابوطالب کے صرف جوتے کے تسمے آگ کے ہیں اور باقی جسم پر آگ نہیں مگر ہے تو وہ جہنم کی آگ۔ دنیا کی آگ سے سو گنا زیادہ تیز ہے۔ اس کا ایک ذرہ بھی دنیا پر ظاہر ہو تو ساری دنیا بھسم ہو کر رہ جائے، تو اس تسمہ ناری جہ سے بھی ابوطالب کا دماغ کھول رہا ہے جیسے دیکھ میں آگ پر پانی کھولتا ہو..... (ابوطالب) جب مرنے لگے، حضورؐ پاس آئے۔ ابو جہل وغیرہ بیٹھے تھے۔ سارا کنبہ تھا۔ گاؤں کا بزرگ قریب المرگ تھا، تو حضورؐ نے کہا کہ چپکے سے اگر ایک بات کہہ دو تو اللہ تعالیٰ جہنم سے بچا دے گا اور میرے لیے شفاعت کی ایک بڑی دلیل مل جائے گی تو ابوطالب نے کہا کہ اب اگر ایمان لایا تو لوگ کہیں گے یہ بوڑھا موت سے ڈر گیا اور باپ دادا کے دین سے تائب ہو گیا۔ قریش کی بوڑھی عورتیں مجھ پر ہنسیں گی۔ اس لیے میں اپنے پرانے مذہب پر ٹھیک ہوں۔ (دموات حق، جلد ۵ ص ۶۵، دارالعلوم حجاز، کتب خانہ)

مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

ابوطالب نے اسلام قبول نہیں کیا۔ یہ بات کتب حدیث، سیرت قدیم و جدید سے ثابت اور مشہور ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کا بڑا ملال تھا۔ لیکن یہ بات اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ دین اصول و عقیدہ کا مذہب ہے، نہ کسی فرد کی طرف داری کرتا ہے اور نہ کسی خاندان کی۔ بنیاد صرف وہ ہے جس کی دعوت نبی کریم ﷺ لے کر آئے۔ شخصی محبت اور تہامد اذیت و حمایت بھی کام نہیں آتی اگر اس کے ساتھ صحیح عقیدہ اور رسول اللہ کی تعلیمات پر ایمان نہ ہو۔ (المعرفی، ص ۳۹، مطبوعہ مجلس نشریات اسلام کراچی)

بہر حال مفسرین، محدثین اور علماء اسلام کے متفقہ قول کے مطابق ابوطالب کی موت کفر اور شرک پر ہوئی۔ اس سے حضرت علیؑ کی عظمت میں کوئی فرق نہیں آتا اور نہ ہی اس نظر یہ سے حضرت علیؑ کی توہین و ایذا کا کوئی پہلو نہیں نکلتا ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس سے ان کی ایمانی پختگی واضح ہوتی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان اگر ایمان نہ لایا تو اس سے سیدنا نوح علیہ السلام کی کیا توہین ہوئی؟ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ آذر کا فر ہی رہا تو اس سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بھی کوئی توہین نہیں ہوئی۔ بلکہ اس سے ان کے کمال ایمان کا پتہ چلتا ہے۔ اسی طرح ابوطالب کے مومن نہ ہونے سے حضرت علیؑ کی اہانت کا بھی کوئی پہلو نہیں نکلتا۔ خاص کر جبکہ حضرت علیؑ چھ سال کے تھے تو آنحضرت ﷺ انہیں اپنے گھر لے آئے، ان کی کفالت اور تربیت کی اور وہ باپ کے شرک و انحرافات سے بچپن ہی میں محفوظ ہو گئے تھے۔

ابوطالب کے ایمان کی بحث قدرے طویل ہو گئی ہے لیکن اس کا موضوع کتاب کے ساتھ گہرا تعلق ہے کیونکہ ایک فریق آل رسولؐ اور اہل بیت رسولؐ کو صرف اسی گھرانے کے چند افراد تک محدود کرتا ہے۔ محض حضرت علیؑ کا والد ہونے کی وجہ سے

اہل بیت رسول کون؟

۱۴۲

اولاد ابی طالب

ابو طالب کا درجہ جملہ صحابہؓ سے بلکہ انبیاء سے بھی بڑھا دیتا ہے۔ اس لیے مجبوراً مذکورہ بالا تجزیہ پیش کرنا پڑا۔

اولاد ابی طالب

ابو طالب نے اپنے پیچھے حسب ذیل اولاد چھوڑی۔

چار بیٹے:

۱۔ طالب ۲۔ عقیل ۳۔ جعفر ۴۔ علیؑ

دو بیٹیاں:

۱۔ ام ہانی (ہند، فاطمہ) ۲۔ حمامہ

طالب بن ابی طالب:

یہ سب بھائیوں میں بڑے تھے۔ انہی کے نام پر عبد مناف کی کنیت ابو طالب تھی۔ غزوہ بدر میں ابو جہل کی قیادت میں مسلمانوں کے خلاف شرکت کی۔ بموجب بعض روایات بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ دوسری روایات میں ہے کہ طالب اپنے بھائی عقیلؑ اور چچا عباسؑ کے ساتھ میدان بدر میں آئے تھے لیکن جنگ میں کفار کو شکست ہوئی تو طالب فرار ہو گئے۔ پھر پتہ نہ چلا کہ کہاں گئے۔ بعض لکھتے ہیں کہ میدان بدر میں مارے گئے اور بعض کے نزدیک سمندر میں ڈوب مرے۔

ملا باقر مجلسی لکھتا ہے:

جب آنحضرت معراج پر گئے تو وہاں عرش پر چار نور دیکھے، دریافت کرنے

اہل بیت رسولؐ کون؟

۱۴۳

عقیلؓ بن ابی طالب

پر انہیں بتایا گیا کہ ایک نور عبدالمطلب کا، دوسرا ابو طالب کا، تیسرا عبد اللہ کا اور چوتھا آپؐ کے بھائی طالب کا ہے۔ اور یہ درجہ اس لیے ملا ہے کہ انہوں نے اپنا ایمان پوشیدہ رکھا اور اپنی قوم سے تقیہ کیا اور ان کے ظلم و آزار پر صبر کیا؛ یہاں تک کہ دنیا سے رحلت کی۔

(جلاء العیون اردو، ص ۶۲۳)

سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

طالب کی غزوہ بدر کے بعد حالت شرک میں موت واقع ہوئی۔ ایک روایت ہے کہ وہ کہیں باہر گئے تھے، واپس نہیں آئے اور ان کی کوئی خبر نہیں ملی۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو کسی سفر میں راستہ بھٹک گئے تھے۔ (لہذا، ص ۴۰، مجلس نشریات اسلام گراہی) بہر حال طالب کا ایمان ثابت نہیں ہے۔ ان کی موت (خواہ میدان بدر میں واقع ہوئی ہو یا سمندر میں) کفر اور شرک ہی کی حالت میں واقع ہوئی۔

عقیلؓ بن ابی طالب:

یہ طالب سے چھوٹے تھے۔ ان کی کنیت ابو یزید تھی۔ ابو طالب اپنی اولاد میں حضرت عقیلؓ سے زیادہ مانوس تھے۔ جب زمانہ قحط میں آنحضرت ﷺ اور حضرت عباسؓ، ابو طالب کے پاس گئے تاکہ ان کی اولاد کی کفالت کی ذمہ داری آپس میں تقسیم کر لیں اور چچا اور بھائی کا بوجھ ہلکا ہو تو ابو طالب نے کہا: بہتر ہوتا کہ تم لوگ عقیل کو میرے پاس چھوڑ دیتے، ان کے علاوہ جوان کے بھائی ہیں ان کو جس طرح چاہو تقسیم کر لو، تو حضورؐ نے حضرت علیؓ کی اور حضرت عباسؓ نے حضرت جعفرؓ کی کفالت اپنے ذمہ لے لی۔

عقیلؑ نے غزوہ بدر میں ابو جہل کا ساتھ دیا، گرفتار ہوئے۔ حضرت عباسؑ نے ان کا فدیہ بھی ادا کیا۔ فتح مکہ کے وقت ایمان لائے۔ بعض روایتوں کے مطابق صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لے آئے تھے۔ ۸ھ کی ابتداء میں ہجرت کی۔ غزوہ موتہ میں شریک تھے۔ فتح مکہ اور حنین میں ان کا نام نہیں ملتا۔ حضرت عقیلؑ انس اب عرب کے بڑے ماہر عالم تھے۔ انس اب کے سلسلے میں لوگ ان سے رجوع کیا کرتے تھے۔ وہ بڑے حاضر جواب تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ میں دو وجہ سے تم سے محبت رکھتا ہوں۔ ایک رشتہ داری کی محبت اور دوسری اس لیے کہ میرے چچا کو تم سے محبت تھی۔

ابو طالب کے مرنے کے بعد ان کا ترکہ حضرت عقیلؑ (جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے) اور طالب کے حصے میں آیا۔ حضرت عقیلؑ نے حضرت علیؑ کے مقابلے میں حضرت معاویہؓ کی حمایت کی تھی۔ (کتب العارف، ص ۲۴)

ابن سعد کا بیان ہے کہ حضرت عقیلؑ کی وفات حضرت معاویہؓ کے دور خلافت میں ہوئی۔ ”تاریخ البخاری الاصفیٰ“ میں صحیح سند سے مذکور ہے کہ حضرت عقیلؑ کی وفات حادثہ حرہ سے پہلے یزید کی حکومت کے زمانے میں ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر چھیا نوے برس تھی۔ انتقال سے پہلے ان کی بیٹائی جاتی رہی تھی۔

عقیلؑ بن ابی طالب کی اولاد:

۱۔ مسلم ۲۔ عبدالرحمن ۳۔ محمد

مسلم بن عقیل کو سبائیوں نے کوفہ میں شہید کر کے اس بات کا انتقام لے لیا کہ ان کے والد عقیلؑ نے حضرت معاویہؓ کا ساتھ دیا تھا۔ مسلم بن عقیل کے بیٹے عبداللہ

کربلا میں شہید ہوئے۔ عبدالرحمن اور محمد (پسران عقیلؑ) اپنے بھائی مسلم کے قصاص کی خاطر آگے بڑھے اور کربلا میں شہید ہو گئے۔

محمد بن عقیل کی اولاد:

۱۔ عبدالرحمن (شہید کربلا) ۲۔ قاسم (شہید کربلا)

۳۔ ابو محمد عبداللہ (یہ بڑے پائے کے فقیہ تھے)

ابو محمد عبداللہ بن عقیل کی اولاد:

۱۔ قاسم الجری ۲۔ علی ۳۔ طاہر

۴۔ ابراہیم ۵۔ عقیل ۶۔ محمد

قاسم الجری کی اولاد:

۱۔ عبدالرحمن اور ۲۔ عقیل

عبدالرحمن بن قاسم الجری کے بیٹے محمد المرفوع ہیں۔ ان کی اولاد طبرستان میں بنو المرفوع کہلاتی ہے۔

محمد بن ابو محمد عبداللہ بن محمد بن عقیل کی اولاد:

۱۔ قاسم ۲۔ احمد ۳۔ عبداللہ ۴۔ مسلم

قاسم کے بیٹے محمد الانصار، ان کی نسل بڑی تعداد میں باقی ہے۔

حضرت جعفرؑ بن ابی طالب:

حضرت علیؑ کے بڑے بھائی ہیں۔ ان سعادت مند افراد میں سے ہیں جو

ابتدا ہی میں اسلام لے آئے تھے۔

سابقین اولین میں ان کا شمار تھا۔ حضرت جعفرؑ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ غزوہ خیبر کے بعد جب حضرت جعفرؑ واپس آئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کا استقبال کیا، ان کی پیشانی کو چوم کر فرمایا میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھے اس وقت کس بات کی زیادہ خوشی ہے، جعفرؑ کے آنے کی یا فتح خیبر کی۔ جنگ موتہ میں انتہائی بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ تلوار، نیزے اور تیر کے نوے سے زیادہ زخم مار کیے گئے۔ دونوں ہاتھ کٹ گئے تھے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں نے جعفرؑ کو فرشتوں کے ساتھ جنت میں اڑتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس سے ان کا لقب طیار ہوا۔

صحیح بخاری میں ان کے بارے میں مروی ہے کہ جعفرؑ مسکینوں کے حق میں بہترین انسان تھے۔ حضرت جعفرؑ مسکینوں سے محبت کرتے، ان کے پاس بیٹھا کرتے، ان کی خدمت کیا کرتے اور ان سے گھلے ملے رہتے۔ آپؐ انہیں ابوالمساکین کی کنیت سے یا فرمایا کرتے تھے اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے ”اشبہت خلقی و خلقی“ تمہاری مجھ سے شکل و صورت اور عادات و خصائل دونوں میں شباهت ہے۔

ان کی بیوہ سیدہ اسماء بنت عمیس سے بعد میں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے نکاح کیا تھا۔

حضرت جعفر طیارؑ کی اولاد:

۱۔ عبداللہ ۲۔ عون ۳۔ محمد الاکبر ۴۔ محمد الاصغر

عبداللہ بن جعفرؑ کی اولاد:

- ۱۔ معاویہ
- ۲۔ علی الزبیری (ان کی والدہ حسنینؑ کی حقیقی ہم شیرہ سیدہ زینب بنت علیؑ ہیں)
- ۳۔ اسماعیل
- ۴۔ محمد
- ۵۔ عدی
- ۶۔ عون (محمد، عدی اور عون کربلا میں شہید ہوئے) جبکہ عون و محمد پسران جعفرؑ بن ابی طالب جنگ تستر میں شہید ہوئے۔ اشتراک اسمی کی وجہ سے مغالطہ دیا جاتا ہے۔ عبداللہ بن جعفرؑ کی نسل کثیر باقی ہے۔

حضرت علیؑ بن ابی طالب

یہ نبی کریم ﷺ کے چچا جناب ابو طالب کے چھوٹے بیٹے تھے۔ آپ نے بچپن سے نبی اکرمؐ کے سایہ عاطفت میں پرورش پائی اور بیت نبویؐ میں لڑکپن اور عالم شباب میں علم و عمل کی تعلیم و تربیت حاصل کی۔ جس کے نتیجے میں آپ اسلامی اخلاق کے مجسم نمونہ بن گئے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ نبوی تربیت نے حضرت علیؑ کی شخصیت کی تعمیر اور ان کے نفسیاتی، دینی، قیادتی اور مثالی خصائص کو جلائے بخشے میں عظیم اثرات چھوڑے ہیں۔ حضرت علیؑ قدیم الاسلام ہیں۔ آپؑ کا سابقین اولین اور عشرہ مبشرہ میں چوتھے درجے پر شمار ہوتا ہے۔ اعلانیہ اسلام قبول کیا۔ تقیہ تو نعوذ باللہ کیا اختیار کرتے کبھی کتمان سے بھی کام نہ لیا۔ اسلام کے لیے نمایاں خدمات انجام دیں۔

شجاعت میں ممتاز حیثیت کے مالک اور کثیر الفصائل ہیں۔ انبیاء کرام اور خلفائے ثلاثہ (ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ) کے بعد تمام انسانوں سے افضل ہیں۔ لیکن مفترض الطاعت، مامور من اللہ اور معصوم نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ اوصاف خاصہ نبوت

ہیں۔ اہل تشیع نے ایک خاص منصوبے کے تحت اسلام میں تحریف کرنے کی غرض سے اور پیغمبر اسلام سے انتقام لینے کی خاطر ”حب علی“ کے پردے میں مخصوص اصطلاحات وضع کر کے ”بغض علی“ کا ثبوت دیا۔

انہوں نے اگر خلفائے ثلاثہ کو ”غاصبان خلافت رسول“ قرار دیا ہے تو علیؑ و آل علیؑ کو کتاب اللہ کو مقفل کر کے انہیں ”غاصبان خلافت الہیہ“ اور غاصبان حقوق نسل انسانی قرار دیا۔ کیونکہ اہل تشیع یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ علیؑ نے قرآن جمع کر کے اسے ابو بکرؓ پر پیش کیا لیکن انہوں نے اس اصلی قرآن کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا تو علیؑ نے فرمایا اب تم اس قرآن کو قیامت تک نہ دیکھ سکو گے، جسے بعد میں ”امام مہدی“ لے کر غار میں روپوش ہو گئے۔

عبداللہ بن سنانہ تو محبت علیؑ تھا اور نہ ہی دشمن صحابہؓ۔ وہ تو یہودی تھا اور یہودی کو بنو ہاشم کے ایک ممتاز فرد نبی اکرم ﷺ کی نبوت سے انکار کرنے کی وجہ سے مدینہ منورہ سے جلا وطن ہونا پڑا۔ مدینہ منورہ کے بعد جب انہوں نے خیبر کو اپنا وطن قرار دیا تو نبی اکرم ﷺ کی اس پوشش کوئی کے مطابق کہ:

”لا عسطين هذه الراية غدار جمل يفتح الله على يديه يحب الله

ورسوله ويحبه الله ورسوله“ (صحیح بخاری، کتاب المغازی باب فزوة خیر)

کل یہ علم میں اس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ فتح عطا فرمائیں گے، وہ شخص اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسولؐ اس شخص سے محبت کرتے ہیں۔

حضرت علیؑ کی زیر علمبرداری لشکر اسلام نے دیرخیر ہی نہیں اکھاڑا بلکہ

یہودیوں کو سرزمین عرب ہی سے اکھاڑا ہر پھینکا۔

یہ تھا وہ بغض و حسد و تعصب جس کو سینے میں دبائے ہوئے ابن سبا، اس کے اعوان و انصار ترقیہ مسلمان ہوئے۔ انہوں نے حب علیؑ کی آڑ میں، پیغمبر اسلام علیؑ اور آل علیؑ سے اپنے آبا و اجداد کا ایسا بدلہ لیا جو تاقیا مت یا درہے گا۔

اگر خیبر کا دروازہ اکھاڑ کر علیؑ نے یہودیوں کو بے گھر کیا تو انہوں نے بھی علیؑ کو مدینہ الرسول چھوڑنے پر مجبور کیا اور ان سے اپنے محبوب ترین نبی کی رفاقت ایسی چھڑائی کہ دوبارہ کوفہ سے مدینہ کی زیارت کو آنا بھی نصیب نہ ہوا، حضرت حسنؑ کو بہت تکالیف پہنچائیں اور زندگی بھر چین سے نہ بیٹھنے دیا، حضرت حسینؑ اور دیگر آل علیؑ کو خطوط پر خطوط لکھ کر ان سب کو اہل و عیال سمیت مدینے سے بے گھر کیا اور کربلا میں جو ان کا حشر کیا وہ قیامت تک کے لیے اس حقیقت کا شاہد ہے کہ اگر علیؑ کی زیر علمبرداری در خیبر اکھاڑ کر یہودیوں کو بے گھر کیا گیا تو یہودیوں نے بھی علیؑ کے در کو ایسا اکھاڑا کہ اس سارے خاندان کو زندگی بھر کے لیے بے گھر ہونا پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ موسیٰ کاظم اور دیگر آل علیؑ کے مزارات مدینے کی بجائے عراق و ایران میں ہیں۔ یہودی آج تک اس بات کو فراموش نہیں کر سکے۔ چنانچہ ایک یہودی اپنے مضمون

"Why muslims hate jews"

میں اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ محمدؐ نے مسلمانوں کے دلوں میں یہودیوں کے خلاف نفرت پیدا کر دی تھی۔ انہوں نے ہزاروں یہودیوں کے خون سے ہاتھ رنگین کیے اور باقی یہودیوں کو مدینہ سے جلا وطن کر دیا۔

بالآخر حضرت علیؑ اپنے ایک ”محبت“ عبدالرحمن ابن ملجم کے ہاتھوں ۱۷ رمضان، ۴۰ھ میں جام شہادت نوش کر گئے۔

آپؑ کی خلافت کی مدت چار سال نو ماہ ہے۔ آپؑ کی نماز جنازہ حضرت حسنؑ نے پڑھائی اور کوفہ کے دارالامارت میں دفن ہوئے۔ کیونکہ خوارج سے خوف تھا کہ آپؑ کے جسد مبارک کو کھود کر نکال نہ لیں۔

حضرت علیؑ کی اولاد:

حضرت علیؑ کی اولاد کے متعلق مختلف اقوال ہیں:

۱۔ ٹھارہ بیٹے اور اٹھارہ بیٹیاں

۲۔ انیس (۱۹) بیٹے تھے جن میں سے چھ والد کے سامنے فوت ہو گئے اور چھ کربلا میں شہید ہوئے۔

۳۔ بن جریر کے مطابق حضرت علیؑ کی کل اولاد چودہ بیٹے اور سترہ بیٹیاں تھیں۔

دنیا میں اس وقت آپؑ کی نسل پانچ افراد سے باقی ہے۔ ان کے نام یہ ہیں۔

۱۔ حسنؑ ۲۔ حسینؑ ۳۔ محمدؑ (بن الحنفیہ) ۴۔ عباسؑ ۵۔ عمرؑ

حضرت علیؑ کی ازواج کے نام:

۱۔ سیدہ فاطمہؑ: ان سے حسنؑ، حسینؑ، ام کلثومؑ اور سیدہ زینب پیدا ہوئیں۔

۲۔ ام النہین بنت حرام: ان سے عمر، عباس، جعفر، عبید اللہ اور عثمان پیدا ہوئے۔

۳۔ لیلیٰ بنت مسعود: ان سے عبید اللہ اور ابو بکر تو لد ہوئے۔

۴۔ اسماء بنت عمیسؑ: ان سے عون اور یحییٰ پیدا ہوئے۔

۵۔ سیدہ امامہ بنت ابی العاصؓ اموی: ان سے محمد اوسط پیدا ہوئے۔

۶۔ خولہ بنت جعفر: ان سے محمد پیدا ہوئے جو محمد بن حنفیہ کے نام سے مشہور کر دیے گئے۔

۷۔ ام سعید بنت عروہ: ان سے دو بیٹیاں ام الحسن اور رملہ پیدا ہوئیں۔

۸۔ ام حبیبہ بنت ربیعہ: ان سے ایک صاحبزادہ عمر اور ایک صاحبزادی رقیہ پیدا ہوئی۔

۹۔ میمنا بنت امراء القیس: ان سے ایک لڑکی حارثہ پیدا ہوئی۔

مختلف باندیوں کے لطف سے مندرجہ ذیل لڑکیاں پیدا ہوئیں۔

ام ہانی، میمونہ، زینب الصغریٰ، فاطمہ، امامہ، رملہ الصغریٰ، خدیجہ، ام الکرام ام سلمہ، جمانہ، نفیسہ اور ام جعفر۔

مذکورہ تفصیل کے مطابق چودہ بیٹے اور اٹھارہ بیٹیاں ثابت ہوئیں۔

ام ہانیؓ بنت ابی طالب:

حضرت علیؓ کی بہن ہیں۔ ان کا نام کچھ لوگوں نے فاختہ، فاطمہ اور ہند بھی بتایا ہے لیکن پہلا نام زیادہ مشہور ہے۔ جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے شفیق، مربی اور ہمدرد چچا سے ام ہانی کا رشتہ مانگا تھا لیکن ابو طالب نے آپؐ کے پیغام پر ہیرہ بن عائد الخرمی کے پیغام کو ترجیح دی اور اس کے ساتھ نکاح کر دیا۔ فتح مکہ کے بعد ہیرہ مکہ سے بھاگ کر نجران چلا گیا اور ام ہانیؓ نے اسلام قبول کر لیا۔ ام ہانیؓ سے ہیرہ کا لڑکا عمرو پیدا ہوا اور اسی نام سے اس کی کنیت ابو عمرو تھی۔

فتح مکہ کے دن ام ہانیؓ نے بنی مخزوم کے دو آدمیوں کو پناہ دی تھی جبکہ حضرت علیؓ نے انہیں قتل کی دھمکی دے رکھی تھی۔ جب آنحضرتؐ کو بتایا گیا کہ ام ہانیؓ نے انہیں پناہ دی ہے تو آپؐ نے فرمایا جن کو تم نے پناہ دی ان کو میں نے پناہ دی، جن کو تم نے امن دیا میں نے بھی ان کو امن دیا اور ان دونوں کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ ام ہانیؓ سے چند احادیث بھی مروی ہیں جو صحاح ستہ اور دوسری کتابوں میں موجود ہیں۔

جملۃ بنت ابی طالب:

ان کا نکاح ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب کے ساتھ ہوا، جن سے عبداللہؐ اور جعفرؓ پیدا ہوئے۔ یہ دونوں اور ان کے والد ابوسفیان بن حارث صحابی ہیں۔ جناب جعفرؓ وہ جنین میں شریک تھے اور حضرت معاویہؓ کے دور خلافت میں وفات پائی۔

عبداللہ بن عبدالمطلب:

آنحضرت ﷺ کے والد ماجد، زبیر اور ابوطالب کے حقیقی بھائی تھے۔ عبدالمطلب کو ان سے بہت ہی محبت تھی۔ کیونکہ ایک روایت کے بموجب انہوں نے منت مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے دس فرزند عطا کرے گا تو وہ ایک کو تقرب الہی کے لیے ذبح کرے گا۔ جب دس فرزند پیدا ہو گئے تو منت کی تکمیل کے لیے قرعہ اندازی ہوئی جس میں عبداللہ کا نام نکلا۔ لیکن چند رشتہ دار مزاحم ہوئے تو دیت کی ادائیگی طے پائی جو اس وقت دس اونٹ تھی، حتیٰ کہ یہ سوا اونٹ تک بڑھادی گئی۔ اس طرح عبدالمطلب نے بیٹے کا فدیہ اور اپنی منت کے بدلے میں سوا اونٹ قربان کر دیے۔ اس واقعہ سے پہلے عرب میں انسانی دیت کے لیے دس اونٹ مقرر تھے لیکن اس کے بعد دیت کی مقدار عام طور پر سوا اونٹ ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ نے جناب عبداللہ کو حسن صورت و سیرت سے نوازا تھا۔ اپنی شرافت اور نیکی کی وجہ سے ہر عزیز تھے۔ بڑے حقیقی بھائی زبیر کی طرح تجارت کرتے تھے۔ شعب بنی ہاشم میں ان کا اپنا مکان تھا۔ عبدالمطلب نے ان کی شادی بنی زہرہ کے سردار وہب کی بیٹی (جو ایک فرشتہ سیرت خاتون تھیں) سیدہ آمنہ سے کر دی۔ یہ اس وقت اپنی عالی نسب اور عزت و وجاہت میں قریش کی سب سے محترم خاتون سمجھی جاتی تھیں۔ شادی کے بعد جناب عبداللہ شام کی طرف تجارت کی غرض سے گئے واپسی پر مدینہ قیام کیا۔ دوران سفر کافی بیمار ہو گئے۔ عبدالمطلب کو جب اطلاع ہوئی تو انہوں نے زبیر کو عیادت اور خبر لانے کے لیے مدینہ بھیجا۔ اسی بیماری میں جناب عبداللہ نے وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر تیس برس کے لگ بھگ تھی۔

آل مجازی

گذشتہ تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے تمام پیروکار ساری امت مسلمہ اور تمام اہل ایمان قرابت دار بالخصوص بنو ہاشم اور بنو المطلب آل رسول کہلاتے ہیں۔ یہاں آل مجازی کے الفاظ قدرے محدود معنوں میں استعمال کیے جا رہے ہیں۔ ویسے تو بنو اعمام (یعنی آپ کے چچاؤں کی اولاد جس کی تشریح گذشتہ صفحات میں زیر عنوان آل نسبی گزر چکی ہے) پر بھی آل مجازی کا اطلاق ہو سکتا ہے لیکن یہاں آنحضرت ﷺ کی اولاد و ختری مراد ہے، جیسے:

۱۔ سیدہ زہبہ زوجہ ابوالعاص اموی علیؑ، امامہؑ

۲۔ سیدہ رقیہ زوجہ عثمان غنیؓ اموی عبداللہ

۳۔ سیدہ فاطمہؓ زہیہ علی المرتضیٰؓ حسنؓ، حسینؓ، ام کلثومؓ، زینبؓ

۴۔ سیدہ ام کلثومؓ زہیہ عثمان غنیؓ اموی

یہ ملحوظ رہے کہ خود بنات اربعہ ”آل حقیقی“ میں شامل ہیں جن کا ذکر آگے

آ رہا ہے۔

مذکورہ بالا نواسے اور نواسیاں مجازاً آنحضرت ﷺ کی آل ہیں اور حقیقتاً یہ

حضرات آل ابی العاصؓ، آل عثمانؓ اور آل علیؓ ہیں۔

رافضیت و سبائیت کی تلمیذ کا اندازہ لگائیں کہ جس طرح انہوں نے اہل بیت رسولؐ اور آل رسولؐ سے ازواج مطہراتؓ کو خارج کر دیا اسی طرح انہوں نے آنحضرتؐ کی سیدہ فاطمہؓ کے علاوہ بیٹیوں، بیٹیوں اور آپؐ کے حقیقی نواسوں علیؓ و عبداللہؓ اور نواسی سیدہ امامہؓ کو بھی خارج کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ نے خود ان پر ”چادر“ نہ ڈال کر اہل بیت رسولؐ، آل رسولؐ کے منہوم سے خارج کر دیا تھا (آل کساء پر تفصیلی بحث آگے آرہی ہے) لیکن آپؐ نے جس طرح اپنی چادر مبارک میں ”چارتن“ کو داخل فرمایا تھا ویسے ہی بلکہ اس سے زیادہ اہتمام کے ساتھ اپنے عم محترم حضرت عباسؓ اور ان کے بیٹیوں کو بھی داخل فرمایا ہے، تو پھر آل عباسؓ (جو چادر میں آنے اور ہاشمی ہونے کی وجہ سے بھی آل رسولؐ اور اہل بیت رسولؐ میں داخل ہیں) پر ان اصطلاحات کا اطلاق کیوں نہیں کیا جاتا؟ جبکہ وہ یقیناً آل رسولؐ میں داخل ہیں۔

حضرات حسینؓ، ام کلثومؓ و سیدہ زہیہؓ حقیقی معنوں میں آل علیؓ بن ابی طالب

ہیں۔ عبداللہ آل عثمان غنیؓ اور علیؓ و امامہؓ آل ابی العاصؓ ہیں اور مجازاً یہ سب آل رسولؐ

کہلائیں گے خواہ انہیں ”چادر مبارک“ میں داخل کیا گیا ہو یا نہ، کیونکہ چادر میں نہ آنے کی وجہ سے کسی مذہب اور نسل پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اگر حضرات حسنینؓ چادر میں نہ آتے پھر بھی وہ نواسہ رسول ہونے کی بنا پر آل رسولؐ میں شامل ہوتے، جیسے ان کی حقیقی ہمشیرگان سیدہ ام کلثومؓ و سیدہ زینبؓ چادر میں داخل نہ ہونے کے باوجود آل رسولؐ میں داخل ہیں۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ نے سیدہ فاطمہؓ کے علاوہ دیگر بیٹیوں سیدہ زینبؓ، سیدہ رقیہؓ اور سیدہ ام کلثومؓ پر ”چادر“ نہیں ڈالی تو انہیں آل رسولؐ سے کون خارج کر سکتا ہے؟

نواسہ رسول علی بن ابی العاصؓ اموی:

یہ آنحضرت ﷺ کے سب سے بڑے نواسے ہیں۔ ان کے والد سیدنا ابوالعاصؓ بن ربیع بن عبد العزیٰ بن عبد شمس بن عبد مناف جو ام المومنین سیدہ خدیجہؓ کے حقیقی بھانجے ہیں۔ ان کی والدہ آپؐ کی سب سے بڑی صاحبزادی سیدہ زینبؓ ہیں۔ علیؓ ہجرت مدینہ سے تقریباً آٹھ سال قبل پیدا ہوئے۔ عربی دستور کے مطابق دو سال کی دودھ پینے کی مدت بنو غاضرہ میں گزاری۔ اس کے بعد بچپن سے جوانی تک اپنے نانا کی آغوش میں پلے، بڑھے اور تربیت پائی۔

یہ اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے۔ ابوالعاصؓ ابھی تک مکہ میں ہی تھے اور اسلام بھی قبول نہیں کیا تھا۔ علیؓ کو مدینہ منورہ میں آپؐ کے گھر مسلسل قیام کی سعادت حاصل رہی۔ آپؐ کو بھی اپنے نواسے سے بہت محبت تھی اور ہر اہم موقع پر انہیں اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ فتح مکہ کے وقت آپؐ کے

ساتھ اونٹنی پر بیٹھے ہوئے تھے۔

قاضی سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن یہی علیؓ سبط رسولؐ حضورؐ کے ناقہ پر ان کے ردیف تھے۔
(ترغیب للعالمین، جلد ۲، ص ۱۰۴)

شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

وكان النبي صلى الله عليه وسلم أرفه علي راحلته يوم الفتح -
اور نبی اکرمؐ نے فتح مکہ کے دن علی بن ابی العاصؓ کو اپنی سواری پر ردیف بنایا تھا۔
(الاصابہ لابن حجر عسقلانی، جلد ۲، ص ۵۱۰ تحت علی بن ابی العاص)

اشتراک اسمی کی وجہ سے لوگوں نے علی بن ابی العاصؓ کی بجائے علی بن ابی طالب کو ردیف سمجھ لیا۔ فیا اسفا!

فتح مکہ کے دن ان نواسہ رسولؐ کی عمر پندرہ سال تھی۔ مجوسی مؤرخین کا وطیرہ رہا ہے کہ وہ کسی دوسرے کی فضیلت برداشت نہیں کر سکتے۔ جس صحابیؓ کے ساتھ کوئی فضیلت دیکھی اسے فوراً چھین لیا۔ مثلاً آنحضرتؐ نے غزوہ احد کے موقع پر حضرت حمزہؓ کو ”سید الشہداء“ کا لقب دیا تھا، اس لقب کو ان سے چھین کر حضرت حسینؓ کو عطا کر دیا گیا۔ حضرت ابوبکرؓ کو صدیق اکبر کہا جاتا تھا تو ان مجوسیوں نے حضرت علیؓ کی زبان سے یہ اعلان کروا دیا کہ ”انا الصديق الاكبر“ میں صدیق اکبر ہوں۔

الغرض یہی سبط رسولؐ ہیں جو تمام اسباط سے زیادہ حضورؐ کی صحبت و تربیت سے فیض یاب ہوئے۔

ان کی تاریخ وفات کے بارے میں مؤرخین کسی ایک بات پر متفق نہیں ہو سکے۔ شاید مجوسیت و سہائیت کے خوف سے اتفاق نہیں ہو سکا۔ کیونکہ وہ تو سرے

سے انہیں تاریخ کے صفحات ہی سے غائب کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ اس لیے ان کی تاریخ وفات کے بارے میں غیر یقینی انداز میں درج ذیل اقوال ملتے ہیں۔

۱۔ بعض کے نزدیک آنحضرتؐ کی زندگی میں ہی ان کا انتقال ہو گیا تھا۔

۲۔ بعض کے نزدیک یہ قریب البلوغ ہو کر فوت ہوئے۔

قاضی سلیمان منصور پوری بھی ایک مبہم روایت کے حوالے سے آنحضرتؐ کی حیات میں ان کا فوت ہونا لکھ گئے ہیں۔ لیکن انہیں اپنی تحریر سے اطمینان نہیں تھا اس لیے یہ الفاظ بھی لکھ دیے ”غالباً یہ حدیث علیؓ سبط رسولؐ ہی کی وفات کے متعلق ہے۔“

(رحمۃ اللغاتین، جلد دوم، ص ۱۰۴)

اس کے برعکس ان کی تاریخ وفات کے بارے میں کثرت کے ساتھ یہ قول

بھی ملتا ہے کہ انہوں نے جنگ یرموک میں مشرکین کے خلاف اسلام کے پرچم تلے جرأت و بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا۔ علامہ ابن حجر العسقلانی نے بھی ابن عساکر کے حوالے سے یہ تحریر کیا ہے کہ ”انہ قتل یوم

الیرموک“ وہ معرکہ یرموک میں شہید ہوئے۔ (الامام، جلد ۵، ص ۵۱۰۔ تحت علی بن ابی العاص)

علامہ اقبال کی بانگ درا میں ایک نظم کو بھی اس قول کی تائید میں پیش کیا جاتا

ہے۔ علیؓ میدان جنگ میں اترنے سے پہلے امیر لشکر ابو عبیدہ بن جراحؓ کے پاس گئے اور کہا کہ میں شہید ہونے کے لیے جا رہا ہوں۔ آپ اگر آنحضرتؐ کو کوئی پیغام دینا چاہتے ہیں تو فرمائیں۔ انہوں نے کہا کہ آنحضرتؐ سے سلام عرض کرنا اور کہنا جو وعدے آپؐ

نے ہم سے فرمائے تھے وہ سب پورے ہوئے۔ اس کے بعد یہ نواسہ رسولؐ دشمنان اسلام کے لشکر میں گھس گئے اور شہادت سے سرفراز ہوئے۔ ۱۵ رجب ۱۵ھ کو بائیس سال کے نوجوان تھے:

صف بستہ تھے عرب کے جوانان تیغ بند تھی منتظر حنا کی عروں زمین شام
اک نوجوان صورتِ سیما مضطرب آکر ہوا امیرِ عساکر سے ہم کلام
اے بو عبیدہ زحمتِ پیکار دے مجھے لبریز ہو گیا مرے صبر و سکون کا جام
بے تاب ہو رہا ہوں فراقِ رسولؐ میں اک دم کی زندگی بھی محبت میں ہے حرام
جاتا ہوں میں حضورِ رسالتِ پناہ میں لے جاؤں گا خوشی سے اگر ہو کوئی پیام
یہ ذوق و شوق دیکھ کے پر غم ہوئی وہ آنکھ جس کی نگاہ تھی صفتِ تیغ بے نیام
بولا امیرِ فوج کہ وہ نوجوان ہے تو پیروں پہ تیرے عشق کا واجب ہے احترام
پوری کرے خدائے محمدؐ تری مراد کتنا بلند تیری محبت کا ہے مقام!
پہنچے جو بارگاہِ رسولؐ امیں میں تو کرنا یہ عرض میری طرف سے پس از سلام
ہم پر کرم کیا ہے خدائے غیور نے

پورے ہوئے جو وعدے کیے تھے حضورؐ نے!

(الحجۃ، روایات اقبال، ص ۲۹۵)

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

علیؑ کی نسبت ایک روایت ہے کہ بچپن میں وفات پائی۔ لیکن عام روایت یہ ہے کہ سن رشد کو پہنچے۔ ابن عساکر نے لکھا ہے کہ یرموک کے معرکے میں

شہادت پائی۔

(سیرت النبیؐ، جلد دوم، زیر عنوان اولاد رسولؐ)

نو اسی رسولؐ سیدہ امامہ بنت ابی العاصؓ:

ان کا نام امامہ بنت ابی العاصؓ بن ربیع ہے۔ ان کی والدہ بھی سیدہ زہنب بنت رسولؐ ہیں۔ یہ بھی اپنے بھائی حضرت علیؓ کی طرح آنحضرتؐ کے مبارک گھر میں فیض و تربیت حاصل کرتی رہیں اور انہوں نے اپنی والدہ کے ہمراہ مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی۔

حضرت ابو قتادہ انصاریؓ کا بیان ہے:

آنحضرتؐ ہمارے پاس تشریف لائے اور امامہ آپؐ کے دوش مبارک پر سوار تھیں۔ اسی حالت میں آپؐ نماز ادا فرماتے رہے۔ جب آپؐ رکوع فرماتے تو انہیں زمین پر بٹھا دیتے اور جب آپؐ کھڑے ہوتے تو امامہ کو اٹھا لیتے۔

(صحیح بخاری، کتاب الادب، باب رحمة الولد وتقبيله ومعانفته جلد ۱ ص ۸۸۷)

مختلف روایات میں آپؐ کا امامہؓ کے ساتھ محبت اور پیار کرنا اور غایت و شفقت کے ساتھ نماز کی ادائیگی کی حالت میں بار بار اٹھا لینا مذکور ہے۔

(ملاحضہ صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب اذ حمل حلیۃ صغیرۃ علیٰ عنقہ فی الصلوٰۃ)

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:

آنحضرتؐ کی خدمت میں ایک بیش قیمت اور خوبصورت ہار بطور تحفہ آیا، آنحضرتؐ کی ازواج مطہرات اتفاقاً وہاں موجود تھیں اور امامہ ایک کوشہ میں کھیل رہی تھیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ ہار کیسا ہے؟ ہم نے عرض کیا اس سے اچھا تو ہم نے کبھی دیکھا ہی نہیں، یہ تو بہت عمدہ ہے۔ پھر آپؐ نے اس ہار کو پکڑا اور فرمایا میں اپنے گھر والوں میں سے جو

مجھے زیادہ پسند ہے اسے دوں گا۔ تمام ازواج مطہراتؓ اس بات کی منتظر تھیں کہ ہار کس کے حصے میں آتا ہے تو آپؐ نے اپنی نواسی سیدہ امامہ کو بلایا اور انہیں ہار پہنا دیا۔

اس واقعہ سے آپؐ کا اپنی نواسی امامہ کے ساتھ قلبی تعلق ظاہر ہوتا ہے اس نوعیت کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ:

ایک دفعہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے ایک انگوٹھی آنحضرتؐ کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجی۔ آپؐ نے فرمایا یہ انگوٹھی میں اس کو دوں گا جو مجھے سب سے بڑھ کر محبوب ہے۔ سننے والوں کا خیال تھا کہ یہ شرف حضرت عائشہؓ کو حاصل ہوگا لیکن آپؐ نے سیدہ امامہ کو بلایا اور وہ انگوٹھی ان کی انگلی میں پہنا دی۔

علامہ محمد بن سعد لکھتے ہیں:

نبی کریم ﷺ خرمروں کا ایک ہار لیے ہوئے اپنے گھر تشریف لائے اور فرمایا کہ میں یہ ہار اسے دوں گا جو مجھے سب سے زیادہ پیاری ہے۔ ازواج مطہراتؓ نے یہ خیال کیا کہ آپؐ یہ ہار حضرت عائشہؓ کو دیں گے، پھر آپؐ نے اپنی نواسی امامہ کو بلوایا اور ان کے گلے میں اپنے ہاتھ سے باندھا اور امامہ کی آنکھ میں کچھ تھپی جسے آپؐ نے ہاتھ سے صاف کیا۔

(طبقات ابن سعد، جلد ۸، ص ۳۱۵۔ کراچی)

جناب طالب ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

حضرت زینبؓ نے ۸ھ میں وفات پائی تو حضرت امامہ شفیقہؓ بابا کی سرپرستی اور نگرانی میں آگئیں۔ حضور ﷺ کی وفات ۱۱ھ کے وقت امامہ سن شعور کو پہنچ چکی تھیں۔

(تذکار صحابیات، ص ۵۲۰)

جناب ہاشمی صاحب کی مذکورہ عبارت سے یہی تاثر ملتا ہے کہ آنحضرتؐ نے

سیدہ امامہؓ کی تربیت حضرت زینبؓ کے انتقال کے بعد تقریباً دو سال فرمائی۔ موصوف کی یہ بات خلاف حقیقت ہے کیونکہ ابو العاصؓ غزوہ بدر میں کفار کی طرف سے شریک ہوئے تھے اور گرفتار ہوئے۔ نبی اکرمؐ نے ان کا فدیہ صرف یہ مقرر کیا تھا کہ وہ مکہ جا کر زینبؓ کو فوراً مدینہ بھیج دیں۔ آنحضرتؐ نے اس کام میں تعاون کے لیے حضرت زید بن حارثہؓ کو بھیجا، اس طرح وہ سیدہ زینبؓ کو ساتھ لے کر مدینہ آ گئے۔ یہ ۲ھ کے آخر کا واقعہ ہے۔ سیدہ زینبؓ اپنی اولاد کے ساتھ آنحضرتؐ کے گھر ہی قیام پذیر رہیں۔ اس کے بعد محرم ۷ھ میں ابو العاصؓ شرف بہ اسلام ہو کر ہجرت کر کے مدینہ آ گئے اور اپنے گھراہل و عیال کے ہمراہ منتقل ہو گئے۔ ۸ھ میں سیدہ زینبؓ کا انتقال ہو گیا۔

تو اس طرح کو یا صرف ایک سال (۷ھ سے ۸ھ) کے علاوہ سیدہ امامہؓ ۲ھ سے ۱۱ھ تک مستقل طور پر اپنے نانا کی سرپرستی اور نگرانی میں رہیں۔

سیدہ فاطمہؓ نے حضرت علیؓ کو وصیت کی تھی کہ میری وفات کے بعد سیدہ امامہؓ کے ساتھ نکاح کر لیں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیدہ امامہؓ آنحضرتؐ کی حیات ہی میں جوان ہو گئی تھیں اور اپنے بڑے بھائی علی بن ابی العاصؓ سے زیادہ چھوٹی نہ تھیں۔ ابو العاصؓ کی وفات ۱۲ھ کے آخر میں ہوئی تھی۔ انہوں نے اپنی وفات سے پہلے زبیر بن عوام کو اپنی لڑکی امامہؓ کی نگرانی کی وصیت کی تھی۔ سیدہ فاطمہؓ کے انتقال کے بعد حضرت زبیرؓ نے امامہؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے کر دیا۔ پھر حضرت علیؓ زخمی ہوئے تو آپؐ نے حضرت مغیرہؓ کو وصیت فرمائی کہ اگر وہ نکاح کرنا چاہیں تو سیدہ امامہؓ سے کر لیں۔ اس وصیت پر بھی عمل ہوا اور حضرت مغیرہؓ کے ہاں سیدہ امامہؓ سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام تکلی تھا۔

لیکن بعض روایتوں کے مطابق سیدہ امامہؓ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی اور انہوں نے مغیرہ بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کے ہاں وفات پائی۔

نواسہ رسول عبداللہ بن عثمان امویؓ:

یہ آنحضرت ﷺ کی لخت جگر سیدہ رقیہؓ کے بیٹے ہیں۔ سیدہ رقیہؓ کا نکاح حضرت عثمان غنیؓ کے ساتھ نبوت کے پہلے سال ہی ہو گیا تھا اور بعض کے نزدیک ۴ نبوی میں ہوا۔ حضرت عثمانؓ کے اسلام قبول کرنے اور دختر رسولؐ کے ساتھ نکاح کرنے کی وجہ سے کفار کے غیظ و غضب کی انتہاء نہ رہی۔ تمام مشرکین آپؐ کے درپے آزار ہو گئے تو آنحضرتؐ نے انہیں ۵ نبوی میں حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ آپؐ نے اس جوڑے کے بارے میں فرمایا حضرت امیرالمؤمنین اور حضرت لوطؑ کے بعد عثمانؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں بیوی کے ہمراہ ہجرت کی ہے۔ قیام حبشہ کے دوران ہی ایک بیٹے پیدا ہوئے جن کا نام عبداللہ رکھا۔ انہی کی نسبت سے حضرت عثمانؓ کی کنیت ابو عبداللہ مشہور ہوئی۔

سیدہ رقیہؓ کی وفات ۲ھ میں اس دن ہوئی جب زید بن حارثہؓ عمر وہ بدر میں مسلمانوں کی فتح کی بشارت لے کر مدینہ منورہ پہنچے۔ اس وقت سیدہ رقیہؓ کی تدفین ہو رہی تھی۔ سیدہ کی وفات کے وقت ان کے بیٹے عبداللہ کی عمر نو سال بنتی ہے۔ (قیام حبشہ میں پہلے سال ولادت ہوئی، ہجرت حبشہ کا سال ۵ نبوت ہے، ہجرت مدینہ ۱۳ نبوت تک سات سال اور ہجرت کے بعد دو سال) اس کے بعد سہائی داستان کا آغاز ہوتا ہے۔

جس طرح علی بن ابی العاصؓ کے حالات زندگی سہائی و مجوسی مؤرخین نے مسخ کرنے کی کوشش کی اسی طرح آنحضرتؐ کے دوسرے بڑے نواسے عبداللہ بن عثمانؓ کو بھی تاریخ کے صفحات سے مٹانے کی ناکام کوشش جاری رہی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اپنی والدہ (۲۴ھ) کے انتقال کے دو سال بعد جمادی الاولیٰ ۴ھ میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئے، اس وقت ان کی عمر چھ برس تھی؛ کہ ایک مرغ نے ان کی آنکھ میں چونچ ماری، جس کی تکلیف سے انہوں نے انتقال کیا۔ بعد کے مؤرخین نے مکھی پر مکھی مارتے ہوئے اس واقعہ کو نقل کیا۔

علامہ محمد بن سعد نے اس قول سے اختلاف کرتے ہوئے مزید چار سال کم کر دیے تاکہ شیر خوارگی میں ”مرغ“ کے چونچ مارنے کے واقعے کو یقینی خیال کیا جاسکے۔ کیونکہ چھ سال کا بچہ مرغ سے مار نہیں کھا سکتا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”یہ بچہ دو سال کا ہو گیا تھا کہ ایک مرغ نے اس کے چہرے پر ٹھونگ ماری جس سے چہرہ متورم ہو گیا اور بچہ فوت ہو گیا۔“ (طبقات ابن سعد، جلد ۸، ص ۵۶)

موصوف نے یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا بیان کیا ہے، اس سے دوسری تمام روایات لغو قرار پائیں جن میں عبداللہ بن عثمانؓ کی وفات ۴ھ میں عمر چھ سال ہونا ذکر کیا گیا ہے۔

مشہور مؤرخ مسعودی نے اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ان کے دو بیٹے تھے:

وكان له من الولد عبدالله الاكبر وعبدالله الاصغر امها رقية بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

حضرت عثمانؓ کی اولاد میں عبداللہ اکبر اور عبداللہ اصغر (ابن سیدہ رقیہؓ) تھے۔

(مروج الذهب لمسعودی، جلد ۲، ص ۲۶۷۔ نئس اکبری کراچی)

بعض ”سنی علماء“ نے اس قدر اعتراف کیا ہے کہ ایک نام تمام بچہ بھی پیدا ہوا تھا؛ جبکہ مسعودی جیسے شیعہ مؤرخ نے اس کو کامل سمجھتے ہوئے لکھا کہ:

حضرت عثمان بن عفانؓ کی اولاد میں عبداللہ اکبر اور عبداللہ اصغر تھے، جو بہت رسول سیدہ رقیہؓ کے لظن سے تھے، ان میں عبداللہ اکبر اپنے غیر معمولی حسن و جمال کی وجہ سے بڑی شہرت رکھتے تھے۔ انہوں نے کثرت سے شادیاں کیں اور طلاقیں بھی اسی کثرت سے دیں..... عبداللہ اصغر ۶ سال کی عمر تک زندہ رہے، ان کی دونوں آنکھوں میں موتیا اتر آیا اور اسی کی تکلیف سے ان کی وفات ہوئی۔

(مروج الذهب، ص ۲۶۷)

مسعودی کے اس قول کے مطابق دونوں صاحبزادے بڑے ہوئے شادیاں کیں اور عبداللہ اصغر تو ۶ سال کی عمر میں آنکھوں میں موتیے کی تکلیف کی وجہ سے فوت ہوئے۔

شیعہ مجتہد نعمت اللہ الحجزازی لکھتا ہے:

فولدت له عبدالله ومات صغيرا نقره ديك على عينيه فمرض ومات۔

(انوار الصمانیہ، جلد ۸، ص ۸۰)

حضرت عثمانؓ کا سیدہ رقیہؓ سے ایک لڑکا عبداللہ متولد ہوا۔ کم سنی میں ایک مرغ نے اس کی آنکھوں میں چونچ سے زخم ڈالا، اس کی وجہ سے وہ بیمار ہو کر فوت ہو گیا۔

شیعہ مجتہد کے اس قول نے معاملے کو مزید الجھا دیا ہے۔ وہ اس طرح کہ بعض سنی تو اقدی کی روایت کو سینے سے چمٹائے ہوئے یہی کہتے رہے کہ چھ سال کی عمر میں

ایک آنکھ میں مرغ نے چونچ ماری تھی، جبکہ ”الجزازی“ کے مطابق وہ بچہ اپنی دونوں آنکھیں کھولے ہوئے ”ایرانی تربیت یافتہ کمانڈر مرغ“ کے سامنے بے بس بیٹھا ہوا تھا۔ یہ ملحوظ رہے کہ جن روایات میں عبداللہ بن رقیہؓ کی وفات کا بچپن میں ہونا مذکور ہے وہ تمام واقعات کی سند سے ہیں۔ اگر اس معاملے میں واقعاتی نے کسی مصلحت کی خاطر جھوٹ نہیں بولا تو غالباً اس سے ست و سبعین (چھتر) میں سے ایک عدد (سبعین) جھوٹ گیا اور صرف ست رہ گیا۔ جسے بعد میں آنے والے حضرات بھی نقل کرتے رہے اور اس طرح عبداللہ بن رقیہؓ کی وفات کا بچپن میں واقع ہونا مشہور ہو گیا۔

مولانا مفتی محمد طاہر مکی صاحب لکھتے ہیں:

برصغیر پاک و ہند میں نواسہ رسول عبداللہ بن عثمانؓ کی زیادہ نسل آباد ہے۔ جن کا انتقال مشہور مورخ مسعودی کی تحقیق کے مطابق چھتر سال کی عمر میں ہوا۔

(مروج الذهب مطبوعہ ۱۹۶۲ء، جلد ۲، ص ۳۴۱)

اور بقول امام ابن تیمیہؒ وہ حضرت حسینؓ کے صاحبزادے حضرت علیؓ (زین

العابدین) کے استاد تھے۔

(منہاج السنہ، مطبوعہ مصر، جلد ۲، ص ۱۲۳)

حضرت شاہ رکن عالم (حضرت زکریا ملتانیؒ کے پوتے) کے نانا حضرت شیخ

جمال فرغانی ان ہی عبداللہ بن رقیہؓ کی نسل سے ہیں۔

{مرآة المناقب قلمی، مؤلفہ شیخ عماد الدین نبیرہ حضرت زکریا ملتانی۔ اس

کتاب کا ایک نسخہ سجادہ نشین حضرات کے پاس ہے، دوسرا مخدوم حسن بخش صاحب

قریشی مؤلف انوار غوثیہ (سوانح حضرت زکریا ملتانی) کے پاس۔ تیسرا مخدوم

محمد عارف شاہ قریشی قادر پور راواں کے کتب خانے میں}

آزاد کشمیر کے دارالسلطنت مظفر آباد کے بانی سلطان مظفر خان کا شجرہ نسب بھی چوبیس واسطوں سے حضرت عبداللہ بن رقیہ تک جا پہنچتا ہے۔ (شجرہ خاندان اولاد ذوالنورین حضرت عثمان غنیؓ مرتبہ خدا بخش نقشہ نویس، مطبوعہ شائستی پریس راولپنڈی ۱۳۳۸ھ)

مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

۱۶۵۲ء میں سلطان مظفر نے مظفر آباد اپنے نام پر آباد کیا۔ اسی کی اولاد میں سلطان محمد حسین خان رئیس ’مبوئی و مظفر آباد‘ ہوا۔ جس نے حضرت سید احمد شہیدؒ کے رفقاء کا ڈٹ کر ساتھ دیا۔ اس کے متعلق مہر صاحب لکھتے ہیں کہ ”یہ مجاہدین کا حد درجہ رفیق و مخلص تھا۔“ (مرکز شہ مجاہدین، ص ۲۴۲)

سلطان مظفر خان کی اولاد مقامی طور پر بمبہ قبیلے کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت عبداللہ بن رقیہ کی نسل اریٹیریا اور حبشہ میں بھی موجود ہے۔ جے پسنر ٹری منگھم اپنی کتاب ”اسلام ان ایٹھوی پیا“ صفحہ ۱۵۱، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ۱۹۵۲ء میں لکھتا ہے، خانوادہ جبرتی کے سربراہ کا دعویٰ ہے کہ وہ تیسرے خلیفہ حضرت عثمان بن عفان اور ان کی اہلیہ رقیہ بنت رسولؐ کی اولاد سے ہیں جو پہلی صدی ہجری میں حبشہ کی طرف اولین ہجرت کر کے جانے والوں میں شامل تھے۔

(بحوالہ فقہ القرآن از مولانا عمر احمد عثمانی بن شیخ الاسلام مولانا مظفر احمد عثمانی، جلد اول، ص ۱۵)

مولانا سلمان احمد عباسی لکھتے ہیں:

”دیوان عثمان غنیؓ“ مؤلفہ مولانا عبدالستار نوری مدرس دارالعلوم دیوبند میں تصریح ہے کہ:

حضرت شیخ رکن عالم ملتانی حضرت عبداللہ بن عثمانؓ کی اولاد سے ہیں۔
 ”دیوان عثمان غنیؓ“ پر شیخ العرب والعجم حضرت حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب والفقہ
 حضرت مولانا اعجاز علی امروہی اور حضرت مولانا قاری محمد طیب کی تقاریر موجود ہیں۔
 کو یا یہ بات ان سب حضرات کی مصدقہ ہے۔ (اہل بیت، ص ۸۴)

مزید برآں ایک کتاب آل رقیۃ الزہرہ مؤلفہ پیر سید محمد عبدالستار شاہ
 صاحب ملتانی جو ۱۳۳۸ھ میں طبع ہوئی اور اس پر علامہ سید احمد شاہ صاحب کاظمی، شیخ
 الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا السید محمد نور شاہ صاحب کشمیری کی تقاریر ہیں
 (اس کتاب) میں عبداللہ بن رقیہؓ کی اولاد کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے۔

(بحوالہ روایات بنی رقیہ از حکیم فیض عالم صدیقی شہید، ص ۱۰)

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ کس طرح آنحضرت ﷺ کے
 دوسرے بڑے نواسے سیدنا عبداللہ بن عثمانؓ کو بچپن میں عمر ۶ برس دنیا سے رخصت
 کرنے کی کوشش کی گئی۔

مؤرخین ندان کی عمر پر متفق ہیں اور نہ اس پر کہ ان کی موت کس وجہ سے واقع
 ہوئی۔ واقعہ یہ ہے کہ ۶ سال کی عمر میں ایک آنکھ میں مرغ کا چونچ مارنا ذکر کیا ہے، ابن
 سعد نے دو سال کی عمر میں چہرہ پر مرغ کا چونچ مارنا تحریر کیا ہے، مسعودی نے چھتر
 سال کی عمر میں آنکھ میں موتیا اتر جانے کی وجہ سے موت کا واقعہ ہونا لکھا ہے، جبکہ شیعہ
 مجتہد نعمت اللہ الجزائری نے صغریٰ میں دونوں آنکھوں میں مرغ کے چونچ مارنے کا
 ذکر کیا ہے۔

مذکورہ بالا اختلافی روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عبداللہ بن عثمانؓ

سبط رسول تقریباً ۷۲ سال کی عمر تک زندہ رہے۔ ان سے حضرت علیؓ بن حسینؓ المعروف زین العابدین نے علم حاصل کیا اور کثرت کے ساتھ ان کی نسل کا سلسلہ جاری ہے۔

علاوہ ازیں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ کیا آدم سے لے کر آج تک پوری دنیا میں کہیں ایسا ہوا کہ بارہ تیرہ سال کی عمر کے نوجوان کی آنکھ میں یا دونوں آنکھوں میں بڑی چابکدستی سے ناک کر کسی مرغ نے ٹھونگ ماری ہو اور وہ اس تکلیف سے ہلاک ہو گیا ہو۔ وکلانے سہائیت کو دعوت عام ہے کہ وہ ملت اسلامیہ پر احسان کرتے ہوئے ان نوجوانوں کی ایک فہرست جاری کریں جو کسی ”مرغ“ کی ”ضرب“ کا شکار ہوئے ہوں۔ نیز ان علماء سے درخواست ہے جو سہائیت سے مرعوب ہو کر یا محض شخصیت پرستی کا شکار ہو کر مرغ والی روایت کو سینے سے لگائے بیٹھے ہیں، وہ روایتوں و روایت ان روایات کا جائزہ لیں اور یہ بھی معلوم کریں کہ ”واقعی“ محدثین کے نزدیک کتنا ثقہ ہے؟ اس کی روایت کی کیا حیثیت ہے؟ کیا اس روایت کو تسلیم کرنے سے آنحضرت ﷺ کی ”آل“ کا انکار نہیں ہوا؟ کیا یہ انکار ایذائے رسولؐ کا باعث نہیں ہے؟ دوسرے معمولی معمولی فروعی مسائل کے لیے اسماء الرجال کی کتابیں کھل جاتی ہیں، راویوں کی خانہ تلاشی لی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ ”زہری“ جیسے امام حدیث کا باطن بھی ظاہر کر دیا جاتا ہے تو کیا سبط رسول مہملی بن ابی العاصؓ اور عبداللہ بن عثمانؓ کا یہ مقام نہیں ہے کہ ان کے دفاع میں اپنی صلاحیتیں اور توانائیاں وقف کی جائیں؟

نواسی رسولؐ سیدہ ام کلثوم بنت علیؓ:

آنحضرت ﷺ کی لخت جگر سیدہ فاطمہؓ کے لطن سے دوڑ کے اور دوڑ کیاں پیدا ہوئیں۔ لڑکوں کے نام سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ جبکہ لڑکیوں کے نام سیدہ ام کلثومؓ اور سیدہ زینبؓ ہیں۔ بعض کے نزدیک ایک لڑکا حسن نامی اور ایک لڑکی رقیہ بھی پیدا ہوئیں۔

سیدہ ام کلثومؓ اپنے دونوں بھائیوں سے عمر میں بڑی تھیں اور ۳ھ میں پیدا ہوئی تھیں۔ اس بات کی تائید ملا باقر مجلسی کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

”یہ سن کر جناب فاطمہؓ کو نہایت صدمہ ہوا اور متفکر و متردد ہو گئیں، یہاں تک کہ رات ہو گئی۔ جب رات ہوئی تو امام حسنؓ کو دائیں اور امام حسینؓ کو بائیں کا ندھے پر اٹھایا اور بایاں ہاتھ ام کلثومؓ کا اپنے ہاتھ میں لیا اور اپنے پدریزر رکوار کے گھر تشریف لے گئیں..... واپسی پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام حسنؓ کو اور فاطمہؓ نے امام حسینؓ کو اٹھایا اور ام کلثومؓ کا ہاتھ پکڑ کر گھر سے مسجد میں تشریف لائے۔“

(جلاء اعیان۔ جلد اول ص ۲۱۷-۲۱۸)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ ام کلثومؓ اپنے دونوں بھائیوں سے عمر میں بڑی تھیں تب ہی تو انہیں پیدل چلایا گیا اور حضرات حسینؓ کو کندھوں پر اٹھایا گیا۔ نیز اس روایت سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ۷ھ میں جب ان کا نکاح حضرت عمرؓ کے ساتھ ہوا تو وہ کسی بھی صورت میں چودہ سال سے کم عمر کی نہیں ہو سکتیں۔

سیدہ فاطمہؑ آنحضرتؐ کی رحلت کے چھ ماہ بعد رمضان ۱۱ھ میں انتقال کر گئیں۔ اس وقت سیدہ ام کلثومؑ کی عمر تقریباً آٹھ سال تھی۔ سیدہ فاطمہؑ کی وصیت کے مطابق حضرت علیؑ نے سیدہ امامہؑ سے شادی کر لی جو سیدہ فاطمہؑ کی حقیقی بڑی بہن سیدہ زینبؑ کی بیٹی تھیں۔ حضرت فاطمہؑ نے بھی اسی مقصد کی خاطر وصیت کی تھی کہ سیدہ فاطمہ میری حقیقی بھانجی ہے اور وہ میرے چھوٹے بچوں کی پرورش اور نگہداشت شفقت و محبت سے کرے گی۔ حضرت فاطمہؑ کی اپنی بہنوں سے محبت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنی بیٹیوں کے نام اپنی بہنوں کے نام پر رکھے۔ (سیدہ ام کلثوم اور سیدہ زینب)

۱۷ھ تک سیدہ ام کلثومؑ اپنی خالہ زاد بڑی بہن اور سوتیلی والدہ سیدہ امامہؑ کی زیر تربیت رہیں۔ یہی وہ ام کلثوم بنت فاطمہؑ ہیں جن کا نکاح حضرت علیؑ نے حضرت عمر فاروقؓ سے کیا تھا اور ان کے لطن سے حضرت عمرؓ کے ہاں دو بچے زید اور رقیہ بھی پیدا ہوئے۔ زید بن عمرؓ کی وفات اسی دن ہوئی جس دن ان کی والدہ سیدہ ام کلثومؑ کا انتقال ہوا تھا۔

(تہذیب اللعین، جلد ۱، ص ۱۱)

شیعہ محدث و مجتہد ابو جعفر طوسی لکھتا ہے:

مما تمت ام کلثوم بنت علی و ابنہا زید بن عمر بن خطاب فی

ساعة واحدة۔

(تہذیب الاحکام، کتاب البر، ص ۱۱)

یعنی ام کلثوم بنت علیؑ اور ان کا بیٹا زید بن عمرؓ ایک ہی وقت میں فوت

ہوئے۔

حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد ان کا نکاح محمد بن جعفر طیارؓ کے ساتھ ہوا۔

حضرت جعفرؓ کے اس نام کے دو بیٹے محمد اکبر اور محمد الاصغر تھے۔ ان میں سے ایک جنگ تستر میں بعد عمر فاروق شہید ہوئے جبکہ دوسرے بیٹے محمد بن جعفرؓ کے نکاح میں حضرت عمرؓ کی بیوہ اور حضرت علیؓ کی بیٹی سیدہ ام کلثوم آئیں۔

حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ اپنی بیٹی سیدہ ام کلثوم کو اپنے گھر لے آئے تھے۔ اہل تشیع کی بنیادی کتابوں میں اس کا ذکر پایا جاتا ہے۔ تہذیب الاحکام اور استبصار از ابو جعفر طوسی، کتاب النکاح، باب العقدہ میں ہے:

”ان علیا لما مات عمر اتی ام کلثوم فاخذ بیہا فطلق بہا الی بیتہ“
جب حضرت عمرؓ فوت ہوئے تو حضرت علیؓ، ام کلثوم کے پاس آئے اور انہیں ہاتھ سے پکڑ کر اپنے گھر لے آئے۔

اہل تشیع حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے مابین یہ خوش کوار تعلقات دیکھ کر غضب ناک ہو گئے اور یہ واویلا کرنا شروع کر دیا کہ سیدہ ام کلثومؓ سیدہ فاطمہؓ کے لطن سے نہیں تھیں بلکہ اس نام کی ایک لڑکی نے حضرت علیؓ کے یہاں پرورش پائی تھی۔
جب اس بات کو ثابت نہ کر سکے تو کہنے لگے کہ:

حضرت عمرؓ نے زبردستی حضرت علیؓ سے ان کی یہ بیٹی چھین لی تھی۔ انہوں نے ”اول فرج غصب منّا“ جیسے مکروہ ترین الفاظ بھی ام کلثومؓ بنت علیؓ کی شان میں استعمال کیے۔ (فروع کافی جلد ۵ ص ۴۴۶۔ طبع تہران بحوالہ کشف الباری کتاب المغازی ص ۲۴۹)

سخت حیرت ہے کہ رئیس التبلیغ مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ بھی اہل تشیع کے موقف کے ساتھ ملے جلتے الفاظ لکھ گئے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

”حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے ان کی بیٹی کے رشتہ کے بارے میں بات

چیت کی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: ام کلثومؓ ابھی چھوٹی ہے۔ حضرت عمرؓ سے عرض کیا گیا کہ حضرت علیؓ اس بہانہ سے آپ کو اس سے روکنا چاہتے ہیں۔

حضرت علیؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ میں اس کو تمہارے پاس بھیجے دیتا ہوں اگر وہ راضی ہو جائے تو تمہاری بیوی ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے ان کی طرف ام کلثومؓ کو بھیجا۔ حضرت عمرؓ نے ام کلثومؓ کی پنڈلیاں کھول کر دیکھیں تو ام کلثومؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا:

چھوڑ۔۔۔۔۔ اگر تو امیر المومنین نہ ہوتا تو میں تیری آنکھ پھوڑ دیتی۔“

(حیات النبیؐ جلد دوم ص ۷۹۴۔ مترجم مولانا محمد عثمان خان صاحب فیض آبادی۔ ناشران قرآن لیتنگ۔ اردو بازار لاہور)

مولانا احتشام الحسن صاحب خلیفہ حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب مؤلف و مترجم کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ:

”عزیز گرامی مولانا محمد یوسف صاحب سلمہ نے اس منتشر ذخیرہ کو نہایت احتیاط و حقیقت کے ساتھ یک جا جمع فرمادیا جو کہ گویا مذہب اسلام کی ایک جامع ترین قلمی تصویر ہے۔ جس کا ہر واقعہ صحابہ کرامؓ کی نصرت و حمایت کی یاد کو زندہ کرتا ہے۔۔۔۔۔ اصل کتاب عربی میں ہے۔ مولانا محمد عثمان خان صاحب فیض آبادی زیدہ مجددہ نے اس کو سلیس، عام فہم، با محاورہ اور معنی خیز ترجمہ فرما کر ان لوگوں کے لیے بھی اس فیض کو عام کر دیا جو عربی کتاب سے متشفع نہیں ہو سکتے تھے۔ (حوالہ مذکور ص ۱۳-۱۴)

نکاح ام کلثومؓ سے متعلق مذکورہ بالا روایت میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور سیدہ ام کلثومؓ تینوں کی توہین پائی جاتی ہے۔ کیا حضرت علیؓ اپنی کم سن و نابالغہ بچی کو حضرت عمرؓ کے پاس بھیج سکتے تھے؟ کیا حضرت عمرؓ ایک نابالغہ اور غیر منکوحہ بچی کی

پنڈلیوں سے کپڑا ہٹا سکتے تھے؟

کیا سیدہ ام کلثومؓ حضرت عمرؓ سے یوں مخاطب ہو سکتی تھیں کہ ”اگر تو امیر المومنین نہ ہوتا تو میں تیری آنکھ پھوڑ دیتی؟ کیا اسی کا نام احتیاط و مہذبہ ہے؟“ مناسب تو یہ تھا کہ تبلیغی جماعت کے اکابرین اس روایت کا کتب اسماء الزجال کی روشنی میں جائزہ لیتے اور اسے مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے ہو و خطا پر محمول کرتے، مگر انہوں نے مولانا محمد احسان الحق صاحب سے ایک دوسرا ترجمہ کرا کر شائع کر دیا۔ جس میں انہوں نے تاویلاتِ فاسدہ کا سہارا لیا مگر اشکالات رفع نہ ہو سکے۔ موصوف زیر بحث روایت کا ترجمہ اور اشکالات کی توسین میں توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کو ان کی بیٹی سے شادی کا پیغام دیا۔ حضرت علیؓ نے کہا وہ تو چھوٹی ہے۔ کسی نے حضرت عمرؓ سے کہا (وہ تو چھوٹی نہیں) بلکہ حضرت علیؓ یہ کہہ کر انکار کرنا چاہتے ہیں۔

اس پر حضرت عمرؓ نے ان سے دوبارہ بات کی (تو حضرت علیؓ راضی ہو گئے اور انہوں نے کہا میں اسے آپ کے پاس بھیجتا ہوں اگر آپ کو پسند آگئی تو وہ آپ کی بیوی ہے ہی۔

چنانچہ حضرت علیؓ نے حضرت ام کلثومؓ کو حضرت عمرؓ کے پاس بھیجا تو حضرت عمرؓ نے ان کی پنڈلی سے کپڑا ہٹانا چاہا تو انہوں نے کہا کہ کپڑا نیچے ہی رہنے دیں اگر آپ امیر المومنین نہ ہوتے تو میں آپ کی آنکھ پر تھپڑ مارتی۔ (واپس جا کر حضرت ام کلثومؓ نے حضرت علیؓ کو ساری بات بتائی تو حضرت علیؓ نے فرمایا وہ ایسا کر سکتے ہیں

کیونکہ وہ تمہارے خاوند ہیں) (حیات الصحابہ جلد ۱۰ ص ۱۰۴)۔ ناشر سبغانی بیروت
اصل عربی عبارت کا صحیح ترجمہ مولانا محمد عثمان صاحب نے کیا ہے جبکہ
مولانا محمد احسان الحق صاحب کا ترجمہ ”عذر گناہ بدتر از گناہ“ کا مصداق ہے۔

مولانا محمد یوسف صاحب نے اس روایت کی تخریج کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:
”اخرجه عبد الرزاق وسعيد بن منصور كذا في الكنز ۸
ص ۲۹۱ واخرجه ابن عمير المقلسي عن محمد بن علي نحوه كما في
الاصابة ج ۴ ص ۴۹۲۔“

اس روایت میں مرکزی شخصیت جناب عبدالرزاق صاحب کی ہے جو خیر
سے ”شیعہ“ تھے۔ چند حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ ابن عدی نے کہا کہ عبدالرزاق فضائل میں ایسی احادیث لاتا ہے جن
میں کسی نے اس کی موافقت نہ کی اور دوسروں کی عیب جوئی میں مناکیر وارد کیں۔ علماء
نے اسے تشیع کی طرف منسوب کیا ہے۔

میں نے مغلہ شعیری سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں عبدالرزاق کے پاس بیٹھا تھا
کہ ایک شخص نے سیدنا معاویہؓ کا تذکرہ چھیڑا تو عبدالرزاق نے کہا: ”لَا تُغَيِّرُ مَجْلِسَنَا
وَبِذِكْرِ وَلَدِ أَبِي سَفِيَّانٍ“ ہماری مجلس کو ابوسفیان کے بیٹے کے ذکر سے گندہ نہ کرو۔

(میزان الاعتدال جلد ۱ ص ۱۲۷ تحت عبدالرزاق)

۲۔ ابن عدی نے کہا کہ عبدالرزاق کی احادیث بہت ہیں اور کئی اصناف
ہیں۔ ان کی طرف ثقہ مسلمانوں اور ان کے ائمہ نے سفر کیا پھر ان سے احادیث لکھیں
”وَنَسَبُوهُ إِلَى التَّشْيِيعِ“ مگر انہوں نے اسے تشیع کی طرف منسوب کیا.....

ابن حبان نے اسے ثقہ راویوں میں ذکر کیا اور کہا کہ جب اپنی یادداشت پر بھروسہ کرتے ہوئے حدیث بیان کرتا تو خطا کر جاتا۔ اس میں تشیع پایا جاتا تھا۔

(صحیح ابی احمد ج ۶ ص ۳۱۳ ۳۱۴)

۳۔ عبدالرزاق بن ہمام نے ۲۱۱ھ میں وفات پائی اور یہ امام احمد بن حنبلؒ کے اساتذہ میں سے ہیں اور ان میں تشیع پایا جاتا تھا۔

(کامل ابن اثیر جلد ۶ ص ۴۰۶ تحت "ثم دخلت سنة احدى عشرة ومائين")

اسی طرح یہ "بزرگ" شیعہ اسماء الرجال میں بھی ایک مستند و معتبر شیعہ عالم کے طور پر موجود ہیں۔ ملاحظہ ہو تنقیح المقال جلد دوم ص ۱۵۰۔ مطبوعہ نجف اشرف، الکفی واللقاب جلد دوم ص ۴۲۷۔ مطبوعہ تہران۔

مؤخر الذکر کتاب میں عبدالرزاق نے واضح طور پر آل رسولؐ کی محبت و تعظیم، ان کے دشمنوں سے بیزاری اور ان کی امامت کو تسلیم کیا۔

مسئلہ امامت اور تبریابی و معرکہ الارامسکے ہیں، جن میں عبدالرزاق اہل تشیع کی ہم نوائی کر رہا ہے۔ حضرت معاویہؓ کے بارے میں اس کا تمرا "لَا تُفْزِرُ مَسْجِدَنَا بِذِكْرِ وَلَدِ أَبِي سَفْيَانَ" پیچھے گزر چکا ہے۔ اب حضرت عمرؓ پر تبراملاحظہ فرمائیں:

علی ابن عبداللہ صنعانی بیان کرتے ہیں کہ زید ابن مبارک ہمہ وقت عبدالرزاق کے ساتھ رہتے تھے اور بہت کثرت سے ان کی روایتیں لیتے تھے۔ پھر ایک وقت آیا کہ زید نے ان کی صحبت ترک کر دی اور ان کی روایتوں پر مشتمل تمام کتابوں کو جلا ڈالا۔ لوگوں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ:

ایک دفعہ عبدالرزاق ہمارے سامنے ابن حدثان کی وہ حدیث بیان کر رہا تھا جس میں ذکر ہے کہ رسول اللہ کی وراثت سے حصہ طلب کرنے کے لیے حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ کے پاس گئے تو حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے کہا کہ تم اپنے بھتیجے کی وراثت سے حصہ لینے آئے ہو اور حضرت علیؓ سے کہا کہ تم وہ حصہ طلب کرنے آئے ہو جو تمہاری بیوی کو باپ کی طرف سے ملتا ہے.....

زید نے بتایا کہ یہاں پہنچ کر عبدالرزاق رک گیا اور کہا ”اَنْظُرْ اِلَيَّ هٰذَا الْاَقْوَالُ يَقُولُ ”مِنْ رِبِّيْ اَخِيْكَ“..... ”مِنْ اَبِيْهَآ“ لَا يَقُولُ رَسُوْلُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم۔“

ذرا دیکھو اس جھوٹے (یعنی حضرت عمرؓ) کو۔ کبھی کہتا ہے ”بھتیجے“ کی وراثت اور کبھی کہتا ہے ”بیوی کے باپ“ کی وراثت، یہ نہیں کہتا کہ رسول اللہ کی وراثت۔

زید کہتے ہیں کہ یہ بات سن کر میں اٹھ کر چلا آیا پھر لوٹ کر نہیں گیا نہ اس سے کوئی روایت اخذ کی۔

حالانکہ حضرت عمرؓ کی بات بالکل سچی اور موقع محل کی مناسبت سے صحیح اور درست تھی۔ کیونکہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ وراثت سے حصہ اس بناء پر طلب نہیں کر رہے تھے کہ محمدؐ، اللہ کے رسول ہیں بلکہ حضرت عباسؓ اس بناء پر طلب گار تھے کہ محمدؐ ان کے بھتیجے تھے۔ اور حضرت علیؓ اس وجہ سے اپنا استحقاق سمجھتے تھے کہ محمدؐ ان کی زوجہ کے باپ تھے۔

عباس بن عبد العظیم جو خاص طور پر ان کے آبائی شہر صنعاء گئے تھے اور کافی

اہل بیت رسول کون؟

۱۷۷

سیدہ ام کلثوم بنت علیؓ

عرصہ ان کے پاس رہے تھے قسم اٹھا کر کہتے ہیں:

”وَاللّٰهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ إِنَّ عَبْدَ الرَّزَّاقِ هُوَ كَذَّابٌ“ اس اللہ کی قسم جس

کے سوا کوئی معبود نہیں، عبد الرزاق اجتہاد رہے کا جھوٹا ہے۔

(میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۲۸، ۱۲۹ بحوالہ سید ابوالوری جلد سوم ص ۳۹۶)

اب جو شخص حضرت عمرؓ کو بے دھڑک ”افوک“ (کذاب) کہے اور سیدہ ام

کلثومؓ کی طرف منسوب کر کے حضرت عمرؓ کی آنکھ پھوڑے یا آنکھ پر تھپڑ مارنے کی

خواہش کا اظہار کرے کیا وہ معمولی درجے کا شیعہ ہو سکتا ہے؟

کیا ریکس التبلیغ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے لیے یہ مناسب تھا کہ اس

رافضی کے حوالے سے حضرت عمرؓ کے خلاف روایت نقل کرتے؟

کیا مولانا احسان الحق صاحب کو ایسے راوی کی تائید میں تاویلاتِ فاسدہ کا

سہارا لینا چاہیے تھا؟

پیر سید محمود شاہ صاحب محدث ہزاروی حضرت عمرؓ کے ساتھ سیدہ ام

کلثومؓ بنت علیؓ اور طین فاطمہؓ کے نکاح کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

”ام کلثومؓ کے عقد کا افتراء حضرت عمر فاروقؓ کہ روافض کی کتب و کافروں

میں سے ہے۔ ہم اہل سنت والجماعت کی کتب میں بھی نقل کیا گیا ہے جو درپردہ ایک قسم

کا تبرائے ناپاک ہے جو ہم اہل سنت والجماعت کے نزدیک قابلِ صدرِ دیدہ ہے، نہ

مستحقِ تقلید کہ یہ وہ نقل موضوع اور فسانہ مضطرب ہے کہ تا قیامت خود ثابت ہونا ممکن

نہیں۔ چہ جائے کہ وہ آئندہ کے لیے سدا ثبات بنے، حاشا کلاً۔“ (جامع الخیر ص ۵۴)

موصوف اپنی دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

”باقی رہا ام کلثومؑ بن علیؑ کا مہین و مضطرب اور بے اصل محض فسانہ کی نقل اڑانے والے اگرچہ دعوائے سنیت کرتے ہیں مگر یہ دراصل بدترین تیرا ہے جسے ہوادی جارہی ہے۔ ہم علمائے اہل سنت پر اس کا رد کرنا اب واجب ہے۔ جبکہ بد سے بدتر شر کا موجب بن رہا ہے۔ اہل بیت اور صحابہؓ کی تنقیص اور شذیت تو بین و ایذا کا موجب ہو رہا ہے.....“

(مقابع اسیہ ص ۱۳۹)

بعض کو سنی حنفی بن کر ان ہی کی تقلید کر کے کفایت کے راگ کے ضمن و پردہ میں حضور جان نورہیہ سرورؐ اور آپؐ کی عزت سے غیروں کو ہم سر وہم کفو بتانا آگیا اور اس خبط میں وہ تہرائی افتراء بھی کر بیٹھے ہیں کہ جو صحابہ کرامؓ کے شان رفیع سے قطعاً بعید ہے۔ مثلاً ام کلثومؑ کا بے حقیقت و بے سند افتراء جو سنہ مضطرب ہونے کے علاوہ ایک اچھا خاصا تبرائے ناپاک بھی ہے اسے اپناتے ہیں اور اس جنون و خبط میں سردار دو جہاں سے ان کے خدام اور غلاموں کو ہمسر کرتے ہیں۔ حالانکہ کوئی غلام اپنے آقا کا ہم کفو و ہمسر نہیں ہوتا اور حضورؐ کے حقوق تو غلامی آقائی سے بالاتر ہیں کہ خادموں کے دین و دنیا کے مالک اللہ نے بنائے ہیں۔“

(حوالہ مذکور ص ۱۳۳)

”چار پانچ سال کی نابالغہ سے چھپن ساٹھ سال کی عمر میں جبر و اصرار کے ساتھ نکاح کرنا کیوں کر مانا جاسکتا ہے۔ اس افتراء کی فسانہ میں معاذ اللہ کہیں اس کا بوسہ لیا، اسے سینے سے لگایا اس کا پا جامہ تہبند اٹھایا، اس کی ساق نیگی کی، اس کی ساق پر اپنا ہاتھ رکھا، وہ بولی کیا تم ایسا کرتے ہو، اگر امیر المومنین نہ ہوتے تو میں تمہاری ناک توڑ دیتی۔ پھر وہ نکل کر چلی گئی۔ یہاں تک کہ اپنے باپ سے آکر یہ خبر بتائی اور بولی آپ نے مجھے بوڑھے شخص کے پاس کیوں بھیجا؟“

(حوالہ مذکور ص ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷)

”تو کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ اہل بیت کی صغیرہ چارپانچ سالہ کو یوں بے پردہ کریں اور اس کے واسطے یوں جبراً صرا را اور خلاف شرع اور خلاف حیا و اخلاق معاملہ کریں۔ ایسی نسبت بھی ان کے ساتھ بے ادبی ہے اور شدید دشمنی ہے کہ اس صورت میں ان کے دین و اخلاق پر بدترین حملہ اور اتہام اور بہتان ہے“.....

(عالمہ مکتوبہ ص ۱۱۹)

”ہم اہل سنت والجماعت تو یہ تسلیم نہیں کر سکتے کہ حضرت عمرؓ جیسے علم و ادب کے مجسمے اور دنیا کو ادب سکھانے والے ایسا کر کے غضب الہی کو اپنے اوپر جوش میں لائے ہوں۔ معاذ اللہ۔“

(عالمہ مکتوبہ ص ۱۲۵)

حالانکہ سیدہ ام کلثومؓ بنت علیؑ اوطین فاطمہؓ کا نکاح حضرت عمرؓ سے حدیث و تاریخ کی ایک ایسی ناقابل انکار حقیقت ہے جس کے سامنے ہر صاحب علم کو بلا امتیاز مسلک تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ حتیٰ کہ اس نکاح کا انکار شیعہ بھی نہ کر سکے۔

چودہ سو سال سے سلف و خلف اہل سنت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ یہ نکاح محض مودت و محبت کی بناء پر ہوا ہے، جبر و اکراہ والی بات روافض کی خود تراشیدہ ہے۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے مدینہ کی عورتوں میں چادریں تقسیم کیں، ایک اچھی چادر باقی بچ گئی تو حضرت عمرؓ کے قریب بیٹھے ہوئے ایک آدمی نے کہا اے امیر المؤمنین ”اعط ہذا بنت رسول اللہ الّٰہی عندک“ یریدون ام کلثوم بنت علیؑ “

یہ چادر بنت رسول اللہ کو دے دیجیے جو آپ کے نکاح میں ہیں۔ ”بنت رسول

اہل بیت رسول کون؟

۱۸۰

سیدہ زینب بنت علیؓ

اللہ سے اس شخص کی مراد حضور اقدسؐ کی نواسی تھیں یعنی حضرت علیؓ کی صاحبزادی ام کلثوم جو حضرت عمرؓ کے عقد میں تھیں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا ام سلیطہؓ اس چادر کی زیادہ حق دار ہے کیونکہ ام سلیطہؓ ہمارے لیے جنگ احد میں مشکیزے اٹھا کر لایا کرتی تھیں۔

(صحیح بخاری۔ باب ذکر ام سلیطہؓ فوتہ فزودہ احد)

نواسی رسولؐ سیدہ زینب بنت علیؓ:

یہ سیدہ ام کلثوم زوجہ فاروق اعظمؓ اور حضرات حسنینؓ کی حقیقی چھوٹی بہن ہیں۔ ان کی تربیت بھی سیدہ امامہ بنت ابی العاصؓ زوجہ حضرت علیؓ نے کی۔ ان کا نکاح حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ کے ساتھ ہوا۔ سیدہ زینب میدان کربلا میں اپنے بھائی حضرت حسینؓ کے ساتھ موجود تھیں۔ تمام واقعہ ان کی نگاہوں کے سامنے ہوا اور سیدہ اس واقعہ کی عینی شاہدہ تھیں۔ حادثہ کربلا کے بعد باقی ماندہ حسینی قافلہ کوفہ پہنچا تو کوفہ کے مردوں اور عورتوں نے رونا پیننا شروع کر دیا تو سیدہ زینب نے حمد و صلوة کے بعد انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

اے اہل کوفہ، اے ظالمو، خدا رو اور ذلیل کرنے والو! خبردار! وہ فعل بہت برا ہے جو تمہارے نفوس نے اپنے لیے آگے بھیجا ہے۔ اللہ کا تم پر غضب ہوا اور تم ہمیشہ عذاب میں رہو گے، پس تم ہمیشہ روتے رہو۔

(احتجاج طبری، مطبوعہ ایران، ص ۱۵۸، بحوالہ مجلس اعلیٰ حسین ص ۱۸ مؤلف علامہ اللہ یا رخان صاحب چکڑا لوی)

ملا باقر مجلسی لکھتا ہے:

سیدہ زینب نے فرمایا اے اہل کوفہ، اے اہل غدر، مکرو حیله! تم ہم پر گریہ و نالہ

کرتے ہو حالانکہ تم نے خود ہی ہم کو قتل کیا ہے..... اے اہل کوفہ! تمہارے یہ ہاتھ قطع کیے جائیں، تم پر وائے ہو! تم نے کن جگر گوشہ رسول کو قتل کیا پروردگان اہل بیت کو بے پردہ کیا۔ کس قدر زہد ان رسول کی تم نے خونریزی کی اور حرمت کو ضائع کیا۔

(جلاء العیون بحوالہ نکست اعدائے حسین ص ۱۹)

سیدہ زینب نے جو واقعہ کربلا کی عینی گواہ تھیں اس حادثہ فاجعہ کی تمام تر ذمہ داری اہل کوفہ پر ڈالی اور انہیں بددعا دی جس کے اثرات ہر محرم میں ظاہر ہوتے ہیں۔ سیدہ زینب کی وفات دمشق میں ہوئی اور وہیں ان کی تدفین بھی ہوئی اور آج بھی ان کا مزار دمشق میں موجود ہے، جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ سیدہ نے اہل کوفہ کو مورد الزام ٹھہرایا۔ اگر اموی خلیفہ اور شامی عسا کر واقعہ کربلا کے ذمہ دار ہوتے تو سیدہ زینبؓ دمشق (جو خلفائے بنو امیہ کا دارالسلطنت تھا) میں آمد و رفت اور سکونت کیوں اختیار کرتیں حتیٰ کہ ان کی تدفین بھی دمشق میں ہی ہوئی۔ کیا یہ آمد و رفت، سکونت اور تدفین آل علیؓ کی بنو امیہ سے عداوت پر مبنی ہے؟ یہ بھی ملحوظ رہے کہ سیدہ کی سوتیلی بیٹی سیدہ ام محمد بنت عبداللہ بن جعفر طیارؓ میر یزیدؓ کی زوجیت میں تھیں۔



نواسہ رسولؐ سیدنا حسن بن علیؑ:

یہ سیدہ فاطمہ کے لخت جگر اور حضرت حسینؑ سے عمر میں ایک سال بڑے ہیں۔ عام قول کے مطابق آپ کی تاریخ پیدائش ۱۵ رمضان ۳ھ ہے۔ لیکن تحقیقی قول کے مطابق یہ غلط ہے۔ کیونکہ متفقہ طور پر حضرت حسنؑ کی ولادت کے موقع پر دایہ گیری کرنے والی سیدہ اسماء بنت عمیسؓ زویہ جعفر طیار تھیں۔ چنانچہ ملا باقر مجلسی لکھتا ہے کہ:

بند ہائے معتبر حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے کہ اسماء بنت عمیسؓ نے کہا کہ جب امام متولد ہوئے، میں ان کی دایہ تھی۔

(جلاء العمیون اردو ص ۳۷، باب چہارم در بیان تاریخ ولادت امام حسنؑ)

سیدہ اسماء بنت عمیسؓ اپنے خاوند کے ہمراہ حبشہ سے محرم ۷ھ میں فتح خیبر کے موقع پر واپس تشریف لائی تھیں۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر فرمایا تھا کہ میں نہیں سمجھتا کہ دو باتوں میں سے کس کو مسرت و خوشی کا باعث قرار دوں، جعفرؓ کے آنے سے خوش ہوں یا خیبر کی فتح سے۔ اس روایت کی رو سے حضرت حسنؑ کا سن ولادت ۷ھ ہے۔

ساتویں دن آپؐ نے ان کا عقیقہ کیا۔ اس میں ذبح کیے گئے بکرے کی ایک ران اسماء بنت عمیسؓ کو بھی دی گئی۔ اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت حسنؑ کی ولادت اسماء بنت عمیسؓ کے مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد ہوئی۔

آنحضرت ﷺ کو ان سے غیر معمولی چاہت و محبت تھی۔ کبھی دوش مبارک پر سوار کیے ہوئے برآمد ہوتے اور کبھی انہیں دیکھنے کے لیے سیدہ فاطمہؓ کے گھر تشریف لے جاتے۔ حضرت حسنؑ ابھی چار سال ہی کے تھے کہ شفیق اور مہربان نانا کے بارگاہِ

سایہ سے محروم ہو گئے۔ حضرت ابو بکرؓ بھی آنجنابؑ سے بہت محبت کرتے اور کبھی راستہ میں ملتے تو انہیں اپنے کاندھے پر اٹھا لیتے۔

صحیح بخاری کی ایک روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ عصر کی نماز پڑھ کر باہر نکلے تو حضرت حسنؓ کو بچوں کے ساتھ کھیلتے پایا تو آپؑ نے انہیں اپنے کندھے پر اٹھا لیا اور فرمایا کہ میرے ماں باپ قربان یہ تو نبی کریمؐ کے مشابہ ہے، علیؑ کے مشابہ نہیں اور حضرت علیؑ ہنس رہے تھے۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۵۰)

اگر حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دور خلافت میں مذکورہ واقعہ رسول اکرمؐ کی رحلت کے جلد ہی بعد پیش آیا ہو تو اس وقت حضرت حسنؓ کی عمر چار برس کے قریب ہوگی۔ کیونکہ عموماً اسی عمر کے بچے کو ہی کندھے پر اٹھایا جاتا ہے۔

اس عمر کی تائید ایک دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے جس کے مطابق حضرت ابو بکر صدیقؓ منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ حضرت حسنؓ نے کہا کہ میرے باپ کے منبر سے اترے تو حضرت علیؑ نے فرمایا اس نے میرے کہنے سے نہیں کہا، یعنی یہ بات حضرت حسنؓ نے اپنے بچنے کی معصومیت کی بناء پر کی ہے۔

(حیات النبا جلد ۲ ص ۵۲۹۔ مؤلف مولانا محمد یوسف کاندھلوی)

سات آٹھ سال عمر کا بچہ عموماً اتنا سمجھدار ضرور ہو جاتا ہے کہ وہ اس طرح کا کام نہیں کرتا۔ اس واقعے سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ دور صدیقیتی میں حضرت حسنؓ تین چار سال سے زیادہ عمر کے نہیں تھے۔

حضرت عمرؓ نے بھی اپنے دور میں دونوں بھائیوں کے ساتھ ایسا ہی محبت آمیز برتاؤ رکھا۔ حضرت عثمانؓ کے دور میں یہ عالم شباب میں داخل ہو چکے تھے اور اسی

دور سے ان کی عملی زندگی کا باقاعدہ آغاز ہوا ہے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے طبرستان کی فوج کشی میں جو سعید بن عاصؓ کی ماتحتی میں ہوئی تھی ایک مجاہد کی حیثیت سے شرکت فرمائی۔

حضرت حسنؑ بڑے ہوشمند، صائب الرائے عبادت گزار، رحم دل اور خوزیری سے اجتناب کرنے والے بزرگ تھے۔ حضرت عثمانؓ کے خلاف اٹھنے والے فتنے کے موقع پر اپنے والد بزرگوار کو یہ مفید مشورہ دیا کہ آپ محاصرہ اٹھنے تک مدینے سے باہر چلے جائیں۔ اگر حضرت عثمانؓ شہید کر دیے گئے تو لوگ آپؑ کو ان کی شہادت کا ذمہ دار ٹھہرائیں گے۔ لیکن باغی حضرت علیؑ کی نقل و حرکت کی براہ نگرانی کر رہے تھے اس لیے حضرت علیؑ اس مشورہ پر عمل پیرا نہ ہو سکے۔ البتہ حضرات حسینؑ کو ان کی حفاظت کے لیے بھیج دیا۔ انہوں نے دیگر ساتھیوں کے ہمراہ نہایت شجاعت و بہادری کے ساتھ باغیوں کو دروازے سے مکان کے اندر داخل نہیں ہونے دیا۔ مگر باغی چھت پر چڑھ کر اندر گھس آئے اور حضرت عثمانؓ کو انتہائی بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا۔ اس پر حضرت علیؑ نے جوش و غضب میں ان کے طمانچہ مارا کہ تم نے کس طرح کی حفاظت کی۔

حضرت علیؑ کی بیعت خلافت کے وقت بھی حضرت حسنؑ نے نہایت دو راہدہشی سے کام لیتے ہوئے اپنے والد بزرگوار کو یہ مشورہ دیا کہ جب تک ممالک اسلامیہ کے لوگ آپ سے خلافت کی درخواست نہ کریں اس وقت تک آپ اسے قبول نہ فرمائیں۔

اسی طرح جنگ جمل کے موقع پر بھی عرض کیا کہ آپ مدینہ لوٹ چلیں اور

کچھ دنوں کے لیے خانہ نشین ہو جائیں۔ لیکن انہوں نے اس سے اتفاق نہ کیا۔

حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد مسلمانوں نے حضرت حسنؑ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ کچھ عرصے بعد عبدالرحمن بن عامر کی پشتقدمی کی خبر پر آپؑ شکر لے کے مدائن کی طرف بڑھے مگر ہمراہی آپؑ سے بگڑ گئے۔ مصلیٰ چھین لیا، جراح بن قبیصہ نے حملہ کر کے زانوئے مبارک کو زخمی کر دیا تو حضرت حسنؑ مدائن جا کر قصر ابیض میں قیام پذیر ہو گئے اور زخم بھرنے تک ٹھہرے رہے۔ اس کے بعد آپؑ نے عبداللہ بن عامر کے ذریعے حضرت معاویہؓ سے صلح کر لی۔ اس طرح آپؑ خلافت سے دستبردار ہو کر اپنے شفیق نانا کی اس پیش کوئی کی تکمیل کا باعث بن گئے:

”ان ابنی ہذا سید لعل اللہ ان یصلح بہ بین ففتین عظیمین من

المسلمین۔“

(صحیح بخاری، کتاب المصلح۔ باب قول النبی للحسن بن

علیؑ، ان ابنی ہذا سید.....)

کہ یقیناً میرا یہ نواسہ سید ہے اور شاید اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے گا۔ امت نے اس سال کا نام ہی عام الجماعۃ یعنی باہمی صلح و اتحاد والا سال رکھ دیا۔

حضرت مولانا سعید الرحمن علویؒ حضرت حسنؑ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فضل و کمال کے لحاظ سے مثالی انسان، فضائل اخلاق کا پتلا، استغناء، حلم

بردباری کی صفات کا عظیم حامل، قرب الہی کے حصول کے لیے عبادت و ریاضت کا رسیا، فیاضی و سیرچشمی جس کی عادت تھی اور جو اصلاح عقائد کی مہم میں ہر وقت لگا رہتا تھا، وہی حسنؑ، رسول محترمؐ کا نواسہ، سیدنا علیؑ و سیدہ فاطمہؑ کا نور نظر، امت کے جوڑ کا باعث، اسلام اور مسلمانوں کا محسن، صدیوں سے مدینہ منورہ کے عظیم قبرستان میں آسودہ راحت ہے، اس کی مبارک روح آج بھی انسانوں سے، اپنے نانا کے امتیوں سے بطور خاص کہہ رہی ہے اور توجہ دلا رہی ہے کہ **وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا**، اللہ تعالیٰ ہمیں کوش ہوش عطا فرمائے اور قلب سلیم و عقل مستقیم کی بے پایاں دولت ہمیں میسر ہوتا کہ کا روان ملت صحیح راہ پر رواں دواں ہو سکے۔

(غنائے راشدین ص ۵۳۲، م ۵۳۲)

خلافت سے دستبرداری کے بعد آپؑ مدینہ میں مقیم ہو گئے اور ۵۰ھ میں آپؑ کی وفات ہوئی۔ نماز جنازہ کو رزمہ مدینہ جناب سعید بن العاصؑ اموی نے پڑھائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

حضرت حسنؑ نے کثرت کے ساتھ شادیاں کیں اور اسی کثرت کے ساتھ طلاقیں بھی دیں۔ شاہ معین الدین ندوی لکھتے ہیں کہ:

بعض روایتوں سے آپؑ کی ازواج کی تعداد نوے تک پہنچ جاتی ہے لیکن یہ روایتیں مبالغہ آمیز ہیں۔ تاہم اس قدر مسلم ہے کہ عام رواج سے زیادہ شادیاں کیں۔ اس کثرت ازواج و طلاق کو دیکھ کر حضرت علیؑ نے کوفہ میں اعلان کر دیا تھا کہ انہیں کوئی اپنی لڑکی نہ دے۔ لیکن عام مسلمانوں میں خانوادہ نبویؐ سے رشتہ پیدا کرنے کا شوق اتنا غالب تھا کہ حضرت علیؑ کی اس مخالفت کا کوئی اثر نہیں ہوا اور ایک ہمدانی

(سیر الصحابہ جلد ششم ص ۲۷)

نے برملا کہا کہ ہم ضرور لڑکی دیں گے۔

حضرت حسنؑ کی اولاد حسب ذیل ہے:

بیٹے:

۱۔ زید	۲۔ حسن ثنی	۳۔ حسین	۴۔ طلحہ
۵۔ اسماعیل	۶۔ عبداللہ	۷۔ حمزہ	۸۔ یعقوب
۹۔ عبدالرحمان	۱۰۔ ابوبکر	۱۱۔ قاسم	۱۲۔ عمر

بیٹیاں:

۱۔ فاطمہ	۲۔ ام سلمہ	۳۔ ام عبداللہ	۴۔ ام الحسین رملہ
۵۔ ام الحسن			

حضرت حسنؑ کی نسل ان کے چار فرزندوں یعنی زید، حسن ثنی، حسین اور عمر سے جاری ہوئی۔ مگر آگے چل کر حسین اور عمر کا سلسلہ ختم ہو گیا اور اب دنیا میں زید اور حسن ثنی کی اولاد موجود ہے۔

نواسہ رسولؐ سیدنا حسین بن علیؑ:

آپ کا نام حسینؑ، کنیت ابو عبداللہ اور لقب ریحانۃ النبیؐ ہے۔ عمر میں حضرت حسنؑ سے ایک سال چھوٹے ہیں۔ عام قول کے مطابق ۵ شعبان ۴ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ لیکن تحقیقی قول کے مطابق سن ولادت ۹ھ ہے۔ کیونکہ آپؑ کی پیدائش کی بشارت سیدہ ام الفضلؑ کے ایک خواب پر رکھی گئی ہے۔ ام الفضل کا خواب دیگر کتب کے علاوہ مشکوٰۃ ابن ماجہ، امام بیہقی کی دلائل النبوة اور طبقات ابن سعد میں بھی موجود ہے۔

اس روایت کے مطابق ام الفضلؑ بیان کرتی ہیں کہ:

میں نے جا کر آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ رات میں نے ایک بہت برا خواب دیکھا ہے۔ آپؐ کے دریافت کرنے پر میں نے کہا کہ آپؐ کے جسم کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری کود میں ڈالا گیا۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ یہ خواب بہت مبارک ہے۔ فاطمہؑ کے ہاں لڑکا ہوگا جو تمہاری کود میں پرورش پائے گا۔ چنانچہ حضرت فاطمہؑ کے ہاں حسینؑ پیدا ہوئے اور میری کود میں رکھے گئے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

(مشکوٰۃ المصابیح باب مناقب اہل بیت النبی ص ۵۷۲)

ابن ماجہ کی روایت کے مطابق ام الفضلؑ نے انہیں دودھ بھی پلایا۔ ام الفضلؑ آپؐ کے چچا حضرت عباسؑ بن عبدالمطلب کی زوجہ ہیں۔ ان کا اصل نام لبابہ بنت الحارث ہے۔ حضرت عباسؑ سے ان کے بڑے لڑکے کا نام فضلؑ ہے اس لیے ان کی کنیت ام الفضلؑ ہے۔ یہ ام المؤمنین سیدہ میمونہؑ بنت الحارث کی حقیقی بہن ہیں۔ حضرت ام الفضلؑ ابتدائے نبوت میں ایمان لے آئی تھیں لیکن ان کے شوہر حضرت عباسؑ نے اپنے اسلام کا کھل کراظہار نہیں کیا تھا اس لیے فتح مکہ سے پہلے مدینہ کی جانب ہجرت نہ کر سکیں۔ سورۃ نساء میں ان لوگوں کو وعید سنائی گئی ہے جو قدرت واستطاعت کے باوجود ہجرت نہ کریں لیکن کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کو اس وعید سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے جو ہجرت نہ کر سکتے ہوں۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؑ بھی انہی ام الفضلؑ کے لطن سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں اور میری ماں بھی ان لوگوں میں شامل تھے جنہیں ہجرت نہ کر سکنے پر قرآنی وعید سے مستثنیٰ رکھا گیا تھا۔

(جمع الفوائد ج ۲ ص ۱۵۷۔ رقم ۶۸۹۲)

فتح مکہ تک حضرت عباسؑ کے ساتھ مکہ میں ہی مقیم رہیں۔ مکہ رمضان ۸ھ میں

فتح ہوا۔ حنین اور طائف کے معرکوں اور عمرۃ الجعرانہ کے بعد اواخر ذی قعدہ ۸ھ مدینہ میں آپؐ کی مراجعت ہوئی، ام الفضلؑ بھی اپنے شوہر حضرت عباسؑ کے ہمراہ مدینہ تشریف لے آئیں اور وہاں حضرت حسینؑ کو کو دلیا اور دودھ پلایا تو اس طرح حضرت حسینؑ کی پیدائش ۹ھ کے اوائل میں ثابت ہوتی ہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ ام الفضلؑ نے اپنے خواب کی تعبیر رسول اکرمؐ کی خدمت میں خود حاضر ہو کر دریافت کی تھی۔ ابن ماجہ اور دلائل النبوة کے متن سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے۔ ”قالت ام الفضل یا رسول اللہ“، (سنن ابن ماجہ ۲۸۹)

”انھا دخلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقالت“

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۷۲)

یعنی ام الفضلؑ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم..... یعنی وہ (ام الفضلؑ) رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا..... لہذا اس روایت کے مطابق حضرت حسینؑ کی ولادت ۹ھ سے پہلے نہیں ہو سکتی۔

اس بات کی تائید صحیح بخاری کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ نبی اکرمؐ نے تبوک کی طرف روانہ ہوتے وقت حضرت علیؑ کو مدینہ منورہ میں اہل و عیال کی نگرانی پر مامور فرمایا تھا۔ منافقین کے طعنوں کی وجہ سے حضرت علیؑ رنجیدہ ہوئے اور عرض کیا ”تُخَلِّفُنِي فِي الصَّبِيَّانِ وَالنِّسَاءِ“ کیا آپؐ مجھے بچوں اور عورتوں پر نگران مقرر کر کے تشریف لے جا رہے ہیں؟ نبی اکرمؐ نے فرمایا ”أَلَا تَرْضَانِي أَنْ تَكُونُ مِنِّي بِعَتْرَلَةٍ هَارُونَ مِنْ مُوسَى“۔ کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تم میرے لیے ایسے بنو جیسے ہارونؑ موسیٰؑ کے لیے تھے۔ (صحیح بخاری کتاب انہمازی۔ باب غزوہ تبوک)

یہ ملحوظ رہے کہ غزوہ بدر کے موقع پر نبی اکرمؐ نے اپنی بیٹی سیدہ رقیہؓ زوجہ عثمانؓ کی شدید علالت کے پیش نظر حضرت عثمانؓ کو بھی مدینہ منورہ میں قیام کرنے کا حکم دیا تھا۔ حضرت حسینؑ عہد صدیقی و فاروقی میں کم سنی کی وجہ سے کسی مہم میں حصہ نہیں لے سکے۔ البتہ عہد عثمانی میں اپنے بھائی کے ہمراہ سعید بن العاصؓ کی ماتحتی میں طبرستان کی فوج کشی میں شرکت فرمائی۔ اپنے خالو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے سلسلے میں جرأت مندانہ کردار ادا کیا۔ حضرت حسنؑ کی خلافت سے دستبرداری کے بعد حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کے عہد خلافت میں قسطنطنیہ کی مہم میں حضرات ابوالیوب انصاریؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کی معیت میں مجاہدانہ شرکت کی۔ اس مہم کے بارے میں نبی ﷺ نے بشارت دی تھی کہ میری امت کا پہلا لشکر جو قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوگا اس کی مغفرت ثابت ہو چکی ہے۔ (علاوہ دیگر کتب حدیث کے صرف صحیح بخاری میں یہ روایت سات مختلف ابواب میں آئی ہے)

اس ”مغفور لہم“ لشکر کے امیر حضرت معاویہؓ کے فرزند امیر یزید تھے۔
(صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۵۸، مسند ابی یوسف جلد ۵ ص ۱۰۴، عمدة القاری جلد ۱۴ ص ۱۹۸، فتح الباری جلد ۶ ص ۱۰۳، مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۴۱۶، الاستیعاب مع الاصابہ جلد ۱ ص ۴۰۴، طبقات ابن سعد جلد ۴ ص ۶۱، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۵۸، مناقب اہل بیت جلد ۱ ص ۲۵۲)

اس دوران کوئی دونوں بھائیوں کو حضرت معاویہؓ کی بیعت توڑنے پر اکساتے رہے۔ لیکن حسنینؑ کریمینؑ اپنے صحیح موقف پر جرأت و بہادری کے ساتھ قائم رہے۔ حضرت حسنؑ کی وفات کے بعد ایک دفعہ پھر کوفیوں نے حضرت حسینؑ کو بیعت توڑنے پر اکسایا۔ جب اس قسم کی افواہ حضرت معاویہؓ تک پہنچی تو انہوں نے

وضاحت طلب کی۔ حضرت حسینؑ نے جواب دیا:

مجھے آپ کا خط ملا، میرے بھائی حضرت حسنؑ نے جو آپ سے معاہدہ کیا تھا اللہ کی پناہ میں اسے نہیں توڑوں گا۔

”و معاذ اللہ ان انقض عهداً عہدہ الیک اخی الحسن۔“

اور جو باتیں آپ تک پہنچیں وہ چغلیخوروں، غیبت کرنے والوں اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے والوں نے کیں۔ اللہ کی قسم وہ جھوٹ بکتے ہیں۔ (مقتل ابیہ)

شیعہ مؤرخ ابو حنیفہ دینوری لکھتا ہے:

جب حضرت حسینؑ کو نقض بیعت پر آمادہ کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

”انا قد بايعنا وعاهدنا ولا سبيل الى نقض بيعتنا“ (اخبار اہل بول)

یقیناً ہم بیعت اور معاہدہ کر چکے ہیں اور بیعت توڑنے کی کوئی

صورت نہیں ہے۔

حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد کوفیوں نے سینکڑوں خطوط اور فود کے ذریعے حضرت حسینؑ کو کوفہ آنے کی دعوت دی۔ جب حضرت حسینؑ نے اپنے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل کو صحیح صورت حال معلوم کرنے کے لیے کوفہ بھیجا تو کوفیوں نے ان کے ذریعے بھی دعوت پر مبنی ایک خط بھجوا دیا۔ پھر اس کے بعد حضرت مسلم بن عقیل کو بھی انتہائی بے دردی کے ساتھ شہید کر کے اس بات کا بدلہ لے لیا کہ ان کے والد نے ہمارے خلاف ہو کر حضرت معاویہؓ کے ہاتھ کیوں مضبوط کیے تھے۔ بالآخر حضرت حسینؑ نے ان کے بے حد اصرار پر احباب کے منع کرنے کے باوجود کوفہ جانے کا عزم کر لیا۔ راستے میں مسلم بن عقیل کی شہادت کی اطلاع پا کر واپسی کا ارادہ کیا لیکن کوفی

وفد آڑے آگیا اور کہا کہ حضرت آپ کی تو شان ہی کچھ اور ہے۔ اس طرح گھیر کر انہیں سفر جاری رکھنے پر آمادہ کر لیا۔ میدان کربلا میں غدار اور بے وفا کوفیوں کے عزائم دیکھ کر آپؑ نے تین شرطیں پیش کیں:

۱۔ مجھے مدینہ منورہ واپس جانے دیا جائے

۲۔ باہر کسی سرحد پر بھیج دیا جائے کہ کفار کے ساتھ جہاد کروں یا

۳۔ یزید کے پاس جانے دیا جائے تاکہ میں اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر

فیصلہ کر لوں۔

”اضع یدہ فی ید یزید بن معاویہ، فاضع یدہ فی یدہ، فاضع یدہ

فی یدہ فی حکم فی ماری، او ان اضع یدہ علی ید یزید فہو ابن عمی۔“

(الہدایہ والتہذیب جلد ۸، ص ۱۷۹، اہل اس شرح شرح الھدایہ جلد ۵، ص ۵۱۶، تاریخ طبری جلد ۲، ص ۳۱۲، تاریخ ابن خلدون اردو جلد ۲، ص ۱۰۶، تاریخ الخلفاء لسیوطی اردو، ص ۳۰۳، تاریخ اسلام اکبر شاہ خان نجیب آبادی جلد ۲، ص ۵۷، الاصابہ جلد ۲، ص ۳۳۳، کتاب الارشاد، ص ۲۱۹، روح اسلام ترجمہ اسپرٹ آف اسلام از مجلس امیر علی، ص ۴۵۸)

لیکن کوفیوں نے مذکورہ شرائط تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ ان کے تحریر کردہ خطوط حضرت حسینؑ کے پاس موجود تھے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت حسینؑ اور ان کے رفقاء کو انتہائی بے دردی کے ساتھ شہید کر کے اس خاندان سے مکمل طور پر انتقام لے لیا۔

حضرت حسینؑ آنحضرتؐ کی رحلت کے وقت کم سن تھے اس لیے براہ راست آپؐ سے استفادہ کا موقع نہ ملا، مگر حضرت علیؑ جیسے باپ نے اس کی تلافی کر دی۔ حضرت حسینؑ علم و عمل، زہد و تقویٰ، جود و سخا، ہمت و شجاعت، اخلاق و مروت، ہمبر و شکر، حلم و حیا، مہمان نوازی اور غریب پروری میں شہرہ آفاق تھے۔ آپؑ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں۔

حضرت حسینؑ کی ازواج:

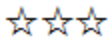
۱۔ لیلیٰ بنت ابی مرہ (یہ حضرت معاویہؓ کی حقیقی بہن میمونہ بنت ابوسفیانؓ کی بیٹی ہیں، علی اکبرؑ شہید کر بلا ان کے بیٹے تھے) ۲۔ رباب بنت امراء القیس ۳۔ ام الخلق ۴۔ غزالہ ۵۔ فضاعیہ

آپؑ کی ان ازواج سے متعدد اولادیں ہوئیں۔ آخر میں صرف علی بن حسینؑ (زین العابدینؑ) باقی تھے، ان ہی سے آگے نسل چلی۔

بیٹیوں میں سیدہ فاطمہ، سیدہ زینب اور سیدہ سکینہ تھیں۔ سیدہ سکینہ کا نکاح مصعب بن زبیرؓ اور ان کے انتقال کے بعد عبداللہ بن عثمان بن حکیم بن حزام کے ساتھ ہوا۔ اس کے بعد امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز کے بھائی اصغ بن اصغ بن عبدالعزیز انہیں دیکھے بغیر ہی فوت ہو گئے۔ بعد میں ان کا نکاح حضرت عثمان غنیؓ کے پوتے زید بن عمرو بن عثمانؓ کے ساتھ ہوا۔ زید ان ہی کے پاس فوت ہوئے اور سیدہ سکینہ نے ان کے ترکہ سے وراثت بھی پائی۔ (کتاب العارف۔ ص ۲۱۹)

شاہ معین الدین ندوی لکھتے ہیں:

بعض پچھلی کتابوں میں حضرت حسینؑ کی ازواج میں ایک نام یزدگرد، شاہ ایران کی لڑکی شہر بانو کا بھی ملتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ زین العابدینؑ انہی کے لاطن سے تھے لیکن کسی قدیم ماخذ میں اس کا ذکر نہیں ہے، اس لیے قابل اعتما نہیں اور یہ داستان ایرانیوں نے سیاسی مقصد کے لیے گھڑی ہے۔ (میرالصفا جلد ششم۔ ص ۲۳۲)



آلِ حقیقی

از روئے قرآن، حدیث اور لغت یہ واضح ہو گیا ہے کہ بیوی اور اس کی اولاد آل کے مفہوم میں شامل ہیں، بیوی اصلاً آل ہے اور اولاد فرعاً۔ کیونکہ فرع کے بغیر اصل کا وجود ہو سکتا ہے لیکن اصل کے بغیر فرع کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ اولاد کے بغیر بیوی کا وجود ہو سکتا ہے لیکن بیوی کے بغیر اولاد ممکن نہیں۔ پس بیوی اصلاً اہل بیت ہے اور اولاد فرعاً و مجازاً۔ لہذا نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آلِ حقیقی میں ازواجِ مطہراتؑ اور اولادِ اطہار و ذریتِ طیبہ یقیناً شامل ہے۔

ازواجِ مطہراتؑ (امہات المؤمنین)

اہل بیت کے عنوان کے تحت آگے مفصل بحث آرہی ہے جس میں بتلایا جائے گا کہ ”اہل بیت“ کی حقیقی مصداق ازواجِ مطہراتؑ ہی ہیں۔ اسی طرح آل کی بھی حقیقی مصداق ازواجِ مطہراتؑ ہی ہیں، اس سے یہ اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جو شخصیات حقیقتاً ”آل و اہل بیت“ کی مصداق ہیں انہیں کس طرح باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت دشمنانِ اسلام ”آل و اہل بیت“ کے مفہوم سے خارج کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ بعض حضرات کے نظریہ ”سکوت“ نام نہاد ”مصلحت پسندی“ یا ”کتمان حق“ کی وجہ سے ہر شخص یہی سمجھنے لگا ہے کہ آل اور اہل بیت کا اطلاق ازواجِ مطہراتؑ پر نہیں ہوتا اور نہ ہی آنحضرت ﷺ کی صلبی اولاد اس میں شامل ہے۔ وہ اس سے صرف آنحضرتؐ کی ایک بیٹی سیدہ فاطمہؑ، ان کے شوہر حضرت علیؑ اور حضراتِ حسنینؑ کی اولاد مراد لیتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے ضروریاتِ زندگی اور لوازماتِ دین کے

تحت متعدد نکاح کیے۔ اہل سیر کے نزدیک ان کی تعداد تیرہ ہے۔ آپؐ کی مثالی زندگی ایک کھلی کتاب کی طرح آشکارا ہے اور کوئی انصاف پسند شخص تعداد و ازدواج میں جنسی تحریکات کا گمان نہیں کر سکتا۔ آپؐ نے جتنے نکاح فرمائے ان میں چند ذاتی اور عائلی ضروریات کے لیے تھے، باقی سب دینی، ملی اور تبلیغی مقاصد کے لیے تھے۔ تذکرہ نگاروں نے آپؐ سے منسوب خواتین کو مندرجہ ذیل طبقات میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) عربیہ قریشیہ امہات المومنینؑ:

- ۱۔ سیدہ خدیجہؑ ۲۔ سیدہ سودہؑ ۳۔ سیدہ عائشہ صدیقہؑ
۴۔ سیدہ ام حبیبہؑ ۵۔ سیدہ حفصہؑ ۶۔ سیدہ ام سلمہؑ

(۲) عربیہ عدنانیہ غیر قریشیہ امہات المومنینؑ:

- ۱۔ سیدہ زہب بنت جحشؑ ۲۔ سیدہ میمونہؑ ۳۔ سیدہ زہب بنت خزیمہؑ

(۳) عربیہ غیر عدنانیہ امہات المومنینؑ:

یہ صرف سیدہ جویریہؑ بنت حارث ہیں۔

(۴) غیر عربیہ امہات المومنینؑ:

- ۱۔ سیدہ صفیہؑ ۲۔ سیدہ ماریہ قبطیہؑ ۳۔ سیدہ ریحانہ بنت زیدؑ
اب ازواج مطہراتؑ کے مختصر حالات ان کے حرم نبویؐ میں داخل ہونے کی ترتیب کے مطابق ایک جدول کی صورت میں ہدیہ قارئین کیے جاتے ہیں۔ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں۔

امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن

نمبر شمار	اسماء گرامی	سابقہ حیثیت	قبیلہ	تکاح نکاح	امہات المومنینؑ کی عمر کی وقت نکاح	رسول اکرمؐ کی عمر کی وقت نکاح	سن وفات	زمانہ رفاقت
۱	خدیجہؓ	بیوہ	عربہ قریشیہ	۱۵ سال قبل از ہجرت	۲۸ سال	۲۵ سال قبل از ہجرت	۲۵ سال	۲۵ سال
۲	سودہؓ	بیوہ	عربہ قریشیہ	۳۰ سال قبل از ہجرت	۵۰ سال	۵۰ سال	۳۲ھ	۱۳ سال
۳	عائشہؓ	کنواری	عربہ قریشیہ	۲ سال قبل از ہجرت	۲۰ سال	۱۹ سال	۵۸ھ	۹ سال
۴	حفصہؓ	بیوہ	عربہ قریشیہ	۳۰ سال	۲۲ سال	۵۶ سال	۴۵ھ	۸ سال
۵	زینب بنت خزیمہؓ	بیوہ	عربہ عدنانیہ	۱۴ سال	۳۰ سال	۵۶ سال	۴۴ھ	۳ ماہ
۶	ام سلمہؓ	بیوہ	عربہ قریشیہ	۴۰ سال	۲۶ سال	۵۶ سال	۵۹ھ	۷ سال
۷	زینب بنت جحشؓ	مطلقہ	عربہ عدنانیہ	۵۰ سال	۳۶ سال	۷۰ سال	۳۰ھ	۶ سال
۸	جویریہؓ	بیوہ	عربہ خیبرانیہ	۵۰ سال	۳۰ سال	۷۰ سال	۵۰ھ	۶ سال
۹	ربیعہؓ	بیوہ	عربہ غسانیہ	۶۰ سال	—	۸۹ سال	۱۰ھ	۵ سال
۱۰	ام حبیبہؓ	بیوہ	عربہ قریشیہ	۷۰ سال	۳۶ سال	۵۹ سال	۳۸ھ	۸ سال
۱۱	صفیہؓ	بیوہ	عربہ خیبر	۷۰ سال	۷۰ سال	۵۹ سال	۵۰ھ	۶ سال
۱۲	ماریہؓ	—	عربہ غسانیہ	۷۰ سال	—	۵۹ سال	۱۶ھ	۴ سال
۱۳	میسونہؓ	بیوہ	عربہ عدنانیہ	۷۰ سال	۳۶ سال	۵۹ سال	۵۱ھ	۳ سال

۱۔ ام المومنین سیدہ خدیجہؓ

خدیجہ نام اور لقب طاہرہ ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے: خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی۔ قصی پر پہنچ کر ان کا خاندان آنحضرت ﷺ کے خاندان کے ساتھ مل جاتا ہے۔ والدہ کا نام فاطمہ بنت زائد تھا اور وہ خاندان عامر بن لوی سے تھیں۔

آنحضرتؐ کی پھوپھی سیدہ صفیہؓ حضرت خدیجہؓ کے حقیقی بھائی عوام بن خویلد کی بیوی تھیں۔ آنحضرتؐ سے قبل آپؐ کے دو نکاح ہوئے۔ ایک ابو ہالہ ہند بن نباش تمیمی سے اور دوسرا عقیق بن عائد مخزومی سے ہوا۔ بعض مؤرخین آپؐ کے تیسرے نکاح کا بھی ذکر کرتے ہیں جو آپؐ کے چچا زاد بھائی صفی بن امیہ سے ہوا۔

ہماری تاریخ کے جدید ناقدین نے ان روایات پر بھی عقلی نقطہ نظر سے تنقید کی ہے۔ ان کے مطابق سیدہ خدیجہؓ کا متوفی خاوند عقیق بن عائد بن عبد اللہ بن عمرو بن مخزوم تھا، جس سے ایک لڑکی ہند اور ایک لڑکا ہالہ پیدا ہوا۔ ہالہ کا باپ ہونے کی وجہ سے اس کی کنیت ابو ہالہ تھی۔ عجمی روایت سازوں نے عقیق بن عائد کی اس کنیت کو ایک علیحدہ شخصیت کی شکل دے کر ابو ہالہ بن ضرار بنا دیا اور یہ اختراع کی کہ پہلا خاوند ایک نہیں، دو تھے۔

سید سلیمان ندوی کے مطابق ابو ہالہ سے دو لڑکے ہند اور حارث (ہالہ) پیدا ہوئے اور عقیق بن عائد سے ایک لڑکی ہند پیدا ہوئی۔ (سیرت النبیؐ جلد ۲، ص ۳۷۰)

قاضی سلیمان منصور پوری کی تحقیق کے مطابق عقیق بن عائد سے کوئی اولاد

نہیں ہوئی۔ ملا حظہ ہو رحمۃ اللعالمین جلد ۲، صفحہ نمبر ۱۴۴۔

عقیق کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہؓ سے آپ ﷺ کے نکاح کی بات نبی اکرمؐ کی پھوپھی اور حضرت خدیجہؓ کی بھابھی سیدہ صفیہؓ اور سید الشہداء حضرت حمزہؓ کی وساطت سے طے ہوئی جبکہ ابوطالب نے نکاح کا خطبہ پڑھا، جس سے سیدہ خدیجہؓ کو ام المؤمنین ہونے کا شرف حاصل ہو گیا۔ آنحضرتؐ سے شادی کے وقت سیدہ کی عمر کے بارے میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں؛ پچیس سال، ستائیس سال، تیس سال، پینتیس سال اور چالیس سال۔ سبائی مؤرخین نے چالیس سال کے قول کو اتنی شہرت دی کہ دیگر اقوال کا عدم ہو گئے۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

”بقی نے حاکم سے نقل کیا ہے کہ جب آپؐ نے خدیجہؓ سے نکاح فرمایا تو ان کی عمر پچیس سال تھی۔“

”وكان عمرها اذ ذاك خمساوثلثين وقيل خمسا وعشرين“

(البدایہ والنہایہ جلد ۲ - ص ۲۹۵)

اس وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر پینتیس سال تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ پچیس سال تھی۔

دوسرے مقام پر حافظ ابن کثیر حضرت خدیجہؓ کی وفات کے وقت کل عمر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وبلغت خديجة خمسا وستين ويقال خمسين وهو اصح“۔

حضرت خدیجہؓ کی عمر پینسٹھ سال ہوئی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پچاس سال

ہوئی اور یہی زیادہ صحیح ہے۔

اس بات پر تمام محدثین و مؤرخین کا اتفاق ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کی رفاقت میں پچیس سال گزارے اور نبوت کے دسویں سال ان کا انتقال ہوا۔

حافظ ابن کثیر نے یہ لکھ کر کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ ان کی عمر پچاس سال ہوئی یہ ثابت کر دیا کہ نکاح کے وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر پچیس سال تھی۔

علاوہ ازیں یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ جس خاتون کے چالیس سال تک دو بچے پیدا ہوئے وہ وفات یعنی پینسٹھ سال کی عمر تک آٹھ مزید بچوں کی ماں کیسے بن گئی؟ طبی لحاظ سے بھی اس اعتراض کی بہت اہمیت ہے اور جن حضرات نے تیس سال والے قول کو رائج قرار دیا ہے وہ درست معلوم ہوتا ہے۔ اس حساب سے عقد کے وقت آپ ﷺ کا سن مبارک پچیس (۲۵) برس تھا اور سیدہ کی عمر تیس (۳۰) سال تھی۔

سیدہ ابراہیم کے علاوہ آپؐ کی ساری اولاد ان ہی کے لطن سے ہوئی۔ حضرت خدیجہؓ اسلام میں سب سے پہلے داخل ہوئیں۔ ان پر کسی مرد یا عورت کو تقدم فی الاسلام حاصل نہیں۔ جب آپؐ نے ان سے وحی کا ذکر کیا تو بغیر کسی تامل کے کہا كَلَّا وَاللَّهِ مَا يَخْزِيكَ اللَّهُ أَبَدًا ، إِنَّكَ لَتَعْمَلُ الرَّجَمَ ، وَتَحْمِلُ الْكُلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ ، وَتَقْرِي الضُّيْفَ ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ۔ (صحیح بخاری۔ باب کیسکان بدہ الوقی)

”آپؐ پریشان نہ ہوں۔ اللہ کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اللہ آپؐ کو رسوا

کرے۔ بے شک آپؐ صلہ رحمی کرتے ہیں، عاجز و محتاج کی مدد کرتے ہیں، مہمان

نوازی کرتے ہیں، مصیبت زدوں کی امداد کرتے ہیں۔ (بخاری باب بدہ الوقی)

آنحضرت ﷺ نے ان کی زندگی میں کسی اور خاتون سے نکاح نہ فرمایا۔
حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مجھے جس قدر ان پر رشک آتا ہے کسی اور پر نہیں آتا۔
حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد ان کی بہن آنحضرت ﷺ سے ملنے
آئیں۔ ان کی آواز حضرت خدیجہؓ سے ملتی تھی تو آپ گوان کی یاد آگئی۔
اسی طرح سیدہ زہبہؓ نے غزوہ بدر کے موقع پر اپنے خاوند ابوالعاصؓ کے
فدیے میں حضرت خدیجہؓ کا ہار بھیجا تو آپ کی آنکھوں سے ان کی یاد میں آنسو جاری
ہو گئے۔

حضرت خدیجہؓ نے ہجرت سے تین سال قبل آپؐ کی رفاقت میں پچیس سال
تک بہترین زندگی گزارنے کے بعد مکہ معظمہ میں وفات پائی اور وہیں جنت المعلیٰ
میں دفن ہوئیں۔

حضرت خدیجہؓ وہ مقدس خاتون ہیں جنہوں نے نہ صرف نبوت کی تصدیق
کی بلکہ آغاز اسلام میں آپؐ کی معین و مددگار ثابت ہوئیں۔ ان کی مثالی ازدواجی
زندگی نے آپؐ کے قلب اطہر پر بڑے گہرے نقوش چھوڑے۔ آپؐ اکثر ان کا ذکر
بڑے اچھے الفاظ میں اور محبت سے فرماتے تھے۔

۲۔ ام المومنین سیدہ سودہؓ بنت زمعہ

ان کا تعلق قریش کے نامور قبیلے عامر بن لوئی سے تھا۔ آپؓ کا پہلا نکاح اپنے چچا زاد حضرت سکران بن عمرو سے ہوا۔ قبیلہ عامر بن لوئی کی آپؓ پہلی خاتون تھیں جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ ایمان لانے کے ساتھ ہی اپنے میکے اور سرال میں تبلیغ حق کرنا شروع کر دی۔ اس کا ان کے خاندان والوں پر خاطر خواہ اثر ہوا لہذا ان کی مساعی جمیلہ سے ان کے خاندان کے کئی لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ سیدہ سودہؓ کو اپنے شوہر کے ہمراہ حبشہ کی ہجرت ثانیہ کا شرف بھی حاصل ہوا۔ مکہ واپسی کے بعد حضرت سکرانؓ انتقال کر گئے۔ ان سے ایک لڑکے عبدالرحمن تولد ہوئے، جو جنگ جلولاء میں شہید ہو گئے۔

حضرت خدیجہؓ کی وفات سے آپؓ کافی غمگین تھے اور چھوٹی صاحبزادیوں سیدہ فاطمہؓ اور سیدہ ام کلثومؓ کی دلجوئی اور نگہداشت کے لیے کسی معمر خاتون کی ضرورت تھی، جو ماں کی شفقت دے سکے۔ حضرت خولہ بنت حکیم کی تحریک پر انہیں ام المومنین ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ آپؓ نے ہجرت مدینہ کے بعد زید بن حارثہ کو مکہ بھیجا تاکہ وہ حضرت سودہؓ اور صاحبزادیوں کو مدینہ لے آئیں۔

انہیں ۱۰ھ میں آپؓ کی معیت میں حج کی سعادت بھی حاصل ہوئی اور حضرت عمرؓ کے اخیر زمانہ خلافت میں انتقال کیا۔ وصال سے قبل انہوں نے اپنے گھر کے متعلق وصیت فرمائی کہ میرے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد میرا گھر حضرت عائشہ صدیقہؓ کو دے دیا جائے اس سے قبل وہ اپنی باری کا دن بھی سیدہ عائشہؓ کو دے چکی تھیں۔ حضرت اسماء بنت عمیسؓ کہتی ہیں کہ میں نے حبشہ میں عورتوں کی میت کے

لیے پردہ دار مسہری بناتے دیکھا تھا، ان کے لیے بھی اسی طرح کی ایک مسہری تیار کی گئی۔ جب اسے حضرت عمر فاروقؓ نے ملاحظہ کیا تو اسماء بنت عمیسؓ کو دعا دیتے ہوئے فرمایا ”مَسْرُوتُهَا سَتَرَكَ اللَّهُ“ آپ نے انہیں پردے میں ڈھانپا اللہ آپ کی پردہ پوشی فرمائے۔ جب جنازہ تیار ہو گیا تو جنت البقیع میں لے جا کر قبر میں اتار دیا۔ حرم نبوی اور آل رسولؐ کا ایک اور چہرہ اُغ بجھ گیا تھا۔ حقیقتاً اس کی روشنی آج بھی برقرار ہے اور قیامت تک رہے گی۔

اطاعت اور فرمانبرداری اور سخاوت و فیاضی ان کا ایک نمایاں وصف تھا۔ جو کچھ ان کے ہاتھ لگتا تھا اسے نہایت دریا دلی سے حاجت مندوں میں تقسیم کر دیتی تھیں۔

حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں لکھا ہے کہ حضرت سودہؓ دستکار تھیں اور طائف کی کھالیں بنایا کرتی تھیں۔ اس سے جو آمدنی ہوتی تھی اسے اللہ کے راستے میں خرچ کر دیتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ نے ان کے بارے میں فرمایا سودہؓ کے علاوہ کسی عورت کو دیکھ کر مجھے یہ خیال نہیں ہوا کہ اس کے قالب میں میری روح ہوتی۔

الغرض حضرت سودہؓ ان گنت صفات و خصوصیات اور خوبیوں کی مالک تھیں خاص طور پر ایمان کی حلاوت نے ان کے مزاج اور طبیعت کے اندر ربانیت و شفقت کی ایک ایسی کیفیت پیدا کر دی تھی جس کی وجہ سے نہ صرف وہ ہر اس محفل کو جہاں وہ تشریف لے جاتی تھیں کشت زعفران بنا دیتی تھیں بلکہ آنحضرتؐ کی تفریح طبع کی خاطر اپنے انداز و گفتار میں ایسا طرز اختیار کرتی تھیں جس سے آپؐ خوش ہو جاتے

اہل بیت رسول کون؟

۲۰۳

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ

اور تبسم فرماتے تھے۔

سیدہ سودہؓ سے پانچ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے ایک صحیح بخاری میں اور چار دیگر کتب احادیث میں ہیں۔

۳۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہؓ کی سیرت، حالات زندگی اور علمی مقام ایک مستقل کتاب کا متقاضی ہے۔ یہاں صرف چند ارشادات پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے:

حضرت عائشہ صدیقہؓ اکبرؓ کی لخت جگر ہیں۔ والدہ کا نام ام رومان بنت عامر تھا اور وہ بھی جلیل القدر صحابیہ تھیں۔ ان کے بارے میں آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا اگر کوئی شخص حوران جنت میں سے کسی عورت کو دیکھنا پسند کرتا ہے تو وہ ام رومانؓ کو دیکھ لے۔ اور جب ۶ھ میں ان کا انتقال ہوا تو آپؐ ان کی قبر میں اترے اور فرمایا اے اللہ تجھ سے پوشیدہ نہیں کہ ام رومانؓ نے تیرے لیے اور تیرے رسولؐ کے لیے کیا کچھ برداشت کیا ہے۔

حضرت عائشہؓ کی ابتدائی زندگی صدیق اکبرؓ جیسے عظیم باپ کے زیر سایہ بسر ہوئی۔ وہ بچپن ہی سے بے حد ذہین تھیں۔ تمام ازواج مطہرات میں سے یہ شرف صرف حضرت عائشہؓ کو حاصل ہے کہ وہ آپؐ کے نکاح میں آئیں تو کنواری تھیں۔ ان کا نکاح نبوت کے بارہویں سال شوال کے مہینے میں بھروسہ برس ہوا۔ مہر کی رقم پانچ سو درہم مقرر ہوئی جبکہ حضرت عائشہؓ کی رخصتی نکاح کے تین سال اور ہجرت کے چند ماہ

اہل بیت رسولؐ کون؟

۲۰۴

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ

بعد یعنی شوال ۱ھ، اپریل ۶۲۳ء میں مدینہ منورہ میں انیس برس کی عمر میں نہایت سادگی کے ساتھ ہوئی۔

نکاح و رخصتی کے موقع پر حضرت عائشہؓ کی عمر سے آگاہی حاصل کرنے کے خواہش مند قارئین اس موضوع پر راقم کی مستقل تصنیف ”تحقیق عمر عائشہ صدیقہؓ“ کی طرف رجوع فرمائیں۔

حضرت عائشہؓ کے نکاح سے عرب کے یہودہ خیالات میں اصلاح ہوئی۔

۱۔ عرب اپنے منہ بولے بھائی کی بیٹی سے شادی نہیں کرتے تھے۔

۲۔ اہل عرب شوال میں شادی نہیں کرتے تھے۔

۳۔ قدیم دستور کے مطابق دلہن کے آگے آگے آگے جلاتے تھے اور یہ بھی

رسم تھی کہ شوہر اپنی دلہن سے پہلی ملاقات محل یا پاکی کے اندر کرتا تھا۔ امام بخاری اور قسطلانی نے یہ تصریح کی ہے کہ ان رسوم کی پابندی بھی اس تقریب میں ٹوٹی۔

غزوہ بدر میں پرچم اسلامی سیدہ عائشہؓ کے دوپٹے سے تیار کیا گیا۔ غزوہ احد میں کاندھے پر بھرے ہوئے مشکیزے اٹھا کر زخیبوں کو پانی پلاتی رہیں۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپؐ دیگر ازواج مطہراتؓ کے ہمراہ موجود تھیں۔

جب آنحضرتؐ مرض وفات میں مبتلا ہوئے تو پہلے پانچ دن دیگر ازواج مطہراتؓ کے ہاں مقیم رہے اور پھر باقی آٹھ دن سیدہ عائشہؓ کے گھر میں قیام فرمایا۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ کو یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ روح اطہر کی پرواز کے وقت حضور ﷺ کا سر مبارک آپؐ کی کود میں تھا۔ آپؐ ہی کے حجرہ مبارکہ کو آنحضرت ﷺ

کی ابدی آرام گاہ بننے کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت عروہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی ایک کو بھی معافی قرآن اور احکام حلال و حرام اور علم الانساب میں عائشہؓ سے بڑھ کر نہیں پایا۔ حضرات صحابہ کرامؓ کو جب بھی کوئی مشکل اور پیچیدہ مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ حضرت عائشہؓ کی طرف رجوع کرتے تھے اور ان کے پاس اس مسئلہ کے متعلق علم پایا جاتا تھا۔

تفہم فی الدین، تبلیغ دین اور علم نبوت کی اشاعت میں جو درجہ حضرت عائشہؓ کو حاصل ہے وہ کسی دوسری زوجہ مطہرہ کو حاصل نہیں ہے۔

بشر بن حقرہؓ سے روایت ہے کہ احد کے دن میرے والد شہید ہو گئے تھے، میں ایک دن رو رہا تھا تو آنحضرتؐ تشریف لائے اور مجھے دلا سہ دیتے ہوئے فرمایا:

أَمَّا تَرْضَىٰ أَنْ تَكُونَ عَائِشَةَ أُمِّكَ وَ أَكُونَ أَنَا أَبَاكَ۔

کیا تو اس پر راضی نہیں کہ عائشہؓ تو تمہاری ماں ہو اور میں تمہارا باپ ہوں۔

(بحوالہ الاستیعاب)

اس حدیث میں بمقابلہ دیگر ازواج کے آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ کی تخصیصِ امومت فرمائی ہے۔ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا:

مردوں میں سے تو بہت سے لوگ کامل ہوئے مگر عورتوں میں مریم بنت عمران اور آسیہ زوجہ فرعون کامل ہوئیں اور عائشہؓ کو تمام عورتوں پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسے شریک کو سب کھانوں پر۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا اللہ کی قسم مجھ پر کسی بیوی کی خواب گاہ میں وحی نازل نہیں ہوئی سوائے عائشہؓ کے۔

اہل بیت رسول کون؟

۲۰۶

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ

ایک مرتبہ آپؐ نے سیدہ فاطمہؓ سے فرمایا بیٹی جس سے میں محبت کرتا ہوں کیا آپ اس سے محبت نہیں کرتیں؟ سیدہ فاطمہؓ نے جواب دیا کیوں نہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا پھر تم عائشہؓ سے محبت رکھو۔

بخاری کی روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے عائشہؓ سے فرمایا:

هَذَا جِبْرَائِيلُ يَقْرَأُكَ السَّلَامَ فَمَقَلْتُ وَعَالِيهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ

وَبَرَكَاتُهُ۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۳۵۷۔ کتاب بدء الخلق باب ذکر ملائکہ، کتاب النبا باب من فضل عائشہ ص ۵۳۲)

یہ جبرائیل آپؐ کو سلام کہہ رہے ہیں، میں نے کہا ان پر بھی اللہ کا سلام اور اس کی رحمت و برکت ہو۔

حضرات صحابہ کرامؓ اپنے ہدیے آنحضرتؐ کی خدمت میں حضرت عائشہؓ کی باری کے دن بھیجا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دن دوسری ازواج مطہراتؓ نے ام سلمہؓ سے کہا کہ آپؐ حضورؐ سے عرض کریں کہ وہ لوگوں سے فرمائیں کہ میں جہاں جس زوجہ کے پاس بھی قیام کروں اپنے ہدیے پیش کر دیا کرو۔ چنانچہ ام سلمہؓ نے حضورؐ سے عرض کر دیا تو آپؐ نے اعراض فرمایا۔ تو پھر تیسری مرتبہ عرض کرنے پر فرمایا:

يَا ام سَلَمَةَ لَا تُؤْذِينِي فِي عَائِشَةَ فَإِنَّهُ وَاللَّهِ مَا نَزَلَ عَلَيَّ الرُّوحُ وَأَنَا

فِي لِحَافٍ امْرَأَةٌ مِنْكُنَّ غَيْرَهَا۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۵۳۲۔ کتاب النبا باب فضل عائشہ)

ام سلمہؓ مجھے عائشہؓ کے بارے میں اذیت مت دو کیونکہ اللہ کی قسم مجھ پر عائشہؓ کے سوا کسی بیوی کے بستر پر وحی نازل نہیں ہوئی۔

جامع ترمذی میں ہے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ:

آپؓ دنیا میں سب سے زیادہ کس کو محبوب رکھتے ہیں۔ ارشاد ہوا عائشہؓ کو۔ میں نے عرض کیا مردوں میں سے، فرمایا عائشہؓ کے باپ کو۔

”أَيُّ النَّاسِ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ عَائِشَةُ قُلْتُ مِنَ الرِّجَالِ قَالَ أَبَوْهَا۔“

(جامع ترمذی۔ ابواب النکاح۔ باب من فضل عائشہ)

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت عائشہؓ کی زندگی کا واحد مقصد دوسروں کو قرآن و حدیث کی تعلیم دینا تھا۔ صدیقی گھرانے کے پاکیزہ ماحول اور آپؓ کی رفاقت و معیت نے آپؓ کے اندر ان گنت اوصاف حمیدہ پیدا کر دیے تھے۔ آپؓ بے پناہ قوت حافظہ اور اجتہاد و استنباط کی صلاحیتوں سے بہرہ ور تھیں۔ آپؓ نہایت قانع تھیں۔ غیبت سے احتراز کرتی تھیں۔ خود ستائی سخت ناپسند تھی۔ تاہم بڑی خوددار تھیں۔ شجاعت اور دلیری آپؓ کا خاص جوہر تھا اور جود و سخا بھی نمایاں وصف تھا۔ حضرت عائشہؓ کی علمیت، فوقیت اور فضیلت کو دیکھا جائے تو آسمان کی بلندیوں پر نظر آتی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو جو ان سے محبت تھی وہ محض ظاہری حسن و جمال کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے ذاتی علم و فضل کے کمال کی وجہ سے تھی۔

ان کی علمیت کے بارے میں زہری اعتراف کرتے ہیں کہ اگر تمام مردوں کا اور امہات المومنین کا علم ایک جگہ جمع کیا جائے تو حضرت عائشہؓ کا علم وسیع تر ہوگا۔

ام المومنین سیدہ عائشہؓ کا شمار محدثین کے طبقہ اول میں ہوتا ہے۔ آپؓ سے دو ہزار دو سو دس (۲۲۱۰) احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے بخاری و مسلم میں ایک سو چوبتر (۱۷۴) متفق علیہ ہیں جبکہ باقی دیگر کتب احادیث میں پائی جاتی ہیں۔

حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کا آپؓ کو بہت دکھ ہوا۔ چنانچہ آپؓ نے

قصاص عثمانؓ کی خاطر بصرہ کا سفر فرمایا اور بہت سے قاتلین کو کیفر کردار تک پہنچایا۔ اس طرح آپؐ نے عملی طور پر ثابت کر دیا کہ قتل عثمانؓ فرد واحد کا قتل نہیں بلکہ منافقین، یہود اور مجوس کا ایک شرانگیز منصوبہ تھا، جس کا مقصد اسلام کے بنیادی ادارے (خلافت) کے تقدس کو پامال کرنا تھا۔

سیدہ عائشہؓ نے وصال سے پہلے وصیت فرمائی کہ مجھے رات ہی کو جنت البقیع میں امہات المومنینؓ کے قریب دفن کیا جائے۔ اور پھر ۱۷ رمضان ۵۸ھ (۱۳ جولائی ۶۷۸ء) کی رات نماز وتر کے بعد اپنے پیچھے ایک عالم کو سوکوار وافرودہ چھوڑ کر اس جہان فانی سے رخصت ہو گئیں۔ آپؓ کی وفات کی خبر آن واحد میں مدینہ طیبہؓ میں پھیل گئی۔ ہر آنکھ مقدس ماں کی موت پر آنسو بہا رہی تھی۔ حسب وصیت رات کو ہی جنازہ اٹھالیا گیا۔ جنازہ کے ساتھ اتنا ہجوم تھا کہ تہوار کا گمان ہوتا تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ، عبداللہ بن عبد الرحمن بن ابی بکرؓ، عروہ بن زبیرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ بھتیجیوں اور بھانجوں نے قبر میں اتارا اور حسب وصیت مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع میں انہیں سپرد خاک کر دیا۔

مدینہ منورہ میں ایک قیامت برپا تھی کہ آج حرم نبوت کی ایک اور شمع بجھ گئی۔ (یہ ملحوظ رہے کہ حضرت عائشہؓ کی وفات کے وقت امہات المومنینؓ میں سے صرف سیدہ ام سلمہؓ بقید حیات تھیں، جنہوں نے ایک سال بعد ۵۹ھ میں وفات پائی) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا گیا کہ ”سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی موت کا غم کس کس نے کیا؟“ انہوں نے فرمایا:

”جس جس کی وہ ماں تھی اسی کو ان کا غم تھا۔“

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی زندگی کے آخری لمحات (علاّت، عیادت اور تدفین سے متعلق وصیت) کتب حدیث، طبقات، سیرت اور تاریخ میں موجود و محفوظ ہیں۔ مگر سخت حیرت ہے کہ ان حقائق کے باوجود عصر حاضر کے دشمنان اہل بیتؑ بڑی ڈھٹائی اور بے حیائی سے حضرت معاویہؓ پر ان کے قتل کا الزام عائد کر کے ان کی طبعی موت کا انکار اور جنت البقیع میں ان کی عدم تدفین کا پرچار کر رہے ہیں۔ چنانچہ ترجمان شیعیت غلام حسین نجفی رقم طراز ہیں کہ:

”(معاویہ نے) حضرت عائشہ کی خاطر ایک گڑھا کھدوایا اور پھر مکر و حیلہ کیا اور جناب عائشہ کو گڑھے میں پھینک دیا بی بی جی مرگئی..... معاویہ اسلام کا ماموں تو بن بیٹھا مگر اس نے مسلمانوں کی ماں کو قتل کر کے اپنے تمام فضائل پر جھرو پھیر لیا۔ جو نواصب باچھیں ٹیڑھی کر کے کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ محبوبہ رسول اللہ تھیں وہ ہمیں بتائیں کہ اس محبوبہ رسول اللہ کی قبر کہاں ہے؟ معاویہ نے دنیا سے عائشہ کی قبر کا نشان ہی مٹا دیا۔“

(خصائل معاویہ ص ۲۳۸-۲۳۹)

اسی طرح کے خیالات کا اظہار ڈاکٹر نور حسین جعفری سیالوی نے ”ثبوت خلافت“ (ص ۲۶۰ جلد ۲) سید حیدر علی نقوی نے ”تاریخ ائمہ“ (ص ۱۳۸) اور مشہور شیعہ مجتہد مرزا یوسف حسین لکھنوی نے اپنی کتاب ”وفات عائشہ“ (ص ۱۱۲) میں کیا ہے۔

جبکہ مشہور سنی مؤرخ اکبر شاہ خان نجیب آبادی نے قتل عائشہؓ کی نسبت مروان بن حکمؓ کی طرف کی جس سے دشمنان معاویہؓ کے موقف کی ”تائید“ ہو گئی۔ سنا قدین کا کہنا ہے کہ مروانؓ نے یہ کاروائی حضرت معاویہؓ کے حکم کی تعمیل میں کی۔ تعجب ہے کہ اکبر شاہ خان نجیب آبادی جیسا نقاد مؤرخ ایک لغو، بے بنیاد اور موضوع روایت سے اپنا دامن محفوظ

نہ رکھ سکا۔ چنانچہ وہ قم طراز ہیں کہ:

”۵۷ھ میں حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ فوت ہو کر جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔ آپ مروان کی مخالفت کیا کرتی تھیں کیونکہ اس کے اعمال اچھے نہ تھے۔ مروان نے ایک روز دھوکے سے دعوت کے بہانے بلا کر ایک گڑھے میں جس میں ننگی تلواریں اور خنجر وغیرہ رکھ دیے تھے آپ کو گرا دیا۔ آپ بہت ضعیف اور بوڑھی تھیں زخمی ہوئیں اور ان ہی زخموں کے صدمہ سے فوت ہو گئیں۔“

(تاریخ اسلام جلد ۲ ص ۳۲۔ مطبوعہ نئیس اکیڈمی کراچی)

اہل تشیع نے تو صرف گڑھے کا ذکر کیا تھا لیکن موصوف نے اس گڑھے میں ننگی تلواریں اور خنجریں بھی رکھوا دیں۔ کبر شاہ خان صاحب نے یہ وضاحت نہیں کی کہ حضرت عائشہؓ زخمی ہونے کے کتنے عرصہ بعد فوت ہوئیں اور اس واقعہ پر ام المؤمنینؓ کے روحانی فرزندوں نے کس رد عمل کا اظہار کیا۔ اگر یہ عبارت الحاقی اور کسی سبائی کی کارستانی نہیں ہے تو پھر موصوف سے بہت بڑی خطا واقع ہوئی۔ دراصل اس سلسلہ کی جملہ روایات حوزہ ”چلمیہ“ قم کے گٹر کی عفونت پر مشتمل ہیں۔ بد قسمتی سے حضرت عائشہؓ کی موت، تدفین اور قبر کے بارے میں وہ طبقہ فکر مند ہے جس کے اپنے زندہ امام (یعنی امام غائب و مفقود الخبر) کا آج تک کہیں سراغ نہیں مل سکا اور وہ ۲۶۱ھ سے گم ہیں۔ جو بصارت و بصیرت سے محروم طبقہ تقریباً بارہ سو سال سے سخت تلاش، منت و سماجت اور التجاؤں اور تمناؤں کے باوجود اپنے ”زندہ امام“ کا سراغ نہ پاسکے تو وہ ایک وفات یافتہ حرم رسولؐ کی قبر اقدس کا کیا سراغ پائے گا؟

قارئین کرام! حضرت معاویہؓ پر قتل عائشہؓ جیسے افتراء و بہتان کے تفصیلی

اہل بیت رسول کون؟

۲۱۱

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ

جواب کے لیے راقم الحروف کی کتاب ”سیدنا معاویہؓ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ“ (از صفحہ ۵۱۳ تا ۵۲۲) کی طرف رجوع کریں۔ یہ کتاب اب نئی طباعت میں ”تذکرہ سیدنا معاویہؓ“ کے ساتھ ایک ہی جلد میں شائع ہو رہی ہے۔

یہ الزام اس قدر لغو، بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہے کہ خود اہل تشیع کے اکابر علماء نے بھی اس کی تردید کی ہے۔

قدیم شیعہ مؤرخ احمد بن ابی یعقوب (م ۲۸۴ھ) لکھتے ہیں کہ:

”حضرت معاویہؓ کے دور خلافت میں رسول اللہ کی چار ازواج مطہرات (جبکہ صحیح یہ ہے کہ سات ازواج مطہرات: ۱۔ سیدہ ام حبیبہؓ ۲۴۴ھ-۲۔ سیدہ حفصہؓ ۴۵ھ-۳۔ سیدہ صفیہؓ ۵۰ھ-۴۔ سیدہ جویریہؓ ۵۰ھ-۵۔ سیدہ میمونہؓ ۵۱ھ-۶۔ سیدہ عائشہؓ ۵۸ھ-۷۔ سیدہ ام سلمہؓ ۵۹ھ) نے انتقال کیا۔ عائشہ بنت ابی بکرؓ ۵۸ھ میں فوت ہوئیں۔ ان کی نماز جنازہ ابوہریرہؓ جو ان دنوں مروانؓ کے نائب تھے نے پڑھائی۔“ (تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۲۳۸)

محمد بن ہاشم خراسانی لکھتے ہیں کہ:

”حضرت عائشہؓ کا ۵۷ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔“ (مفتوح اور ایضاً ص ۱۸۱ چہارم ایروم۔ عائشہ خیرا بکٹر)

شیخ عبداللہ مامقانی لکھتے ہیں کہ:

”ان کے شیخ نے عائشہ بنت ابی بکر کو اپنی رجال کی کتاب میں صحابیات میں شمار کیا ہے۔ ۵۸ھ میں ان کا انتقال ہوا۔“ (تنقیح الرجال جلد ۳ ص ۸۱ من لعل التاجات عائشہ بنت ابی بکر)

سید علی نقوی (جنہیں اہل تشیع سید العلماء کے لقب سے پکارتے ہیں) رقم

طراز ہیں کہ:

”امہات المؤمنین یعنی ازواج رسولؐ کی قبریں اسی بقیع میں تھیں چنانچہ بوقت وفات حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ مجھ کو وہیں بقیع میں دفن کرنا جہاں میری اور بہنیں (ازواج النبیؐ) دفن ہیں۔“ (تہذیب و ترمذ ص ۴۶)

مذکورہ اکابر شیعہ علماء نے حضرت عائشہؓ کی وفات کے سلسلے میں زیر بحث داستان کا کوئی ادنیٰ سا اشارہ نہیں کیا بلکہ ان کی طبعی موت، نماز جنازہ اور جنت البقیع میں تدفین کی صراحت کی۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ:

حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو حضرت عائشہؓ کے پاس اس درخواست کے ساتھ بھیجا کہ:

”سَلِّهَآ اَنْ اُدْفَنَ مَعَ صَاحِبِیْ قَالَتْ کُنْتُ اُرِیْدُہٗ لِنَفْسِیْ فَاَلَا تُرِیْدُہٗ الْیَوْمَ عَلٰی نَفْسِیْ“

ان سے پوچھیں کہ میری خواہش ہے کہ میں اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن کیا جاؤں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ یہ جگہ میں اپنے لیے پسند کرتی تھی لیکن میں آج عمرؓ کو اپنے اوپر ترجیح دوں گی۔ (صحیح بخاری کتاب الجنائز۔ باب اجاء فی القبرائین والی بکرمہ) اسی باب میں خود حضرت عائشہؓ سے مروی یہ روایت بھی ہے کہ:

”اِنَّہَا اَوْصَتْ عَبْدَ الْمَلِکِ ابْنَ الزُّبَیْرِ لَا تَدْفِنِیْ مَعَهُمْ وَادْفِنِیْ مَعَ صَاحِبِیْ بِالْبَقِیْعِ لَا اُزْکِیْ بِہٖ اَبَدًا۔“

انہوں نے عبداللہ بن زبیرؓ کو وصیت کی کہ مجھے ان لوگوں (نبی اکرمؐ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ) کے ساتھ دفن نہ کرنا بلکہ دیگر ازواج مطہرات کے ساتھ بقیع میں دفن کرنا۔ اس طرح میں ان سے برتری حاصل نہیں کر سکوں گی۔

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ:

”إِدْفِنِي مَعَ صَوَاحِبِي وَلَا تَدْفِنِي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فِي الْبَيْتِ فَإِنِّي أَكْرَهُ أَنْ أُزَكَّى“ (صحیح بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔ ماجاء فی ذکر النبیؐ)

مجھے دیگر ازواج مطہرات کے ساتھ دفن کرنا، نبی کریمؐ کے ساتھ گھر میں دفن نہ کرنا۔ کیونکہ میں یہ بات پسند نہیں کرتی (کہ دوسری ازواج مطہرات کے مقابلے میں) مجھے کوئی برتر مقام دیا جائے۔

حضرت عائشہؓ کی کسر نفسی کا یہ عالم تھا کہ جب آخری بیماری کے دوران حضرت عبداللہ بن عباسؓ عیادت کے لیے آئے اور آپؓ کی تعریف بیان کر کے تشریف لے گئے۔ بعد میں حضرت عائشہؓ نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے فرمایا کہ ابن عباسؓ آئے تھے ”فَمَآ أَتَانِي عَلَى وَوَدِدْتُ أَنِّي كُنْتُ نَسِيًا مِّنْهُمْ“ سو انہوں نے میری تعریف کی مگر میری آرزو تو یہ ہے کہ میں گنہگار اور بھولی بسری ہوتی۔

(صحیح بخاری۔ کتاب التضرع۔ باب قولہ ”وَوَدِدْتُ أَنِّي كُنْتُ نَسِيًا مِّنْهُمْ“ لَمَّا كَانَ قَوْلَهُ هَذَا عَظِيمًا)

اس جملہ سے ام المؤمنینؓ کے خوفِ الہی، کسر نفسی اور تقویٰ کے مقام بلند کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

علامہ محمد بن سعد نے بھی ”کسر نفسی پر مبنی چند اقوال نقل کیے ہیں:

”جب حضرت عائشہؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو فرمانے لگیں کاش میں

پیدا ہی نہ ہوئی ہوتی، کاش میں ایک درخت ہوتی کہ اللہ کی پاکی میں رطب اللسان رہتی اور پوری طرح اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاتی، کاش میں مٹی کا ایک ڈھیلا ہوتی، کاش اللہ تعالیٰ مجھے پیدا نہ فرماتے..... ابن عباس قریف چھوڑ دو، اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میری تو یہ تمنا ہے کہ میں بھولی بسری ہوتی۔“

(خطبات ابن سعد اردو - ص ۱۰۲، ۱۰۳ - جلد ۸ - مطبوعہ نئیس اکیڈمی کراچی)

تعب بالائے تعجب یہ کہ علمائے حق نے مذکورہ صریح اور اصح اقوال پر امام حاکم اور امام ذہبی کے مبنی بر توہین اقوال کو ترجیح دے دی۔
علامہ سید سلیمان ندوی رقم طراز ہیں کہ:

”بخاری میں ہے کہ وفات کے وقت انہوں نے وصیت کی کہ مجھے روضہ نبویؐ میں آپؐ کے ساتھ دفن نہ کرنا، بقیع میں اور ازواج کے ساتھ دفن کرنا، میں نے آپؐ کے بعد ایک جرم کیا ہے۔“

ابن سعد میں ہے کہ جب وہ یہ آیت پڑھتی تھیں ”وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ“ تو اس قدر روتی تھیں کہ روتے روتے آنچل تر ہو جاتا تھا۔ (سیرت عائشہؓ ص ۱۳۳ - مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور)
جبکہ مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ:

”پھر جنگ جمل اور اس کے سفر پر حضرت عائشہؓ کی ندامت کا عالم یہ تھا کہ جب تلاوت قرآن کریم کے دوران وہ سورہ احزاب کی اس آیت پر پہنچتیں جس میں اللہ تعالیٰ نے خواتین کو یہ حکم دیا ہے کہ ”وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ“ تو اس قدر روتی تھیں کہ آپؐ کی اوڑھنی آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی اور ندامت کی انتہا یہ ہے کہ شروع میں آپؐ کی خواہش یہ تھی کہ آپؐ کو خود اپنے گھر میں سرکار دو عالمؐ کے ساتھ دفن کیا جائے

لیکن جنگ جمل کے بعد آپؐ نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔ قیس بن ابی حازم مروی ہیں کہ: حضرت عائشہؓ دل میں یہ سوچتی تھیں کہ انہیں ان کے گھر میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر کے ساتھ دفن کیا جائے۔ لیکن بعد میں انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد ایک بدعت کا ارتکاب کیا ہے۔ اب مجھے آپؐ کی دوسری ازواج مطہرات کے ساتھ دفن کرنا۔ چنانچہ انہیں بقیع میں دفن کیا گیا۔

حافظ ذہبی ان کے اسی قول کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں..... بدعت سے حضرت عائشہؓ کی مراد جنگ جمل میں ان کا جانا تھا، اس لیے کہ وہ اپنے اس عمل پر کئی طور سے نام تھیں اور اس سے توبہ کر چکی تھیں۔ باوجودیکہ ان کا یہ اقدام اجتہاد پر مبنی تھا اور ان کا مقصد نیک تھا۔“ (عورت کی سربراہی کی شرعی حیثیت ص ۴۲، ۴۳۔ مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی)

مفتی اعظم کی مستدل مذکورہ روایت کی حیثیت معلوم کرنے کے لیے راقم الحروف کی کتاب ”حدیث کلاب حوآب کا تاریخی، تحقیقی اور علمی محاکمہ از ص ۵۷۵ تا ۵۹۳ ملاحظہ فرمائیں)

حیرت ہے کہ علامہ سید سلیمان ندوی اور مفتی اعظم پاکستان نے صحیح بخاری کی روایات (جو ہر لحاظ اور ہر اعتبار سے ”مستدرک حاکم“ کی نری غریب، فرد مطلق اور مرسل روایت کے مقابلے میں نہ صرف ”اصح، ارجح اور اقویٰ“ ہیں بلکہ حضرت عائشہؓ کی اعلیٰ و ارفع شان کے مطابق بھی ہیں) نظر انداز کر کے اس روایت کو ترجیح دے دی جس سے ام المؤمنینؓ کی توہین و تنقیص اور ان کے جائز، صحیح اور مشروع اقدام کی تعلیظ ثابت ہوتی ہے۔

حضرت عائشہؓ کے جنگ جمل میں شرکت کے جس اقدام کو ”علمائے حق“

نے ”جرم“ اور ”بدعت“ سے تعبیر کیا ہے اس سے حوصلہ پا کر ترجمان شیعیت غلام حسین نجفی نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ:

”بوقت موت جنگ جمل کا عائشہ کے گلے میں پھنس جانا بی بی جی کے غلطی پر ہونے کی ٹھوس دلیل ہے۔ بوقت موت جناب عائشہ بہت گھبرائیں اور بے چین و بے قرار ہوئیں۔ پوچھا گیا اماں جی! کیا بات ہے؟

بی بی جی فرمانے لگیں میرے حلق میں جنگ جمل کا دن انک اور پھنس گیا ہے۔ جنگ جمل کا وقت موت بی بی کے گلے میں پھنس جانا اس بات کی ٹھوس دلیل ہے کہ یہ جنگ جناب عائشہ کی ایسی غلطی ہے جس کی معافی انہیں خدائے رحیم نے وقت موت تک نہیں دی۔“

(بجائے ہمامہ ص ۴۳۳)

نجفی ملعون کے نزدیک ام المؤمنینؓ کو جنگ جمل میں شرکت کرنے کی معافی موت کے وقت تک نہیں ملی۔ لیکن ہمارے مفتیان کرام تو چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود بھی آں معظّمہ کو اس ”جرم“ کی معافی نہیں دے رہے۔

سخت حیرت ہے کہ مفتی اعظم پاکستان اس اقدام کو ”بدعت“ تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ ”اجتہاد“ کا نام بھی دے رہے ہیں۔ یہ ”اقدام“ اگر بدعت ہے تو یقیناً اجتہاد نہیں ہو سکتا۔ اور اگر اجتہاد ہے تو یقیناً بدعت کے زمرے میں نہیں آ سکتا۔ حضرت مفتی صاحب نے ”اجتماع ضدین“ کی صورت پیش کی ہے جو ایک امر محال ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ صحابہ کرامؓ پر ”بدعت شرعیہ“ کا اطلاق ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ اس بدعت کی حد صحابہ کرامؓ کے بعد سے شروع ہوتی ہے۔ اس لیے وہ خود بدعت کا موضوع نہیں بن سکتے۔ البتہ ان پر ”بدعت لغوی محمود“ کا اطلاق ہو سکتا ہے۔

لیکن مفتی صاحب نے جس سیاق و سباق میں ”حدیث بدعت“ نقل کی ہے اس پر تو العیاذ باللہ صرف ”بدعت لغوی سیدہ و مذمومہ“ کا ہی اطلاق ہو سکتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اسے بسلسلہ ”تعلیظ اقدام عائشہؓ“ بطور دلیل وثبوت پیش کیا ہے۔

حضرت عائشہؓ کے اس عظیم اقدام کو ”جرم“ یا ”بدعت“ قرار دینا ہرگز صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ اقدام خالصۃً اجتہادی تھا اور جس مقصد عظیم کے لیے یہ اقدام اٹھایا گیا تھا وہ یقیناً دینی اور شرعی تھا۔

حضرت علیؓ کے ساتھ حضرت عائشہؓ کا اختلاف صرف یہ تھا کہ امت کے متفق علیہ خلیفہ کو ظلماً قتل کیا گیا ہے ان سے قصاص لیے بغیر احکام شرعیہ کی بجا آوری کی تکمیل نہیں ہو سکتی بلکہ اس سفاکانہ قتل سے پوری ملت اسلامیہ میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی تھی۔ ہر صوبے سے یہ آواز اٹھی کہ قاتلین کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے کیونکہ حضرت عثمانؓ کا قتل نہ صرف ایک صحابی کا بلکہ صحابہ کرامؓ کے سربراہ اور خلیفہ راشد کا، بغیر کسی وجہ کے قتل ہے، مرکز اسلام مدینہ منورہ میں روضہ رسولؐ کے سایہ میں اور قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے ایک روزہ دار کا قتل ہے۔

اس سانحہ فلاحہ سے نہ صرف حضرت عثمانؓ کی ذاتی بے حرمتی ہوئی بلکہ ایک امام کی بے حرمتی، منصب خلافت کی بے حرمتی (جس کا سارا دبدبہ و جلال خاک میں ملا دیا گیا)، اسلام کی بے حرمتی، قرآن کی بے حرمتی، مدینہ النبیؐ کی بے حرمتی، شہر ذی الحج کی بے حرمتی اور حرم نبویؐ ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہؓ کی بے حرمتی ہوئی۔

ان وجوہات کی بنا پر خون عثمانؓ کے قصاص کی اہمیت کس قدر بڑھ جاتی ہے۔ حضرت عائشہؓ کی طرف سے اس خون عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ یہ وہ مطالبہ

تھا جس کا محض ایک جھوٹی افواہ پر بدلہ لینے کے لیے نبی اکرمؐ نے اپنے سمیت تقریباً پندرہ سو ان قدسی صحابہ کرامؓ کو داؤ پر لگا دیا تھا جنہوں نے نبی اکرمؐ کے دست اقدس پر موت کی بیعت کی تھی۔ پھر یہ ادائے بیعت رب کائنات کو ایسی پسند آئی کہ اس نے اس کا ذکر اس درخت سمیت (جس کے سائے تلے یہ بیعت منعقد ہوئی تھی) ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سینہ قرآن میں محفوظ کرتے ہوئے ان مبایعین کو اپنی رضا و خوشنودی کا پروانہ بھی عطا کر دیا۔ یہ سند ایمان اور پروانہ رضوان ایک واضح اشارہ تھا کہ خون عثمانؓ اتنا ارزاں نہیں کہ جب وہ بچے تو لوگ خاموش بیٹھے رہیں۔

علاوہ ازیں خون عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۷۸ ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ“ کی نص صریح کے مطابق بھی فرض تھا۔

حضرت عائشہؓ کے سامنے بیعت رضوان کا منشاء اور آیت رضوان کی روح موجود تھی، لہذا آپؓ سے یہ لاپرواہی اور بے اعتنائی نہ دیکھی گئی اور خون عثمانؓ کے قصاص کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ یہ وہ فرض کفایہ تھا کہ اگر آپؓ اسے ادا نہ فرماتیں تو پوری امت گناہ گار قرار پاتی۔

سخت حیرت ہے کہ مفتی اعظم صاحب اور ان کے تصدیق کنندگان علمائے کرام اور مفتیان عظام نے خود پوری امت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کرنے والی ام المؤمنین کو ہی ”جرم“ اور ”بدعت“ کا مرتکب قرار دے دیا۔

مذکورہ توضیح سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے جنگ جمل میں شرکت فرما کر ہرگز کسی جرم یا بدعت کا ارتکاب نہیں کیا تھا۔

انہوں نے روضہ رسولؐ میں عدم تدفین اور جنت البقیع میں تدفین کی جو وصیت کی تھی وہ دیگر ازواج مطہرات کے ساتھ مساوات، برابری اور عدم برتری کے جذبہ کے تحت محض "کسر نفسی کی وجہ سے کی تھی۔ صحیح بخاری کی روایت میں حضرت عائشہؓ کے الفاظ "لَا اُرَکٰی بِہٖ اَبَدًا" کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضرت عائشہؓ سے کوئی جرم سرزد ہو گیا تھا۔ جس کی بناء پر وہ روضہ رسولؐ میں دفن ہونے سے شرماتی تھیں۔ بلکہ اس کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ آں معظمہؓ دیگر ازواج مطہرات کے ساتھ دفن ہونے کی خواہش رکھتی تھیں اور ان کے مقابلے میں اپنی تعریف اور برتری پسند نہیں کرتی تھیں جو روضہ رسولؐ میں دفن ہونے کی صورت میں انہیں حاصل ہوتی۔

۴۔ ام المومنین سیدہ حفصہ بنت عمرؓ بن خطاب

سیدہ حفصہؓ خلیفہ ثانی، مراد رسولؐ سیدنا عمرؓ بن خطاب کی بیٹی ہیں۔ والدہ ماجدہ کا نام حضرت زینب بنت مظعون ہے۔ عظیم المرتبت صحابی حضرت عثمان بن مظعونؓ ان کے ماموں اور فقیہ اسلام حضرت عبداللہ بن عمرؓ ان کے بھائی ہیں۔ ان کی ولادت بعثت سے پانچ سال پہلے ہوئی اور دعوت حق کی ابتداء ہی میں اسلام قبول کر لیا۔ ان کا نکاح پہلے حبیس بن حذافہ سے ہوا جو راہ حق کے ایک جانناز سپاہی تھے۔ غزوہ بدر میں بڑے جوش جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔ شدید زخمی ہو کر جام شہادت نوش کر لیا۔ اس کے بعد ۳ھ میں آنحضرتؐ کے ساتھ ان کا نکاح ہو گیا۔ حجۃ الوداع میں یہ بھی آپؐ کے ہمراہ تھیں۔

سیدہ حفصہؓ غیر معمولی قابلیت و صلاحیت والی خاتون تھیں۔ ایک حدیث

میں ہے کہ جبرائیل نے ان کی تعریف ان الفاظ میں کی ”وہ بہت عبادت کرنے والی، بہت روزے رکھنے والی ہیں (اے محمدؐ) وہ جنت میں بھی آپؐ کی زوجہ ہیں۔“

قاضی سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں:

بعض لوگ آیت ”وَإِذْ أَسْرَأَ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا“ کی تفسیر میں ام المومنین حفصہؓ کا ذکر کرتے ہیں، میرا خیال ہے کہ جب رب العزت کو اپنے حبیبؐ کے گھرانے کی عزت و حرمت کا اتنا پاس ہے کہ کسی کا نام نہیں لیا تو ہم کو بھی اس بارے میں جرأت نہیں کرنی چاہیے۔ بعض لوگ یہ بھی بحث کیا کرتے ہیں کہ راز کیا تھا، میں خیال کرتا ہوں کہ ہم کو کوئی حق نبیؐ کے راز میں دخل دینے کا یا اس کے افشاء کا نہیں۔

(ترجمہ للعالمین جلد ۲ ص ۱۶۳)

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا قول ہے کہ حفصہؓ اپنے باپ کی بیٹی ہیں، جیسے وہ (عمرؓ) ہر بات میں راسخ الارادہ ہیں ویسے ہی یہ بھی ہیں۔ وفات سے پہلے انہوں نے اپنے بھائی عبداللہ بن عمرؓ کو وصیت کی کہ غابہ کی جائیداد کو صدقہ کر کے وقف کر دیں۔ ان سے ساٹھ (۶۰) احادیث مروی ہیں؛ جن میں چار متفق علیہ ہیں۔ چھ صحیح مسلم میں اور باقی دیگر کتب احادیث میں ہیں۔ بعض روایات کے مطابق آنحضرت ﷺ نے قرآن کے کتابت شدہ اجزاء کو ان ہی کے پاس رکھا تھا۔ صدیق اکبرؓ نے قرآن کو کتابی شکل دینے کے بعد اس نسخہ کو ان کے پاس لوٹا دیا۔ اور جب ناشر قرآن حضرت عثمانؓ نے قرآن کی مزید نقول تیار کیں تو ان ہی سے وہ نسخہ منگوا کر بطور نمونہ سامنے رکھ کر اس کے مطابق کام کیا۔ لہذا قرآن کی ترتیب و تدوین اور اس کی حفاظت کی سعادت بھی ام المومنین سیدہ حفصہؓ کو حاصل ہوئی۔

حضرت حصہؓ نے سیدنا معاویہؓ کے دور خلافت (۳۵ھ) میں وفات پائی۔
جناب مروان بن حکمؓ نے جو اس وقت مدینہ منورہ کے گورنر تھے، نماز جنازہ پڑھائی۔
ایک ہجوم جنازے میں شامل تھا۔ آخر مومنوں کی مقدس ماں کا جنازہ تھا۔ ان کے
بھائیوں اور بھتیجیوں (عبداللہ، عاصم، سالم، حمزہ) نے جنت البقیع کی ایک قبر میں ان
کے جسد پاک کو سپرد خاک کر دیا۔

۵۔ ام المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہؓ

سیدہ زینبؓ، خزیمہ بن حارث بن عبداللہ بن عمرو بن عبد مناف بن ہلال بن
عامر بن صعصعہ کی بیٹی ہیں۔ ان کا لقب ام المساکین تھا۔ ان کا بچپن بڑا منفرد
تھا۔ انہیں غریبوں اور مسکینوں کو کھانا کھلا کر بڑی راحت و خوشی محسوس ہوتی تھی۔ باپ
صاحب حیثیت تھے اس لیے بڑی فیاضی کا مظاہرہ کرتی تھیں۔ اگر خود کوئی چیز کھا رہی
ہوتی اور کوئی غریب آجاتا تو وہ چیز اس کو عطا کر دیتی تھیں۔ اگر خاندان کے کسی مرد
نے روکا بھی تو اس کی کبھی پروا نہیں کی۔ لہذا سب لوگ انہیں ”ام المساکین“ کے
لقب سے یاد کرنے لگے اور یہی نام زباں زد خاص و عام ہو گیا۔ یہ ام المومنین سیدہ
میمونہؓ کی اخیانی بہن ہیں۔

سیدہ زینبؓ کے پہلے نکاح کے بارے میں ارباب سیر کے ہاں دو روایات
پائی جاتی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق ان کا پہلا نکاح نبی اکرم ﷺ کے چھوٹے زاد
بھائی حضرت عبداللہ بن جحشؓ کے ساتھ ہوا۔ وہ غزوہ احد میں شریک ہوئے اور لڑائی
سے پہلے انہوں نے بڑے درد اور محبت کے ساتھ یہ دعا مانگی:

اہل بیت رسولؐ کون؟

۲۲۲

ام المؤمنین سیدہ زینب بنت خزیمہؓ

”اے اللہ مجھے ایسا مقابل عطا کر جو نہایت شجاع اور غضب ناک ہو۔ میں تیری راہ میں لڑتا ہوں اس کے ہاتھ سے قتل ہو جاؤں اور وہ میرے ہونٹ، ناک اور کان کاٹ ڈالے۔ اور جب تو مجھ سے دریافت کرے کہ اے عبد اللہ تیرے ہونٹ، ناک اور کان کیوں کاٹے گئے تو میں عرض کروں، الہی تیرے اور تیرے رسولؐ کے لیے کاٹے گئے۔“

اس دعا پر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے آمین کہی۔ بارگاہ الہی میں ان کی دعا قبول ہوگئی اور وہ مرتبہ شہادت پر فائز ہو گئے۔

حضرت عبد اللہ بن جحشؓ کی شہادت کے بعد نبی اکرمؐ نے ۳ھ میں سیدہ زینب بنت خزیمہؓ کے ساتھ نکاح کر لیا۔

(الاستیعاب مع الاماہ جلد ۲، ص ۳۱۳، الاماہ جلد ۲، ص ۳۱۵ تحت زینب بنت خزیمہؓ)

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

آنحضرتؐ سے پہلے عبد اللہ بن جحشؓ کے نکاح میں تھیں۔ عبد اللہ بن جحشؓ نے جنگ احد میں ۳ھ میں شہادت پائی اور آنحضرتؐ نے اسی سال ان سے نکاح کر لیا۔
(سیرت النبی جلد دوم، ص ۳۷۹)

بعد کے اکثر تذکرہ نگاروں نے اپنی کتابوں میں یہی بات لکھی ہے۔ چند کتب کے حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ سیر الصحابہ: حصہ دہم، صفحہ ۵۵۔ مؤلف مولانا سعید انصاری۔ مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور۔

۲۔ تذکار صحابیات: صفحہ ۷۵۔ مؤلفہ طالب الہاشمی۔

اہل بیت رسولؐ کون؟ ۲۲۳ ام المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہؓ

۳۔ امت مسلمہ کی مائیں: صفحہ ۸۲۔ مؤلفہ مولانا محمد عاشق الہی بلند شہری۔

۴۔ سیارہ ڈائجسٹ: (ازواج مطہراتؓ نمبر، ستمبر ۱۹۹۳ء) صفحہ ۲۳۳۔

۵۔ حیات ام المومنینؓ: صفحہ ۷۳۔ مؤلفہ میاں محمد سعید۔

۶۔ اہل بیت: جس ۱۶۵، مؤلفہ مولانا سلمان احمد عباسی، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ (اس

مقام پر موصوف سے ایک تسامح یہ بھی ہوا کہ انہوں نے عبداللہ بن جحشؓ کو شہید بدر لکھ دیا)

۷۔ سیرت رحمۃ اللعالمین جلد دوم، صفحہ ۱۶۳۔ مؤلفہ قاضی سلیمان منصور پوری۔

۸۔ ازواج مطہراتؓ نور قرآن میں: صفحہ ۲۵۵۔ مؤلفہ ابو خالد عبدالرشید۔

۹۔ فضائل اہل بیتؓ: صفحہ ۶۰۔ مؤلفہ ظفر احمد قادری۔

۱۰۔ انوار صحابیاتؓ: صفحہ ۸۸۔ مؤلفہ مولانا مفتی بشیر احمد صاحب پسروری۔

البتہ حضرت موصوفؒ نے عدت کی تصریح کی کہ:

”آنحضرت ﷺ سے پہلے ان کا نکاح حضرت عبداللہ بن جحشؓ سے ہوا تھا،

وہ غزوہ احد میں شہید ہو گئے تو عدت کے بعد ۳ھ میں آنحضرتؐ نے ان کو شرف

زوجیت سے نوازا۔“

۱۱۔ ازواج مطہراتؓ۔۔۔۔۔ حیات و خدمات: صفحہ ۱۲۸۔ مؤلفہ ڈاکٹر حافظ

حقانی میاں قادری۔

۱۲۔ سیرت امہات المومنینؓ: صفحہ ۵۵۷، مؤلفہ مولانا عبدالمجود صاحب۔

۱۳۔ ہادی اعظمؑ: صفحہ ۳۴۹۔ مؤلفہ مولانا سید فضل الرحمن صاحب۔ زوار

اکیدمی کراچی۔

موصوف رقمطراز ہیں کہ:

اہل بیت رسولؐ کون؟ ۲۲۴ ام المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہؓ

”صحیح قول کے مطابق ان کا پہلا نکاح عبداللہ بن جحشؓ سے ہوا تھا جو ۳ھ میں غزوہ احد میں شہید ہوئے..... عدت پوری ہونے کے بعد آنحضرتؐ نے رمضان ۳ھ میں ان سے نکاح فرمالیا۔ نکاح کے صرف دو تین ماہ بعد انتقال ہو گیا۔“
ناطقہ سرگرمیاں ہے، اسے کیا کہیے۔ اس ”گتھی“ کو کون سلجھا سکتا ہے کہ شوال ۳ھ میں ام المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہؓ کے پہلے شوہر عبداللہ بن جحشؓ نے شہادت پائی پھر عدت پوری کرنے کے بعد جنگ احد سے بھی ایک ماہ قبل رمضان میں انہوں نے نبی اکرمؐ کے ساتھ نکاح بھی کر لیا؟

راقم الحروف نے بھی مذکورہ بالا ارباب سیر پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی کتاب اہل بیت رسولؐ کون؟ میں صفحہ ۱۶ پر سیدہ زینب بنت خزیمہؓ کے تذکرے میں یہ بات لکھ دی تھی کہ:

”حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی شہادت کے بعد آنحضرتؐ نے اسی سال سیدہ زینب بنت خزیمہؓ سے نکاح کر لیا۔“

شفیق مکرم مولانا عبدالحق چوہانؒ نے راقم کے نام ایک مکتوب میں اپنا یہ اشکال پیش فرمایا کہ:

”غزوہ احد بتاریخ نصف شوال ۳ھ میں واقع ہوا۔ جس عورت کا خاوند ۳ھ میں فوت ہوا ہو اس کی عدت وفات اسی سال میں کس طرح پوری ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس کی عدت تو چار ماہ دس یوم ہے، وہ تو ماہ صفر کے آخری ایام میں پوری ہوتی ہے۔“
دراصل موصوف کا یہ اشکال ایک غلط فہمی کے نتیجے میں پیدا ہوا۔ انہوں نے سن نبوی کو سن ہجری پر قیاس کر لیا جو کسی صورت میں بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ عہد نبوت،

اہل بیت رسول کون؟

۲۲۵

ام المؤمنین سیدہ زینب بنت خزیمہؓ

عہد صدیقی اور عہد فاروقی کے ابتدائی چار سال تک سرے سے کوئی سن رائج ہی نہیں تھا۔ سن ہجری کا آغاز نبی اکرمؐ کے سات سال بعد دور فاروقی میں ہوا۔ اس پر مفصل بحث راقم کی کتاب ”تحقیق عمر عائشہ صدیقہؓ“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

نبی اکرمؐ ۶ ربیع الاول کو ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تھے اور اسی تاریخ سے نبوی مدنی سال کا آغاز ہوا جو ۱۵ ربیع الاول پر جا کر پورا ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے شوال نبوی مدنی کیلنڈر کا آٹھواں مہینہ قرار پاتا ہے۔

شوال ۳ نبوی مدنی میں حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی شہادت کے بعد ”اسی سال“ صفر کے آخر میں عدت و فات پوری ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں یہ اشکال بھی خود بخود درفع ہو جاتا ہے۔ رباب سیر کی عبارات بھی اسی قول کی مؤید ہیں۔

حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں:

”وكان تحت عبدالله بن جحش قتل عنها يوم احد فتزوجها رسول الله صلى الله عليه وسلم سنة ثلاث“۔

علاوہ ازیں حافظ ابن عبد البر اور حافظ ابن حجر عسقلانی دونوں نے اس بات کی بھی تصریح کی ہے کہ

ثم لم تلبث عنده الا شهرين او ثلاثة“

یعنی سیدہ زینب نبی اکرم ﷺ کے پاس نکاح کے بعد دو یا تین ماہ تک حیات رہیں اور ربیع الثانی ۴ھ میں وفات پانگیں۔

غزوہ احد ۶ شوال ۳ نبوی مدنی میں واقع ہوا۔ جس میں عبداللہ بن جحش شہید ہوئے۔ ”اسی سال“ صفر کے آخر میں سیدہ زینبؓ کا نبی اکرمؐ کے ساتھ نکاح ہوا۔ پھر

اہل بیت رسول کون؟ ۲۲۶ ام المؤمنین سیدہ زینب بنت خزیمہؓ

اگلے سال یعنی ۴ نبوی مدنی میں ربیع الثانی تک دو ماہ سے کچھ ایام زیادہ ہو جاتے ہیں۔
اس صورت میں بھی مذکورہ اشکال رفع ہو جاتا ہے۔

پھر یہ بات بھی ضروری نہیں کہ عدت وفات ہر صورت میں چار مہینے اور دس دن ہی ہو۔ ”وضع حمل“ کی صورت میں یہ مدت اس سے کم بھی ہو سکتی ہے۔

مولانا محمد زکریا سنہلی معارف الحدیث جلد ہشتم باب فضائل اہل بیت نبویؑ
میں حضرت زینب بنت خزیمہؓ کے حالات میں رقمطراز ہیں کہ:

حضرت عبداللہ بن جحشؓ غزوہ احد شوال ۳ھ میں شہید ہو گئے تھے۔ ان کی شہادت کے کچھ ہی دنوں کے بعد حضرت زینبؓ کے ہاں نا تمام بچہ پیدا ہوا جس سے ان کی عدت ختم ہو گئی اور ذی الحجہ ۳ھ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت خزیمہؓ سے نکاح کر لیا۔
(معارف الحدیث جلد ۸۔ ص ۳۷۷)

یہ ملحوظ رہے کہ معارف الحدیث جلد ہشتم میں ازواج مطہراتؓ سے صرف سیدہ خدیجہؓ، سیدہ سوڈہؓ اور سیدہ حفصہؓ کے فضائل و مناقب مولانا محمد منظور نعمانی صاحب کے قلم سے تحریر کیے گئے ہیں۔ اور اس سلسلہ کی تکمیل کی سعادت حضرت نعمانی کے بھتیجے مولانا محمد زکریا سنہلی کے حصے میں آئی۔

موصوف کی مذکورہ توجیہ سے سن ہجری (جس کا اطلاق نبوی مدنی سن پر نہیں ہو سکتا) کی رو سے بھی ”انقضائے عدت“ کا اشکال باقی نہیں رہتا۔

مزید برآں ابن کلبی کی روایت کے مطابق سیدہ زینب بنت خزیمہؓ کے پہلے شوہر طفیل بن حارث تھے۔ جب انہوں نے طلاق دے دی تو ان کے بھائی عبیدہ بن حارثؓ نے ان کے ساتھ نکاح کر لیا، جو غزوہ بدر رمضان ۲ھ میں شہید ہو گئے تھے۔ اس

اہل بیت رسول کون؟

۲۲۷

ام المؤمنین سیدہ زینب بنت خزیمہؓ

کے بعد رمضان ۳ھ میں نبی اکرم ﷺ نے ان سے نکاح فرمایا۔ اور وہ اپنی وفات ربیع الثانی ۴ھ یعنی آٹھ ماہ تک نبی اکرمؐ کے ساتھ رہیں۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں کہ:

”وقیل کانت تحت الطفیل بن الحارث بن المطلب ثم خلف علیہا
اخاه عبیدہ بن الحارث..... وقال ابن الکلبی کانت عند الطفیل بن الحارث
فمطلقةً فمخلف علیہا اخاه فقتل عنها بیدر فخطبہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم الی نفسہا فجعلت امرہا الیہ فتزوجہا فی شہر رمضان سنة ثلاث فاقامت
عندہ ثمانیۃ اشہور وماتت فی ربیع الآخر سنة اربع“ (الماہنامۃ الاستیعاب جلد ۲ ص ۳۱۶)
حافظ ابن عبد البر (م ۴۶۳ھ) نے بھی استیعاب میں طفیل اور عبیدہ کا ذکر کیا ہے۔
قدیم مؤرخ محمد بن سعد (م ۲۴۰ھ) لکھتے ہیں:

”زینب بنت خزیمہ ہلالیہ کو ام المساکین کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ آپؐ
طفیل بن حارث بن مطلب بن عبد مناف کے نکاح میں تھیں۔ پھر اس نے آپؐ کو
طلاق دے دی تھی۔ طلاق کے بعد آپؐ سے عبیدہ بن حارث نے نکاح کر لیا جو جنگ
بدر میں شہید ہو گئے۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنے لیے ام المساکین زینب بنت خزیمہ ہلالیہ پر پیام
ڈالا، انہوں نے اپنے نکاح کا اختیار آپؐ کو دے دیا۔ آخر کار ان سے آپؐ نے ہجرت
کے اکتیسویں (۳۱ویں) ماہ رمضان میں نکاح کر لیا اور گواہ بنائے اور پانچ سو درہم مہر
مقرر فرمایا۔ زینبؓ نکاح کے بعد آٹھ ماہ زندہ رہیں اور ربیع الثانی کے آخری ایام میں
ہجرت سے انتالیسویں ماہ فوت ہو گئیں۔ آپؐ کے جنازے کی نماز خود نبی اکرمؐ نے

اہل بیت رسولؐ کون؟

۲۲۸

ام المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہؓ

(طبقات ابن سعد، حصہ ہفتم اردو، ص ۱۵۴)

پر بھائی اور آپؐ کو قبیح میں دفن کیا۔“

ابن ہشام (م ۲۱۳ھ) نے بھی نبی اکرمؐ سے پہلے عبیدہ بن حارثؓ کے ساتھ

سیدہ زینبؓ کے نکاح کا ذکر کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو سیرت ابن ہشام اردو، ص ۱۸۷)

اسی طرح علامہ ابن حزم اندلسی (م ۴۵۶ھ) نے بھی اپنی کتاب ”جوامع

السیرۃ“ میں نبی اکرمؐ سے قبل عبیدہ بن حارثؓ کے ساتھ سیدہ زینب بنت خزیمہؓ کے

نکاح کی تصریح کی ہے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ ارباب تاریخ و سیر نے سیدہ زینبؓ کے نکاح

سے متعلق دور روایتیں نقل کی ہیں۔

ایک روایت میں بتایا گیا ہے کہ سیدہ زینبؓ غزوہ احد میں عبداللہ بن جحشؓ کی

شہادت کے بعد نبی اکرمؐ کے حوالہ عقد میں آئیں۔ جبکہ دوسری روایت میں بتایا گیا

کہ موصوفہؓ غزوہ بدر میں عبیدہ بن حارثؓ کی شہادت کے بعد اگلے سال غزوہ احد کے

وقوع سے پہلے رمضان ۳ھ میں نبی اکرمؐ کے حوالہ عقد میں آئیں۔

اگر مؤخر الذکر روایت کو تسلیم کیا جائے تو پھر عبداللہ بن جحشؓ کے ساتھ نکاح

ثابت نہیں ہو سکتا۔ یہ دونوں روایتیں متضاد ہیں۔ قاضی سلیمان منصور پوری ان مختلف

اقوال میں تطبیق پیدا کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”جاہلیت میں ان کا لقب ام المساکین تھا۔ ان کا پہلا نکاح طفیل سے ہوا۔

دوسرا عبیدہ سے ہوا۔ یہ دونوں نبی اکرمؐ کے عم زاد بھائی یعنی حارث بن عبدالمطلب کے

فرزند تھے۔ ان کا تیسرا نکاح عبداللہ بن جحشؓ سے ہوا جو نبی اکرمؐ کے عم زاد ہیں اور

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحشؓ کے بھائی ہیں۔ جنگ احد میں وہ شہید ہو گئے تو نبیؐ

نے سیدہ زینب بنت خزیمہؓ سے نکاح کر لیا۔“ (سیرت رضویہ، جلد دوم، ص ۱۶۳)

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں روایتوں میں تطبیق دینا ممکن ہی نہیں۔ اگر طبقات ابن سعد اور ابن کلبی کی روایت پر مدار کیا جائے تو سیدہ زینبؓ کا نکاح نبی اکرمؐ کے ساتھ رمضان ۳ھ میں اور باہمی رفاقت آٹھ ماہ تسلیم کرنا پڑے گی۔ جیسا کہ روایت میں اس کی تصریح ہے اور اس صورت میں عبداللہ بن جحشؓ کے ساتھ سیدہ زینبؓ کے نکاح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ موصوف رمضان ۳ھ کے بعد شوال ۳ھ میں شہید ہوئے اور سیدہ زینبؓ اس سے پہلے ہی نبی اکرمؐ کے نکاح میں آچکی تھیں۔ البتہ اس صورت میں تطبیق ممکن ہے کہ سیدہ زینب بنت خزیمہؓ کے حرم نبویؐ میں داخل ہونے کی تاریخ (رمضان ۳ھ) اور مدت رفاقت آٹھ ماہ کا ذکر نہ کیا جائے۔ مگر یہ صورت بھی محال ہے کیونکہ زیر بحث روایت میں تاریخ نکاح رمضان ۳ھ اور مدت رفاقت آٹھ ماہ دونوں کا ذکر موجود ہے۔

قاضی سلیمان منصور پوری کو ایک دوسرا مغالطہ یہ بھی لاحق ہوا ہے کہ انہوں نے طفیل اور عبیدہ کو نبی اکرمؐ کا عم زاد بیان کیا ہے۔ اور ان کے مغالطے کی بنیاد اس مفروضے پر مبنی ہے کہ انہوں نے حارث کو ابن عبدالمطلبؐ تصور کر لیا۔ حالانکہ ابن سعد نے طبقات میں، حافظ ابن عبد البر نے الاستیعاب میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ میں واضح طور پر لکھا ہے کہ:

”عبیدہ بن حارث بن المطلب بن عبد مناف“ معلوم نہیں کہ منصور پوری صاحب نے اسے ”عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف“ کیونکر سمجھ لیا؟ یہی مغالطہ مولانا سلمان احمد عباسی، علامہ حبیب الرحمن کاندھلوی، شاہ بلخ الدین

اہل بیت رسول کون؟

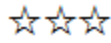
۲۳۰

ام المؤمنین سیدہ زینب بنت خزیمہؓ

اور بہت سے دیگر قلیں کو بھی لاحق ہوا ہے۔

سیدہ زینب بنت خزیمہؓ یقیناً نبی اکرمؐ کے حوالہ عقد میں آئیں اور ”ام المؤمنین“ کا شرف حاصل کیا۔ چونکہ وہ نبی اکرمؐ کے ساتھ نکاح کے بعد کم عرصہ زندہ رہیں اس لیے کتب حدیث و تاریخ میں ان کا ذکر بہت کم ملتا ہے۔ اس بات پر تمام ارباب سیر و تاریخ کا اتفاق ہے کہ سیدہ زینبؓ کی وفات نبی اکرمؐ کی زندگی ہی میں ربیع الثانی ۴ھ میں ہوئی اور مدینہ منورہ میں ازواج مطہراتؓ میں سے سب سے پہلے ان ہی کی وفات ہوئی۔ (حضرت خدیجہؓ کی وفات مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے ہوئی تھی) نماز جنازہ نبی اکرمؐ نے خود پڑھائی اور جنت البقیع میں ان کے تینوں بھائیوں نے انہیں قبر میں اتار کر سپرد خاک کیا۔ وفات کے وقت ان کی عمر بروایت واقدی تیس برس تھی۔

(ملاحظہ ہوا ص ۱۲۷ جلد ۲ - صفحہ ۳۱۶)



۶۔ ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ

سیدہ ام سلمہؓ کا نام ہند، کنیت ام سلمہ اور قریش کے خاندان مخزوم سے تعلق ہے۔ ان کے والد ابو امیہ ایک دولت مند اور فیاض آدمی تھے۔ ان کی سخاوت اور دریادلی کی شہرت چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی اور وہ تمام قبائل عرب میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔

سیدہ ام سلمہؓ کا پہلا نکاح اپنے چچا زاد عبداللہ بن الاسد (جو ابو سلمہؓ کی کنیت سے مشہور ہیں) سے ہوا۔ آغاز نبوت میں اپنے شوہر کے ساتھ اسلام قبول کیا اور انہی کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ حبشہ سے واپس مکہ تشریف لائیں اور پھر مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔ حضرت ابو سلمہؓ بدرواحد میں شریک ہوئے۔ غزوہ احد میں چند زخم لگے جن کے صدمے سے جام شہادت نوش فرمایا۔ سیدہ ام سلمہؓ عدت گزارنے کے بعد آنحضرت ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ یہ نکاح جمادی الاخریٰ یا شوال ۴ھ میں ہوا۔ اس وقت سیدہ کی عمر چھبیس برس تھی۔

نکاح کے بعد نبی اکرمؐ نے انہیں اسی حجرہ میں ٹھہرایا جس میں سیدہ زہراؓ بنت خزیمہؓ قیام پذیر تھیں۔ تقریباً سات سال تک نبی اکرمؐ کی رفاقت سے فیض یاب ہوئیں اور طویل بیوگی کا زمانہ گزارنے کے بعد بروایت واقفی شوال ۵۹ھ میں وفات پائی اور سیدنا ابو ہریرہؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ امہات المومنینؓ میں سب سے طویل عمر پانے والی اور سب کے بعد وفات پانے والی سیدہ ام سلمہؓ ہیں۔ ابن حجر عسقلانی نے ان کی وفات کے متعلق مختلف اقوال نقل کیے ہیں:

ابن حبان کے نزدیک آخر ۶۱ھ، ابی خثیمہ کے نزدیک ۶۰ھ کے آخر یزید کے دور خلافت میں اور ابو نعیم کے قول کے مطابق ۶۲ھ میں وفات پائی۔

اس کے بعد ابن حجر عسقلانی نے ایک حدیث سے استدلال کرتے ہوئے ۶۳ھ کے قول کو راجح قرار دیا۔ ملاحظہ ہوا لاصابیح الاستیعاب جلد ۴۔ صفحہ ۶۰۔

مؤخر الذکر قول کو ترجیح دینے کے بعد واقعی کے قول کے مطابق سیدنا ابو ہریرہؓ کا ام سلمہؓ کی نماز جنازہ پڑھانا محل نظر ہے کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ کی وفات کا آخری قول ۵۹ھ کا ہے۔ جبکہ ام سلمہؓ کا ۶۳ھ تک زندہ رہنا حدیث سے ثابت ہے۔ علامہ ابن حجر نے حضرت ابو ہریرہؓ کی وفات کے متعلق ۵۷ھ، ۵۸ھ اور ۵۹ھ کے اقوال نقل کیے ہیں۔ ملاحظہ ہوا لاصابیح الاستیعاب جلد ۴۔ ص ۲۱۰۔

سیدہ ام سلمہؓ کو روایت حدیث اور نقل احکام میں حضرت عائشہؓ کے علاوہ تمام ازواج پر سبقت حاصل ہے۔ صلح حدیبیہ کے بعد ان ہی کے مشورے پر آپؐ نے قربانی کے جانور ذبح کیے، بال منڈوائے اور احرام کھول دیا۔ عمرۃ القضاء، غزوہ خیبر اور حجۃ الوداع میں انہیں آپؐ کی معیت حاصل تھی۔ ان کی مرویات کی تعداد تین سو اٹھہتر (۳۷۸) ہے جو مختلف کتب احادیث میں پائی جاتی ہیں۔

حضرت ام سلمہؓ نہایت زاہدانہ زندگی بسر کرتی تھیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پابند تھیں۔

ام سلمہؓ کی پہلے شوہر سے درج ذیل اولاد ہوئی۔

سلمہؓ

اہل بیت رسولؐ کون؟

۲۳۳

ام المؤمنین سیدہ ام سلمہؓ

جوشہ میں پیدا ہوئے۔ آپؐ نے ان کا نکاح حضرت حمزہؓ کی لڑکی امامہ سے کیا تھا۔ اس وقت یہ دنوں چھوٹے سے بچے تھے پھر وہ دونوں جمع نہیں ہوئے، یہاں تک کہ دونوں کا بچپن میں ہی انتقال ہو گیا۔ (احکام القرآن جلد دوم ص ۶۲)

یہ ملحوظ رہے کہ یہ روایت محمد بن اسحاق سے مروی ہے جنہیں حضرات محدثین احکام کی روایت میں ناقابل اعتبار قرار دیتے ہیں۔

عمرؓ:

یہ حضرت علیؓ کے دور خلافت میں فارس اور بحرین کے حاکم تھے۔

دُرّہ:

ان کا ذکر صحیح بخاری میں آیا ہے۔

بُرّہ:

یہ اپنے والد کی وفات کے بعد پیدا ہوئی تھیں۔ آپؐ نے نام تبدیل کر کے نہنب رکھ دیا تھا۔ یہ اپنے زمانے کی فقیہہ تھیں۔

☆☆☆

۷۔ ام المومنین سیدہ زینب بنت جحشؓ

سیدہ زینب بنت جحشؓ کا تعلق قبیلہ قریش کے خاندان اسد بن خزیمہ سے ہے۔ آپؓ کی والدہ سیدہ امیمہ آنحضرت ﷺ کی حقیقی پھوپھی ہیں۔ نبوت کے ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا۔ آپؓ کا پہلا نکاح آنحضرتؐ نے اپنے منہ بولے بیٹے اور آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہؓ کے ساتھ کیا لیکن تھوڑے ہی عرصے کے بعد علیحدگی ہو گئی۔

سیدہ زینبؓ نے آپؐ کی خواہش پر یہ رشتہ منظور کیا تھا۔ اس لیے آنحضرتؐ نے بحکم الہی ان کی تالیف قلب اور دلجوئی کے لیے ۵ھ میں خود ان سے نکاح فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر ۳۸ سال تھی۔ عرب میں اس وقت منہ بولا بیٹا اصل بیٹے کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ اسلام نے معاشرے کی دوسری خرابیوں کی طرح اس فرسودہ رسم کو بھی مٹا دیا۔ آپؐ نے دعوت ولیمہ کا اہتمام کیا۔ تین سو (۳۰۰) صحابہؓ نے اس دعوت میں شرکت کی۔ اسی دعوت کے موقع پر آیت حجاب نازل ہوئی۔ یہ واقعہ ذی القعدہ ۵ھ کا ہے۔

حضرت زینبؓ کے نکاح کی چند ایسی خصوصیات ہیں جو کہیں اور نہیں پائی جاتیں۔ ان کے نکاح سے جاہلیت کی وہ رسم مٹ گئی جس کی رو سے مہنٹی کی مطلقہ یا بیوہ کے ساتھ نکاح کی ممانعت تھی۔ اس نکاح سے مساوات اسلامی کا وہ عظیم الشان منظر سامنے آیا کہ آزاد و غلام کی تمیز اٹھ گئی، پردہ کا حکم نازل ہوا، نکاح کے لیے وحی آئی اور ولیمہ میں تکلف ہوا۔ سیدہ زینبؓ وصال نبوت تک آپؐ کی خدمت میں رہیں۔ اس کے بعد بیوگی کے نو (۹) سال گزرا کر ۲۰ھ میں ہجر تریپن (۵۳) برس وفات پائی۔

سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:

”اَنْ بَعْضُ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيْمًا اَسْرِعْ لِحَقِّكَ قَالَ اَطْوَلُ كُنَّ يَدًا فَاَخَذُوا قَصْبَةً يَنْزِعُوْنَهَا فَمَكَانَتِ سُرْدَةُ اَطْوَلِهِنَّ يَدًا فَعَلَمْنَا بَعْدَ ثَمَّا كَانَتْ طَوَّلَ (يَدَهَا) الصَّدَقَةُ وَكَانَتْ اَسْرَعَنَا لِحَقِّكَ بِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَتْ تَحِبُّ الصَّدَقَةَ۔“
(صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ جلد ۱ ص ۱۹۱)

نبی اکرمؐ کی بعض بیویوں نے نبیؐ سے عرض کیا کہ ہم میں سے کون آپؐ کے ساتھ جلد ملے گی، فرمایا تم میں سے جس کا ہاتھ زیادہ لمبا ہے۔ ان بیویوں نے ایک چھڑی لے کر اپنے ہاتھوں کو ناپنا شروع کیا تو سیدہ سودہؓ کا ہاتھ زیادہ لمبا تھا۔ بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ ہاتھ کی لمبائی سے مراد صدقہ ہے اور وہی ہم میں سے سب سے پہلے نبی اکرمؐ سے جاننے والی ہوئیں۔ اور وہ صدقہ دینا بہت پسند کرتی تھیں۔

اس روایت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرمؐ کے بعد سب سے پہلے وفات پانے والی ام المومنینؓ سیدہ سودہؓ ہیں؛ جو صحیح نہیں ہے۔

جبکہ صحیح مسلم کی روایت میں بتصریح سیدہ زینبؓ کا نام مذکور ہے۔ چنانچہ سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ:

”قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْرِعْنَ لِحَقِّكِ اَطْوَلُ كُنَّ يَدًا قَالَتْ فَكُنَّ يَتَطَاوَلْنَ اَيْتِهِنَّ اَطْوَلُ يَدًا قَالَتْ فَكَانَتْ اَطْوَلُنَا يَدًا زَيْنَبُ لِأَنَّهَا تَعْمَلُ بِهَا وَتَصَدَّقُ“ (صحیح مسلم جلد دوم ص ۲۹۱۔ باب من فَعَلَ مِنْ حَقِّ امِّ الْمُؤْمِنِينَ)
ہاتھ کی لمبائی سے ”استعارة“ فیاضی کی طرف اشارہ تھا۔ سیدہ زینبؓ اپنی فیاضی کی بناء پر اس پٹھن کوئی کا مصداق ثابت ہوئیں اور ازواج مطہرات میں نبی

اہل بیت رسول کون؟

۲۳۶

ام المؤمنین سیدہ زینب بنت جحشؓ

اکرمؓ کی رحلت کے بعد انہوں نے ہی ۲۰ھ میں سب سے پہلے انتقال کیا۔

سیدہ عائشہ صدیقہؓ حضرت زینبؓ کے محاسن بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

”لعمراؤ قط خیرا فی الدین من زینب و اتقی للہ و اصدق حدیثا

و اوصل للرحم و اعظم صلقة و اشدنا بتنا لا لنفسها فی العمل الذی تصدق بہ

و تقرب بہ الی اللہ ما عدا سورة من حلة کانت فیہا تسرع منها الفیئة۔“

(صحیح مسلم جلد دوم۔ ص ۲۵۸۔ باب فضائل عائشہ)

میں نے کوئی عورت زینبؓ سے زیادہ دین دار، زیادہ پرہیزگار، زیادہ

راست گفتار، زیادہ صلہ رحمی کرنے والی، زیادہ فیاض اور اللہ کی رضا جوئی اور صدقہ میں

زیادہ سرگرم نہیں دیکھی۔ فقط مزاج میں ذرا تیزی تھی جس پر ان کو بہت جلد ندامت بھی

ہو جاتی تھی۔

یہ ملحوظ رہے کہ سیدہ زینبؓ کے متعلق حضرت عائشہؓ نے یہ توصیفی کلمات اس

طویل حدیث میں بیان فرمائے ہیں جس میں حضرت عائشہؓ یہ ذکر فرما رہی ہیں کہ سیدہ

زینبؓ نے ازواج مطہراتؓ کی نمائندہ بن کر میرے خلاف نبی اکرمؐ سے کچھ شکایات

کی تھیں۔ اس پس منظر میں حضرت عائشہؓ کے مذکورہ توصیفی کلمات کی وقعت اور عظمت

مزید بڑھ جاتی ہے۔

نبی اکرمؐ کو سیدہ زینبؓ سے بہت محبت تھی۔ وہ بڑی صالح تھیں۔ بکثرت

روزے رکھتی تھیں اور بہت نماز پڑھتی تھیں۔ وہ دباغت کا کام اور صنعت بھی جانتی

تھیں اور اس صنعت سے جو کچھ بھی حاصل ہوتا وہ سب اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کر دیا

اہل بیت رسول کون؟

۲۳۷

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحشؓ

کرتی تھیں۔

(مدرک للحاکم جلد ۲ ص ۲۶)

سیدہ زینبؓ اگرچہ کثیر الروایت نہیں ہیں مگر پھر بھی ان کی مرویات صحاح ستہ میں پائی جاتی ہیں۔ ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے بھتیجے محمد بن عبد اللہ بن جحشؓ، ام حبیبہ بنت ابی سفیانؓ اور زینب بنت ابی سلمہؓ وغیرہ صحابہؓ و تابعین شامل ہیں۔ سیدہ زینبؓ نبی اکرمؐ کی وفات کے بعد ازواج مطہراتؓ میں سب سے پہلے وفات پانے والی زوجہ مطہرہ ہیں۔ وفات کے وقت فرمایا کہ میں نے اپنے لیے ایک کفن تیار کیا ہے اور حضرت عمرؓ بھی میرے لیے کفن بھیجیں گے۔ لہذا دونوں میں سے ایک کفن صدقہ کر دینا۔ چنانچہ ان کی بہن سیدہ حمنہ بنت جحشؓ نے ان کا اپنا تیار کردہ کفن صدقہ کر دیا اور حضرت عمرؓ کا ارسال کردہ کفن استعمال کرایا۔

امیر المومنین حضرت عمرؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور محمد بن عبد اللہ بن جحشؓ اور اسامہ بن زیدؓ نے جنت البقیع میں قبر میں اتارا۔

ان کی وفات پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

”ذهبت حميلة سعيطة مفزع اليتامي والا رامل“

افسوس آج ایک ایسی خاتون رخصت ہو گئی جو بڑے پسندیدہ اوصاف والی، نیک بخت اور یتیموں اور یتیموں کو سہارا دینے والی تھی۔

☆☆☆

۸۔ ام المومنین سیدہ جویریہؓ بنت الحارث

سیدہ جویریہؓ کا نام بڑہ بنت حارث اور قبیلہ خزاعہ کے خاندان بنو مصطلق سے ان کا تعلق ہے۔ ان کے والد حارث بن ابی ضرار اپنی قوم کے سردار تھے۔ ان کی پہلی شادی اپنے چچا زاد مسافع بن صفوان کے ساتھ ہوئی جو غزوہ یرسبع میں مارا گیا تھا۔ اس لڑائی میں بکثرت لونڈیاں اور غلام مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ جنگی اسیروں میں سیدہ جویریہؓ بھی تھیں جو حضرت ثابت بن قیسؓ کے حصے میں آئیں۔ حضرت جویریہؓ نے نواوقیہ سونا زرفدیہ ادا کر کے ثابت بن قیس سے آزادی کا معاہدہ کر لیا، لیکن فدیہ ادا کرنے کے لیے ان کے پاس مال نہیں تھا۔ یہ آنحضرتؐ کے پاس حاضر ہوئیں اور واقعہ بیان کیا تو آپؐ نے اپنے پاس سے فدیہ ادا کر کے ان کو آزاد کر دیا۔ ان کے والد کو جب پتہ چلا تو وہ آپؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا کہ میں بنو مصطلق کا سردار ہوں مجھے رسوا نہ کریں اور میری بیٹی میرے حوالے کر دیں۔ آپؐ نے فرمایا جویریہؓ آزاد ہے اور فیصلہ اس کی مرضی پر منحصر ہے۔ حارث نے بیٹی سے دریافت کیا تو سیدہ نے اسلام قبول کر لیا اور بارگاہ رسالت میں حاضری کو پسند کیا۔ اس کے بعد آپؐ نے ان کے ساتھ شعبان ۵ھ میں نکاح کر کے انہیں امہات المومنینؓ میں شامل کر لیا۔ نکاح کے وقت سیدہ کی عمر بیس (۲۰) برس تھی۔

صحابہ کرامؓ کو جب اس نکاح کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے بنو مصطلق کے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس قبیلے کو رسوا کیا جائے جس سے آنحضرتؐ کا رشتہ قائم ہو چکا ہو۔ اس عمل کا بنو مصطلق پر اتنا خوشگوار اثر ہوا کہ وہ تہ دل

اہل بیت رسول کون؟

۲۳۹

ام المؤمنین سیدہ جویریہ بنت الحارثؓ

سے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ:

”ما اعلم امرأۃ اعظم برکۃ علیٰ قومہا“

میں کسی عورت کو نہیں جانتی جو اپنی قوم کے لیے جویریہؓ سے بڑھ کر برکت

والی ہو۔

سیدہ جویریہؓ ظاہری حسن و جمال کے علاوہ باطنی حسن سے بھی مالا مال تھیں۔

بڑی زاہدہ، عبادت گزار، قناعت پسند، مجسمہ صبر و رضا، جو دوسخا، عجز و انکسار، ایثار و اخلاص اور ذکر و تلاوت میں یکتا تھیں۔ اور یہ سب خوبیاں آنحضرتؐ کی بدولت اور تعلق سے نکھر کر ابھری تھیں۔ سیدہ جویریہؓ تزکیہ نفس کی خاطر نفلی روزوں کا خاص اہتمام کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ جمعہ کے دن آنحضرت ﷺ ان کے ہاں تشریف لے گئے۔ اس دن ان کا روزہ تھا۔ آپؐ نے پوچھا ”گذشتہ کل روزہ رکھا تھا؟“ جواب دیا نہیں۔ پھر پوچھا کیا آنے والے کل کو روزہ رکھنے کا ارادہ ہے؟ جواب دیا جی ارادہ تو نہیں ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا ”افطار کر دو۔“ حکم کی تعمیل میں انہوں نے فوراً روزہ افطار کر دیا۔ اس میں امت کے لیے یہ درس تھا کہ کسی خاص دن کو نفلی روزے کے لیے مخصوص نہیں کر دینا چاہیے۔ تاکہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ مشابہت نہ ہو جائے۔ کیونکہ وہ معین دن کی تعظیم کرتے ہیں۔

ام المؤمنین سیدہ جویریہؓ کثرت کے ساتھ ذکر کیا کرتی تھیں۔ نماز کے بعد

جائے نماز پر بیٹھ کر بعض اوقات گھنٹوں ذکر الہی میں مشغول رہتی تھیں۔ ایک روز نبی اکرمؐ ان کے گھر سے صبح کی نماز کے لیے تشریف لے گئے اس وقت یہ مصلے پر تھیں۔

اہل بیت رسول کون؟

۲۴۰

ام المؤمنین سیدہ جویریہ بنت الحارثؓ

آپؐ جب چاشت کے وقت واپس تشریف لائے تو اس وقت بھی یہ مصلے پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ کیا تم اس وقت سے یہیں بیٹھی ہوئی ہو۔ انہوں نے عرض کیا جی ہاں تو آپؐ نے فرمایا کہ میں نے یہاں سے جانے کے بعد چار رکعات تین مرتبہ کہے ہیں۔ اگر ان کو تیری ان تمام تسبیحات کے ساتھ تو لا جائے جو تو نے صبح سے اس وقت تک پڑھی ہیں تو یہ چار رکعات وزن میں بڑھ جائیں گے۔ وہ چار رکعات یہ ہیں:

سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ عَدَدَ خَلْقِهِ وَرَاضِيَ نَفْسِهِ وَزِنَةَ عَرْشِهِ وَمَدَدَ

كَلِمَتِهِ۔

(مسلم، کتاب الذکر والدعاء۔ باب التَّسْبِيحِ اَوَّلُ النَّهْلِ وَعِنْدَ الْوَرَمِ)

میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں تمام خوبیوں کے ساتھ اس کی مخلوقات کے شمار کے برابر اور اس کی رضامندی اور خوشی کے برابر اور اس کے عرش کے تول کے برابر اور اس کے کلمات کی سیاہی کے برابر۔

سیدہ جویریہؓ کو تقریباً چھ سال تک بیت النبیؐ میں آپؐ کی خدمت کا شرف

حاصل رہا۔ ربیع الاول ۱۱ھ میں عمر چھ بیس برس دوسری امہات المؤمنینؓ کی طرح بیوگی کا زمانہ گزارتے ہوئے ۵۰ھ میں بعد خلافت حضرت معاویہؓ پینسٹھ (۶۵) سال کی عمر میں وفات پائی۔ مدینہ کے گورنر جناب مروان بن حکمؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں آسودہ خاک ہو گئیں۔

کتب حدیث میں ان سے سات (۷) احادیث مروی ہیں، جن میں سے دو صحیح بخاری میں، دو صحیح مسلم میں اور تین دیگر کتب میں۔ ان سے حدیث روایت

کرنے والوں میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت جابرؓ جیسے جلیل القدر صحابہؓ شامل ہیں۔

۹۔ ام المومنین سیدہ ریحانہ بنت زید

جمہور اہل سیر کے نزدیک سیدہ ریحانہ کا سلسلہ نسب یہ ہے: ریحانہ بنت زید بن عمرو خنافتہ بن سمعون بن زید۔

غزوہ احزاب میں بنو قریظہ نے آنحضرت ﷺ سے معاہدے کے باوجود قبائل قریش کا ساتھ دیا۔ لہذا آنحضرتؐ نے ان کا محاصرہ کیا اور جب اسلامی لشکر غالب آیا تو اسیران جنگ میں ریحانہ بنت زید بھی تھیں۔ انہیں چند دن کے لیے ام الممزد رہت قمیس کے گھر ٹھہرایا گیا۔ آپؐ نے ان سے فرمایا کہ تم اللہ اور اس کے رسولؐ کو اختیار کرو تو میں تمہیں اپنے لیے خاص کر لوں گا۔ انہوں نے عرض کیا میں اللہ اور اس کے رسولؐ کو اختیار کرتی ہوں تو آپؐ نے انہیں آزاد کر کے ان سے نکاح فرما کر ازواج مطہراتؓ میں شامل فرمایا۔

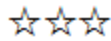
یہ پردہ کما حکام کی باقاعدہ تعمیل کرتی تھیں اور ان کی باری کا دن بھی مقرر تھا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق آپؐ نے انہیں اختیار دیا کہ وہ چاہیں تو اسلام قبول کر لیں اور چاہیں تو اپنے مذہب پر قائم رہیں۔ انہوں نے اپنے مذہب پر قائم رہنا پسند کیا۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا اگر تم اسلام قبول کر لو تو میں تمہیں اپنے پاس رکھوں گا، مگر وہ رضامند نہ ہوئیں۔ آنحضرتؐ کو ان کے رویے سے بہت دکھ ہوا۔

ایک دن آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کی مجلس میں تشریف فرما تھے کہ کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی تو آپؐ نے فرمایا شاید یہ ثعلبہ بن شعبہ ہیں جو ریحانہؓ کے اسلام لانے کی خبر لے کر آرہے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ہشام کے مطابق ثعلبہؓ نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر آہستہ سے حضورؐ کو حضرت ریحانہؓ کے اسلام قبول کرنے کی خوشخبری دی۔ حضورؐ اس سے بہت خوش ہوئے اور صحابہؓ سے فرمایا کہ ثعلبہؓ ریحانہؓ کے اسلام لانے کی خوشخبری لے کر آئے ہیں۔ آنحضرتؐ نے انہیں آزاد کر کے محرم ۶ھ میں ان کے ساتھ نکاح کر لیا۔ بہر حال دونوں روایات میں اسلام قبول کرنے کی خوشخبری مشترک ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ آپؐ کا مرتبہ دوسری ازواج کے برابر ہے یا وہ باندی یا کنیر کے طور پر حرم میں رکھی گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر اہل سیران کا تذکرہ نہیں کرتے۔ وہ حضرت ریحانہؓ اور حضرت ماریہؓ دونوں کو ازواج مطہرات سے الگ رکھتے ہیں اور ان کا شمار باندیوں میں کرتے ہیں۔ ابن سعد، واقدی، طبری، ابن کثیر اور ابن حجر نے انہیں دوسری ازواج مطہرات کے ہم مرتبہ قرار دیا۔ دمیاطی کا کہنا ہے کہ ان کا زہبہ ہونا ہی اہل علم کے نزدیک اثبت ہے۔ زرقانی کے کلام سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ زہبہ تھیں۔ (زرقانی، جلد ۳، ص ۷۴)

جبکہ دوسرے مؤرخین انہیں باندی قرار دیتے ہیں۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ آنحضرتؐ نے انہیں بیویوں کی طرح رکھا اور ان پر پردے کا حکم بھی عائد کیا۔ (جبکہ باندیوں پر احکام پردہ لاکو نہیں تھے) انہیں دوسری ازواج مطہرات کی طرح وظیفہ ملتا تھا اور ان کا وہی اکرام ہوتا تھا جو دوسری بیویوں کو حاصل تھا۔

تاریخی روایات میں حضرت ریحانہؓ اور حضرت ماریہؓ دونوں کو باندیوں کے زمرے میں شمار کیا جاتا ہے لیکن ہم کس طرح ان ہستیوں کو اس مقام پر کھڑا کر سکتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی ان ازواج مطہراتؓ کے بارے میں ہمارا رویہ وہی ہونا چاہیے جو خیبر سے واپسی پر حضرات صحابہ کرامؓ نے حضرت صفیہؓ کے بارے میں فرمایا تھا کہ لوگوں نے کہا، معلوم نہیں کہ حضورؐ نے صفیہؓ سے نکاح کیا ہے یا ام ولد بنایا ہے۔ سب نے کہا اگر پردہ میں رکھیں تو زیہہ مطہرہ ہیں ورنہ ام ولد۔ پھر جب آنحضرتؐ نے سوار ہونے کا ارادہ کیا تو سیدہ صفیہؓ کو پردے میں رکھا اور وہ اونٹ کے سرین پر بیٹھیں۔ تب لوگوں نے سمجھا کہ حضورؐ نے ان سے عقد کیا ہے۔

آنحضرتؐ کو سیدہ ریحانہؓ سے بڑی محبت تھی۔ آپؐ ان کی ہر فرمائش پوری کرتے تھے۔ یہ حسن صورت کے ساتھ نہایت پاکیزہ اخلاق کی حامل تھیں۔ آپؐ کی وفات سے چند ماہ (ایک روایت کے مطابق دس ماہ) قبل حجۃ الوداع سے لوٹتے ہوئے ۱۰ اھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔



۱۰۔ ام المومنین سیدہ ام حبیبہ بنت ابوسفیانؓ

آپؓ کا نام رملہ اور کنیت ام حبیبہؓ ہے۔ مجاہد اسلام رئیس قریش سیدنا ابوسفیانؓ کی بیٹی اور حضرت معاویہؓ کی بڑی بہن ہیں۔ آپؓ کی والدہ حضرت عثمانؓ کی پھوپھی صفیہ بنت ابی العاص ہیں۔ آپؓ نے قدیم الاسلام ہونے کی وجہ سے اسلام کی خاطر بڑی تکالیف برداشت کیں۔ پہلا نکاح آنحضرت ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی عبید اللہ بن جحش کے ساتھ ہوا۔ جب آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی جازت دی تو دوسرے مسلمانوں کے ہمراہ یہ میاں بیوی بھی ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے۔ یہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام حبیبہ رکھا گیا۔ انہیں بھی شرف صحابیت حاصل ہے۔ ان ہی کے نام کی نسبت سے حضرت رملہؓ کی کنیت ام حبیبہؓ مشہور ہوئی۔ حبشہ جا کر عبید اللہ بن جحش نے عیسائیت اختیار کر لی۔ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ راقم الحروف نے امام ابن ہشام (م ۲۱۳ھ)، امام ابن سعد (م ۲۴۰ھ)، امام بیہقی (م ۴۵۸ھ)، حافظ ابن عبد البر (م ۴۶۳ھ)، امام ابن سید الناس (م ۷۳۴ھ)، امام ذہبی (م ۷۴۸ھ)، امام ابن حجر (م ۸۵۲ھ)، مولانا شبلی نعمانی (م ۱۹۱۴ء)، مولانا محمد ادریس کاندھلوی (م ۱۳۹۴ھ ۱۹۷۷ء) اور دیگر ارباب سیر و تاریخ پر اعتماد کرتے ہوئے یہ قول نقل کیا تھا۔ بعد میں مزید تحقیق سے معلوم ہوا کہ حضرت عبید اللہ بن جحشؓ کے ”ارداد“ اور ”نصرانیت“ قبول کرنے کے حوالے سے ”روایات“ ”روایتا و درایتا، سنداً و متنناً“ صحیح نہیں ہیں لہذا اس طرح کی ”وائی“ روایات کی بنیاد پر ”سائقین اولین“ میں شامل کسی صحابی کو نصرانی یا مرتد ہرگز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے قارئین کرام حسب ذیل کتب کی طرف مراجعت

فرمائیں: اسماعیل و اسم یثبت فی السیرۃ النبویۃ۔ تالیف: محمد بن عبد اللہ المعوشی، تحت عبید اللہ بن جحش هل تنصر؟ ص ۳۷-۳۸-۲۔ صحابہ کرامؓ پر اعتراضات کا علمی جائزہ از ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف، طبع ہشتم ۲۰۱۶ء ص ۱۳۹ تا ۱۷۷۔ ۳۔ مقام صحابہ اور سیدنا معاویہؓ۔ از پرفیسر حافظ اظہر محمود ص ۷۰ تا ۷۲۔

جن حضرات کے پاس راقم الحروف کی کتاب ”اہل بیت رسول کون؟“ طبع اول اور دوم کے نسخے ہوں وہ سیدنا عبید اللہ بن جحشؓ کے حوالے سے اس مقام پر تصحیح فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اس غلطی سمیت جملہ خطاؤں کو معاف فرمائے۔ آمین

حبشہ میں سیدنا عبید اللہ بن جحشؓ کی وفات کے بعد جب آنحضرتؐ گو سیدہ ام حبیبہؓ کی غریب الوطنی کے مصائب کی اطلاع ملی تو آپؐ نے عمرو بن ابی صمریؓ کو شاہ حبشہ نجاشی کے پاس بھیجا تا کہ سیدہ کو نکاح کا پیغام دیا جائے۔ ۷ھ میں نجاشی نے اپنی ایک لونڈی ”امہہ“ کے ذریعے سیدہ تک نبی اکرمؐ کی طرف سے نکاح کا پیغام پہنچایا۔ سیدہ اس سے قبل خواب میں دیکھ چکی تھیں کہ انہیں کوئی شخص ام المومنین کہہ کر پکار رہا ہے۔ اب لونڈی سے انہوں نے یہ پیغام سن کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور شکرانے میں لونڈی کو اپنے جسم سے تمام زیوراتا کر دے دیا۔ نجاشی نے مجلس نکاح خود منعقد کی جس میں حضرت جعفر طیارؓ اور دیگر مسلمان شریک ہوئے۔ سیدہ کی طرف سے ان کے رشتہ دار حضرت خالد بن سعیدؓ وکیل تھے۔ نجاشی نے خطبہ نکاح پڑھا اور چار سو دینار (جو ایک سو چار تولہ اور ایک ماشہ سونے کے برابر ہے) بطور مہر ادا کیے۔ تمام ازدواج مطہراتؓ میں سب سے زیادہ مہر سیدہ ام حبیبہؓ ہی کا تھا، جو شاہ حبشہ نجاشی نے اپنی شان کے مطابق اور نبی اکرمؐ کی عزت افزائی کی خاطر ادا کیا۔ اس کے بعد نجاشی نے جملہ حاضرین کو کھانا کھلایا اور کہا کہ ایہیٰؓ کی سنت یہ ہے کہ شادی کے بعد کھانا ہوتا ہے۔ اور ایک دوسری روایت میں

ہے کہ حضرت خالد بن سعیدؓ نے سب کو کھانا کھلا کر رخصت کیا۔ اس کے بعد سیدہ ام حبیبہؓ حبشہ سے شرجیل بن حسنہؓ کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لے آئیں۔

سیدہ ام حبیبہؓ بڑی نیک اور صالح خاتون تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں قدیم الاسلام ہونے کا شرف عطا کیا۔ اسلام کی خاطر انہوں نے طویل سفر کی صعوبتیں جھیلیں اور حبشہ میں غریب الوطنی کی زندگی اختیار کی۔ فتح مکہ سے قبل ایک دفعہ حضرت ابوسفیانؓ (جو اس وقت اسلام نہیں لائے تھے) تجدید عہد کے لیے مدینہ تشریف لائے اور چودہ سال کی جدائی کے بعد بیٹی سے ملاقات کے لیے بیٹی کے حجرے میں پہنچے تو ام المؤمنینؓ نے اپنے باپ کی محبت اور چودہ سالہ جدائی کی پروا نہ کرتے ہوئے فوراً آنحضرت ﷺ کا مبارک بستر لپیٹ دیا؛ تو ابوسفیانؓ نے حیران ہو کر پوچھا کہ کیا تم نے اپنے باپ کو بھی اس لائق نہیں سمجھا کہ وہ بستر پر بیٹھ سکے؟ تو سیدہ نے جواب دیا یہ رسول اللہ کا مبارک بستر ہے اور آپ ابھی شرک کی نجاست سے آلودہ ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ آپ کے بیٹھنے سے اس بستر کے تقدس میں فرق آئے۔

اللہ اکبر! یہ نمونہ ہے اس ایمان کامل کا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں ام المؤمنین کے درجے پر فائز فرمایا۔ اور یہی ہے وہ محبت رسولؐ جس کے بغیر کبھی کوئی شخص کامل مومن نہیں ہو سکتا۔ آخر ایک وقت وہ بھی آیا کہ حضرت ابوسفیانؓ فتح مکہ سے قبل مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے ان کے گھر کے لیے اعلان فرمایا کہ:

”من دخل دار ابی سفیان فہو امن۔“ (صحیح مسلم۔ کتاب البہاد۔ باب فتح مکہ)

جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کے لیے امن ہے۔ حضرت

ابوسفیانؓ نے غزوہ طائف میں آپؐ کی معیت میں شرکت کی جس میں تیر لگنے کی وجہ سے ایک آنکھ ضائع ہو گئی جبکہ دوسری آنکھ انہوں نے جنگ یرموک میں بعد فاروق اعظمؓ اللہ کی راہ میں قربان کر دی۔

سیدہ ام حبیبہؓ بڑی راسخ العقیدہ، پاکباز، سمجھدار، عالی ہمت، سلیقہ شعار، جواد اور دیگر اوصاف حمیدہ کی مالک تھیں۔ آپؓ نے چار سال تک نبی اکرمؐ کے ساتھ ازدواجی زندگی بسر کی۔ جس وقت آنحضرتؐ نے رحلت فرمائی اس وقت آپؓ کی عمر چالیس برس تھی۔ اپنی وفات سے پہلے سیدہ عائشہ صدیقہؓ کو بلایا اور فرمایا کہ اگر کوئی لغزش ہو گئی ہو تو مجھے معاف کر دینا۔ حضرت عائشہؓ نے ان کے حق میں دعا کی تو فرمایا آپؓ نے مجھے خوش کر دیا اللہ آپؓ کو خوش رکھے۔ آپؓ نے اپنے بھائی حضرت معاویہؓ کے عہد خلافت ۴۲ھ میں ہجرت ہجر (۷۳) برس وفات پائی۔ آپؓ کے مدفن کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ استیعاب کے مطابق آپؓ کی قبر حضرت علیؓ کے مکان میں تھی۔ حضرت علیؓ بن حسینؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے مکان کا ایک گوشہ کھدوایا تو ایک کتبہ برآمد ہوا، اس پر لکھا ہوا تھا یہ رملہ بنت صخر کی قبر ہے۔

امام نووی تہذیب الاسماء واللغات میں حافظ ابوالقاسم کی تاریخ دمشق کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ دمشق میں اپنے بھائی حضرت معاویہؓ سے ملنے تشریف لے گئی تھیں اور وہیں سانحہ ارتحال پیش آیا اور ان کی قبر مبارک وہیں ملک شام میں ہے لیکن صحیح قول یہی ہے کہ ان کی وفات مدینہ طیبہ میں ہوئی اور جنت البقیع میں ان کی تدفین ہوئی۔

حضرت ام حبیبہؓ سے پینیسٹھ (۶۵) احادیث مروی ہیں جو مختلف کتب

حدیث میں پائی جاتی ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ☆☆☆

۱۱۔ ام المومنین سیدہ صفیہؓ بنت حمی

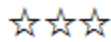
زرقانی کی روایت کے مطابق اصل نام زینب تھا۔ چونکہ وہ جنگ خیبر میں آپ ﷺ کے حصے میں آئی تھیں اور عرب میں غنیمت کے ایسے حصے کو جو امام یا بادشاہ کے لیے مخصوص ہو صفیہؓ کہا جاتا تھا اس لیے یہ بھی صفیہؓ کے نام سے مشہور ہو گئیں۔ لیکن یہ روایت چنداں معتبر نہیں، کیونکہ عرب میں صفیہؓ نام کی اور بھی بہت سی خواتین تھیں۔ خود آنحضرتؐ کی چھوٹی بھی کا نام صفیہؓ بنت عبدالمطلب تھا۔ حضرت صفیہؓ کو باپ اور ماں دونوں کی طرف سے سیادت حاصل ہے۔ باپ کا نام حمی بن اخطب تھا، جو قبیلہ بنو نضیر کا سردار اور حضرت ہارونؑ کی نسل میں شمار ہوتا تھا۔ ماں کا نام مہرہ تھا جو بنو قریظہ کے ایک نامور سردار سمویل کی بیٹی تھیں۔ ان کا پہلا نکاح سلام بن مشکم سے اور دوسرا نکاح کنانہ بن ابی الحقیق کے ساتھ ہوا جو غزوہ خیبر میں مارا گیا اور سیدہ صفیہؓ بھی اسی جنگ میں اسیر ہو گئیں اور حضرت وحیہ کلبیؓ کو بطور کنیز عطاء ہوئیں، لیکن کبار صحابہؓ نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ اسرائیلی قبائل کی امیر زادی ہیں، ان کے ساتھ امتیازی سلوک ہونا چاہیے۔ آنحضرتؐ نے ان کی دلجوئی کرتے ہوئے آزاد فرمایا اور انہوں نے بخوشی اسلام قبول کر لیا۔ پھر آپؐ نے ان کے ساتھ جمادی الثانیہ ۷ھ میں نکاح کر لیا۔ اس طرح سیدہ صفیہؓ امہات المومنینؓ میں شامل ہو گئیں۔ انہیں چار سال تک آپؐ کی خدمت کا شرف حاصل رہا۔

حضرت صفیہؓ کی پرورش بڑے ناز و نعم میں ہوئی تھی اور گھر میں کام کاج کے

لیے لوٹڈی، غلاموں کی کمی نہ تھی لیکن اس کے باوجود آپ امور خانہ داری میں یدِ طولیٰ رکھتی تھیں۔ کھانے بڑے لذیذ بناتی تھیں۔ جب آپ دوسری ازواج کے ہاں قیام فرماتے تو کھانا پکا کر تحفتاً ان کے پاس بھیجا کرتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ عمدہ اور مزے دار کھانے تیار کرنے میں صفیہؓ سے بڑھ کر میں نے کسی اور عورت کو نہیں دیکھا۔ ایک دفعہ سفر حج میں آپ کا اونٹ بیٹھ گیا تھا اور وہ سب سے پیچھے رہ گئی تھیں۔ آنحضرت ﷺ ادھر سے گزرے تو دیکھا زار و قطار رو رہی ہیں۔ آپ نے اپنی چادر اور دست مبارک سے آنسو پونچھے۔ آپ آنسو پونچھتے جاتے تھے اور وہ بے اختیار روتی جاتی تھیں۔

سیدہ صفیہؓ سے دس احادیث مروی ہیں۔ ایک متفق علیہ اور باقی نواحدیث دیگر کتب احادیث میں ہیں۔ ان سے روایت کرنے والوں میں حضرت زین العابدینؓ، اسحاق بن عبد اللہ بن حارث، مسلم بن صفوان، کنانہ اور یزید بن معتب جیسے مشہور تابعین شامل ہیں۔ آپ کے ماموں رفاعہ بن سموال بھی صحابی تھے۔ ان کی حدیث مؤطا امام مالک میں موجود ہے۔

ام المومنین سیدہ صفیہؓ نے رمضان ۵۰ھ میں بعد سیدنا معاویہؓ وفات پائی اور جنت البقیع میں ان کی تدفین ہوئی۔



۱۲۔ ام المومنین سیدہ ماریہ قبطیہؓ

ذی قعدہ ۶ھ میں صلح حدیبیہ سے فارغ ہونے کے بعد آنحضرتؐ نے دعوت اسلام کے لیے مختلف حکمرانوں کو جو خطوط ارسال فرمائے ان میں ایک خط شاہ مصر مقوقس کو بھی بھیجا گیا۔ مشہور صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ آپ کا خط لے کر اس کے پاس پہنچے۔ اس نے اسلام تو قبول نہ کیا لیکن مراسلہ بردار کی تکریم کی اور جواب میں بہت سے تحائف اور دو قبطی لڑکیاں ماریہ بنت شمعون اور سیرین بنت شمعون روانہ کیں؛ اور ایک خط میں لکھا کہ جو دو بہنیں آپؐ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں یہ قبطیوں میں بڑا درجہ اور مقام رکھتی ہیں۔

علامہ محمد طاہر کی صاحب لکھتے ہیں کہ:

تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ آپؐ کے جدا محمد سیدنا ابراہیمؑ کی ایک زوجہ سیدہ ہاجرہ مصر کے شاہی خاندان کی خاتون تھیں۔ اس قدیم تاریخی تعلق کی تجدید اور استحکام کے لیے مقوقس شاہ مصر نے اپنے شاہی خاندان کی ایک خاتون ماریہ کو اسی طرح آپؐ کی خدمت میں پیش کیا جس طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں اس دور کے شاہ مصر نے سیدہ ہاجرہ کو پیش کیا تھا۔ اور یوں سیدہ ماریہؓ آنحضرتؐ کی ازواج مطہرات میں شامل ہو کر ام المومنین کے خطاب کی مستحق ہو گئیں (حقیقی اہل بیت، ص ۶۸)۔

آنحضرتؐ فرمایا کرتے تھے کہ قبطیوں کے ساتھ حسن سلوک کرو، اس لیے کہ ان سے عہد اور نسب دونوں کا تعلق ہے۔ ان سے نسب کا تعلق تو یہ ہے کہ حضرت

اسلمعلی علیہ السلام کی والدہ اور میرے فرزند ابراہیمؑ کی والدہ دونوں اسی قوم سے ہیں اور عہد کا تعلق یہ ہے کہ ان سے معاہدہ ہو چکا ہے۔

مصر سے واپسی پر ان دونوں (ماریہ اور سیرین) نے برضا و رغبت اسلام قبول کر لیا۔ سیرین قبیلہ شاعر رسولؐ حضرت حسان ابن ثابتؓ کے نکاح میں آئیں اور ماریہ قبیلہ کو انحضرتؐ نے شرف زوجیت سے سرفراز فرمایا۔ آپ جیسا سلوک دیگر ازواج مطہرات سے کرتے تھے ایسا ہی حضرت ماریہؓ سے بھی کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سیدہ ماریہؓ کو حسن ظاہری کے ساتھ ساتھ حسن باطنی سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جتنا رشک مجھے ماریہ پر آتا ہے اتنا کسی دوسری زوجہ پر نہیں۔

حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ:

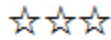
سیدہ ماریہ نہایت پاکباز اور نیک سیرت تھیں۔ انحضرتؐ کے بعد حضرات شیخینؓ نے ان کا اکرام و احترام برقرار رکھا۔

سیدہ ماریہؓ کو بعض ارباب سیر و تاریخ نے ”ازواج مطہرات“ میں شامل کرنے کی بجائے ”باندی“ قرار دیا ہے جو محل نظر ہے۔ جبکہ وہ کسی بھی فقہی توجیہ کے مطابق باندی قرار نہیں دی جاسکتیں۔

فقہی تصور کے مطابق باندی وہی ہے جو کسی جنگ میں گرفتار ہو کر آئے۔ ارباب سیر و تاریخ نے تو سیدہ صفیہؓ اور سیدہ جویریہؓ کو جنگ میں گرفتار ہو کر آنے کے باوجود بالاتفاق ازواج مطہرات میں شامل کیا ہے لیکن یہ بات ضرور باعث تعجب ہے کہ سیدہ ماریہؓ کو جو کسی جنگ میں گرفتار ہو کر نہیں آئیں (بلکہ شاہ مصر مقوقس نے

انہیں صدیوں پہلے عہدِ ابراہیمی کی روایت کو تازہ کرتے ہوئے سیدہ ہاجرہ کی طرح جذ بہ خیر سگالی کے تحت بطور ہدیہ ارسال کیا تھا) انہیں باندی کی حیثیت دے دی گئی۔ علاوہ ازیں سیدہ ماریہؓ شاہِ مصر کے خط کے مطابق مصر میں بھی کسی غلام خاندان سے تعلق نہیں رکھتی تھیں بلکہ وہ ایک معزز گھرانے کی ایک معزز خاتون تھیں۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سیدہ ماریہؓ نبی اکرمؐ کی منکوحہ اور ازواجِ مطہرات و امہات المومنینؓ میں شامل ہیں۔

سیدہ ماریہؓ نے بعہدِ خلافتِ فاروقِ اعظمؓ وفات پائی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے تمام اہل مدینہ کو اکٹھا کیا اور خود نماز جنازہ پڑھا کر جنت البقیع میں سپردِ خاک کیا۔ سیدہ ماریہؓ کے لطن سے ۸ھ میں آنحضرت ﷺ کے بیٹے پیدا ہوئے جن کا نام حضرت ہاجرہ مصری کی نسبت سے حضرت ابراہیمؑ کے نام پر ابراہیم رکھا گیا۔ جو اٹھارہ ماہ کی عمر میں انتقال کر گئے۔ سیدہ خدیجہؓ کے بعد یہی ایک بیوی ہیں جن سے آپؐ کی اولاد ہوئی۔



۱۳۔ ام المومنین سیدہ میمونہؓ بنت حارث

سیدہ میمونہؓ بنت حارث کا پہلا نکاح مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی کے ساتھ ہوا۔ پھر ابو رہم بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں آئیں۔ ابو رہم نے ۷ھ میں وفات پائی۔ آنحضرت ﷺ ذوالقعدہ ۷ھ میں عمرہ کے سلسلے میں مکہ میں مقیم تھے۔ حضرت عباسؓ کی تحریک پر آپؐ نے احرام کی حالت میں ان سے نکاح کر لیا۔ سیدہ میمونہؓ آنحضرتؐ کی آخری بیوی تھیں۔ یعنی ان کے ساتھ نکاح کرنے کے بعد آپؐ نے اپنی رحلت تک کوئی اور نکاح نہیں کیا۔

حضرت میمونہؓ کی مرویات کی تعداد چالیس ہے۔ قاضی سلمان منصور پوری لکھتے ہیں کہ ان کی مرویات کی تعداد چھتر ہے۔ متفق علیہ سات ہیں۔ (رحمۃ اللعالمین، جلد ۲، ص ۱۸۱) ان کے راویوں میں عبداللہ بن عباسؓ، عبدالرحمن بن سائب، یزید بن اضم، عطاء بن یسار اور سلمان بن یسار بھی شامل ہیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت میمونہؓ اللہ سے بہت ڈرتی اور صلہ رحمی کرتی تھیں۔ احکام نبویؐ کی تعمیل ہر وقت پیش نظر رہتی تھی۔ سیدہ میمونہؓ بہت مخیر اور فیاض تھیں۔ اس لیے وقتاً فوقتاً قرض لینے کی نوبت آجاتی تھی۔ ایک دفعہ بہت زیادہ رقم قرض لے لی۔ کسی نے پوچھا کہ اتنی زیادہ رقم کی واپسی کی کیا صورت ہوگی تو فرمایا، میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے جو شخص قرض ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے قرض ادا کرنے کے اسباب مہیا کر دیتا ہے۔

ایک بار آپؐ نے غلام آزاد کیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا تمہارے ننھیال

والوں کو غلام کی ضرورت تھی اگر انہیں دے دیتیں تو زیادہ ثواب ہوتا۔ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ نابینا صحابی آنحضرتؐ کے پاس تشریف لائے تو سیدہ نے ان سے پردہ نہ فرمایا۔ آپؐ نے جبہ پوچھی تو کہنے لگیں کہ وہ تو نابینا ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا مگر تم تو دیکھ سکتی ہو۔ چنانچہ سیدہ نے پھر ہمیشہ حضورؐ کے فرمان پر عمل فرمایا۔

حضرت میمونہؓ نہایت متقی اور پرہیزگار تھیں۔ رحمہ علیہ اور صلہ رحمی ان کا خصوصی امتیاز تھا۔ بڑی وسیع القلب تھیں اور صوم صلوٰۃ کی بے حد پابند تھیں۔

حضرت میمونہؓ کی حقیقی بہنیں:

۱۔ ام الفضلؓ لبابۃ الکبریٰ: زوجہ عباسؓ بن عبدالمطلب

۲۔ لبابۃ الصغریٰ: جو حضرت خالد بن ولیدؓ سیف اللہ کی والدہ ہیں۔

۳۔ عصماء: جو ابی بن خلف کے گھر میں تھیں۔

۴۔ عزہ: جو زیاد بن مالک الحلال کے گھر میں تھیں۔

حضرت میمونہؓ کی ماں کی طرف سے بہنیں:

۱۔ اسماء بنت عمیسؓ: زوجہ حضرت جعفر طیارؓ۔

۲۔ سلمیٰ بنت عمیسؓ: زوجہ حضرت حمزہؓ۔

۳۔ سلامہ بنت عمیسؓ: زوجہ عبداللہ بن کعب۔

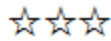
۴۔ زہب بنت خزیمہؓ: زوجہ پیغمبر ﷺ۔

یزید بن اسلم کہتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں ام المؤمنین سیدہ میمونہؓ کی طبیعت خراب ہوگئی۔ وہاں آپؓ کے عزیز واقارب میں کوئی نہ تھا تو آپؓ نے فرمایا مجھے مکہ

مکرمہ سے باہر لے چلو۔ میری وفات یہاں نہیں ہوگی، اس لیے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا تھا کہ تمہاری موت مکہ مکرمہ میں نہیں ہوگی۔ چنانچہ آپؐ کو صرف کے مقام پر اس درخت کے پاس لایا گیا جہاں نبی اکرمؐ نے ان سے نکاح فرمایا تھا، یہاں پہنچ کر ۵۱ھ میں حضرت معاویہؓ کے دور خلافت میں اسی (۸۰) برس کی عمر میں آپؐ کا انتقال ہو گیا۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ مقامِ عرف میں آپؐ کا نکاح ہوا اور یہیں وفات بھی پائی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جب کا ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ یہ ام المؤمنین ہیں جنازہ کو زیادہ حرکت نہ دو اور با ادب آہستہ چلو۔

آپؐ کی قبر ”طریق ہجرہ“ پر مکہ مکرمہ سے بیس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔



اولاد رسول ﷺ (ذریعہ طیبہ)

ازواج مطہرات اور آپ ﷺ کی صلیبی اولاد ہی آل حقیقی میں شامل ہے۔ اہل سیر نے بھی ”آل النبیؐ“ کے عنوان کے تحت صرف آپ کی صلیبی اولاد کا ذکر کیا ہے۔ نواسے اور نواسیوں کا ذکر اس مقام پر نہیں کیا گیا۔ اور کہیں ایسا ہوا بھی تو وہ اولاد والا ولد کے تحت ہوا ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے سیرت النبیؐ جلد دوم میں فہرست مضامین میں اولاد کا عنوان قائم کر کے صرف صلیبی اولاد کا ذکر کیا۔ پھر آگے اسی کتاب میں صفحہ ۳۸۹ سے لے کر ۳۹۸ تک اولاد رسولؐ کا مختصر تعارف پیش کیا ہے۔ اسی طرح قاضی محمد سلیمان منصور پوری، رحمۃ اللعالمین جلد دوم میں فہرست مضامین صفحہ ۵ پر باقاعدہ ”آل النبیؐ“ کے عنوان سے ایک فصل قائم کر کے مندرجہ ذیل حضرات کا ذکر کرتے ہیں:

قاسم بن محمد النبیؐ، عبداللہ (طیب و طاہر) امیر ایم، زینب اور ان کی اولاد، علی سبط رسولؐ، رقیہ بنت رسولؐ، عبداللہ سبط رسولؐ، ام کلثوم بنت رسولؐ، سیدہ فاطمہ بنت رسولؐ اور ان کی اولاد۔ آگے اسی کتاب میں صفحہ ۹۵ سے لے کر صفحہ ۱۲۵ تک ان کا مفصل تعارف پیش کرتے ہیں۔ راقم الحروف گذشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ ”آل کا لغوی، قرآنی اور حدیثی مفہوم واضح کر چکا ہے کہ آل کا اطلاق از روئے لغت، قرآن اور حدیث پوری امت مسلمہ، امہات المؤمنین، آپ کی صلیبی اولاد، بنو ہاشم، بنو المطلب اور دیگر آپ کے اہل ایمان قرابت داروں پر ہوتا ہے۔ جبکہ اہل تشیع کے نزدیک آل محمدؐ اور اہل بیت رسولؐ کے مفہوم میں صرف حضرت علیؑ، حضرات حسینؑ اور

سیدہ فاطمہؑ شامل ہیں۔ اہل تشیع کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر یا ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے بعض ”سنی علماء“ نے بھی آل النبیؑ یا اولاد رسولؐ کے اصل مفہوم پر پردہ ڈالتے ہوئے نئی نسل کو ”اولاد رسولؐ“ کے عنوان کے تحت صرف امام حسنؑ اور امام حسینؑ کا تعارف پڑھنے پر مجبور کر دیا۔

اسے کیا کہیے کہ صوبہ سرحد کے ہائی سکولوں میں دسویں جماعت (میٹرک) کے سنی طلباء کو جو اسلامیات کی کتاب بطور لازمی مضمون کے طویل عرصے سے پڑھائی جا رہی ہے، اس میں ایک خاص سازش کے تحت ”مخصوص علماء“ کے ذریعے اولاد نبیؐ کے عنوان کے تحت حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کے علاوہ کسی صلیبی اولاد دیا دیگر اسباط کا اشارہ بھی ذکر نہیں ہے۔ اسلامیات لازمی برائے جماعت نہم و دہم دو حصوں پر مشتمل ہے۔ حصہ اول سنی و شیعہ طلباء کے لیے مشترک ہے جسے سنی و شیعہ مؤلفین نے تحریر کیا ہے جبکہ حصہ دوم صرف سنی طلباء کے لیے تحریر کیا گیا اور اس حصے کے مؤلفین میں ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتا، مولانا محمد بخش مسلم، ڈاکٹر مجیب الرحمن قاضی مولانا محمد حنیف ندوی، مولانا ضیاء القاسمی، پروفیسر احمد محمد قاضی اور نظر ثانی کرنے والوں میں مولانا عبدالقادر آزاد، پروفیسر محمد علی سانگی اور سید نور الحسن شاہ بخاری شامل ہیں۔ جبکہ کتاب کا ناشر صوبہ سرحد کا ٹیکسٹ بک بورڈ پشاور ہے۔ مذکورہ کتاب کے صفحہ ۶ پر فہرست مضامین میں باب دوم کے تحت ”اولاد النبیؐ“ کا عنوان قائم کیا گیا ہے اور اس کے نیچے حضرت امام حسنؑ و حضرت حسینؑ کا نام درج ہے۔ تا کہ فہرست مضامین پر ایک نظر ڈالتے ہی یہ معلوم ہو جائے کہ اولاد نبیؐ میں صرف حضرات حسینؑ کا مختصر

تذکرہ کیا گیا ہے۔ باقی کسی اولاد کا ذکر ”مناسب“ نہیں سمجھا گیا۔ اعتراض اس بات پر نہیں کہ حضرات حسنینؑ کا تعارف کیوں ہوا بلکہ اعتراض تو صرف اس پر ہے کہ ”اولاد نبیؐ“ کے عنوان کے تحت اصل صلبی اولاد اور دیگر اسباط کو کیوں نظر انداز کیا گیا؟

اس انداز تحریر میں بالواسطہ طور پر سیدہ فاطمہؑ کا ذکر بھی آ گیا ہے کیونکہ حضرات حسنینؑ ان ہی کے بیٹے ہیں۔ جبکہ آنحضرت ﷺ کی بیٹیوں سیدہ زینبؑ، سیدہ رقیہؑ، سیدہ ام کلثومؑ، بیٹوں سید قاسمؑ، سید عبداللہؑ سید ابراہیمؑ اور نواسوں علیؑ بن ابی العاصؑ، عبداللہ بن عثمانؑ، اور نواسیوں سیدہ امامہ بنت ابی العاصؑ، سیدہ ام کلثوم بنت علیؑ اور سیدہ زینب بنت علیؑ کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا گیا۔ حضرات حسنینؑ کی محبت ہمارے ایمان کا حصہ ہے اور اسی طرح دیگر مذکورہ بالا اولاد کی محبت بھی جزء ایمان ہے؛ اس لیے ان کا بھی تعارف اور تذکرہ ضرور شامل نصاب کیا جانا چاہیے۔

یہ تفصیل اس لیے پیش کی گئی تاکہ قارئین کرام یہ جان لیں کہ کس کس طریقے سے ”آل النبیؐ“ کے خلاف سازشوں کے جال بچھائے جاتے رہے ہیں۔

نبی اکرمؐ کی اولاد کی تعداد کے بارے میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔ جملہ ارباب سیر و تاریخ (ماسوائے متاخرین شیعہ) اس بات پر متفق ہیں کہ آپؐ کی چار بیٹیاں سیدہ زینبؑ، سیدہ رقیہؑ، سیدہ فاطمہؑ اور سیدہ ام کلثومؑ ازبطن ام المؤمنین سیدہ خدیجہؑ پیدا ہوئیں لیکن آپؐ کے بیٹوں کی تعداد کے بارے میں سخت اختلاف ہے:

ایک قول کے مطابق پانچ بیٹے تھے:

۱۔ قاسم ۲۔ عبداللہ ۳۔ طیب ۴۔ طاہر ۵۔ ابراہیم

ایک دوسرے قول کے مطابق سات بیٹے تھے۔

یعنی مذکورہ پانچ کے علاوہ مطہر اور مطیب نامی بیٹے بھی تھے۔

لیکن مشہور صحیح اور راجح قول کے مطابق تین بیٹے تھے:

(۱) قاسمؑ (۲) عبد اللہ: اوطین سیدہ خدیجہؑ (۳) ابراہیم: اوطین سیدہ ماریہؑ۔

زبیر بن بکار، دارقطنی، حافظ مقدسی، ابن قیم، ابن عبد البر، علی بن عبد العزیز

جرجانی، ابوبکر بن البرقی اور جمہور ارباب سیر و تاریخ کی یہی رائے ہے۔

۱۔ حضرت قاسمؑ

آپ ﷺ کی تمام اولاد میں یہی سب سے پہلے سیدہ خدیجہؑ کے لطن سے پیدا ہوئے۔ یہ بچپن میں اور بعثت سے پہلے انتقال کر گئے تھے۔ اس وقت ان کی عمر ابن سعد کی روایت کے مطابق دو سال تھی۔ قتادہؑ کے مطابق چلنے لگے تھے۔ اور ابن فارس نے لکھا ہے کہ سن تمیز کو پہنچ گئے تھے۔ آنحضرتؐ کی کنیت ابوالقاسم ان ہی کے نام پر ہے اور آپ اس کنیت کو بہت زیادہ پسند فرماتے تھے۔

ایک دن آپ بازار سے گزر رہے تھے کہ پیچھے سے کسی نے یا ابا القاسم کہہ کر آواز دی۔ آپ نے مڑ کر دیکھا تو اس نے کہا یا رسول اللہ میں اسی نام کے ایک اور شخص کو پکار رہا ہوں۔ اس شبے سے بچنے کے لیے آپ نے منع فرما دیا کہ کوئی شخص حضورؐ کے نام اور کنیت کو اپنے لیے جمع کرے اور ابوالقاسم محمد کہلائے۔ یعنی اگر نام محمد ہو تو ابوالقاسم کنیت نہ رکھے۔ اور اگر کنیت ابوالقاسم ہے تو اس کے ساتھ محمد نہ کہلائے۔ بعض نے اس

ممانعت کو آپؐ کے دور کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے۔

۲۔ حضرت عبداللہؑ

آنحضرتؐ کے یہ دوسرے بیٹے ہیں جو نبوت کے بعد مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے اور بعض کے نزدیک اسی وجہ سے ان کا نام طیب اور طاہر پڑا۔ یہ بھی بچپن میں انتقال کر گئے۔ ان کی وفات پر کفار مکہ بہت خوش ہوئے کہ آپؐ کی نسل منقطع ہو گئی اور اب محمد (ﷺ) بے نام و نشان ہو گئے ہیں۔ کیونکہ کفار کا خیال یہ تھا کہ بیٹے کے نہ بننے سے اب محمدؐ کا کوئی نام لیوا نہیں رہا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکہف نازل فرمائی۔

إِنَّا آعْطَيْنَاكَ الْكُوفَةَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۚ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۝

بے شک ہم نے آپؐ کو خیر کثیر عطا کی ہے۔ پس نماز پڑھ واسطے اپنے پروردگار کے اور قربانی کر۔ یقیناً آپؐ کا جو دشمن ہے وہی بے نام (و نشان) ہوگا۔ چنانچہ آج چودہ سو سال بعد بھی آپؐ کی معنوی و روحانی اولاد کی تعداد ایک ارب سے زائد ہے اور یہ سلسلہ تا قیام قیامت رہے گا۔ آپؐ کا ذکر خیر جس کثرت کے ساتھ ہوا کسی دوسرے کا تصور بھی ممکن نہیں۔ آپؐ کا ذکر خیر اور اسم گرامی اذان، اقامت، نماز، درود اور کلمہ طیبہ کا جزو ہو کر دلوں و زبانوں پر جاری و ساری ہے۔ اس کے برعکس آپؐ کے دشمن اتنے بے نام و نشان ہوئے کہ ان کی اولاد بھی اپنی نسبت ان کی طرف نہیں کرنا چاہتی۔

حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ عالم انسانیت کی طرف اللہ تعالیٰ کے آخری نبی و رسول بنا کر بھیج گئے۔ آپؐ کے ذریعے قانون الہی کی تکمیل ہوئی۔ آپؐ کے بعد کسی نبی یا رسول نے مبعوث نہیں ہونا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ آپؐ کی کوئی زینہ اولاد زندہ نہیں رہی اور نہ ہی نسب آگے چلا۔ حضرت عیسیٰؑ بھی بنی اسرائیل کی طرف آخری پیغمبر کی حیثیت سے آئے تھے۔ اس لیے قوم کو آزمائش سے بچانے کے لیے ایسے حالات پیدا کیے گئے کہ حضرت عیسیٰؑ نے شادی ہی نہیں کی۔ اس کے برعکس آنحضرتؐ نے شادیاں کیں اور اولاد بھی ہوئی۔ ان میں لڑکیاں اور لڑکے دونوں تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت آپؐ کی زینہ اولاد کوئی بھی سن بلوغ کو نہیں پہنچی اور نہ ہی آگے نسل چلی۔ اگر آپؐ کی زینہ اولاد زندہ رہتی اور نسل کا سلسلہ آگے چلتا تو ختم نبوت و رسالت کے بعد آپؐ کی اولاد امت مسلمہ کے لیے نازک آزمائش بن سکتی تھی۔ {سیدہ فاطمہ (بیٹی) کے حوالے سے مسئلے کی نزاکت اور آزمائش باسانی سمجھی جاسکتی ہے}

بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ اعلان فرمادیا کہ

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رُّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ

النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝ (احزاب آیت ۴۰ پ ۲۲ رکوع ۲)

محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں اور لیکن اللہ کے پیغمبر ہیں اور ختم کرنے والے تمام نبیوں کے اور اللہ ہر چیز کو جاننے والے ہیں۔

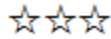
حضرت مفتی محمد شفیع صاحب اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

آپؐ امت کے مردوں میں سے کسی کے بھی نسب یا باپ نہیں لیکن روحانی

باپ سب کے ہیں۔ اس میں ایک دوسرے طعن کا بھی جواب ہو گیا جو بعض مشرکین نے کیا تھا کہ رسول اللہ معاذ اللہ ابتر یعنی مقطوع النسل ہیں یعنی کوئی نرینہ اولاد آپؐ کی نہیں ہے جس سے نسب چلے اور اس کا پیغام آگے بڑھے۔ چند روز کے بعد ان کا قصہ ہی ختم ہو جائے گا۔ الفاظ مذکورہ نے یہ واضح کر دیا کہ اگرچہ نسبی اولاد نرینہ آپؐ کی نہیں لیکن آپؐ کی نبوت و رسالت کے پیغام کو پھیلانے اور قائم رکھنے اور بڑھانے کے لیے نسبی اولاد کی ضرورت نہیں۔ اس کے لیے روحانی اولاد کام کیا کرتی ہے۔ اور چونکہ آپؐ رسول اللہ ہیں اور رسول امت کا روحانی باپ ہوتا ہے۔ اس لیے آپؐ پوری امت کے روحانی باپ کی حیثیت سے تم سب سے زیادہ کثیر الاولاد ہیں۔

(معارف القرآن جلد پنجم ص ۱۶۰)

بہر حال اس آیت سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ آنحضرتؐ کی نسل کا آگے نہ چلنا کوئی ”اتفاق“ یا ”نقص“ نہیں ہے بلکہ نور نبوت ازل سے حضرت آدمؑ سے ہوتا ہوا آپؐ کی ذات مقدس میں نشان منزل سے ہمکنار ہو گیا۔



۳۔ حضرت ابراہیمؑ

یہ آنحضرت ﷺ کے تیسرے بیٹے اور سب سے آخری اولاد ہیں جو ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں بالاتفاق ذی الحجہ ۸ھ میں از یمن سیدہ ماریہ قبطیہؓ پیدا ہوئے۔ ابورافعؓ کی بیوی سلمیٰؓ نے دایہ گیری کی خدمت سرانجام دی۔ ابورافعؓ نے جب آنحضرتؐ کو بیٹے کی ولادت کی خوشخبری سنائی تو آپؐ کو بہت مسرت ہوئی۔ اس کے صلے میں انہیں ایک غلام عطا فرمایا۔ ساتویں دن ان کے عقیقے میں دو مینڈھے ذبح کیے، بالوں کے برابر چاندی صدقہ کی اور بالوں کو ذفن کرا دیا۔ ابوہند بیاضیؓ نے سر کے بال اتارے اور حضرت ابراہیمؑ کے نام پر نام رکھا۔ پھر دودھ پلانے کے لیے ام بردہ خولہ بنت زید الانصاری کے حوالے کیا اور انہیں کھجوروں کا ایک باغ عطا کیا۔ صحیح بخاری میں حضرت انسؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ابراہیمؑ کو ام سیف کے سپرد کیا۔ لیکن قاضی عیاضؒ لکھتے ہیں کہ ام سیف اور ام بردہ ایک ہی ہیں۔ ام سیف حوالی مدینہ میں رہائش پر تھیں۔ آپؐ فرط محبت سے وہاں تشریف لے جاتے، بیٹے کو کود میں لیتے اور چومتے۔ ام سیف کے شوہر لوہا رتھے۔ اس لیے گھر دھوئیں سے بھرا رہتا تھا لیکن آپؐ باوجود نظافت طبع کو افراتے۔

حضرت ابراہیمؑ نے ام سیف کے گھر ۱۰ھ کے وسط میں ہجرت اٹھارہ ماہ ایام

شیر خوارگی میں انتقال کیا۔ آپؐ نے فرمایا:

جنت میں ان کے لیے دودھ پلانے والی مقرر کی گئی ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب المغن)

محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ ان کا انتقال ۱۰ھ میں ہوا۔ بعض حضرات نے ربیع الاول کا مہینہ بھی لکھا ہے لیکن گزشتہ صدی کے ماہر فلکیات محمود پاشا مرحوم نے اپنے ایک مقالے میں جو انہوں نے فرانسیسی زبان میں لکھا تھا اور جس کا عربی ترجمہ بعد (یعنی ۱۳۰۵ھ) میں مصر سے شائع ہوا تھا، اپنے فنی حساب سے اس سورج گرہن (جو سید ابراہیم کی وفات پر ظاہر ہوا تھا) کی تاریخ ۲۹ شوال ۱۰ھ متعین کی ہے اور دن دوشنبہ کا اور وقت صبح ساڑھے آٹھ بجے کا لکھا ہے۔

(بحوالہ معارف الحدیث جلد سوم، ص ۲۲۰)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کی معیت میں ابوسیف آہن گر کے گھر گئے۔ یہ ابوسیف آپؐ کے فرزند جناب ابراہیمؑ کی دایہ اور مرضعہ خولہ بنت المذکر کے شوہر تھے اور جناب ابراہیمؑ اس وقت کے رواج کے مطابق اپنی دایہ کے گھر ہی رہتے تھے۔ آپؐ نے اپنے بیٹے ابراہیمؑ کو اٹھایا اور چوما اور ان کے رخسار پر ناک رکھی (جیسا کہ بچوں کو پیار کرتے وقت کیا جاتا ہے) اس کے بعد پھر ایک دفعہ (ابراہیمؑ کی آخری بیماری میں) ہم وہاں گئے۔ اس وقت ابراہیمؑ جان دے رہے تھے۔ (یعنی ان کا بالکل آخری وقت تھا) ان کی اس حالت کو دیکھ کر آپؐ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ عبدالرحمن بن عوفؓ نے تعجب سے کہا یا رسول اللہ آپؐ کی بھی یہ حالت؟ آپؐ نے فرمایا اے ابن عوفؓ یہ شفقت اور دردمندی ہے پھر دوبارہ آپؐ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تو آپؐ نے فرمایا:

إِنَّ الْمَعِينَ تَلْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلَا نَقُولُ إِلَّا مَا يَرْضَىٰ رَبُّنَا وَإِنَّا بِفِرَاقِكَ

يَا إِبْرَاهِيمَ لَمَحْزُونُونَ۔ (صحیح بخاری۔ کتاب الجنائز۔ باب قول النبیؐ انا بک لمحزونون۔ جلد اول ص ۱۷۴)

آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل مغموم ہے اور زبان سے ہم وہی کہیں گے جو اللہ کو پسند ہو (یعنی انا للہ وانا الیہ راجعون) اور اے ابراہیم تیری جدائی کا ہمیں صدمہ ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

میں نے نوحہ کرنے اور میت کی ایسی تعریف کرنے سے منع کیا ہے جس کی وہ حق دار نہ ہو۔ پھر فرمایا یہ تو رحمت ہے اور جو رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔

عربوں میں زمانہ جاہلیت کے توہمات میں سے ایک یہ خیال بھی تھا کہ بڑے آدمیوں کی موت پر سورج کو گرہن لگتا ہے اور گویا وہ اس کے ماتم میں سیاہ چادر اوڑھ لیتا ہے۔ اتفاق سے جس دن حضرت ابراہیمؑ کا انتقال ہوا تو سورج کو گرہن لگ گیا اور عام طور پر مشہور ہو گیا کہ یہ ان کی موت کا اثر ہے۔ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا:

إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنَ الْبَيْتِ اللَّهِ لَا يَنْخَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذَلِكَ فَاذْعُرُوا اللَّهَ وَكَبِّرُوا وَصَلُّوا وَتَصَلُّوا

(صحیح بخاری - کتاب الکسوف - باب الفصد فی الکسوف - حدیث نمبر ۱۰۴۲)

یقیناً سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی قدرت و صنعت کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ کسی کی موت و زندگی سے ان کو گہن نہیں لگتا۔ لہذا جب تم ان کو گہن لگتے دیکھو تو اللہ سے دعا کرو اور اس کی کبریائی بیان کرو اور نماز پڑھو اور صدقہ کرو۔

چھوٹی سی چارپائی پر جنازہ اٹھایا گیا۔ آنحضرتؐ نے خود نماز جنازہ پڑھائی۔ عثمان بن مظعونؓ کی قبر کے متصل جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔ قبر میں فضل بن عباسؓ اور اسامہؓ نے اتارا۔ آپؐ قبر کے کنارے کھڑے تھے۔ قبر پر پانی چھڑکا گیا اور اس پر ایک امتیازی علامت قائم کی گئی۔

بنات النبی ﷺ

آنحضرت ﷺ کی چار بیٹیاں ہیں اور چاروں کی والدہ سیدہ خدیجہؓ ہیں۔ گیارہویں صدی ہجری تک شیعوں کے تمام مجتہد، محدث اور عالم اس قول کے ساتھ متفق رہے ہیں۔ مگر بعد میں اہل تشیع نے اپنے جمہور علماء و مجتہدین سے بغاوت کرتے ہوئے صرف سیدہ فاطمہؓ کو آپؐ کی اکلوتی بیٹی قرار دے دیا۔ شیعہ مجتہد غلام حسین نجفی نے اس مسئلے پر ایک ضخیم کتاب لکھی جس کا نام ہی ”قول مقبول فی اثبات وحدۃ بنت رسولؐ“ ہے۔ اس کتاب میں مؤلف نے ان تمام روایات کو باطل قرار دے دیا جن میں چار بیٹیوں کا ذکر ہے۔ آنحضرتؐ کی تین بیٹیوں کا انکار درحقیقت قرآن مجید کی تکذیب و تردید اور شدید ترین ایذائے رسولؐ کا موجب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ

(آیہ ۵۹)

اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دو۔

اس آیت میں آپؐ کے دور کی مومنات کو تین قسموں میں بیان کیا گیا ہے:

۱۔ ازواج النبیؐ ۲۔ بنات النبیؐ ۳۔ نساء المؤمنین

بنات جمع کا لفظ ہے، اس کی واحد بنت ہے۔ عربی میں جمع کا صیغہ ہمیشہ تین یا تین سے زائد پر استعمال ہوتا ہے۔ اگر آپؐ کی ایک ہی بیٹی ہوتی تو بنات کی بجائے بنت کا لفظ استعمال ہوتا لیکن یہاں جمع کا صیغہ ”بنات“ لا کر یہ واضح کر دیا ہے کہ آپؐ کی ایک بیٹی قطعاً نہیں بلکہ دو سے زائد تھیں۔

چونکہ مذکورہ آیت سورۃ الاحزاب کی ہے جو پانچ ہجری اور اس کے بعد نازل ہوئی، آپؐ کی ایک بیٹی سیدہ رقیہؓ میں غزوہ بدر کے موقع پر انتقال کر گئی تھیں اس لیے نزول آیت کے موقع پر آپؐ کی تین بیٹیاں سیدہ زینبؓ، سیدہ فاطمہؓ اور سیدہ ام کلثومؓ بقید حیات تھیں۔ اس لیے ”بنات“ جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا۔

کہا یہ جاتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ کے علاوہ باقی بیٹیاں سیدہ خدیجہؓ کے سابقہ شوہر سے تھیں۔ حالانکہ سیدہ خدیجہؓ کے سابقہ شوہر سے ان ناموں (زینب، رقیہ، ام کلثوم) کی لڑکیوں کا کسی تاریخ میں کوئی ذکر نہیں ملتا۔ (تفصیل پیچھے سیدہ خدیجہؓ کے حالات کے تحت گزر چکی ہے) علاوہ ازیں ایسی لڑکی کو بنت کی بجائے عربی میں ”ربیہ“ کہا جاتا ہے اور اس کی جمع ربائب ہے۔ قرآن مجید میں لفظ ربائب بھی استعمال ہوا ہے۔

مزید برآں قرآن مجید نے اسی سورہ احزاب میں یہ حکم بھی دیا ہے ”أَدْعُوهُمْ لِأَسْمَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ“ ان کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارا کرو۔ یہ بات اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ ہے۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ اللہ دوسروں کو حکم دے کہ ہر ایک کو اس کے اصل باپ کے نام سے پکارا اور وہ خود دوسروں کی اولاد کو آپؐ کے نام منسوب کرے؟ لہذا آیت کی رو سے کسی کو غیر باپ کی طرف منسوب کرنا حرام ہے۔ ابتداء میں لوگ زید بن حارثہؓ کو زید بن محمدؐ کہتے تھے جب مذکورہ حکم نازل ہوا تو زید بن حارثہؓ کہا جانے لگا۔ جس طرح حارثہ کے بیٹے زیدؓ کو زید بن محمدؐ کہا حرام ہے اسی طرح حضرت علیؓ کی اولاد (فاطمی ہو یا غیر فاطمی) کو اولاد محمدؐ کہنا جائز ہے۔ یعنی حضرات حسنینؓ و حسنؓ بن علیؓ اور حسینؓ بن علیؓ کی بجائے حسن بن محمدؐ اور حسین بن محمدؐ کہنا

خلاف قرآن ہے۔ حقیقی اولاد رسول صرف وہ افراد ہیں جو آپؐ کی صلب سے ہیں۔ یعنی قاسم، عبداللہ (طیب، طاہر) ابراہیم، زینب، رقیہ، فاطمہ، ام کلثوم۔ نواسوں نواسیوں میں سے امامہ علیؑ اولاد ابو العاصؑ ہیں۔ عبداللہ اولاد عثمانؑ، حسن، حسین، زینب ام کلثوم اولاد علیؑ بن ابی طالب ہیں۔ ان اسباط میں سے کسی کو اولاد رسول کہنا اسی طرح غلط ہے جس طرح آنحضرتؐ کے بیٹوں اور بیٹیوں کو اولاد خویلد (حضرت خدیجہؓ کے والد کی طرف نسبت کر کے) کہنا غلط ہے۔ سید زین العابدین کو علی بن حسینؑ ہی کہا جائے گا نہ کہ شہر بانو کے حوالے سے علی بن یزیدؑ گرد۔

شیعوں کی معتبر ترین کتاب اصول کافی میں ہے کہ:

تزوج خدیجۃ و هو ابن بضع وعشرين سنة فولد له منها قبل مبعثه المقاسم ورقیة وزینب وام کلثوم وولد له بعد المبعث الطیب والطاهر وفاطمة علیہا السلام۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے نکاح کیا جب آپؐ کی عمر تیس سال سے کچھ زائد تھی۔ قبل از بعثت سیدہ خدیجہؓ سے آپؐ کی اولاد قاسم رقیہ، زینب اور ام کلثوم پیدا ہوئی اور بعد از بعثت طیب، طاہر اور فاطمہ پیدا ہوئی۔ ملا باقر مجلسی لکھتا ہے:

پس اگر دختر بہ عثمان دادہ باشد بن برآن کہ ظاہر داخل مسلمانان بودہ است دلالت نمی کند برآن کہ در باطن کافر نہ بودہ است۔ (حیات الطیب)

آنحضرتؐ نے اپنی بیٹی حضرت عثمان کو دے دی اس بناء پر وہ ظاہر میں مسلمان تھا اور یہ بات (بیٹی کا نکاح میں دینا) اس کی دلیل نہیں ہے کہ وہ (عثمانؑ)

باطن میں کافر نہیں تھا۔

شیعہ مجتہد شیخ عباس قمی لکھتا ہے:

در قرب الاسناد از حضرت صادق علیہ السلام روایت شدہ است کہ از برائے رسول خدا از خدیجہ متولد شدند طاہر، قاسم، فاطمہ، ام کلثوم، رقیہ و زینب۔

(مصحف الآمال جلد اول مدعیان اولاد و ہجرت رسولؐ ص ۱۰۸)

قرب الاسناد میں حضرت جعفر صادق سے روایت ہے کہ اللہ کے پیغمبر کی بی بی خدیجہؓ سے طاہر، قاسم، فاطمہ، ام کلثوم، رقیہ اور زینب اولاد ہوئی۔

اہل تشیع کی بہت سی دیگر کتب میں بھی چار بیٹیوں کا ذکر ملتا ہے۔ اب متاخرین شیعہ نے متقدمین کے ساتھ اختلاف کرتے ہوئے ایک بیٹی کے قول کو بطور عقیدہ اپنا لیا ہے۔ اس طرح اہل تشیع قرآن مجید کے انکار، آل رسولؐ کی سخت ترین توہین کے ارتکاب اور سیدہ خدیجہؓ اور آنحضرت ﷺ پر افتراء و بہتان عائد کرنے کے علاوہ آپؐ کی شدید ایذا کا باعث بن کر اس آیت کے کامل طور پر مصداق ہو گئے:

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ
وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا O (جواب ۵۷)

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کو ایذا دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی لعنت ہے اور اس نے ان کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔

بہر حال بلا شک و شبہ آنحضرتؐ کی چار بیٹیاں تھیں۔ اگر تین بیٹیاں حضرت خدیجہؓ کے کسی دوسرے شوہر سے ہوتیں تو اللہ تعالیٰ انہیں آپؐ کی طرف کبھی منسوب نہ کرتے اور تمام مفسرین، محدثین اور علماء امت بھی انہیں آنحضرتؐ کی طرف منسوب کر

کے حکم قرآن کی مسلسل خلاف ورزی نہ کرتے۔

مختلف ازواج مطہراتؓ کی دیگر شوہروں سے حسب ذیل اولاد ہوئی:

۱۔ سیدہ خدیجہؓ کے ہاں عقیق سے ایک لڑکی ہند اور ابو ہالہ سے ایک لڑکا ہالہ اور ایک لڑکی ہند پیدا ہوئی۔

۲۔ سیدہ سودہؓ کے ہاں سکرانؓ سے ایک لڑکے عبدالرحمن پیدا ہوئے جو جنگ جلولاء میں شہید ہوئے۔

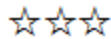
۳۔ سیدہ ام سلمہؓ کے ہاں ابوسلمہؓ سے دو لڑکے عمر اور سلمہ اور دو لڑکیاں دزدہ اور زینب پیدا ہوئیں۔

۴۔ سیدہ ام حبیبہؓ کے ہاں عبید اللہ بن جحش سے ایک لڑکی حبیبہ پیدا ہوئی

جن کا نکاح داؤد بن عمرو بن مسعود ثقفی سے ہوا۔

اس تمہید کے بعد نبی اکرم ﷺ کی بیٹیوں کے مختصر حالات ہدیہ قارئین کیے

جاتے ہیں۔



۱۔ سیدہ زینب بنت رسول ﷺ

یہ آنحضرت ﷺ کی سب سے بڑی بیٹی ہیں۔ بعثت سے دس (۱۰) برس پہلے پیدا ہوئیں۔ جب آپؐ نے نبوت کا اعلان کیا تو اپنی والدہ سیدہ خدیجہؓ کے ساتھ ہی مشرف بہ اسلام ہو گئیں۔ ان کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ جس طرح آنحضرتؐ پر مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں حضرت ابو بکر صدیقؓ ہیں، بچوں میں حضرت علیؓ ہیں، غلاموں میں حضرت زید بن حارثہؓ ہیں، عورتوں میں سیدہ خدیجہؓ ہیں اسی طرح لڑکیوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والی سیدہ زینبؓ ہیں۔ آپؐ نے ان کا نکاح سیدہ خدیجہؓ کے حقیقی بھانجے (ہالہ بنت خویلد کے لڑکے) حضرت ابوالعاص بن ربیع بن عبد العزیٰ بن عبد شمس بن عبد مناف کے ساتھ کر دیا۔ سیدہ خدیجہؓ نے اپنی بیٹی کو دوسری اشیاء کے علاوہ عقیق کا ایک بیش قیمت یمنی ہار بھی تحفہ میں دیا جو ماں کی مامتا کی ایک انمول نشانی تھی۔

سیدہ زینبؓ اور ابوالعاصؓ کے باہمی تعلقات نہایت خوشگوار اور محبت آمیز تھے۔ ایک دفعہ کفار مکہ نے ابوالعاصؓ پر ترغیب و ترہیب کے ذریعے دباؤ ڈالا کہ محمدؐ کی بیٹی کو طلاق دے دو مگر ان پر ان ترغیبات و ترہیبات کا کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ آنحضرتؐ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپؐ بہت خوش ہوئے اور فرمایا ابوالعاصؓ انصاف پرور شخص اور ہمارے چچھے داماد ہیں۔

حضرت ابوالعاصؓ کا بہت وسیع تجارتی کاروبار تھا اور قریش میں عزت و تکریم کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ جب ۷ نبویؐ میں کفار مکہ نے دعوت اسلام کو

روکنے کے لیے تمام بنو ہاشم کو بجز ابولہب شعب بنو ہاشم میں محصور کر کے ان کا مکمل مقاطعہ (بائیگاٹ) کر دیا اور ان سے لین دین، خرید و فروخت، سلام کلام، اٹھنا بیٹھنا سب بند ہو گیا جس کا سلسلہ تین سال تک جاری رہا۔ محصورین مقاطعے کی سخت اذیتیں برداشت کرتے رہے اور دانے دانے کو ترس گئے اور ایسے کٹھن وقت میں آپؐ کے سعادتمند اموی داماد ابوالعاصؓ نے صلہ رحمی اور قربت کا حق ادا کیا۔ موصوف موقع پا کر اور کفار سے نظریں بچا کر اناج اور کھجوروں سے لدے ہوئے اونٹ شعب بنی ہاشم میں پہنچایا کرتے تھے۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس کا رخیر میں حضرت معاویہ بن ابوسفیانؓ بھی سیدنا ابوالعاصؓ کی مدد کرتے تھے۔ اس حسن سلوک کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ کی زبان سے یہ جملہ نکلا کہ ابوالعاصؓ نے داماد ہونے کا حق ادا کر دیا ہے۔

غزوہ بدر میں ابوالعاصؓ، عقیل بن ابوطالب اور عباسؓ بن عبدالمطلب کے ساتھ کفار کی طرف سے شریک ہوئے اور گرفتار ہو گئے۔ اہل مکہ نے اپنے اپنے عزیزوں کی رہائی کے لیے زرفدیہ بھیجا تو سیدہ زہبؓ نے بھی اپنے دیور عمرو بن ربیع کے ہاتھ اپنی ماں سیدہ خدیجہؓ کی طرف سے دیا گیا شادی کا تحفہ عقیق کا یمنی ہار اپنے شوہر ابوالعاصؓ کی رہائی کے لیے بھیجا۔

آنحضرتؐ کی خدمت میں جب یہ ہار پیش ہوا تو آپؐ کو سیدہ خدیجہؓ کی وفاداریاں اور قربانیاں یاد آ گئیں۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے گویا کائنات کا ایک ایک ذرہ آبدیدہ ہو گیا۔ حضورؐ صحابہؓ سے مخاطب ہوئے ”اگر مناسب سمجھو تو یہ ہار زہبؓ کو واپس بھیج دو۔ یہ اس کی ماں کی نشانی ہے۔ ابوالعاصؓ کا فدیہ صرف یہ ہے کہ وہ مکہ جا کر سیدہ زہبؓ کو فوریہ بھیج دیں۔“

کون انکار کی جرأت کر سکتا تھا؟ ابوالعاصؓ نے مکہ پہنچ کر اپنا وعدہ پورا کیا۔
نبی اکرمؐ نے فرمایا ”ابوالعاصؓ نے مجھ سے جو بات کہی اسے سچ کر دکھایا اور مجھ سے جو
وعدہ کیا اسے پورا کیا۔ یہ روایت حضرت زین العابدینؓ سے مروی ہے۔

(صحیح بخاری ابواب الفحائل، باب ذکر اصحاب الرائی)

دوران سفر دشمنوں نے حملہ کر کے سیدہ زینبؓ کو زخمی کر دیا جس کی وجہ سے
اسقاط حمل بھی ہوا۔ سیدہ زینبؓ نے سفر ہجرت کے یہ مصائب صرف دین کی خاطر
برداشت کیے اور آنحضرت ﷺ کی بیٹی ہونے کی وجہ سے دردناک مشکلات کا سامنا
کرنا پڑا۔ بلند سیرت بیٹی کی ان قربانیوں کی بدولت سرور کائنات فرمایا کرتے تھے:

هِيَ أَفْضَلُ بَنَاتِي أُصِيبَتْ فِيَّ ، هِيَ خَيْرُ بَنَاتِي أُصِيبَتْ فِيَّ -

(زرقانی جلد ۳ ص ۱۹۵، بیروایت طحاوی و حاکم بحوالہ رحمة اللعالمین جلد ۲ ص ۱۰۲، مجمع الزوائد

للہیثمی جلد ۹ ص ۲۱۳ باب ماجاء فی فضل زینب بنت رسول اللہ ، دلائل النبوة للبیہقی)

حضرت ابوالعاصؓ کو سیدہ زینبؓ سے بہت محبت تھی۔ سیدہ کے مدینہ چلے
جانے کے بعد وہ بہت بے چین رہنے لگے۔ ایک دفعہ ابوالعاصؓ تجارتی قافلے کے
ہمراہ شام جا رہے تھے، راستے میں مسلمانوں نے تمام مال و اسباب چھین لیا تو
ابوالعاصؓ مدینہ پہنچے۔ سیدہ زینبؓ نے انہیں اپنے پاس پناہ دی۔ آنحضرتؐ نے تمام
مال واپس کرادیا۔ کیونکہ اس میں دوسروں کی امانتیں بھی شامل تھیں۔ مکہ جا کر انہوں
نے لوگوں کی امانتیں واپس کر دیں اور قریش کو مخاطب کرتے ہوئے کہا اب میرے
پاس کسی کی کوئی امانت نہیں ہے۔ اب سن لو میں مسلمان ہوتا ہوں۔ اللہ کی قسم میرے
اسلام قبول کرنے میں صرف یہ رکاوٹ تھی کہ تم مجھے خائن نہ سمجھو۔ اس کے بعد ہجرت
کر کے مدینہ تشریف لے آئے۔ آپؐ کو ان کے اسلام قبول کرنے سے از حد خوشی ہوئی

اور آپؐ نے سیدہ زینبؓ کو ابو العاصؓ کے گھر بھجوا دیا۔ اس کے بعد سیدہ زینبؓ زیادہ عرصہ زندہ نہ رہیں۔ اہل سیر کے نزدیک آپؐ کو سفر ہجرت کے دوران لگا ہوا زخم دوبارہ تازہ ہو گیا۔ یہی زخم آپؐ کی وفات کا سبب بنا اور ۸ھ میں ہجر اکتیس سال جان عزیز جان آفرین کے سپرد کردی۔ آنحضرت ﷺ نے کفن میں اپنا تہہ بند عنایت فرمایا۔ حضرت ام ایمنؓ، سیدہ سودہ بنت زمعہؓ اور سیدہ ام سلمہؓ نے غسل دیا۔ جس کا طریقہ خود آنحضرتؐ نے انہیں بتایا تھا۔ حضورؐ نے خود نماز جنازہ پڑھائی، ابو العاصؓ کے ساتھ قبر میں اترے اور اپنی لخت جگر کو سپرد خاک کیا۔ آپؐ بے حد مغموم تھے اور چہرہ اقدس پر حزن و ملال کے آثار نمایاں تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

سیدہ زینبؓ کے لطف سے ایک بیٹا ”علیؑ“ اور ایک بیٹی ”امامہؑ“ پیدا ہوئی جن کے مختصر حالات پیچھے گزر چکے ہیں۔ ابو العاصؓ سیدہ زینبؓ کے سانحہ ارتحال سے سخت متاثر ہوئے۔ پاس وفا کا یہ عالم تھا کہ گھریلو تکالیف صبر کے ساتھ برداشت کرتے رہے لیکن دوسرا نکاح نہیں کیا۔ بالآخر ذی الحج ۱۲ھ میں یہ بھی خالق حقیقی کے حضور پہنچ گئے۔

۲۔ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ

یہ آنحضرت ﷺ کی دوسری بیٹی ہیں۔ بعثت سے نو سال پہلے پیدا ہوئیں اور بعض کے نزدیک سات سال قبل۔ اکثر اہل سیر کے نزدیک سیدہ رقیہؓ اور سیدہ ام کلثومؓ دونوں بہنوں کا نکاح بعثت سے پہلے ابولہب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے ساتھ ہوا۔ بعض حضرات کے نزدیک یہ کوئی باضابطہ نکاح نہیں تھا بلکہ منگنی کی صورت میں ”امتناب نکاح“ تھا اور شادی بیاہ کی ابھی نوبت نہیں آئی تھی۔

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ:

(سیدہ رقیہ کی) پہلے ابولہب کے بیٹے عتبہ کے ساتھ شادی ہوئی۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ یہ شادی قبل از نبوت ہوئی تھی۔ آنحضرت ﷺ کی دوسری صاحبزادی ام کلثومؓ کی شادی بھی ابولہب کے دوسرے لڑکے عتیبہ کے ساتھ ہوئی تھی۔ جب آنحضرتؐ کی بعثت ہوئی اور آپؐ نے دعوت اسلام کا اظہار کیا تو ابولہب نے بیٹوں کو جمع کر کے کہا اگر تم محمدؐ کی بیٹیوں سے علیحدگی اختیار نہیں کرتے تو تمہارے ساتھ میرا سونا بیٹھنا حرام ہے۔ دونوں فرزندوں نے باپ کے حکم کی تعمیل کی۔

آنحضرتؐ نے سیدہ رقیہؓ کی شادی حضرت عثمانؓ کے ساتھ کر دی۔ دولابی نے لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ ان کا نکاح زمانہ جاہلیت میں ہوا۔ خود ایک روایت حضرت عثمانؓ سے مروی ہے جس میں زمانہ جاہلیت کی تصریح ہے۔

(سیرت النبی جلد دوم ص ۳۹۳)

جناب طالب ہاشمی صاحب لکھتے ہیں کہ جب سورۃ تبَّتْ یَٰذَا اَیُّیْہِیْ لَہَب

نازل ہوئی تو عتبہ نے اپنے باپ کے حکم کے مطابق حضرت رقیہ کو طلاق دے دی۔

(تذکار صحاحیات ص ۲۲، بیات اربعہ از مولانا محمد نافع صاحب ص ۱۷۲)

جبکہ طبرانی کی روایت میں ہے کہ سورۃ لہب نازل ہونے کے بعد نبی اکرمؐ نے عتبہ سے سیدہ رقیہ کو طلاق دینے کا مطالبہ کیا تھا۔ روایات میں اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ طلاق کا معاملہ اعلان نبوت کے بعد کا ہے یا سورۃ لہب کے نزول کے بعد کا۔

عتبہ بن ابی لہب کے ساتھ سیدہ رقیہؓ کے باضابطہ نکاح کی روایت تحقیقی معیار پر پوری نہیں اترتی۔ صحیح یہی ہے کہ ۴ نبوت میں سیدہ رقیہؓ کا نکاح حضرت عثمان غنیؓ کے ساتھ ہوا۔ مذکورہ روایت کی رو سے سیدہ رقیہؓ اور سیدہ ام کلثومؓ دونوں بہنوں کو بیک وقت طلاق دے دی گئی۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ قریشی سرداروں نے خانہ کعبہ میں ایک مجلس منعقد کی جس میں آپؐ کو ترغیب و ترہیب کے ذریعے مرعوب کر کے دعوت اسلام سے باز رکھنے کی مذموم کوشش کی گئی۔ آپ ﷺ استقامت کے ساتھ اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ اسی موقع پر ابو لہب کو یہ کہہ کر بھڑکایا گیا کہ تمہارا بھتیجا تمہیں دوزخ کا ایندھن بنا رہا ہے تو اس پر ابو لہب کی عداوت کی ابتداء ہوئی (قبل ازیں ابو لہب کے حالات کے تحت یہ بتایا جا چکا ہے کہ ابو طالب کی وفات کے بعد ابو لہب نے بھی آنحضرتؐ کی حمایت کا اعلان کیا تھا) اہل سیر نے بھی طلاق کے زمانے کا تعین سورہ لہب کے نزول کے بعد کیا ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ سورۃ کے نزول کے فوراً بعد طلاق کی نوبت نہیں آئی بلکہ دیگر سرداران قریش کے اشتعال دلانے کے بعد اس کی نوبت آئی اور اس اشتعال کے وقت کا تعین مجلس کعبہ

سے کیا گیا ہے جس میں آپؐ کو ترغیب و ترہیب دی گئی۔ اس کے فوراً بعد معاشرتی مقاطعہ کا واقعہ پیش آیا۔ اس بایکٹ کا سال بالاتفاق مہربوت تحریر کیا گیا ہے۔ جس میں بنو ہاشم میں سے صلہ رحمی کرنے والوں کو شعب بنی ہاشم میں محصور کر دیا گیا تھا۔ جبکہ ابو لہب کو اس بایکٹ سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔ ابو لہب مودودی صاحب سورہ لہب کے زمانہ نزول کے بارے میں لکھتے ہیں:

اس کے کئی ہونے میں تو مفسرین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن ٹھیک ٹھیک یہ متعین کرنا مشکل ہے کہ کئی دور کے کس زمانے میں یہ نازل ہوئی تھی۔ البتہ ابو لہب کا جو کردار رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کی دعوت حق کے خلاف تھا اس کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس سورۃ کا نزول اس زمانے میں ہوا ہوگا جب وہ حضور ﷺ کی عداوت میں حد سے گزر گیا تھا۔ اور اس کا رویہ اسلام کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ بن رہا تھا۔ بعید نہیں کہ اس کا نزول اس زمانے میں ہوا ہو جب رسول اللہ اور آپؐ کے خاندان کا مقاطعہ کر کے قریش کے لوگوں نے ان کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا تھا اور تنہا ابو لہب ہی ایسا شخص تھا جس نے اپنے خاندان والوں کو چھوڑ کر دشمنوں کا ساتھ دیا تھا۔ ہمارے اس قیاس کی بناء یہ ہے کہ ابو لہب حضورؐ کا چچا تھا اور بھتیجے کی زبان سے چچا کی کھلم کھلا مذمت کرنا اس وقت تک مناسب نہ ہو سکتا تھا جب تک چچا کی حد سے گزری ہوئی زیادتیاں اعلانیہ سب کے سامنے نہ آگئی ہوں۔ اس سے پہلے اگر ابتداء ہی میں یہ سورۃ نازل کر دی گئی ہوتی تو لوگ اس کو اخلاقی حیثیت سے معیوب سمجھتے کہ بھتیجا اپنے چچا کی اس طرح مذمت کرے۔ (تفہیم القرآن جلد ششم ص ۵۴)

اس پس منظر میں طلاق والی روایت کو دیکھا جائے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سورۃ

اہل بیت کے نزول، ابو لہب کے ساتھ عداوت کی ابتداء اور مجلس کعبہ کے انعقاد سے دو سال قبل سیدہ رقیہؓ کی حضرت عثمانؓ کے ساتھ شادی ہو چکی تھی اور وہ اس وقت ہجرت کر کے ۵ نبوت میں حبشہ بھی پہنچ چکے تھے۔ علاوہ ازیں روایت میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ سیدہ ام کلثومؓ کو بھی سیدہ رقیہؓ کے ساتھ ہی طلاق دی گئی؛ حالانکہ تحقیقی روایات کے مطابق سیدہ ام کلثومؓ سیدہ فاطمہؓ سے بھی چھوٹی تھیں (جس کا ذکر آگے سیدہ ام کلثومؓ کے حالات میں آ رہا ہے) قابل غور بات یہ ہے کہ دونوں بہنوں کو ایک ساتھ طلاق ہوئی۔ سیدہ رقیہؓ کا طلاق کے بعد سیدنا عثمانؓ کے ساتھ نکاح کر دیا گیا اور یہ ۴ نبوت میں ہوا۔ جبکہ سیدہ ام کلثومؓ طلاق کے بعد اپنے والد کے گھر ہی قیام پزیر رہیں۔ آپؓ نے ان کی شادی کا کوئی انتظام نہیں کیا اور نہ ہی کہیں سے نکاح کا پیغام آیا، حتیٰ کہ مکہ چھوڑ کر مدینہ ہجرت کر گئے۔ وہاں بھی دیگر امور سے فراغت نہ ہوئی۔ جب غزوہ بدر کے موقع پر رمضان ۲ھ میں سیدہ رقیہؓ کا انتقال ہو گیا اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اپنی اس بیٹی کا نکاح جسے بقول ارباب سیر تقریباً گیارہ سال قبل طلاق ہوئی تھی، حضرت عثمانؓ کے ساتھ کر دیا۔

سیدہ رقیہؓ کی شادی حضرت عثمانؓ کے ساتھ وحی الہی کے مطابق ہوئی۔ کنز العمال کی ایک روایت کے مطابق آپؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ میں اپنی بیٹی سیدہ رقیہؓ کا نکاح عثمان بن عفانؓ کے ساتھ کر دوں۔ چنانچہ آپؓ نے سیدہ رقیہؓ کا نکاح عثمانؓ کے ساتھ مکہ ہی میں کر دیا۔

(کنز العمال ج ۱۱ صفحہ ۳۷۵)

نبوت کے پانچویں سال حضرت عثمانؓ سیدہ رقیہؓ کے ہمراہ ہجرت کر کے

حبشہ چلے گئے۔ کافی عرصہ تک نبی اکرمؐ کو حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ کا کچھ حال معلوم نہیں ہوا۔ پھر ایک عورت نے آکر اطلاع دی کہ میں نے ان دونوں کو دیکھا ہے۔ آپؐ نے یہ سن کر دعا دی اور فرمایا ابراہیمؑ اور لوطؑ کے بعد عثمانؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنی بیوی کے ہمراہ ہجرت کی ہے۔ حبشہ کے زمانہ قیام میں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ تھا۔ حبشہ میں یہ اطلاع پہنچی کہ آنحضرتؐ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے والے ہیں تو چند بزرگ جن میں حضرت عثمانؓ اور سیدہ رقیہؓ بھی تھیں مکہ آئے اور آپ ﷺ کی اجازت سے مدینہ منورہ ہجرت کی جہاں انہوں نے حسان بن ثابتؓ کے بھائی اوس بن ثابتؓ کے گھر قیام کیا۔ ۲ھ میں سیدہ رقیہؓ بیمار ہو گئیں تو آنحضرتؐ حضرت عثمانؓ کو ان کی تیمارداری پر مقرر کر کے بدر روانہ ہو گئے۔ جس دن حضرت زید بن حارثہؓ فتح و کامیابی کی بشارت لے کر مدینہ آئے اسی دن سیدہ رقیہؓ نے وفات پائی۔ نبی اکرمؐ غزوہ بدر کی وجہ سے ان کی نماز جنازہ میں شریک نہ ہو سکے اور بدر سے واپسی پر ان کی قبر پر حاضر ہوئے۔

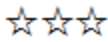
سیدہ رقیہؓ اور حضرت عثمانؓ کی باہمی محبت اور حسن معاشرت لوگوں میں ضرب المثل بن گئی تھی۔ لوگ اس جوڑے کے متعلق کہا کرتے تھے:

احسن الزوجین راہما الانسان۔ رقیۃ وزجھا العثمان

یعنی میاں بیوی کا سب سے اچھا جوڑا جو لوگوں نے دیکھا وہ رقیہؓ اور عثمانؓ ہیں۔

سیدہ رقیہؓ کو بھی یہ شرف حاصل ہے کہ وہ اپنی والدہ اور بہن سیدہ زینبؓ کے

ہمراہ پہلے دن ہی مشرف بہ اسلام ہو گئی تھیں۔



۳۔ سیدہ فاطمہؑ بنت رسول اللہ ﷺ

یہ آنحضرت ﷺ کی تیسری اور عام قول کے مطابق سب سے چھوٹی بیٹی ہیں۔ اہل سیر کے نزدیک ان کی تاریخ ولادت کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ ایک روایت کے مطابق سیدہ فاطمہؑ بعثت کے پہلے سال پیدا ہوئیں۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ صاحبزادہ ابراہیمؑ کے علاوہ آپؐ کی تمام اولاد قبل از نبوت پیدا ہوئی۔ ابن سعد اور ابن جوزی نے لکھا ہے کہ بعثت سے پانچ برس پہلے جب خانہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی اور بعض روایتوں کے مطابق نبوت سے ایک سال پہلے ولادت ہوئی۔ ملا باقر مجلسی لکھتا ہے:

کلینی نے سند صحیح امام محمد باقر سے روایت کی ہے کہ جناب سیدہ کی ولادت رسول خدا کی بعثت کے پانچ سال بعد ہوئی اور آپؐ کا سن شریف بوقت وفات اٹھارہ (۱۸) سال اور پچتر روز تھا۔ اور کشف الغمہ میں ایسی ہی حدیث حضرت صادق سے روایت کی گئی ہے اور شیخ طوسی نے مصباح وغیرہ میں اور اکثر محققین علماء نے ذکر کیا ہے کہ ولادت جناب سیدہ بیسویں جمادی الثانیہ بروز جمعہ دوسرے سال بعثت میں ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ پانچویں سال بعثت میں ہوئی۔ اور اہل سنت نے روایت کی ہے کہ ولادت سیدہ پانچ سال قبل از بعثت ہوئی۔ اور پہلا قول مشہور اور قوی تر ہے۔

(جلاء العیون اردو ص ۱۱)

اسی طرح کا اختلاف سیدہ کی وفات کے بارے میں بھی ہے اس لیے بعض حضرات نے سیدہؑ کو آنحضرت ﷺ کی تیسری بیٹی قرار دیا ہے اور بعض نے چوتھی۔

غزوہ بدر کے بعد حضرت علیؑ نے سیدہ کے ساتھ نکاح کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو آپؑ نے دریافت فرمایا کہ تمہارے پاس مہر میں دینے کے لیے کیا ہے؟ جواب دیا کہ ایک گھوڑے اور زرہ کے سوا کچھ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا گھوڑا تو لڑائی کے لیے ضروری ہے۔ زرہ فروخت کر ڈالو۔ اس کی قیمت چار سو اسی (۲۸۰) درہم مقرر ہوئی۔ حضرت عثمانؓ نے یہ رقم ادا کرنے کے بعد زرہ بھی بطور ہدیہ حضرت علیؑ کو واپس کر دی۔ اس قیمت سے شادی کا ضروری سامان تیار ہوا۔ پھر حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اور دیگر مہاجرین و انصار کو طلب کر کے ان کے سامنے نکاح کر دیا۔ زمانہ نکاح کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔

قاضی سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں کہ یہ نکاح بدر کے بعد اور احد سے پہلے ہوا۔ ایک روایت کے مطابق یہ نکاح شوال ۳ھ میں ہوا اور بعض مؤرخین کے نزدیک غزوہ احد کے بعد ہوا ہے۔

سال کی طرح اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ یہ نکاح کس مہینہ میں ہوا۔ طبری کے بقول یہ نکاح ماہ صفر میں ہوا۔ الاصابہ میں محرم کا ذکر ہے۔ تاریخ خمیس میں ہے کہ صحیح قول کے مطابق رجب میں ہوا۔ اور ایک قول رمضان کا ہے۔ اگر تاریخ خمیس کے صحیح قول (یعنی رجب میں نکاح ہونے) کو ترجیح دی جائے تو یہ رجب ۳ھ ہوگا۔ کیونکہ نکاح کا غزوہ بدر کے بعد ہونا صحیح بخاری سے ثابت ہے۔ اور غزوہ بدر

رمضان ۲ھ میں ہوا تھا۔ (صحیح بخاری، کتاب فرض الخمس و کتاب المغازی باب شہود المظفکة بدر)

آنحضرتؐ ہمیشہ حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کے تعلقات میں خوشگواہی پیدا کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔ چنانچہ جب ان کے درمیان کبھی کبھی خانگی معاملات

کے متعلق رنجش پیدا ہو جاتی تو آپؐ دونوں کے درمیان صلح کر دیتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت علیؑ نے ابو جہل کی بیٹی کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ یہ سن کر حضرت فاطمہؑ نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ آپؐ کی قوم کا خیال ہے کہ آپؐ اپنی بیٹیوں کی حمایت میں ناراض نہیں ہوتے اسی لیے تو علیؑ نے ابو جہل کی بیٹی کو نکاح کرنے کی بات چیت مکمل کر لی ہے۔ نبی اکرمؐ نے منبر پر کھڑے ہو کر پہلے شہد پڑھا پھر فرمایا میں نے ابوالعاص بن ربیع سے اپنی لڑکی کا نکاح کیا تو ابوالعاصؑ نے جو بات مجھ سے کہی، سچ کہی۔ فاطمہؑ یقیناً میرے گوشت کا ٹکڑا ہے اور میں اس بات کو کوارا نہیں کرتا کہ اس کو کوئی صدمہ یا تکلیف پہنچے۔

”وَاللّٰهُ لَا تَجْتَمِعُ بِنْتُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَبِنْتُ عَلِيٍّ عِنْدَ رَجُلٍ وَاحِدٍ“
اللہ کی قسم رسول اللہ کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک شخص کے نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں۔

اس خطبہ کے بعد حضرت علیؑ نے ابو جہل کی بیٹی سے نکاح کا ارادہ ترک کر دیا۔
(صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب ذکر اصحاب النبی منہم ابوالعاص بن ربیع)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی اکرمؐ نے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:
بنی ہشام بن مغیرہ نے مجھ سے یہ اجازت مانگی کہ ہم اپنی بیٹی کی حضرت علیؑ سے شادی کر دیں۔ میں اجازت نہیں دیتا۔ پھر فرمایا میں اجازت نہیں دیتا۔ میں اجازت نہیں دیتا۔ ہاں اگر علیؑ میری بیٹی کو طلاق دے دے اور ان کی بیٹی سے نکاح کر لے تو اسے اختیار ہے۔ کیونکہ فاطمہؑ میرے کلیجے کا ٹکڑا ہے جو برائی اسے پہنچتی ہے وہ مجھے پہنچتی ہے، جو ایذا اسے ہوتی ہے وہ مجھے ہوتی ہے۔ (صحیح بخاری کتاب النکاح، باب ذب الرجل علی اہل فی الغیرۃ والانصاف)

حضرت علیؑ کے برعکس حضرت عثمانؓ نے سیدہ رقیہؓ اور سیدہ ام کلثومؓ کی زندگی میں کبھی نکاح کا ارادہ بھی نہیں کیا اور آپؐ کے بڑے داماد حضرت ابوالعاصؓ نے تو سیدہ زہنبؓ کی وفات کے بعد بھی دوسرا نکاح نہیں کیا۔

نبی اکرمؐ نے حضرت علیؑ اور ابوجہل کی بیٹی کے نکاح کے ضمن میں بروایت حضرت زین العابدینؓ اپنے بڑے داماد حضرت ابوالعاصؓ کی منبر پر حق دامادی کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے فرمایا:

”حَدَّثَنِي فَصْلُغْنِي وَوَعَدْنِي فَرَفِي لِي“

انہوں نے جو بات مجھ سے کہی اسے سچ کر دکھایا اور جو مجھ سے وعدہ کیا اسے

پورا کر دیا۔ (صحیح بخاری، کتاب الانبیاء باب ذکر اصھل النبی منہم ابوالعاص بن الربیع)

سیدہ فاطمہؑ کی وفات مشہور قول کے مطابق نبی اکرمؐ کی وفات کے چھ ماہ بعد پیر کے دن ۳ رمضان ۱۱ھ میں ہوئی۔ جبکہ ایک قول آٹھ ماہ بعد کا ہے۔ اس کے علاوہ تین ماہ، دو ماہ اور ایک ماہ کے اقوال بھی ہیں۔ عسقلانی نے پہلے قول کو اصح قرار دیا ہے۔ (بابی عظمؒ ص ۴۶۲)

یہ آپؐ کی بیٹیوں میں سب سے آخر میں فوت ہوئیں اور باقی تین بیٹیاں آپؐ کی زندگی میں ہی وفات پا گئی تھیں۔ شاید بعض مؤرخین نے آخر میں فوت ہونے سے یہ مفہوم لے لیا ہو کہ یہ سب سے چھوٹی بیٹی ہیں۔

اسماء بنت عمیسؓ نے سیدہ کو غسل دیا۔ جنازہ تیار ہو گیا تو صدیق اکبرؐ نے حضرت علیؑ سے کہا کہ آپؐ جنازہ پڑھائیں۔ جواب میں حضرت علیؑ نے کہا آپؐ کی موجودگی میں پیش قدمی نہیں کر سکتا۔ جنازہ پڑھانا آپؐ ہی کا حق ہے، آپ تشریف

لائیں اور جنازہ پڑھائیں۔ اس کے بعد صدیق اکبرؓ تشریف لائے اور حضرت فاطمہؑ کا چار تکبیر کے ساتھ جنازہ پڑھایا۔ باقی تمام حضرات نے آپؐ کی اقتداء میں نماز جنازہ ادا کی۔

(طبقات ابن سعد تحت ذکرہ فاطمہ)

محبت الطبری نے اس روایت کو یوں نقل کیا ہے:

جعفر صادق اپنے والد محمد باقر سے وہ اپنے والد زین العابدین سے روایت کرتے ہیں کہ مغرب اور عشاء کے درمیان سیدہ فاطمہؑ کی وفات ہوئی۔ ان کی وفات پر حضرات ابو بکر، عمر، عثمان، زبیر اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم تشریف لائے۔ جب نماز جنازہ پڑھنے کے لیے جنازہ سامنے رکھا گیا تو علی المرتضیٰ نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا کہ نماز جنازہ پڑھانے کے لیے آگے تشریف لائیے تو صدیقؓ نے جواب دیا اے ابوالحسن کیا آپ کی موجودگی میں؟ حضرت علیؑ نے کہا آپ آگے تشریف لے آئیے۔ اللہ کی قسم آپ کے بغیر کوئی دوسرا شخص فاطمہؑ کا جنازہ نہیں پڑھائے گا۔ پس ابو بکر صدیقؓ نے فاطمہؑ کی نماز جنازہ پڑھائی اور رات کو ہی انہیں دفن کر دیا گیا۔

(ریاض المعرفۃ جلد اول ص ۱۵۶ تحت باب وفات الفاطمہ)

بعض روایات کے مطابق حضرت علیؑ یا حضرت عباسؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ لیکن شریعت کی روشنی میں پہلا قول ہی زیادہ صحیح ہے۔

حضرت فاطمہؑ کی وفات کے وقت عمر کے بارے میں درج ذیل اقوال پائے جاتے ہیں:

چوبیس (۲۴) سال، پچیس (۲۵) سال، انتیس (۲۹) سال اور تیس (۳۰) سال۔ زرقانی نے انتیس سال والی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے کہا کہ یہ زیادہ صحیح

ہے۔ اور جہور اہل سیر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ یہ صرف اس وقت ممکن ہے کہ جب ان کی ولادت پانچ سال قبل بعثت تسلیم کی جائے۔

اہل تشیع کے نزدیک اصول کافی کی روایت کے مطابق عمر بوقت وفات اٹھارہ سال اور پچتر دن۔ اس صورت میں اگر پچتر دن کو صحیح مان لیا جائے تو سیدہ کی وفات رمضان المبارک میں واقع نہیں ہوتی۔ کیونکہ تحقیقی قول کے مطابق آنحضرت ﷺ کی وفات کیم ربیع الاول ۱۱ھ جبکہ عام قول کے مطابق ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو ہوئی۔ پچتر دن شامل کرنے سے جمادی الاولیٰ کا مہینہ بنتا ہے۔

قاضی سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں کہ:

سیدہ کی عمر کے متعلق قدیم سے اختلاف چلا آتا ہے۔ زبیر بن بکار سے روایت ہے کہ ہشام بن عبد الملک کے پاس حضرت عبد اللہ بن حسن بن حسن آئے۔ وہاں کلبی پہلے سے موجود تھے۔ ہشام نے دریافت کیا کہ سیدہ فاطمہؑ کی عمر کیا تھی؟ عبد اللہ نے کہا تیس سال۔ کلبی نے کہا پینتیس سال۔ ہشام نے کہا ابو محمد سنتے ہو کہ کلبی جو تاریخ میں سریر آوردہ ہے کیا کہتا ہے؟ انہوں نے کہا میری ماں کا حال مجھ سے دریافت کیجئے اور کلبی کی ماں کا حال کلبی سے پوچھ لیجئے۔

(حریر للحالین جلد ۱ ص ۱۱۰)

اس اختلاف سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سیدہ فاطمہؑ کے بارے میں یہ قول کہ وہ آنحضرت ﷺ کی سب سے چھوٹی اور آخری بیٹی ہیں، یقینی اور قطعی نہیں۔ حضرت حسن بن علیؑ کے پوتے نے پورے یقین کے ساتھ کہا کہ میری ماں کی عمر مجھ سے پوچھیے اور وہ تیس سال ہے۔ علاوہ ازیں اہل سیر کے نزدیک سیدہ فاطمہؑ کا حضرت علیؑ

کے ساتھ نکاح رمضان ۲ھ میں ہوا اور رخصتی ذی الحج ۲ھ میں ہوئی۔ جبکہ اہل تشیع کے نزدیک رخصتی محرم ۳ھ میں ہوئی۔ سیدہ ام کلثومؑ کا نکاح حضرت عثمانؓ کے ساتھ ربیع الاول ۳ھ میں اور رخصتی جمادی الاخریٰ ۳ھ میں ہوئی۔

(طبقات ابن سعد جلد ہشتم تحت ذکر ام کلثوم ص ۲۵)

اگر سیدہ ام کلثوم حضرت فاطمہؑ سے بڑی ہوتیں تو حضرت فاطمہؑ کا نکاح اور رخصتی پہلے نہ ہوتی۔

مزید برآں آنحضرتؐ کو سیدہ ام کلثومؑ کے نکاح کی زیادہ فکر ہونی چاہیے تھی اس لیے کہ یہ اولاً عمر میں بڑی ہیں اور ثانیاً یہ کہ بقول مؤرخین انہیں تیرہ چودہ سال قبل طلاق کا داغ بھی لگ گیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود آپؐ نے ام کلثومؑ کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی۔ کیا العیا ذباللہ ایک لمحے کے لیے بھی یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ آپؐ اپنی بیٹی سیدہ رقیہؑ کی وفات کے منتظر تھے تا کہ ان کے بعد دوسری لڑکی حضرت عثمانؓ سے بیاہ دی جائے۔ ایسا نظریہ اہل تشیع کے ہاں تو پایا جاتا ہے کیونکہ وہ سیدہ فاطمہؑ ہی کو آنحضرتؐ کی اکلوتی بیٹی سمجھتے ہیں اور باقی بیٹیوں کو ربائب قرار دیتے ہیں۔

سیدہ فاطمہؑ کے لطن سے حضرت علیؑ کی حسب ذیل اولاد ہوئی:

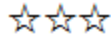
حضرت حسنؑ، حضرت حسینؑ، سیدہ ام کلثومؑ اور سیدہ زہراؑ۔ بعض حضرات نے محسن نامی ایک لڑکے کا ذکر بھی کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سیدہ کے ہاں اس نام کا کوئی لڑکا پیدا نہیں ہوا۔ جس روایت میں محسن کا ذکر ہے وہ خالصتاً صحابہؓ دشمنی میں فاروق اعظمؓ پر تہرا کرنے کے لیے وضع کی گئی۔ چنانچہ ملا باقر مجلسی لکھتا ہے:

حضرت عمرؓ نے جناب فاطمہؑ کے شکم مبارک پر دروازہ گرا دیا جس نے آپ

کی پسلیوں اور پہلو کو شکستہ کر دیا اور اس فرزند کو جو شکم جناب سیدہ میں تھا اور جس کا نام پیغمبر خدا نے محسن رکھا تھا، شہید کیا۔ اس معصوم نے اسی وقت انتقال فرمایا اور جناب فاطمہ نے بسبب اس ضربت کے دنیا سے رحلت فرمائی۔ (جلاء العیون اردو ص ۲۱۲)

سیدہ فاطمہؑ بے شمار فضائل و مناقب کی حامل ہیں۔ سیدہ فاطمہؑ نہایت متقی، صابر، قانع اور دیندار خاتون تھیں۔ گھر کا کام کاج خود کرتی تھیں۔ چکی پیستے پیستے ہاتھوں پر چھالے پڑ جاتے تھے۔ گھر میں جھاڑو دینے اور چولہا پھونکنے سے کپڑے میلے ہو جاتے تھے لیکن ان کے ماتھے پر بل نہیں آتا تھا۔ (مذکار صحاحیات ص ۱۳۲)

ان سے کتب احادیث میں اٹھارہ روایتیں بھی مروی ہیں۔ ان سے روایت کرنے والوں میں سیدہ عائشہ صدیقہؓ، حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ اور حضرت ام سلمہؓ جیسی جلیل القدر شخصیات شامل ہیں۔



۴۔ سیدہ ام کلثومؓ بنت رسول اللہ ﷺ

یہ نبی اکرم ﷺ کی سب سے چھوٹی بیٹی ہیں۔ سیدہ فاطمہؓ کی ولادت کے تین سال بعد اڑھٹھ سال بعد خدیجہؓ ۳۸۔ میلادی اور دو سال قبل بعثت پیدا ہوئیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں:

رسول اکرمؐ کے پہلے فرزند قاسم تھے جو نبوت سے پہلے مکہ میں پیدا ہوئے تھے۔ آپؐ ان ہی کے نام پر کنیت بھی کرتے تھے۔ پھر آپؐ کے صلب سے زینبؓ پیدا ہوئیں پھر رقیہؓ پیدا ہوئیں پھر فاطمہؓ پیدا ہوئیں پھر ام کلثومؓ پیدا ہوئیں۔ عہد اسلام میں یعنی بعثت کے بعد عبداللہؓ پیدا ہوئے جن کا لقب طیب و طاہر تھا۔ ان بیٹوں اور بیٹیوں کی والدہ سیدہ خدیجہؓ تھیں۔

(طبقات ابن سعد، جلد اول، ص ۱۸۹ تحت آنحضرتؐ کی ولادت اور ان کے نام)

دیگر بہت سے اہل سیر نے بھی سیدہ ام کلثومؓ کو سب سے چھوٹی بیٹی قرار دیا

ہے۔ ملا حنظلہؒ:

(جرائع اسیرہ ص ۳۹، جہرۃ الانساب ص ۱۶، سیر اعلام النبلاء جلد ۲ ص ۸۹، البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۳۰۷، اردو و ترجمہ معارف اسلام جلد ۱ ص ۹۰، پنجاب یونیورسٹی لاہور، خلفائے راشدین حسن کردار، جلد ۱ ص ۲۸۸، ترجمہ علامہ سعید الرحمن علی)

شیخ الاسلام علامہ ابن حجر عسقلانی نے بھی سیدہ ام کلثومؓ کے حالات میں لکھا

ہے کہ وہ چھوٹی ہیں یا سیدہ فاطمہؓ اس میں اختلاف ہے۔ (الاصابہ مع لایطیاب جلد ۲ ص ۴۸۹)

”ام کلثوم“ ایک کنیت ہے لیکن سیدہ ام کلثومؓ اسی کنیت کے ساتھ مشہور

ہوئیں جو بظاہر ان کا نام بن گیا تھا۔ اس کے علاوہ ان کا کوئی اور نام کسی روایت سے

ثابت نہیں ہے۔

اہل سیر نے ان کے بارے میں بھی لکھا ہے کہ ان کا پہلا نکاح ابولہب کے بیٹے عتبہ کے ساتھ ہوا تھا۔ باپ کے حکم پر جس طرح عتبہ نے سیدہ رقیہؓ کو طلاق دی تھی اسی طرح عتبہ نے بھی سیدہ ام کلثومؓ کو طلاق دے دی تھی اور ساتھ ہی اس نے نبی اکرم ﷺ کے پاس آ کر کہا:

”میں آپؐ کے دین کا انکار کرتا ہوں اور میں نے آپؐ کی لڑکی کو طلاق دے دی ہے۔ وہ مجھے پسند نہیں کرتی اور میں اسے پسند نہیں کرتا۔“

اس کے بعد اس نے آپؐ پر حملہ کیا اور آپؐ کا پیرا ہن چاک کر دیا۔ آپؐ نے بد و عافرمائی کہ ”اے اللہ اس پر اپنے درندوں میں سے کوئی درندہ مسلط کر دے۔“ چنانچہ ایک مرتبہ قریش کا تجارتی قافلہ شام کی طرف گیا اور مقام زرقا میں ٹھہرا۔ ابولہب اور عتبہ بھی اس قافلے میں تھے۔ رات کے وقت ایک شیر آیا اور وہ قافلہ والوں کے چہروں کو دیکھتا جاتا تھا اور سونگھتا جاتا تھا۔ شیر جب عتبہ کے پاس پہنچا تو فوراً اس کا سر چبایا جس سے اس کا اسی وقت دم نکل گیا۔ اور شیر ایسا غائب ہوا کہ کہیں پتہ نہ چلا۔ (زرقا فی جلد ۳ ص ۲۰۰-۱۹۹ بحوالہ ہادی اعظم ص ۳۹۱ مؤلف مولانا سید فضل الرحمن)

سیدہ رقیہؓ اور سیدہ فاطمہؓ کے حالات کے تحت اس نکاح کا ایک مختصر سا تجزیہ پیچھے گزر چکا ہے۔ بشرط صحت روایت سیدہ ام کلثومؓ کا عتبہ کے ساتھ یہ ”امتناب نکاح“ زیادہ سے زیادہ ممکن کی ایک صورت تھی جو باضابطہ نکاح اور رخصتی سے قبل ہی ٹوٹ گئی تھی۔

آنحضرت ﷺ جب صدیق اکبرؓ کی معیت میں ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت ابورافعؓ کو مکہ بھیجا تا کہ وہ آپؐ کے اہل و عیال کو مدینہ

لے آئیں تو سیدہ ام کلثومؓ اپنی بہن سیدہ فاطمہؓ اور ام المؤمنین سیدہ سودہ بنت زمعہؓ کے ہمراہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچیں۔ رمضان ۲ھ میں سیدہ رقیہؓ زوجہ عثمان غنیؓ کا انتقال ہو گیا۔ ان کے غم میں حضرت عثمانؓ ہر وقت غمگین اور پریشان رہتے تھے۔ ایک دن اسی رنج و غم کے عالم میں بیٹھے ہوئے تھے تو آپؐ نے حضرت عثمانؓ کو افسردہ و پریشان دیکھ کر پوچھا ابو عبد اللہ! (یہ حضرت عثمانؓ کی کنیت ہے) تمہیں کیا ہو گیا ہے جو چہرے سے حزن و ملال کے آثار ظاہر ہیں۔ انہوں نے جواب دیا اے اللہ کے رسولؐ کیا مجھ سے بھی زیادہ کوئی غمگین ہو سکتا ہے کہ خاندان نبوت سے سیدہ رقیہؓ کی وفات کے سبب رشتہ ٹوٹ چکا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنی بیٹی ام کلثومؓ کا تمہارے ساتھ نکاح کر دوں۔

آپؐ نے اپنی بیٹی کے نکاح کے موقع پر فرمایا:

مَا قَا اَزْوُجَ بَنَاتِي وَلَكِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی يُزَوِّجُهُنَّ۔

یعنی میں اپنی بیٹیوں کو اپنی مرضی سے کسی کے نکاح میں نہیں دیتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے نکاحوں کے فیصلے ہوتے ہیں۔ (امعد رک الخاتم تحت ذکر ام کلثومؓ) اسی طرح ایک یہ روایت بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”ما زوجتُ اَلاَ بِوَحْيٍ مِنَ السَّمَاءِ“

میں نے ام کلثومؓ کو حضرت عثمانؓ کی زوجیت میں دینے کا فیصلہ وحی آسمانی کے مطابق کیا۔

(مجمع الزوائد للهيتمي، جلد ۹ ص ۸۳ تذکرہ ام کلثوم، شرح مواهب اللدنیہ للزرقانی جلد ۳

ص ۲۰۰، الاصابہ جلد ۴ ص ۳۹۰ کتاب النساء تحت ام کلثوم)

سیدہ ام کلثومؓ کا نکاح ربیع الاول ۳ھ میں اور رخصتی بھی اسی سال جمادی الاخریٰ کے مہینے میں ہوئی۔ چونکہ حضرت عثمانؓ کے عقد میں یکے بعد دیگرے آنحضرتؐ کی دو نور نظر آئی تھیں اور آپؐ کو دوبارہ داماد بننے کا شرف حاصل ہوا تھا اس لیے عثمان غنیؓ کا لقب ”ذوالنورین“ قرار پایا۔ تاریخ انسانیت میں یہ شرف عثمانؓ کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں۔ (کہ کسی نبی کی دو بیٹیاں کسی ایک شخص کے نکاح میں آئی ہوں)

سیدہ ام کلثومؓ نے تقریباً چھ سال تک ازدواجی زندگی بسر کی۔ عام مؤرخین لکھتے ہیں کہ سیدہ کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اور بعض مؤرخین نے یہ احتمال ظاہر کیا ہے کہ ان کے ہاں بھی ایک لڑکی متولد ہوئی جو بہت کم سنی میں فوت ہو گئی۔ اولاد عثمان غنیؓ میں رقیہ نامی ایک لڑکی کا تذکرہ ملتا ہے جو عہد شیر خوارگی میں انتقال کر گئی تھی اور اس بچی کی والدہ کا نام درج نہیں ہے۔ ممکن ہے یہی بچی بنت ام کلثومؓ ہو جس کا نام اس کی خالہ مرحومہ کی یاد میں رقیہ رکھا گیا ہو۔ واللہ اعلم۔ (بحوالہ حیات انبیاء از میاں محمد سعید صاحب ص ۶۵)

سیدہ ام کلثومؓ نہایت نیک مزاج، خوش اطوار اور ظاہری اور باطنی حسن و جمال سے سرفراز تھیں۔ میاں بیوی کے ازدواجی تعلقات نہایت خوشگوار رہے۔ اور سیدہ نے شعبان ۹ھ میں وفات پائی۔ یہ تیسری بیٹی تھیں جن کا انتقال آپ ﷺ کی زندگی میں ہوا۔ بیٹے بھی آپؐ کے سامنے بچپن میں فوت ہو گئے۔ اب صرف ایک بیٹی سیدہ فاطمہؓ زندہ تھیں جو آپؐ کی رحلت کے چھ ماہ بعد انتقال کر گئیں۔

آنحضرتؐ نے سیدہ ام کلثومؓ کے غسل کے انتظامات فرمائے اور حکم دیا کہ میری بیٹی کو سات بار اچھی طرح غسل دے دو۔ چنانچہ ان ہدایات کے مطابق حضرت

ام عطیہؓ، اسماء بنت عمیسؓ، صفیہ بنت عبدالمطلب اور لیلیٰ بنت قانف نے غسل دیا۔ اس کے بعد آپؐ نے ترتیب کے ساتھ کفن کے لیے یہ کپڑے دیے: ایک چادر، ایک قمیص، ایک اوڑھنی، اس کے بعد ایک چادر اور پھر ایک بڑی چادر اور ساتھ ہی آنکھوں سے اشک رواں تھے۔ (ابوداؤد مستدرج جلد ۶ ص ۳۸۰)

بعد ازاں آپؐ نے بیٹی کی نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت علیؓ، حضرت فضل بن عباسؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ نے قبر میں اتارا۔ اس طرح سیدہ ام کلثومؓ کو اپنی بہن سیدہ زینبؓ کی طرح یہ شرف بھی حاصل ہو گیا کہ ان کی نماز جنازہ ان کے مشفق والد سید الانبیاءؐ نے پڑھائی۔ (سیدہ رقیہؓ کے انتقال کے وقت آپؐ بدر میں تھے اس لیے جنازہ میں شریک نہ ہو سکے۔ بعد میں ان کی قبر پر تشریف لے گئے اور دعا فرمائی)

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ سیدہ ام کلثومؓ کی تدفین کے موقع پر ہم حاضر تھے اور آنحضرتؐ قبر پر تشریف فرما تھے۔ ”فَرَأَيْتُ عَيْنِيهِ تَدْمَعَانِ“ تو میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ (مشکوٰۃ باب فی البیت)

سیدہ ام کلثومؓ کی وفات سے حضرت عثمانؓ کے دکھ میں مزید اضافہ ہو گیا۔ آپؐ نے ان کی تسکین کے لیے فرمایا: اگر میرے پاس دس بیٹیاں ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے عثمانؓ کی تزوین میں دے دیتا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۲۵ تحت ذکر ام کلثومؓ)

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا اگر اللہ مجھے چالیس بیٹیاں عطا فرماتا تب بھی میں یکے بعد دیگرے انہیں عثمانؓ ہی کے عقد میں دیتا۔

اسی طرح حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر میرے پاس سو بیٹیاں ہوتیں اور یکے بعد دیگرے میں ان کا نکاح حضرت عثمانؓ سے

کرتا جاتا۔

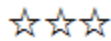
(بحوالہ تاجدار مدینہ کی شہزادیاں ص ۶۰ از سلام اللہ علیہ)

مذکورہ روایات کی رو سے آنحضرتؐ کا حضرت عثمانؓ پر بھرپور اعتماد کا اظہار ہوتا ہے کہ آپؐ ان کے حسن سلوک سے کتنے مطمئن اور خوش تھے اور یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کو آنحضرتؐ سے کتنی قربت حاصل تھی۔

الحمد للہ! یہاں تک ”آل رسولؐ“ کی بحث مکمل ہو گئی ہے جس سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ آنحضرتؐ کی ”آل حقیقی“ میں ازواج مطہراتؓ، بیٹے اور بیٹیاں شامل ہیں ”آل مجازی“ میں نواسے اور نوایاں، ”آل نسبی“ میں تمام اہل ایمان قرابت دار بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب اور ”آل مذہبی“ میں پوری امت مسلمہ داخل ہے۔ اہل تشیع کی تو پوری تاریخ ہی ”حب آل محمدؐ“ کی آڑ میں ”بغض آل محمدؐ“ سے بھری ہوئی ہے۔ لیکن صد افسوس کہ سادہ لوح مسلمانوں اور علمائے کرام کی غالب ترین اکثریت نے ان کے زہریلے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر شعوری یا لاشعوری طور پر ”آل محمدؐ“ کے مفہوم سے سوائے ”چارتن“ (حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرات حسنینؓ) کے باقی سب کو خارج کر دیا۔

اس کے بعد ”اہل بیت“ کے صحیح مفہوم کی تشریح (بعونہ تعالیٰ) پیش

خدمت ہے۔



اہل بیت

آل رسول ﷺ کی طرح اہل بیت کے صحیح مفہوم کو بھی مسخ کر دیا گیا ہے۔ دشمن نے بڑی عیاری اور منصوبہ بندی کے ساتھ اصلی، حقیقی اور قرآنی اہلبیت کو خارج کر کے صرف ”چارتن“ کو اس کا مصداق ٹھہرا دیا ہے جو سوائے سیدہ فاطمہؑ کے زیادہ سے زیادہ تبعاً و فرعاً اور مجازاً اس کے اہل تھے۔

”اہل بیت“ دو لفظوں سے مرکب ہے: ۱۔ اہل اور ۲۔ بیت

اہل: والا، والے۔ وہ سب لوگ اہل کہلاتے ہیں جن کو مذہب یا نسب یا ان دونوں کے علاوہ اور کسی قسم کا کوئی رشتہ یا تعلق مثلاً ایک گھریا ایک ہی شہر میں رہنا، بسنا یا کسی مخصوص صفت اور پیشہ میں شریک ہونا۔

لہذا اہل بیت کی عربی ترکیب کا صحیح اور واحد ترجمہ یہ ہے ”گھر والے“ ظاہر ہے اس ترکیب کا مفہوم متعین کرنے کے لیے کسی تجزیہ و تحلیل کی ضرورت نہیں۔ جس شخص کے اہل بیت کا ذکر ہوگا اسی کے گھر کے متعلقین اس سے مراد ہوں گے۔ اور ان میں ازواج (بیویاں) بدرجہ اولیٰ شامل ہوں گی۔ ازواج کے بعد اس اولاد کا درجہ ہوگا جو والدین کے ساتھ رہائش پذیر ہو۔ دوسرے گھروں میں سکونت رکھنے والی اولاد یا افراد اس شخص کے اہل بیت میں شامل نہیں ہوں گے۔ پہلے ”اہل“ کی لغوی تشریح ملاحظہ فرمائیں:

اہل کی لغوی تشریح

لفظ ”آل“ کی لغوی تشریح میں گزر چکا ہے کہ یہ لفظ اصل میں اَہْل تھا۔
 ہا ہمزہ سے بدل کر دو ہمزے ہوئے اور دوسرے ہمزے کو الف سے بدل
 کر آل بنا دیا گیا۔ اگر لفظ ”اہل“ کو اکیلے استعمال کیا جائے تو اس سے بیوی، مالک،
 تبعین اور حق دار مراد ہوتے ہیں۔ اگر لفظ اہل کو کسی اور اسم سے ملا کر مرکب بنایا
 جائے تو اس کا مطلب والا یا والے لیا جاتا ہے۔ جیسے اہل علم، اہل قرآن، اہل حدیث،
 اہل فقہ، اہل الذکر، اہل القری، اہل قریہ، اہل مدین، اہل یشرب، اہل مکہ، اہل
 مدینہ اہل کتاب، اہل وطن، اہل جنت، اہل النار اور اہل دولت وغیرہ۔ لہذا اہل بیت
 کے معنی ہوئے گھر والے۔ گھر والوں میں خاندان کا سربراہ، اس کی بیویاں، اولاد،
 داماد اور دیگر افراد بشمول ملازمین سب ہی شمار ہوتے ہیں۔ فارسی میں بھی بیوی کو اہل
 خانہ کہا جاتا ہے جو اہل بیت ہی کا فارسی ترجمہ ہے۔

چونکہ اسی لفظ اہل سے آل بنایا گیا تو یہ بھی اہل ہی کے معنی میں ہے۔ مگر اہل
 کی نسبت انسان، گھر، علم، دولت سب کی طرف ہو سکتی ہے مگر آل کی نسبت صرف
 دنیاوی یا دینی عزت و وجاہت والے انسان کی طرف ہی ہوتی ہے۔

لغت عرب میں ”اَہْل“ کا مفہوم:

علامہ ابن منظور افریقی مصری ”اہل“ کے تحت لکھتے ہیں:

أَهْلُ الْقُرْآنِ هُمُ أَهْلُ اللَّهِ وَخَاصَّتُهُ..... وَأَهْلُ الْأَمْرِ وَلَاتُهُ وَأَهْلُ

الْبَيْتِ سُكَّانُهُ وَأَهْلُ الرَّجُلِ أَحْصَى النَّاسُ بِهِ وَأَهْلُ بَيْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ أَزْوَاجُهُ وَبَنَاتُهُ وَصَهْرُهُ..... وَقِيلَ نِسَاءُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ..... وَأَهْلُ كُلِّ نَبِيٍّ أُمَّتُهُ۔
(لسان العرب جلد ۱۱، ص ۲۹ - بیروت)

اہل القرآن وہ لوگ ہیں جو اللہ والے اور اس کے خاص بندے ہیں، اہل
الامر سے مراد نظام سلطنت چلانے والے ہیں، اہل البیت: گھر میں رہائش پذیر لوگ
اہل الرجل: کسی آدمی کے خاص تعلق دار، اہل بیت نبی: آپ کی ازواج مطہرات،
آپ کی بیٹیاں اور آپ کے داماد اور اہل بیت نبی کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ
صرف آپ کی ازواج مطہرات ہی ہیں اور ہر نبی کی اہل اس کی امت ہے۔

تاج العروس للزبیدی:

والاهل للمذهب من يدين به ويعتقده۔ والاهل للرجل زوجته
ویدخل فيه اولاده..... والاهل للنبي ازواجه وبناته وصهره..... وان
اهل كل نبي امته واهل ملته۔

اہل مذہب: اس مذہب کے ماننے والے اور اس پر اعتقاد رکھنے والے، اہل
الرجل: اس کی بیوی اور اس میں اس کی اولاد بھی داخل ہے۔ اہل النبی: نبی کی بیویاں،
بیٹیاں اور داماد اور ہر نبی کے اہل اس کی امت اور اس کی ملت والے ہیں۔

الصحيح للجوهري:

اهل فلان: اى تزوج۔ اَهْلَكَ اللَّهُ فى الجنة
فلاں نے شادی کر لی۔ اللہ تجھے جنت میں بیوی عطا کرے۔

اساس البلاغہ:

قال الزمخشري في الاساس:

تَاهَلَّ: تَزَوَّجَ وَاَهْلَكَ اللَّهُ فِي الْجَنَّةِ -

تَآهَلَّ کے معنی نکاح کر لینے کے ہیں اور اسی سے یہ محاورہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

جنت میں زوجہ عطا کرے۔

مقاييس اللغة:

وقال الخليل:

اهل الرجل زوجته والتاهل: التزوج: نواهل الرجل - اخص الناس به واهل

البيت سكانه واهل الاسلام من يدين به۔ (مقاييس اللغة لابن الحسين احمد بن فارس زكريا)

اور خلیل نے کہا ہے کہ اہل الرجل سے مراد اس کی بیوی ہے اور تَآهَلَّ کے

معنی ہیں شادی کرنا اور اہل الرجل: کسی آدمی کے خاص تعلق دار۔ اہل البيت: گھر

میں رہائش پذیر لوگ اور اہل الاسلام: مسلمان قوم یا امت مسلمہ۔

القاموس:

اهل الامر ولاتہ وللبیت سكانہ وللمنہب من یدین بہ وللرجل

زوجتہ وللنبی ازواجہ وبناتہ وصہرہ (القاموس جلد ۳ ص ۴۳۲)

اہل الامر: نظام حکومت چلانے والے، اہل بیت: گھر کے اندر رہائش پذیر

لوگ، اہل مذہب: مذہب کے پیروکار، اہل الرجل: مرد کی بیوی، اہل النبی: نبی کی

ازواج، بیٹیاں اور داماد۔

المنجد ص ۸۳:

الاهل: کنبہ، رشتہ دار۔ اهل الرجل: بیوی، اهل الامر: حکام، اهل
المنہب: ہم مذہب۔

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

اهل الرجل کے معنی ان لوگوں کے ہیں جو کسی کے ہم نسب یا ہم مذہب
ہوں۔ یا ان سے کوئی رشتہ اور تعلق ہو۔ جیسے ایک گھریا ملک یا شہر میں رہنا۔ یا کسی خاص
صفت اور پیشہ میں شریک ہونا۔ اهل الرجل سے اصل میں تو وہ لوگ مراد ہوتے ہیں
جو ایک مکان میں اس کے ساتھ رہتے ہوں۔ پھر مجازاً آدمی کے قریبی رشتہ داروں پر
یہ لفظ بولا جانے لگا ہے۔
(مفردات لقرآن ص ۳۷ طبع لاہور)

کسی کو خوش آمدید کہنے کے لیے کہا جاتا ہے اَهْلًا وَسَهْلًا اصل میں یہ کلام
اس طرح ہے:

صَادَقْتُ أَهْلًا لَا غُرَبَاءَ وَوَجَدْتُ سَهْلًا لَا وُغْرًا

یعنی تو نے اپنے ہی گھر والوں کو پایا نہ کہ اجنبیوں کو اور تو نرم زمین میں آیا نہ
کہ سخت زمین میں۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ:

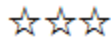
أَهْلٌ: اهل الرجل و اهل الدار: کسی شخص کے متعلقین یا گھر والے۔
صاحب محیط نے لکھا ہے کہ عبرانی زبان میں اہل کے مادے سے اوہل "Ohel" کے
معنی خیمہ ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو کسی کے ساتھ ایک ہی خیمے میں رہتے ہوں۔ اسی طرح

اہل الاسلام: مسلمان۔ آنحضرتؐ کے ذکر میں اہل البیت کی ترکیب میں البیت سے آپؐ کا گھر مراد لے کر اس کے معنی ہوں گے رسول اللہ کے گھر والے۔ اہل بمعنی مستحق اور سزاوار بھی ہے۔ اہل البیت یا اہل بیت النبیؐ سے مراد ہیں: اَزْوَاجُہٗ وَبَنَاتُہٗ وَصِبْہُہٗ یعنی آنحضرتؐ کی بیویاں، بیٹیاں اور داماد۔

صاحب محیط نے لکھا ہے کہ اہل سے بالخصوص بیوی مراد ہوتی ہے۔ دین میں اشتراک کے لیے بھی یہ لفظ قرآن میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً حضرت نوحؑ کو ان کے بیٹے کے سلسلے میں کہا گیا ہے ”اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اٰہْلِکَ“ یہاں اہل میں نہ ہونے کی وجہ دین اور طریق میں عدم شرکت ہے۔ حضرت نوحؑ کا بیٹا حقیقی معنوں میں تب اہل ہوتا جب وہ دین اور طریق میں بھی ان کے نقش قدم پر چلتا۔ اہل کے معنی مالک، حصہ دار اور نمایان شان کے بھی ہیں۔

(ارزو دار و معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور جلد سوم ص ۵۷)

مذکورہ بالا کتب لغت کی رو سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ لفظ آل کی طرح ”اہل“ بھی کثیر المعانی لفظ ہے۔ یہ دونوں لفظ الگ الگ استعمال ہونے کے باوجود تقریباً ایک ہی مفہوم کے حامل ہیں۔ جس طرح آل کے مفہوم میں بیوی، قوم، پیر و کار اور قرابت دار شامل ہیں اسی طرح اہل کے مفہوم میں بھی یہ لوگ داخل ہیں۔



لفظ اہل قرآن میں

آل کی طرح لفظ اہل بھی قرآن مجید میں مختلف معانی میں کثرت کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ مالک، وارث، حق دار، مکین، پیروکار، قوم، امت اور بیوی سب ہی اس سے مراد لیے گئے ہیں۔

۱۔ اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّواْ الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا۔ (النساء، پ ۵، آیت ۵۸)
بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ مانتیں امانت والوں (مالکوں) کو پہنچا دو۔
۲۔ وَاِذْ قَالِ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ لِّمَنَّا مِلًّا مِّنْ اٰمِنًا وَّرِزْقًا مِّنْ اَهْلَةٍ مِّنَ الشَّعَرٰتِ۔ (البقرہ، پ ۱، آیت ۱۳۶)

اور جب کہا ابراہیم نے اے میرے رب، بنا اس کو شرا من کا اور رزق دے اس کے رہنے والوں کو میوے۔

۳۔ الَّذِيْنَ يَقُولُوْنَ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا۔ (النساء، پ ۵، آیت ۷۵)
جو کہتے ہیں اے رب ہمارے نکال ہم کو اس بستی سے کہ ظالم ہیں یہاں کے لوگ۔
۴۔ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا۔ (طہ، پ ۱۶، آیت ۱۳۲)
اور حکم کراپنے گھر والوں (متعلقین اور اتباع کو بھی) نماز کا اور خود بھی قائم رہ اس پر۔

۵۔ وَكَانَ يَأْمُرُ اَهْلَهُ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ۔ (مریم، پ ۱۶، آیت ۵۵)
وہ اپنے اہل (متعلقین اور اتباع) کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے۔

یہاں بھی اہل سے مراد اہل ملت و اہل مذہب ہیں۔

۶۔ وَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ۔ (انفٹ، پ ۲۳، آیت ۷۶)

اور ہم نے نجات دی اس (نوح) کو اور ان کے گھر والوں (متبعین) کو بڑی گھبراہٹ سے۔

۷۔ إِذْ نَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَيْرِينَ۔

(انفٹ، پ ۲۳، آیت ۳۵-۱۳۲)

جب نجات دی ہم نے اس (لوط) کو اور اس کے سارے گھر والوں کو مگر ایک بڑھیا کہ رہ گئی رہ جانے والوں میں۔

یہاں اہل میں بیوی بھی شامل ہے۔ اس لیے اسے مستثنیٰ کیا گیا۔ ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

۸۔ فَإِنَّا نَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ۔ (عراف، پ ۸، آیت ۸۳)

پھر بچا دیا ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو مگر اس کی عورت کہ رہ گئی وہاں کے رہنے والوں میں۔

۹۔ يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَأَهْلَنَا الضُّرُّ۔ (یوسف، پ ۱۳، آیت ۸۸)

اے عزیز ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو (قحط کی وجہ سے) بڑی ہی تکلیف پہنچی۔

۱۰۔ اقْسُوا نَفْسَكُم بِالنَّارِ لِلْبَيْتِ وَأَهْلِهِ ثُمَّ لَتَقُولَنَّ لِوَلِيِّهِ مَا شَهِدْنَا

مَهْلِكَ أَهْلِهِ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ۔ (نمل، پ ۱۹، آیت ۴۹)

انہوں نے کہا آپس میں کہ ہم ضرور اس (صالح) کو اور اس کے گھر والوں کو رات کے وقت جا ماریں گے پھر اس کے وارث سے کہہ دیں گے کہ صالح کے گھر

والوں کے مارے جانے کے وقت ہم تو موجود ہی نہ تھے اور ہم بالکل سچ کہتے ہیں۔
یہاں اہل کالفظ حضرت صالح کی بیوی کے لیے استعمال ہوا ہے اور قرینی
رشتہ داروں کو ولی کہا گیا ہے۔

۱۱۔ قَالَ أَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا۔ (المہج، پ ۱۵، آیت ۷۷)

حضرت موسیٰ نے کہا کیا آپ نے کشتی کو اس غرض سے پھاڑا ہے کہ اہل کشتی
غرق ہو جائیں۔

ظاہر ہے کہ اہل کشتی وہی تھے جو کشتی میں سوار تھے۔ کنارے پر کھڑے یا
گھر میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو تو اہل کشتی نہیں کہا گیا۔ لہذا اہلیت وہی ہوتے ہیں جو
گھر میں مستقل مقیم ہوتے ہیں۔ اور اہل بیت نبی وہی ہوئے جو آنحضرت ﷺ کے
گھر میں ہمیشہ مقیم تھے اور وہ آپ کی ازواج مطہرات کے علاوہ کون ہیں؟

۱۲۔ إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِيهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا۔ (ہمل، پ ۱۹، آیت ۷)

جب موسیٰ نے اپنی بیوی سے کہا کہ مجھ کو آگ دکھائی دی ہے۔

۱۳۔ وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ إِذْ رَأَىٰ نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا۔

(طہ، پ ۱۶، آیت ۱۰-۹)

اور پہنچی ہے تجھ کو بات موسیٰ کی جب اس نے دیکھی ایک آگ تو کہا اپنے گھر
والوں کو ٹھہرو۔

یہاں بھی اہل سے مراد حضرت موسیٰ کی بیوی ہے۔

۱۴۔ فَلَمَّا قُضِيَ الْمَوْلَىٰ الْأَحَلُّ وَسَارَ بِأَهْلِيهِ آنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ نَارًا

اہل بیت رسول کون؟

۳۰۳

لفظ اہل قرآن میں

قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا.....

(انجیل، پ ۲۹، آیت ۲۹)

پھر جب پوری کر چکا موسیٰ وہ مدت اور لے کر چلا اپنے گھر والوں کو۔ دیکھی
کوہ طور کی طرف سے ایک آگ۔ کہا اپنے گھر والوں کو ٹھہرو۔

یہاں دوبارہ ”اہل“ کا لفظ استعمال ہوا ہے اور دونوں سے مراد صرف بیوی ہے۔

شیعہ مفسر ابو علی فضل بن حسن طبرسی لکھتا ہے:

(لَا أَهْلًا) وَهِيَ بِنْتُ شُعَيْبٍ كَانَتْ تَزَوَّجَهَا بِمَلَكَيْنِ۔

(تفسیر مجمع البیان جلد ۲ ص ۵ تہران)

اہل سے مراد بنت شعیب ہیں جن سے موسیٰ نے مدین میں شادی کی تھی۔

شیعہ مفسر فیض کاشانی لکھتا ہے:

وَسَارَ بِأَهْلِهِ (بِأَمْرَاتِهِ)

(تفسیر مانی، جلد ۲ ص ۳۶۰ تہران)

اپنی اہل یعنی بیوی کو لے کر روانہ ہوئے۔

۱۵۔ قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ لَزَا بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَنْ يُسَاجَنَ أَوْ يُعَذَّبَ أَلَيْسَ

(یوسف، پ ۱۲، آیت ۲۵)

اس عورت نے کہا جو تیری بیوی کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے اس کی سزا اس

کے علاوہ کیا ہے کہ اسے قید کیا جائے یا دردناک عذاب دیا جائے۔

اس آیت میں بھی اہل سے مراد بیوی ہی ہے۔

۱۶۔ وَإِذْ غَلَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ۔

(ال عمران، پ ۲، آیت ۱۶)

اور جب صبح کو تو نکلا اپنے گھر سے بٹھلانے لگا مسلمانوں کو لڑائی کے

اہل بیت رسول کون؟

۳۰۴

لفظ اہل قرآن میں

ٹھکانوں پر۔

یہاں ”مِنْ أَهْلِكَ“ سے حضرت عائشہؓ مراد ہیں۔ ان کے گھر سے آپؐ باہر

نکلے تھے۔

شیعہ مفسر فتح اللہ کاشانی لکھتا ہے:

(وَإِذْ غَدَوْتَ) نیا دکن اے محمدؐ چوں بامداد بیرون شدی ”مِنْ أَهْلِكَ“ از

منزل عائشہؓ۔

(تفسیر تاج العماقی، جلد ۳ ص ۳۱۱ تہران)

اور یاد کیجیے اے محمدؐ جب صبح کے وقت آپؐ حضرت عائشہؓ کے گھر سے

باہر تشریف لائے۔

محولہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے ”اہل“ کا لفظ بیوی کے لیے بھی استعمال

کیا ہے۔ اسی سے بیوی کو ”اہلیہ“ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اہل کا لفظ اکثر بیوی

کے لیے استعمال ہوتا ہے اور جہاں بیوی کے لیے قرینہ موجود ہو یا خطاب ہی بیوی

سے ہو وہاں صرف بیوی ہی مراد لی جائے گی۔

☆☆☆

لفظ اہل حدیث میں

کتب حدیث میں بھی ”اہل“ کا اطلاق بیوی پر کیا گیا ہے۔ صرف چند احادیث پیش خدمت ہیں۔

۱۔ ام المؤمنین سیدہ زینب بنت جحشؓ کی شادی کے بعد جب آنحضرت ﷺ حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے تو سیدہ عائشہؓ نے عرض کیا ”کَيْفَ وَجَدْتُ أَهْلَكَ بِسَارِكَ الْمَلَةِ لَكَ“ کہ آپؐ نے اپنی بیوی کو کیسا پایا۔ اللہ تعالیٰ آپؐ کو مبارک فرمائے۔ اس کے بعد آپؐ سے دیگر ازواج مطہراتؓ نے بھی وہی بات کہی جو حضرت عائشہؓ نے کہی تھی۔ (صحیح بخاری۔ کتاب النکاح باب لا تدخلوا بیوت النبی الا ان یرؤنکم)

۲۔ جب دشمنان اسلام نے سیدہ عائشہؓ پر تہمت لگائی تو آپؐ نے ایک خطبہ دیا:

أَتَيْسُرُوا عَلَيَّ فِيْ أَنْاسِ ابْنُوا أَهْلِيْ وَأَيَّمُ اللَّهِ مَا عَلِمْتُ عَلَى أَهْلِيْ مِنْ سُوءٍ قَطُّ وَأَبْنُوهُمْ بِمَنْ وَاللَّهِ مَا عَلِمْتُ عَلَيْهِ مِنْ سُوءٍ قَطُّ وَلَا دَخَلَ بَيْتِيْ قَطُّ إِلَّا وَأَنَا حَاضِرٌ وَلَا غَيْبْتُ فِيْ سَفَرٍ إِلَّا غَمَابَ مَعِيَ وَسَاقِ الْحَدِيثِ بِمَقْصُودِهِ وَفِيْهِ وَلَقَدْ دَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْتِيْ فَسَأَلَ جَارِيَّتِيْ۔ (صحیح مسلم باب فی حدیث الاکف)

فرمایا مجھے ان لوگوں کے بارے میں مشورہ دو جنہوں نے میرے گھر والوں پر تہمت لگائی۔ اللہ کی قسم میں نے اپنی گھر والی پر کوئی برائی نہیں جانی اور جس شخص سے انہوں نے تہمت لگائی اس کی بھی میں نے کوئی برائی کبھی نہیں دیکھی اور نہ کبھی وہ

میرے گھر میں آیا مگر اسی وقت جب میں موجود تھا۔ اور جب میں سفر میں گیا تو وہ بھی میرے ساتھ گیا اور بیان کیا سارا واقعہ حدیث کا اس میں یہ ہے کہ رسول اللہ میرے گھر (بیت عائشہؓ) آئے اور میری لونڈی سے حال پوچھا۔

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے دوبار ”اہل“ کا لفظ بیوی (سیدہ عائشہؓ) کے لیے استعمال فرمایا۔

۳۔ صحیح بخاری میں بھی ”اہل“ کا لفظ بار بار بمعنی بیوی آیا ہے۔

اہل عائشہؓ کے سلسلہ میں جب آنحضرتؐ نے اسامہ بن زیدؓ اور حضرت علیؓ سے مشورہ لیا ”وَيَسْتَشِيرُهُمْ فِي فِرَاقِ أَهْلِهِ“ تو اسامہ بن زیدؓ نے فرمایا ”أَهْلُكَ وَلَا نَعْلَمُ إِلَّا خَيْرًا“ آپؐ کی اہلیہ کے بارے میں ہم اچھائی کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتے۔ پھر حضرت علیؓ اور حضرت بریرہؓ کے مشورے کے بعد آپؐ منبر پر تشریف لائے اور اعلان کیا:

يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ مَنْ يُعْلِنُنِي مِنْ رَجُلٍ قَدْ بَلَغَنِي عَنْهُ آذَاءٌ فِي أَهْلِي وَاللَّهِ مَا عَلِمْتُ عَلَى أَهْلِي إِلَّا خَيْرًا۔ (صحیح بخاری۔ کتاب انغازی باب حدیث الاکف)

اے مسلمانو! اس شخص سے کون بدلہ لیتا ہے جس نے میری بیوی کے بارے

میں مجھے اذیت دی ہے۔ اللہ کی قسم میں اپنی بیوی کو نیک اور پاکدامن ہی سمجھتا ہوں۔

۴۔ عن ابی ہریرۃؓ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا شَبَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْلَهُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ يَبَاغَا مِنْ خُبْرٍ جَنْطَلَةٍ حَتَّى فَارَقَ النَّبِيَّ۔ (صحیح مسلم۔ کتاب الزہد)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ اس ذات کی قسم جس

کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے گھروالوں کو مسلسل تین دن گیارہوں کی روٹی سے سیر نہیں کیا۔ یہاں تک کہ دنیا سے تشریف لے گئے۔

۵۔ ایک دوسری روایت میں ابی حازم کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ابو ہریرہؓ بار بار اپنی دونوں انگلیوں سے اشارہ کرتے اور کہتے:

وَالَّذِي نَفْسُ أَبِي هُرَيْرَةَ بِيَدِهِ مَا شَبَعَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَهْلُهُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ يَبَاغَا مِنْ خُبْرٍ حَنْطَةٍ حَتَّى فَارَقَ الدُّنْيَا۔

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں ابو ہریرہؓ کی جان ہے کہ اللہ کے نبیؐ اور ان کے گھروالے کبھی تین دن پے درپے گیارہوں کی روٹی سے سیر نہیں ہوئے یہاں تک کہ دنیا سے تشریف لے گئے۔ (صحیح مسلم، کتاب الزہد)

۶۔ صحیح مسلم ہی کی ایک روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا:

إِنِّي لَأَنْقَلِبُ إِلَى أَهْلِي فَأَجِدُ التَّمْرَةَ سَاقِطَةً عَلَى فِرَاشِي۔

کہ میں اپنے گھروالوں کے پاس لوٹا ہوں تو اپنے بستر پر کھجور پڑی ہوئی پاتا ہوں۔

۷۔ عَنْ عَمَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِئْزَرَهُ وَآخَى لَيْلَهُ وَأَيْقَظَ أَهْلَهُ۔ (متفق علیہ بحوالہ معارف الحدیث، جلد ۳ ص ۱۱۳)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب رمضان کا عشرہ اخیرہ شروع ہوتا تو آپؐ کمر کس لیتے اور شب بیداری کرتے اور اپنے گھروالوں کو بھی جگا دیتے۔

ظاہر ہے کہ یہاں اہل سے مراد ازواج مطہراتؓ ہی ہیں۔ کیونکہ دیگر متعلقین تو اپنے اپنے گھروں میں مقیم تھے۔

۸۔ جب حضرت عثمانؓ اپنی اہلیہ سیدہ رقیہؓ کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ گئے تو آنحضرتؐ نے فرمایا:

إِنَّ عُثْمَانَ الْأَوَّلَ مَنِ هَاجَرَ إِلَى اللَّهِ بِأَهْلِيهِ بَعْدَ لُحُودٍ۔ (رواہ الطبرانی)

بے شک عثمانؓ ان لوگوں میں سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے حضرت لوطؑ کے بعد اپنی بیوی کے ساتھ اللہ کی طرف ہجرت کی۔

۹۔ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِيهِ

وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِيٍّ۔ (جامع ترمذی باب فی فضل ازواج النبی)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم میں بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے لیے بہتر ہے، اور میں اپنی ازواج کے لیے بہتر ہوں۔ امام ترمذی نے اس روایت کو ازواج النبی کی فضیلت میں نقل کیا ہے۔

بہر حال ازروئے لغت قرآن اور حدیث ”اہل“ کا اطلاق بیوی پر بھی ہوتا ہے۔

اہل البیت کا مفہوم

یہ دو لفظوں سے مرکب ہے؛ اہل اور البیت

”اہل“ کی اضافت جب گھریا آدمی کی طرف کی جائے تو اس سے مراد اس کی بیوی ہوتی ہے؛ جیسے:

إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِهِ: جَبِ مَوْتِي نَظَرِي بِمَوْتِي مِنْ أُمَّي بِمَوْتِي مِنْ أُمَّي

وَسَارَ بِأَهْلِي: اپنی بیوی کو لے کر چلے۔

مَسَحَرَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا: جو تیری بیوی کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے اس کی کیا سزا ہے؟

وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ: اور جب آپ اپنی گھر والی کے پاس سے نکلے۔ اور

وَاللَّهُ مَا عَلِمْتُ عَلَىٰ أَهْلِي إِلَّا خَيْرًا۔ (الحديث): اللہ کی قسم میں اپنی بیوی کے بارے میں خیر کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتا۔ اور

كَيْفَ وَجَدْتُ أَهْلَكَ: آپ نے اپنی بیوی کو کیسا پایا؟

”الْبَيْت“: اصل میں بیت کے معنی انسان کے رات کے ٹھکانے کے ہیں۔ کیونکہ بسات کا لفظ رات کو کسی جگہ اقامت کرنے پر بولا جاتا ہے۔ لیکن اس کے بعد یہ لفظ مطلق مسکن اور مکان کے معنوں میں استعمال ہونے لگا ہے۔ عام اس سے کہ وہ مٹی

اور پتھر سے بنایا گیا ہو یا اون اور بالوں سے۔ (مفردات القرآن، ص ۱۳۲)

بیت النبی سے مراد آنحضرت ﷺ کے وہ گھر ہیں جن میں آپ ازواج

مطہراتؑ کے ہمراہ رہائش پذیر تھے۔ ”اہل“ کی ”اہل بیت“ کی طرف اضافت کرنے سے اس کا معنی ہوگا ”گھر والے“۔ چونکہ گھر سے بیوی کو خاص تعلق ہوتا ہے اس لیے اسے اہل بیت یعنی گھر والی کہا جاتا ہے۔ لفظ اہل بیت ہر زبان میں بیوی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ فارسی میں اہل خانہ بیوی کو کہا جاتا ہے۔ ہندی میں گھر والی کو کہتے ہیں۔

یہ لفظ روزمرہ کی بول چال میں بھی بیوی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ”گھر سے کیسے ہیں؟“ یا ”گھر سے گھر میں سلام“۔ جب کسی کی شادی ہوتی ہے تو عربی میں کہتے ہیں ”نَسَّاهْلَ فُلَانٍ“ فلاں گھر والا بیوی والا ہو گیا۔ اردو میں یوں کہا جاتا ہے کہ فلاں نے گھر بسالیا یا لڑکی اپنے گھر کی ہو گئی۔ کیونکہ ماں باپ کا گھر اس کا اصلی گھر نہیں ہوتا۔ اس کا اصل گھر وہ ہوتا ہے جہاں وہ شوہر کے ساتھ رہتی ہے۔ جو اس کی زندگی کا مرکز محور ہوتا ہے۔ جب بیٹی کی شادی ہو گئی تو اب یہ اپنے شوہر کی اہل بیت ہو گئی اور بیٹی کی اولاد (نواسے نواسیاں) اپنے حقیقی باپ کی طرف منسوب ہوں گی یہاں تک کہ نواسوں کی ذات قوم بھی بدل جاتی ہے۔

اگر ایک سید یا قریشی کی لڑکی غیر سید یا غیر قریشی کے ساتھ بیاہی گئی تو اس کی اولاد سید یا قریشی نہیں کہلائے گی۔ آنحضرت ﷺ کے جو نواسے نواسیاں (ازدطن سیدہ زہنبؓ و سیدہ رقیہؓ) حضرت ابوالعاصؓ اور حضرت عثمانؓ سے پیدا ہوئے وہ اموی کہلاتے ہیں نہ کہ ہاشمی۔ کیونکہ ان کے والد کا تعلق بنو امیہ سے تھا۔ لہذا اہل بیت نبیؐ سے مراد اصلاً و حقیقتاً ازواج مطہراتؑ ہیں اور قرآن سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ صرف مجازاً و فرعاً و اولاد، اقارب اور تبعین پر بھی اس کا اطلاق ہو سکتا ہے۔

آپؐ کے بیٹے تو بچپن ہی میں انتقال کر گئے اور بیٹیاں بالغ ہوئیں اور شادی

کے بعد اپنے شوہروں کے گھروں میں منتقل ہو گئیں تو اس طرح سیدہ زینبؓ اہل بیت ابی العاصؓ ہیں۔ سیدہ رقیہؓ و سیدہ ام کلثومؓ اہل بیت عثمانؓ اور سیدہ فاطمہؓ اہل بیت علیؓ ہیں۔ کیونکہ ان کے لیے گھروں کی فراہمی کی ذمہ داری ان کے شوہروں پر ہی عائد ہوتی ہے۔ شرعاً ہر شخص پر فرض ہے کہ وہ اپنی بیوی کو نان و نفقہ اور رہنے کے لیے مکان دے۔ بیٹیوں کے لیے نکاح کے بعد نان و نفقہ اور مکان شرعاً باپ کے ذمہ فرض نہیں ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جو شخص جس مکان میں ہمیشہ رہنے والا ہوتا ہے وہی اس کا ”اہل“ کہلواتا ہے۔ نہ کہ وہ شخص جو بطور مہمان چند دن کے لیے کسی کے گھر رہے۔ مثلاً اہل مصر اس شخص کو کہیں گے جو مصر میں مستقل رہائش پذیر ہو۔ وہ نہیں جو تفریح یا تعلیم کے لیے وہاں عارضی طور پر گیا ہو۔ اسی طرح اہل بیت اس کو کہیں گے جو ہمیشہ کے لیے اس گھر میں رہنے والا ہو۔ اور ہمیشہ کے لیے کسی کے بیت (گھر) میں رہنے والا اس کی بیوی کے علاوہ رسماً و عادتاً و شرعاً، عرفاً و قانوناً اور کوئی نہیں ہے۔ لہذا بیویوں کے علاوہ اہل بیت کا حقیقی و اصلی مصداق کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔

جہاں تک بیت النبیؐ یا بیوت النبیؐ کا تعلق ہے وہ آنحضرتؐ نے اپنی ازواج مطہراتؓ کی مستقل سکونت کے لیے تعمیر فرمائے۔ ہر زوجہ مطہرہ کے لیے علیحدہ بیت کا انتظام کیا تو اس طرح ہر زوجہ مطہرہ اہل بیت نبیؐ کی حقیقی مصداق ہو گئیں۔ کیونکہ جیسا کہ ثابت ہو چکا ہے کہ اہل بیت کا لفظ بنیادی طور پر اور حقیقت کے اعتبار سے بیوی کے لیے ہی مستعمل ہے۔

جہاں تک اہل تشیع کے اس دعویٰ کا تعلق ہے کہ ”اہل بیت“ کا مصداق صرف حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ ہیں، ازواج مطہراتؓ

اس میں شامل نہیں ہیں کیونکہ وہ آج اگر بیوی ہے تو کل اس ”بیت“ سے بے دخل ہو جائے گی؛ تو یہ دعویٰ لغو، باطل اور خلاف حقیقت ہے۔ ازواج مطہراتؑ اس ”فرضی“ اصول سے بھی مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان کی حیثیت عام بیویوں کی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں آنحضرت ﷺ سے ”طلاق“ یا ان کی جگہ کسی دوسری بیوی کے لانے کا اختیار سلب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

لَا يَجْعَلُ لَكَ الْبَيْتُ مِنْ بَعْدِي وَلَا أَنْ تَبْدُلَ بِهِ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ
أَعْتَبْتُكَ حُسْنُهُنَّ..... (سورۃ الاحزاب، آیت ۵۲)

(اس کے بعد آپؐ کے لیے مزید عورتیں حلال نہیں ہیں اور نہ یہ کہ آپؐ ان کی جگہ اور عورتیں تبدیل کریں اگرچہ آپؐ کو ان کا حسن پسند آئے)
تو وہاں ازواج مطہراتؑ کی دائمی حرمت کا حکم بھی جاری کیا ہے۔

وَمَا تَكُنْ لَكُمْ أَنْ تُرْكُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ
بَعْدِهِ أَبَدًا..... (سورۃ الاحزاب، آیت ۵۳)

اور تمہیں مناسب نہیں کہ اللہ کے رسولؐ کو ایذا دو اور نہ یہ کہ ان کی بیویوں سے ان کے بعد کبھی نکاح کرو۔

جب اس حکم الہی سے ازواج مطہراتؑ کی ”بیت النبیؐ“ کے ساتھ دائمی وابستگی ثابت ہو گئی ہے تو پھر انہیں ”اہل بیت“ سے خارج کون کر سکتا ہے؟

علاوہ ازیں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ازواج مطہراتؑ کی تعداد تیرہ ہے۔ (جبکہ جمہور کے نزدیک گیارہ ہے اور دو کو باندیاں قرار دیا گیا ہے) ان تیرہ

امہات المؤمنینؑ میں سے چھ یعنی سیدہ خدیجہؑ، سیدہ سودہؑ، سیدہ عائشہ صدیقہؑ، سیدہ ام حبیبہؑ، سیدہ حفصہؑ اور سیدہ ام سلمہؑ عربیہ قریشیہ ہونے کی وجہ سے آنحضرتؐ کے سلسلہ نسب میں داخل ہیں۔ جبکہ تین ازواج مطہراتؑ سیدہ زینب بنت جحشؑ، سیدہ زینب بنت خزیمہؑ اور سیدہ میمونہؑ عربیہ وعدنانیہ ہیں۔ یعنی یہ غالب بن فھر (قریش) سے کچھ اوپر معد بن عدنان تک شجرہ نبویؐ میں شامل ہو جاتی ہیں۔

ان ازواج مطہراتؑ میں صرف سیدہ جویریہؑ جو عربیہ تو ہیں لیکن غیر عدنانی ہیں۔ جبکہ سیدہ صفیہؑ، سیدہ ماریہؑ اور سیدہ ریحانہؑ غیر عربیہ ہیں۔

اس تفصیل سے تو یہ بات بھی واضح ہو گئی ہے کہ نوا ازواج مطہراتؑ تو از روئے نسب بھی اہل بیت کا مصداق ہیں۔ یہ تو ضیح ان علماء کے لیے لمحہ فکریہ ہے جو ازواج مطہراتؑ کو صرف بیت سکونت میں شامل کرتے ہیں۔ جہاں تک والدین کے ساتھ رہائش پذیر اولاد کا تعلق ہے تو وہ بھی تبعاً فرعاً، مجازاً اور محاورۃً اہل بیت میں شامل سمجھی جائے گی۔ اس لیے کہ بیوی اصالتاً اہل بیت ہے اور اولاد فرعاً۔ ان دونوں کا فرق یہ ہے کہ فرع کے بغیر اصل کا وجود ہو سکتا ہے لیکن اصل کے بغیر فرع کا تصور بھی ناممکن ہے۔ اولاد کے بغیر بیوی کا وجود ہو سکتا ہے لیکن بیوی کے بغیر اولاد ممکن نہیں۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جس آیت تطہیر کی رو سے ”اہل بیت“ کی اصطلاح مشہور ہوئی اس کے نزول کے وقت یا نزول کے بعد آنحضرتؐ کے صرف ایک بیٹے ابراہیمؑ موجود تھے۔ جو عمر اٹھارہ ماہ فوت ہوئے۔ اور بیٹیوں میں تو اس وقت کوئی بھی بیت النبیؐ میں رہائش پذیر نہیں تھی۔ یہ سب ہی شادی کے بعد اپنے اپنے شوہروں کے گھر منتقل ہو گئی تھیں اور انہوں نے اپنی وفات تک حضرت ابوالعاصؑ،

حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے گھروں کو ہی رونق بخشی اور ان ہی گھروں سے ان کے جنازے اٹھائے گئے۔ اگر سیدہ فاطمہؓ اہل بیت نبیؐ میں شامل ہیں تو ان کی دوسری بہنوں کے لیے اس بیت النبیؐ کے دروازے کو کون بند کر سکتا ہے؟ اسی طرح اگر حضرت علیؓ پر مجاز اہل بیت کا اطلاق ہو سکتا ہے تو آپؐ کے دوسرے دامادوں حضرت ابوالعاصؓ اور حضرت عثمانؓ پر اس کا اطلاق کیوں نہیں ہو سکتا؟ اگر حضرات حسنینؓ مجاز اہل بیت ہیں تو علیؓ بن ابی العاصؓ اور عبداللہ بن عثمانؓ کیوں اہل بیت میں شامل نہیں؟ اگر سیدہ ام کلثومؓ اور سیدہ زینبؓ دختر ان علیؓ اہل بیت میں شامل ہیں تو امامہ بنت ابی العاصؓ کو کیونکر خارج کیا جاسکتا ہے؟

اگر ”چارتن“ اہل بیت ہیں تو جن ہستیوں کے لیے وہ گھر تعمیر ہوئے تھے، جو مستقل طور پر ان گھروں میں مقیم رہیں جو مجازاً، فرعاً و تبعاً نہیں بلکہ اصلاً، حقیقتاً اور از روئے قرآن وحدیث اہل بیت نبیؐ ہیں ان پر اس اصطلاح کا اطلاق کیوں نہیں کیا جاتا؟

قرآن مجید میں از وج مطہراتؓ کے گھروں کو آنحضرت ﷺ کے گھر قرار دیا گیا اور یہ حکم دیا کہ:

لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ

نبیؐ کے گھروں میں بغیر اجازت داخل نہ ہونا۔ اور ان ہی کے گھروں کو ”حجرات“ کا بھی نام دیا گیا۔ (اس نام سے قرآن مجید میں ایک مستقل سورہ بھی ہے) جن کے احترام کے پیش نظر باہر سے بلند آواز سے پکارنے کی بھی ممانعت کر دی گئی:

إِنَّ الَّذِينَ يَنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝

(الحجرات، پ ۲۶، آیت ۴)

اس کے برعکس اہل تشیع بیت النبیؐ اور بیوت النبیؐ میں فرق کرتے ہوئے ازواج مطہراتؑ کو اہل بیت نبیؐ سے خارج قرار دے رہے ہیں۔ ایک شیعہ محقق ناصر حسین فیض آبادی (نارووال) لکھتا ہے کہ:

ازواج النبیؐ اہل بیت نہیں ہیں بلکہ اہل البیوت ہیں۔ آیت تطہیر میں اہل البیت خاص بیت کا ذکر ہے۔ ایک خاص بیت صرف قرآن میں اہل بیت نبیؐ کے لیے استعمال ہوا ہے۔ وہ خاص بیت جناب سیدہ طاہرہ کا ہے جس کا دروازہ صحن مسجد کا حصہ ہے۔ ازواج کی وجہ سے نبیؐ بھی گھروں والے تھے۔ نبیؐ کے لیے بھی بیوت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ سند تطہیر ”الرجس“ سے پاک اہل البیت خاص گھر والے ہیں۔ ازواج نبیؐ کسی حیثیت سے صاحب تطہیر نہیں ہیں کیونکہ ان میں رجس ہے..... ازواج النبیؐ میں رجس واضح ہے۔

(دعوت غور و فکر، ص ۱۸، ج ۱، ص ۲۸۔ دار و در، عمل اندرون موہی گیسٹ لاہور)

اس فرق سے اہل تشیع یہ ثابت کرتے ہیں کہ چونکہ آیت تطہیر میں ”بیت“ واحد مذکور ہے جس سے ازواج مطہراتؑ مراد نہیں لی جاسکتیں کیونکہ جہاں ان کے گھروں کا ذکر کیا گیا ہے وہاں ”بیت“ کی جمع ”بیوت“ مذکور ہے جیسے ”وَفَرَّقْنِي بَيُوتِكُنَّ“ اور ”وَإِذْ كُنَّ مَا يُتْلَىٰ فِي بَيُوتِكُنَّ“

اس فریب دہی کا جواب یہ ہے کہ ازواج مطہراتؑ کے گھروں کی دو حیثیتیں ہیں:

پہلی حیثیت یہ ہے کہ یہ گھرا مہات المومنین کی قیام گاہیں ہیں۔ اور دوسری حیثیت یہ ہے کہ ان گھروں میں آنحضرت ﷺ بھی رہائش پذیر ہیں۔ جب ان گھروں کا ذکر ازواج مطہرات کی قیام گاہوں کی حیثیت سے ہو تو انہیں جمع ذکر کیا جاتا ہے اور جب آنحضرت کی نسبت سے ہو تو واحد۔

”وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ“ میں ہر زوجہ مطہرہ کو حکم ہے کہ وہ اپنے اپنے حجرہ میں ٹھہرے۔ اسی طرح ”وَادْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ“ میں بھی ہر زوجہ مطہرہ کا گھر مراد ہے۔ کیونکہ وحی کا نزول مختلف گھروں میں ہوتا تھا۔ لیکن ”اہل البیت“ میں ”بیت“ سے مراد آنحضرت ﷺ کی قیام گاہ ہے اس لیے اس کو واحد ذکر کیا گیا۔ جب ”اہل البیت“ سے آنحضرت کا گھر مراد ہے تو پھر آنحضرت کے اہل بیت ازواج مطہرات کے علاوہ اور کون ہو سکتے ہیں؟

اس نام نہاد محقق نے ازواج مطہرات کے ساتھ بغض کی بناء پر سید الانبیاء ﷺ کو بھی جس سے آلودہ بیت اور ناپاک گھر کا رہائش پذیر کہہ دیا۔ کیونکہ نبی کے تو وہی گھر ہیں جن میں ازواج مطہرات کی اقامت ہے اور نبی ان میں باری باری قیام فرماتے ہیں۔ سرور کائنات اور ازواج مطہرات کی شان میں گستاخی مذکورہ عبارت سے واضح ہے۔

اسی طرح بعض نیم خواندہ سنی اور گدی نشین حضرات بھی اہل تشیع کے مسموم پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر اپنے سادہ لوح متعلقین کو قرآن وحدیث سے صاف انحراف کر کے یہ تعلیم دیتے ہیں کہ:

”آیت تطہیر میں جو لفظ ”بیت“ آیا ہے وہ مفرد ہے یعنی وہ بیت خاص گھر

ہے، پہچانا ہوا اور دوسرے گھروں سے جدا اور اس گھر میں جو لوگ ایک خاص وقت اور حالت میں تھے وہی اہل بیت ہیں۔ ازواج النبیؐ کے گھر جدا جدا تھے اور ہر زوجہ مطہرہ اپنے علیحدہ علیحدہ گھر میں سکونت پذیر تھی۔ ایک گھر سب ازواج مطہرات کا نہ تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آیت تطہیر کے ماقبل اور مابعد (وقرن فی بیوتکم..... واذکرن ما یتلئ فی بیوتکم) ازواج کے گھروں کو بیوت، بصیغہ جمع تعبیر فرمایا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لفظ اہل بیت تخصیص کے ساتھ فرمایا گیا ہے، اس سے کس زوجہ مطہرہ کا گھر مراد ہے؟ اگر کسی ایک زوجہ مطہرہ کا گھر مراد ہے تو دیگر ازواج اس گھر کی کیسے اہل ہو سکتی ہیں؟ اگر آیت تطہیر میں بیت سے مراد خانہ ہائے ازواج ہیں تو لفظ بجائے اہل بیت کے اہل بیوت، بصیغہ جمع بولا جاتا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں متعدد جگہ نبیؐ کی ازواج کا ذکر آیا ہے اور ان کو ازواج سے یا نساء النبیؐ کے لقب سے پکارا گیا ہے۔ لفظ بیوت، بصیغہ جمع آیت تطہیر کے ماقبل اور مابعد ازواج پر بولا گیا ہے جس سے ظاہر ہوا کہ ازواج مطہرات جو نزول آیت تطہیر کے وقت اپنے اپنے گھروں میں مقیم تھیں وہ آیت تطہیر میں وار لفظ اہل بیت کی مصداق نہیں ہو سکتیں۔ پس ثابت ہوا کہ آیت تطہیر میں لفظ اہل بیت حضورؐ، حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ اور حسینؑ کریمینؑ کے لیے بولا گیا ہے۔“

مذکورہ لغو اور باطل استدلال خود ان حضرات کی اپنی کم علمی اور جہالت کا واضح ثبوت ہے۔

دراصل اہل بیت کا لفظ اسم جنس ہے جس کا اطلاق قلیل و کثیر پر ہوتا ہے۔ آیت تطہیر میں تمام گھروں کو بوجہ حضورؐ کے ایک گھر سمجھا گیا تو اہل بیت

فرمایا اور جب گھر ہر زینہ مطہرہ کا ہے تو اضافت ازواج مطہرات کی طرف کردی۔ ”وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ“ اور ”وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ“ ظاہر ہے کہ ہر بیوی کا گھر دراصل حضور ہی کا گھر ہے تو اس طرح تمام بیویوں کے گھروں کو حضور کے گھر قرار دے دیا گیا ”لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ“ اس انتساب سے ازواج مطہرات کے گھروں کا شرف و تقدس اپنے کمال کو پہنچ گیا۔ یعنی جو گھر نبی کا ہے وہی ازواج مطہرات کا ہے۔

اس بات کی تائید صحیح بخاری کی متعدد احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ:

”لَمَّا كُنَّا رُسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَأْذَنَ اَزْوَاجَهُ اَنْ يَمْرُضَ فِي بَيْتِي فَاذِنَ لَهٗ“ (صحیح بخاری۔ کتاب فرض الخُمس۔ باب مناعة بني نُبوت اذِنَ النبي ونائب بن النُبوت باليهن۔ رقم الحديث ۳۰۹۹، كتاب المؤمره باب الغسل والمؤمره بنى البخضب والقذح والخضب والجحلى رقم الحديث ۱۹۸) ۴

”قَالَتُ عَمَّايشَةُ تُرَوِّقِي النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِي وَفِي بُرُوتِي.....“ ۵

”عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ اَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخْبَرَتْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عِنْدَهَا وَاَنَّهَا سَمِعَتْ صَوْتَ اِنْسَانٍ يَسْتَأْذِنُ فِي بَيْتِ حَفْصَةَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللَّهِ هَذَا رَجُلٌ يَسْتَأْذِنُ فِي بَيْتِكَ (بَيْتِ حَفْصَةَ).....“ (صحیح بخاری کتاب فرض الخُمس۔ باب مناعة بني نُبوت اذِنَ النبي ونائب بن النُبوت باليهن۔ رقم الحديث ۳۱۰۰، ۳۱۰۵)

جبکہ مؤخر الذکر حدیث کتاب الشہادات باب الشہادۃ علی الانساب

وَالرَّضَايَ الْمُسْتَفِضِينَ..... (رَقْمُ الْحَدِيثِ ۲۶۴۶) میں بھی بیان ہوئی ہے۔
 ان تمام احادیث میں حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے گھروں کے لیے
 لفظ ”بیت“ مفرد استعمال ہوا ہے، پھر اسی گھر کو نبی اکرمؐ کا گھر (بَيْتُكَ) قرار دیا گیا ہے۔
 مذکورہ توضیح سے معترضین اور ناقدین کی یہ ”الجبھن“ بھی دور کر دی گئی ہے کہ
 آیت تطہیر میں ”البیت“ کے لفظ سے ازواج مطہرات کے گھر مراد نہیں لیے جاسکتے
 کیونکہ لفظ ”بیت“ مفرد آیا ہے اگر ازواج مطہرات مراد ہوتیں تو ”بیوت“ بصیغہ جمع
 آتا جیسے ”وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ..... وَادْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ“ میں آیا ہے۔
 حالانکہ امام بخاری مذکورہ احادیث (جن میں لفظ ”بیت“ مفرد آیا ہے)
 معترضین کے باطل استدلال کے رد میں ہی لائے ہیں۔

نیم خواندہ ”سنی“ گدی نشینوں سے درخواست ہے کہ وہ اعتراض کرنے
 سے پہلے صحیح بخاری کے ترجمۃ الباب (جس میں مذکورہ احادیث بیان ہوئی ہیں) کا
 مفہوم کسی عالم دین سے سمجھ لیں۔
 ملاحظہ ہو صحیح بخاری:

(كِتَابُ فَرَضِ الْمُحْصِينَ بِمَا بَ مَاجَاءَ فِي بُيُوتِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ
 وَمَا نُسِبَ مِنَ الْبُيُوتِ إِلَيْهِنَّ وَقَوْلِ الْمَلِكِ ”وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ“ (الاحزاب ۳۳)
 وَ”لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ“ (الاحزاب ۵۳)

بیوت النبیؐ کی تفصیل

پہلے ازواج مطہراتؑ کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ ام المومنین سیدہ خدیجہؓ:

آنحضرت ﷺ نے عمر پچیس (۲۵) برس سیدہ خدیجہؓ کے ساتھ نکاح کیا۔ پچیس سال تک رفاقت رہی اور سیدہ نے نبوت کے دسویں سال مکہ مکرمہ میں انتقال کیا۔

۲۔ ام المومنین سیدہ سودہ بنت زمعہ:

سیدہ خدیجہؓ کے انتقال کے بعد ۱۱ نبوی میں آپؐ نے سیدہ سودہؓ کے ساتھ شادی کی۔

۳۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ:

ہجرت مدینہ سے پہلے شوال ۱۲ نبوی میں مکہ ہی میں نکاح ہو چکا تھا اور رخصتی ہجرت کے بعد شوال ۱ھ میں عمل میں آئی۔ اس طرح ازواج کی تعداد دو ہو گئی۔

۴۔ ام المومنین سیدہ حفصہ بنت عمر فاروقؓ:

آپؐ نے سیدہ حفصہؓ کے ساتھ شعبان ۳ھ میں شادی کی۔ جس سے حرم نبویؐ کی تعداد تین ہو گئی۔

۵۔ ام المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہؓ:

ذی الحجہ ۳ھ یا صفر ۴ھ میں سیدہ زینبؓ کے ساتھ شادی کی۔ حرم نبویؐ کی

اہل بیت رسول کون؟ ۳۲۱ بیوت النبیؐ کی تفصیل

تعداد چار ہوگئی۔ لیکن شادی کے چند ماہ بعد ربیع الثانی ۴ھ میں ان کا انتقال ہو گیا تو حرم نبویؐ کی تعداد پھر تین رہ گئی۔

۶۔ ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ:

ان کے ساتھ سیدہ زینب بنت خزیمہؓ کی وفات کے بعد جمادی الاخریٰ یا شوال ۴ھ میں شادی کی اور حرم نبویؐ کی تعداد چار ہوگئی۔

۷۔ ام المومنین سیدہ زینب بنت جحشؓ:

ان کے ساتھ ۵ھ میں شادی ہوئی۔ ازواج کی تعداد پانچ ہوگئی۔

۸۔ ام المومنین سیدہ جویریہ بنت حارثؓ:

ان کے ساتھ بھی شعبان ۵ھ میں ہی شادی ہوئی۔ ازواج کی تعداد چھ ہوگئی۔

۹۔ ام المومنین سیدہ ریحانہ بنت زیدؓ:

ان کے ساتھ محرم ۶ھ میں شادی ہوئی اور ازواج کی تعداد سات ہوگئی۔

۱۰۔ ام المومنین سیدہ ام حبیبہ بنت ابی سفیانؓ:

سیدہ ام حبیبہؓ کے ساتھ ۷ھ میں شادی کی۔ ازواج کی تعداد آٹھ ہوگئی۔

۱۱۔ ام المومنین سیدہ صفیہ بنت حبیبہؓ:

جمادی الثانیہ ۷ھ میں ان کے ساتھ شادی ہوئی۔ حرم نبویؐ کی تعداد نو ہوگئی۔

۱۲۔ ام المومنین سیدہ ماریہ قبطیہؓ:

ان کے ساتھ ۷ھ میں ہی شادی ہوئی۔ حرم نبویؐ کی تعداد دس ہوگئی۔

۱۳۔ ام المومنین سیدہ میمونہؓ بنت حارث:

ذی قعدہ ۷ھ میں ہی ان کے ساتھ بھی شادی ہوئی۔ حرم نبویؐ کی تعداد گیارہ ہوگئی۔

سیدہ ریحانہؓ بنت زید نے ۱۰ھ میں وفات پائی جس سے حرم نبویؐ کی تعداد دس رہ گئی۔ ۸ھ سے ربیع الاول ۱۱ھ تک آپ ﷺ نے کوئی نکاح نہیں کیا کیونکہ اس کے بعد نکاح کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ اور نہ ہی کسی باندی کو حرم میں شامل فرمایا حالانکہ آپ کو اس کی اجازت تھی۔ آپ کی وفات کے وقت سیدہ ماریہؓ ہمسیت دس (۱۰) ازواج مطہراتؓ زندہ تھیں۔

اب نبی اکرم ﷺ کے گھروں کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

حضرت خدیجہؓ کے ساتھ شادی سے پہلے نبی اکرمؐ اپنے آبائی گھر میں مقیم رہے، جو مروہ کے مقابل اور مسعی کے سامنے مسجد حرام کے شرقی صحن کے آخر میں سوق اللیل شارع الملک پر آج بھی واقع ہے۔ شادی کے بعد آپؐ دار خدیجہؓ میں منتقل ہو گئے۔ اور ہجرت مدینہ منورہ تک یہیں مقیم رہے۔ آپؐ نے عمر پچیس سال سیدہ خدیجہؓ کے ساتھ نکاح کیا اور ان کے ساتھ ازدواجی زندگی کے پچیس سال گزارے۔ اسی مکان میں آپؐ کے ہاں مشہور روایت کے مطابق دو بیٹے (سید قاسم اور سید عبداللہ) اور چار بیٹیاں (سیدہ زینبؓ، سیدہ رقیہؓ، سیدہ فاطمہؓ اور سیدہ ام

کلثومؓ پیدا ہوئیں اور اسی گھر میں پرورش پائی۔

اسی گھر میں سید قاسم اور سید عبداللہ کی وفات ہوئی اور اسی گھر سے سیدہ زہنبؓ اور سیدہ رقیہؓ کی رخصتی عمل میں آئی۔ انبوت میں ہجرت سے تین سال قبل سیدہ خدیجہؓ کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد سیدہ سودہؓ بنت زمعہ آپؐ کے حرم میں داخل ہوئیں۔ اور ہجرت تک اسی گھر میں سیدہ فاطمہؓ اور سیدہ ام کلثومؓ کے ہمراہ قیام پذیر رہیں۔ اسی دوران آپؐ نے سیدہ عائشہؓ سے نکاح کر لیا لیکن ان کی رخصتی ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ہوئی۔

جب آنحضرتؐ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تو یہ مکان عقیلؓ بن ابی طالب کے قبضہ میں آ گیا۔ بعد میں حضرت معاویہؓ نے اسے خرید کر یہاں مسجد تعمیر کرا دی۔ مسجد کا ایک دروازہ حضرت ابوسفیانؓ کے اس مکان کی طرف بھی بنایا جس کے متعلق آپؐ نے فرمایا تھا:

”مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ“ (صحیح مسلم۔ کتاب الجہاد۔ باب فتح مکہ)

جو ابوسفیانؓ کے مکان میں داخل ہو گیا اسے امن ہے۔

اس کے بعد مختلف اوقات میں تعمیر و مرمت کا کام ہوتا رہا۔ علامہ طاہر کردی

لکھتے ہیں کہ:

۱۳۶۸ھ میں الشیخ عباس بن یوسف نے از سر نو تعمیر شروع کی جو ۱۳۷۰ھ کو

پایہ تکمیل کو پہنچی۔ اور اس میں حفظ قرآن کاملہ رسہ جاری کیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید

میں ازواج مطہراتؓ کو اہل بیتؑ نبیؐ قرار دے کر ان کے مقدس گھروں کو قرآن وسنت

کی نشرگاہیں قرار دیا ہے۔ ”وَإِذْ كُنْزَ مَائِئِلَ فِي بَيْتِكَ مِنْ أَيْمَنِ اللَّهِ وَالْجَنَّةِ“ تو اس طرح آنحضرت ﷺ کا پہلا گھر سیدنا معاویہ بن ابوسفیانؓ کے ہاتھوں مسجد میں تبدیل ہو کر دین کی نشرگاہ بن گیا۔

سعودی حکومت نے ۱۳۸۵ھ میں جب مسجد حرام کی توسیع کی تو اس مسجدو مدرسہ یعنی بیت خدیجہ کو بھی مسجد حرام کے بیرونی صحن میں شامل کر دیا اور مسعی یعنی سعی کرنے کی جگہ میں بطور یادگار باب النبیؐ کے نام سے ایک دروازہ بنا دیا۔

آنحضرتؐ نے ہجرت کے فوراً بعد مسجد نبویؐ کی تعمیر شروع کی اور مسجد کے مشرقی جانب دو حجرے تعمیر کیے۔ ایک حجرے میں سیدہ سودہ بنت زمعہؓ، سیدہ فاطمہؓ اور سیدہ ام کلثومؓ کے ہمراہ مقیم ہوئیں۔ بعد میں سیدہ فاطمہؓ کی محرم ۳ھ اور سیدہ ام کلثومؓ کی جمادی الاخریٰ ۳ھ میں رخصتی ہو گئی اور سیدہ سودہؓ اپنے حجرے میں تنہا رہ گئیں۔ دوسرے حجرے میں سیدہ عائشہؓ نے رخصتی کے بعد رہائش اختیار کی۔ ان دونوں حجروں کے دروازے مسجد کی طرف کھلتے تھے۔ عام مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ ابتدا میں صرف دو حجرے ہی تھے۔ پھر جوں جوں حرم نبویؐ میں اضافہ ہوتا گیا مزید حجرے تعمیر ہوتے گئے۔ یہ حجرے مسجد کے مشرقی، شمالی اور جنوبی جانب تھے اور ان کی تعمیر میں کچی اینٹ اور کھجور کی شاخیں استعمال کی گئیں۔ ان حجروں کی کل تعداد نو (۹) تھی اور سب کے دروازے مسجد کی طرف کھلتے تھے۔

۲ھ میں تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا تو نماز شمال کی بجائے جنوبی جانب بیت اللہ شریف (مکہ) کی جانب رخ کر کے پڑھی جانے لگی۔ اس تبدیلی سے تعمیرات

میں کوئی خاص ردوبدل نہیں ہوا۔ لیکن ۷ھ میں فتح خیبر کے بعد مسجد کی حدود میں کافی اضافہ ہوا۔ حدود مسجد کی یہ توسیع تمام تر شمالی اور مغربی جانب ہوئی۔ اس لیے تعمیری ردوبدل بھی ان ہی اطراف میں ہوا۔ روایات میں صرف حارثہ بن نعمانؓ انصاری کا اس قدر ذکر ملتا ہے کہ مسجد نبویؐ سے ملحق ان کا مکان تھا۔ بوقت ضرورت یہ اپنے مکان کا تھوڑا تھوڑا حصہ حجرات کی تعمیر کے لیے پیش کرتے رہے اور حضرت عثمانؓ ان کی جگہ اور کچھ ملحقہ زمین خرید کر بارگاہ رسالت میں پیش کر کے جنت کی بشارت سے شرف ہوئے۔

حضرت عائشہؓ کے حجرے کے دونوں جانب حضرت سودہؓ اور حضرت حفصہؓ کے مقدس حجرے تھے۔ سیدہ زہب بنت خزیمہؓ، سیدہ ام سلمہؓ، سیدہ جویریہؓ، سیدہ زہب بنت جحشؓ، سیدہ ام حبیبہؓ اور سیدہ میمونہؓ کے حجرے شمالی جانب تک پھیلے ہوئے تھے۔ سیدہ صفیہؓ کا حجرہ سیدہ عائشہؓ کے حجرے کی سمت میں کچھ فاصلے پر تھا۔

صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق سیدہ صفیہؓ ایک بار آنحضرت ﷺ کے ساتھ ملاقات کے لیے رات کے وقت مسجد نبویؐ میں تشریف لائیں جہاں آپؐ معتلّف تھے۔ واپسی پر آپؐ انہیں گھر کے دروازے تک پہنچانے گئے۔ ان کا حجرہ داراسامہ بن زیدؓ میں تھا اور وہاں انصار کے دو آدمیوں سے ملاقات ہوئی تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ میری اہلیہ سیدہ صفیہؓ ہیں۔ (تا کہ کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو)

حجرہ سیدہ عائشہؓ کو بیت اللہ شریف کے بعد سب سے زیادہ فضیلت حاصل ہے۔ اور یہ وہ شرف و سعادت ہے جس میں کوئی دوسرا

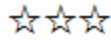
ان کا شریک و سہم نہیں۔ سیدہ عائشہؓ عظمیٰ ہیں کہ آنحضرتؐ نے میرے گھر

میں، میری باری کے دن اور میرے سینہ اور گلو کے درمیان وفات پائی اور اللہ تعالیٰ نے میرے لعاب دہن کی مسواک آپؐ کے دہن سے لگائی۔ اس مبارک حجرہ میں آپ ﷺ نے سب سے زیادہ قیام فرمایا۔ سیدہ سوڈہؓ کے ہاں قیام کے ایام بھی اسی حجرے میں گزرتے تھے۔ وفات سے قبل چند ایام بھی یہیں بسر ہوئے اور وفات کے بعد اسی حجرے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رونق افروز ہو گئے۔ آج حرم نبویؐ، دیا رحیب اور گنبد خضریٰ کے مقدس ناموں سے جس روضہ پاک کو یاد کیا جاتا ہے وہ دراصل یہی حجرہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ ہے۔

اس کے بعد سیدہ عائشہ صدیقہؓ ۵۸ھ تک حجرہ اقدس کے مشرقی حصہ میں رہائش پذیر رہیں۔ اس دوران حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ نے اپنے اپنے دور خلافت میں مسجد نبویؐ کی توسیع کی۔ لیکن ازواج مطہراتؓ کے حجرے اپنی حالت پر رہے۔ مہات المومنینؓ میں سیدہ ام سلمہؓ نے سب سے آخر ۵۹ھ یا ۶۳ھ میں وفات پائی۔ ۸۸ھ تک یہ حجرات اپنی اسی حالت پر قائم رہے اور محض زیارت گاہ کا کام دے رہے تھے۔ اس لیے خلیفہ ولید بن عبدالملک نے کورز مدینہ عمر بن عبدالعزیزؓ کو حکم دیا کہ تمام حجروں کو مسجد نبویؐ میں شامل کر لیا جائے۔

تمام مسلمان ان مقدس حجروں سے عقیدت کی وجہ سے ان کے انہدام کو پسند نہیں کرتے تھے۔ لیکن اس کاروائی میں چونکہ خیر اور اصلاح کا پہلو غالب تھا اور مسجد نبویؐ میں ان حجروں کی شمولیت ان کے شایان شان بھی تھی اور روح اسلام و تعلیمات نبویؐ کے مطابق بھی۔ اس لیے نہایت احتیاط و احترام کے ساتھ ۸۸ھ سے ۹۱ھ تک یہ کام مکمل ہو گیا۔

اس طرح یہ مقدس بیوت النبیؐ اور حجرے جن میں وحی الہی کا نزول ہوتا رہا جن میں رہائش پذیر ازواج مطہراتؓ کو ”اہل بیت“ کے اعزاز سے نوازا گیا، جنہیں دین کی نشر گاہیں قرار دیا گیا بالآخر ولید بن عبد الملک اموی کے دور خلافت میں مسجد نبوی کا حصہ بن کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسلام کا مرکز بن گئے۔ جبکہ ام المومنین سیدہ ماریہؓ کا مکان جو مسجد نبوی سے قدرے فاصلے پر تھا اور ”مشر بہام ابراہیم“ کے نام سے مشہور تھا، بعد کے ادوار میں اس مکان کی جگہ پر بھی مسجد تعمیر کر دی گئی ہے جو ”مسجد مشر بہام ابراہیم“ کے نام سے مشہور ہے۔



بیوت النبی ﷺ کا محل وقوع

۱۔ ام المومنین سیدہ خدیجہ بنت خویلد کا مکان:

سیدہ خدیجہ کا گھر مروہ سے جنوبی طرف سیدنا ابوسفیانؓ کے مکان سے متصل تھا۔ اس کی تفصیل پیچھے ”بیوت النبی“ کے تحت گزر چکی ہے۔

۲۔ ام المومنین سیدہ سودہ بنت زمعہ کا مکان:

سیدہ خدیجہؓ کی وفات کے بعد سیدہ سودہؓ کا نکاح نبی اکرمؐ کے ساتھ ہوا اور وہ تین سال تک مکہ مکرمہ میں سیدہ خدیجہؓ کے گھر میں ہی قیام پذیر رہیں۔ ہجرت کے بعد نبی اکرمؐ نے مسجد کی تعمیر سے فراغت کے بعد مشرقی سمت میں بیک وقت اور بیک ہیئت دو حجرے تعمیر فرمائے۔ ان میں سے مشرقی سمت میں حضرت عائشہؓ کے مکان کے پہلو میں دوسرا حجرہ سیدہ سودہؓ کا تھا جس میں ہجرت کے بعد انہوں نے قیام کیا تھا۔ جس طرح سیدہ سودہؓ نے اپنی باری کا دن سیدہ عائشہ صدیقہؓ کو منپ دیا تھا اسی طرح انہوں نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت اپنا مکان بھی حضرت عائشہؓ کو دے دیا تھا۔

۳۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا مکان:

سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا مکان ”ریاض المسجۃ“ کی مشرقی جانب متصل واقع تھا۔ جنوب میں سیدہ حفصہؓ، شمال میں سیدہ فاطمہؓ اور مشرق میں سیدہ سودہؓ کا مکان تھا۔ نبی اکرم ﷺ کی رحلت بھی اسی مکان میں ہوئی۔ اس طرح سیدہ عائشہؓ کا جو مکان زندگی میں آپؐ کے لیے آرام گاہ تھا اسے وفات کے بعد بھی آپؐ کی آرام گاہ

بننے کی سعادت حاصل ہوئی۔

آپؐ کی رحلت کے بعد سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے مکان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور قبر مبارک اور اپنی سکونت کے درمیان ایک دیوار لگا دی۔ یہ حجرہ پہلے کھجور کی شاخوں کا تھا، سیدنا عمر فاروقؓ نے اس کی دیواریں کچی اینٹوں سے تعمیر کرا دیں۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ اپنی وفات (۱۷ رمضان ۵۸ھ، ۱۳ جولائی ۶۷۸ء) تک اسی حجرہ مبارک میں رہائش پذیر رہیں۔

سیدنا معاویہؓ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے یہ مکان ایک لاکھ اسی ہزار درہم کے عوض خرید کر پوری قیمت ادا کر کے یہ پیش کش کی کہ تا حیات آپؓ اسی مکان میں قیام فرمائیں۔ سیدہ عائشہؓ نے بڑی فیاضی کے ساتھ ساری رقم تقسیم فرمادی اور اپنے لیے ایک درہم بھی باقی نہیں چھوڑا۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے مکان کے قبور مبارک پر مشتمل حصے پر عمر بن عبدالعزیزؒ نے پانچ کوئی دیوار بنائی اور اس میں کوئی دروازہ نہیں رکھا۔ تا کہ اس کے اندر کوئی نہ جاسکے اور نہ ہی قبور مبارک کو دیکھ سکے۔ جب کہ دوسرا حصہ مقصورہ شریف میں شامل ہے۔

۴۔ ام المومنین سیدہ حفصہؓ بشت عمر فاروقؓ کا مکان:

سیدہ حفصہؓ کے ساتھ نبی اکرمؐ کی شادی شعبان ۳ھ میں ہوئی۔ ان کا مکان سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے مکان کے بہت قریب جنوب یعنی قبلہ کی سمت میں واقع تھا۔ دونوں مکانوں کے درمیان ایک تنگ راستہ تھا۔ جس سے بمشکل ایک آدمی گزر سکتا تھا۔ بسا اوقات حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ دونوں اپنے اپنے مکان سے آہستہ

آہستہ گفتگو بھی کر لیا کرتی تھیں۔

ام المومنین سیدہ حفصہؓ کے مکان کا کچھ حصہ اس وقت روضہ اقدسؐ کی جالی کے اندر اور کچھ حصہ باہر واقع ہے۔ جہاں زائرین کھڑے ہو کر سلام پیش کرتے ہیں۔

۵۔ ام المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہؓ کا مکان:

سیدہ زینب بنت خزیمہؓ کا مکان باب جبرئیل سے نکلنے والے راستے پر اور سیدہ فاطمہؓ کے مکان کی مشرقی سمت میں واقع تھا۔ جبکہ سیدہ فاطمہؓ کا مکان حضرت عائشہؓ کے مکان کے متصل شمالی جانب تھا۔

۶۔ ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ کا مکان:

سیدہ زینب بنت خزیمہؓ کی وفات (ربیع الثانی ۴ھ) کے بعد جمادی الاخریٰ یا شوال ۴ھ میں سیدہ ام سلمہؓ کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کا نکاح ہوا۔ اور سیدہ ان ہی کے مکان میں قیام پذیر ہوئیں۔

۷۔ ام المومنین سیدہ زینب بنت جحشؓ کا مکان:

سیدہ زینب بنت جحشؓ ۵ھ میں حرم نبوی ﷺ میں داخل ہوئیں۔ ان کے مکان کے محل وقوع کا صحیح طور پر تعین نہیں کیا جاسکتا۔ مؤرخین نے سیدہ حفصہؓ، سیدہ عائشہ صدیقہؓ، سیدہ سودہؓ، سیدہ زینب بنت خزیمہؓ اور سیدہ ام سلمہؓ کے مکانات کے محل وقوع پر اتفاق کیا ہے۔ البتہ ابن سعد کی ایک روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ زینب بنت جحشؓ کا مکان مسجد نبویؐ کی شمالی سمت میں سیدہ زینب بنت خزیمہؓ، سیدہ ام سلمہؓ، سیدہ ام حبیبہؓ، سیدہ جویریہؓ، سیدہ میمونہؓ کے مکانات کے ساتھ واقع تھا۔ اور اسی

مکان میں نبی اکرمؐ نے ولیمے کی دعوت کا اہتمام فرمایا تھا۔

ازواج مطہراتؓ کے مکانات کی سمت کے بارے میں جو مختلف روایات آئی ہیں ان کے تجزیے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ سب مسجد نبویؐ کی تین سمتوں مشرق، جنوب اور شمال میں واقع تھے۔ جبکہ مغربی سمت میں کوئی مکان نہ تھا۔

۸۔ ام المومنین سیدہ جویریہؓ بنت حارث کا مکان:

یہ قبیلہ بنو مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں اور شعبان ۵ھ میں امہات المومنین میں شامل ہوئیں۔ روایات میں ان کے مکان کا محل وقوع معلوم نہیں ہو سکا۔ اندازاً ان کا مکان مسجد سے شمال مشرق کی سمت میں ’’وکتہ الافوات‘‘ (مسجد نبویؐ) کی خدمت و حفاظت پر مامور عملے کا چبوترہ) کے قریب تھا۔ کیونکہ اسماعیل بن محمد بن اسحاق کی روایت سے اشارہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب سے آخری مکان سیدہ جویریہؓ کا تھا۔

۹۔ ام المومنین سیدہ ریحانہؓ بنت زیدؓ کا مکان:

یہ محرم ۶ھ میں حرم نبوی ﷺ میں داخل ہوئیں اور ان کی شمولیت سے اس وقت ازواج مطہراتؓ کی تعداد سات ہو گئی تھی۔ کیونکہ حضرت خدیجہؓ اور حضرت زہبہؓ بنت خزیمہؓ وفات پا چکی تھیں۔

ارباب سیران کا شمار باندیوں میں کرتے ہیں جبکہ نبی اکرمؐ نے انہیں بیویوں کی طرح رکھا۔ ہا قاعدہ ان کی باری کا دن مقرر کیا اور ان پر پردے کا حکم بھی عائد کیا۔

سیدہ ریحانہؓ کا مکان بھی شمالی سمت کے مکانات میں واقع تھا۔ حجۃ الوداع

سے لوٹتے ہوئے ۱۰ھ میں نبی اکرمؐ کی موجودگی میں ان کا انتقال ہو گیا تھا۔

۱۰۔ ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہؓ کا مکان:

یہ ۷ھ میں حرم نبویؐ میں داخل ہوئیں۔ نبی اکرمؐ نے انہیں دیگر ازواج مطہراتؓ کے ساتھ مسجد کے شمال میں واقع ایک مکان عنایت فرمایا۔ اسی شمالی سمت میں سیدہ ام حبیبہؓ کا ایک ذاتی مملوکہ مکان بھی تھا جو اس وقت کی مسجد نبویؐ سے اتنے فاصلے پر تھا کہ حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور عمر بن عبدالعزیزؓ کی توسیع کے بعد بھی مسجد سے باہر رہا۔

جب عباسی خلیفہ مہدی نے شمالی جانب مسجد نبویؐ میں توسیع کی تو ام حبیبہؓ کے ذاتی مکان کا صرف جنوبی حصہ مسجد میں شامل ہوا۔ کو یہ سیدہ ام حبیبہؓ کا یہ مکان مہدی عباسی کی توسیع کی آخری حد پر واقع تھا۔ جبکہ مکان کا دوسرا حصہ دوسری سعودی توسیع کے نتیجے میں مسجد نبویؐ میں شامل ہو گیا۔ اس طرح اب سیدہ ام حبیبہؓ کے دونوں مکانات مسجد نبویؐ کا حصہ ہیں۔

۱۱۔ ام المؤمنین سیدہ صفیہؓ کا مکان:

سیدہ صفیہؓ ہمدانی الثانیہ ۷ھ میں حرم نبویؐ میں داخل ہوئیں۔ جس سے ازواج مطہراتؓ کی تعداد نو ہو گئی۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق سیدہ صفیہؓ کو شادی کے بعد حضرت حارثہ بن نعمان انصاریؓ کے مکان میں ٹھہرایا گیا۔ یہ وہ سعادت مند صحابی ہیں جنہوں نے مسجد نبویؐ کے ارد گرد اپنے مکانات نبی اکرمؐ کو پیش کر دیے تھے کہ اپنی صوابدید کے مطابق جو جگہ چاہیں اسے اپنے استعمال میں لائیں۔

نبی اکرمؐ جب نکاح فرماتے تو حضرت حارثہ بن نعمان انصاریؓ اپنا ایک مکان خالی کر دیتے۔ یہاں تک کہ انہوں نے مسجد نبویؐ کے ارد گرد واقع اپنے تمام مکانات ازواج مطہراتؓ اور مہاجر صحابہؓ کے لیے خالی کر دیے تھے۔

حضرت حارثہؓ اور سیدہ صفیہؓ کا یہ مکان آج مسجد نبویؐ کے جنوبی صحن میں شامل ہے۔ امام بخاری، ابو داؤد اور ترمذی کے مطابق سیدہ صفیہؓ ایک دفعہ رمضان کے آخری عشرہ میں نبی اکرمؐ سے ملاقات کے لیے رات کے وقت مسجد نبویؐ تشریف لائیں جہاں آپؐ معتکف تھے۔ جب وہ جانے لگیں تو آپؐ انہیں حفاظت کی غرض سے گھر کے دروازے تک پہنچانے گئے۔ ان کا مسکن دار اسامہ بن زیدؓ میں تھا۔ وہاں انصار کے دو آدمیوں سے ملاقات ہوئی تو آپؐ نے فرمایا یہ میری اہلیہ ہیں تاکہ کوئی غلط فہمی نہ ہو۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت صفیہؓ کا یہ مکان دیگر ازواج مطہراتؓ کے مکانات سے کچھ فاصلے پر تھا۔

۱۲۔ ام المومنین سیدہ ماریہ قبطیہؓ:

نبی اکرمؐ نے ۷ھ میں ان کے ساتھ نکاح فرمایا تو ازواج مطہراتؓ کی تعداد دس ہو گئی۔ ارباب سیران کا شمار باندیوں میں کرتے ہیں جبکہ باندی کی فقہی تعریف ان پر صادق ہی نہیں آتی۔

سیدہ ماریہؓ کی رہائش گاہ عوالی کے باغ میں ایک چوبارہ پر تھی جسے ”مشر بہ ام ابراہیم“ کہا جاتا ہے۔ ”مشر بہ“ کے معنی چبوترہ، اوپر کی منزل اور چوبارہ کے ہیں۔ اس کا محل وقوع عوالی میں مسجد بنی قریظہ کے شمال میں ہے۔ وہ آج کل زہراء ہسپتال اور وطنی

ہسپتال کے درمیان ہے۔ شارع علی بن ابی طالب (شارع عوالی) پر زہراء ہسپتال سے بائیں ہاتھ مڑنے والی سڑک پر تقریباً پانچ سو میٹر کے فاصلے پر ہے۔

سیدہ ماریہؓ کے لطن سے نبی اکرمؐ کے بیٹے امیر اہمؓ پیدا ہوئے۔ اس لیے انہیں ”ام امیر اہمؓ“ کہا جاتا ہے۔ اور اسی نسبت سے مشربہ کا نام ”مشربہ ام امیر اہمؓ“ پڑ گیا۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرمؐ نے دیگر ازواج مطہراتؓ سے ایک ماہ کے لیے علحدگی اختیار کی تو سیدہ ماریہؓ کے یہاں اسی مشربہ یعنی چوہا رہ پر قیام فرمایا تھا۔ آنتیس راتوں کے بعد آپؐ نیچے اترے تو پوچھا گیا کہ آپؐ نے تو ایک مہینہ تک کہا تھا۔ فرمایا یہ مہینہ آنتیس روز کا ہے۔ (سنن نسائی، کتاب الطلاق، باب الاہلاء)

بعد کے ادوار میں ”مشربہ امیر اہمؓ“ کی جگہ مسجد بنادی گئی ہے اور مسجد کے پاس ایک قبرستان ہے جس کی حفاظت کے لیے سعودی حکومت نے اس کے گرد دیوار بنادی ہے۔

ازواج مطہراتؓ میں سے صرف سیدہ ماریہؓ کا مکان قدرے فاصلے پر بنایا گیا۔ جبکہ دیگر ازواج مطہراتؓ کے مکانات مسجد نبویؐ کے ساتھ متصل ہی تعمیر کیے گئے تھے۔

۱۳۔ ام المؤمنین سیدہ میمونہ بنت حارثؓ:

ان کے ساتھ نبی اکرمؐ نے ذی قعدہ ۷ھ میں نکاح فرمایا تھا۔ جس سے حرم نبویؐ کی تعداد گیارہ ہو گئی۔ (جبکہ سیدہ خدیجہؓ اور سیدہ زینبؓ بنت خزیمہؓ وفات پا گئی تھیں) متقدمین کی کتب میں اس بات کی کوئی صراحت نہیں ملتی جس سے ان کے

مکان کے محل وقوع کی تعیین ہو سکے۔ لیکن غالب امکان یہ ہے کہ ان کا مکان مسجد نبویؐ سے شمال مشرق میں ”ذکۃ الاغوات“ سے قریب تھا۔

نبی اکرمؐ کی رحلت کے بعد وہ مکہ کے قریب مقام ”سرف“ میں منتقل ہو گئی تھیں۔ جہاں ان کا قبیلہ آباد تھا۔ وہیں ان کی وفات ہوئی۔ اسی جگہ آج بھی قبر مبارک ہے جو شارع ہجرت پر مکہ مکرمہ جاتے ہوئے مکہ سے تقریباً بیس کلومیٹر پہلے دائیں جانب ”قبر میمونہ“ کے نام سے مشہور و معروف ہے۔

اہل بیت نبی ﷺ

اہل بیت نبیؐ کے معنی ہیں نبیؐ کے گھر والے۔ اس سے کون لوگ مراد ہیں؟ اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک اہل بیت کا اطلاق مندرجہ ذیل حضرات پر ہوتا ہے:

۱۔ ازواج مطہراتؑ (امہات المؤمنین)

۲۔ آنحضرتؐ کے بیٹے سید قاسمؑ، سید عبداللہؑ (طیب، طاہر) سید امیرؑ اور بیٹیاں سیدہ زینبؑ، سیدہ رقیہؑ، سیدہ فاطمہؑ اور سیدہ ام کلثومؑ۔

۳۔ آنحضرتؐ کے نواسے علی بن ابی العاصؑ، عبداللہ بن عثمانؑ، حسن بن علیؑ، حسین بن علیؑ اور نواسیاں سیدہ امامہ بنت ابی العاصؑ، سیدہ ام کلثومؑ و سیدہ زینب بنتا علیؑ۔

۴۔ آنحضرتؐ کے تمام اہل ایمان قرابت دار اور وہ حضرات جن پر زکوٰۃ کا مال لینا حرام ہے۔ بنو المطلب اور بنو ہاشم (تفصیل ”آل نبی“ کے عنوان کے تحت

گزر چکی ہے) حضرت عباسؓ اور آل عباسؓ بتصریح ارشادات نبویؐ اہل بیت میں داخل ہیں۔ حافظ ابن حجر نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ:

ایک مرتبہ حضرت زید بن ثابتؓ گھوڑے پر سوار ہوئے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بطور تعظیم و اکرام رکاب تھام لی۔ حضرت زیدؓ نے منع کیا تو حضرت ابن عباسؓ نے کہا ہمیں علماء کے ساتھ اس طرح تعظیم و اکرام کا حکم دیا گیا ہے اس پر حضرت زید بن ثابتؓ نے ابن عباسؓ کے ہاتھ چوم لیے اور فرمایا ہکنا امرنا ان نفععل باہل بیت نبینا ہمیں اپنے نبیؐ کے اہل بیت کے ساتھ اسی طرح کی تعظیم و اکرام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (الامامہ تحت ذکر عبداللہ بن عباسؓ)

۵۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ علاقہ مصاہرت رکھنے والے جیسے خسر اور داماد؛ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابوسفیانؓ بحیثیت خسر اور حضرت ابوالعاصؓ اموی، حضرت عثمانؓ اموی، حضرت علیؓ ہاشمی بحیثیت داماد اہل بیت ہیں۔ یہ ملحوظ رہے کہ یہ حضرات نبی اکرمؐ کے ”بیت نسب“ میں بھی شامل ہیں۔ کیونکہ حضرت ابوبکرؓ ساتویں، حضرت عمرؓ آٹھویں، حضرت ابوسفیانؓ چوتھی، حضرت ابوالعاصؓ چوتھی، حضرت عثمانؓ پانچویں اور حضرت علیؓ دوسری پشت میں نبی اکرمؐ کے نسب میں شامل ہو جاتے ہیں۔

۶۔ آنحضرتؐ نے بعض ایسے حضرات کو جن کے ساتھ کوئی نسبی قرابت نہیں تھی اہل بیت میں شامل فرمایا۔ جیسے حضرت سلمان فارسیؓ کے بارے میں فرمایا ”سلمان منا اہلبیت“ سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہیں۔

ایک صحیح روایت میں آیا ہے کہ حضرت واصلہؓ نے عرض کیا ”وَأَنَا مِنْ أَهْلِكَ“

يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَأَنْتَ مِنْ أَهْلِي“ کہ کیا میں آپؐ کے اہل میں سے ہوں تو آپؐ نے فرمایا کہ آپ میرے اہل میں سے ہیں۔

(روح المعانی، جلد ۲، ص ۱۵)

حضرت زید بن حارثہؓ، اسامہ بن زیدؓ، حضرت جعفر طیارؓ اور حضرت عبداللہ

بن جعفرؓ کو بھی ”اہل بیت نبیؐ“ میں شمار کیا گیا ہے۔ (مختلوف، مناقب اہل بیت النبیؐ)

۷۔ قرآن مجید کی بہت سی آیات میں اہل کا لفظ بمعنی قبیح اور پیرو آیا ہے تو اس اعتبار سے جملہ اہل اسلام اہل بیت نبیؐ میں شامل ہیں۔ اور اس لیے بھی کہ ازواج مطہراتؓ کے گھر ہی نبیؐ کے گھر ہیں۔ جہاں وہ گھر مہبط وحی ہیں وہاں انہیں دین کی نشر گاہیں بھی قرار دیا گیا ہے۔ ازواج مطہراتؓ کی رحلت کے بعد ان گھروں کو کتاب و سنت کی نشر و اشاعت کے لیے مسجد نبویؐ میں شامل کر دیا گیا۔ لہذا اب جس جس کا تعلق اور اعتقاد کتاب و سنت کے ساتھ ہے وہ بھی ایک حد تک اہل بیت نبیؐ میں شامل ہے۔ چونکہ نبی اکرمؐ امت مسلمہ کے روحانی والد اور ازواج مطہراتؓ مائیں ہیں اس لیے بھی جملہ اہل اسلام ”اہل بیت“ میں شامل ہیں۔

مفتی اول دارالعلوم دیوبند مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

بکثرت روایات صحیحہ سے اہل بیت کا سید ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اہل بیت کے جس قدر مناقب احادیث میں مذکور ہیں ان کی بناء پر یہ حکم لگا دینا بے جا نہیں کہ بطون قریش میں سب سے بہتر اور اشرف نسا اہل بیت ہیں۔ البتہ اہل بیت کی تعیین میں علماء کا خلاف ہے کہ اہل بیت کس کو کہتے ہیں۔

محقق اور رائج یہ ہے کہ اہل بیت صرف بنی فاطمہؑ نہیں بلکہ وہ ہیں جن پر صدقہ کرنے کی ممانعت کر دی گئی ہے اور جن کے لیے صدقہ کھانا جائز نہیں ہے،
 ”فی الہدایۃ وہم ال علیؑ وال عباسؑ وال جعفرؑ وال عقیلؑ وال
 الحارث ابن المطلب۔“

یہ حضرات اہل بیت کہلاتے ہیں۔ ان سے بنی فاطمہؑ اور بھی زیادہ افضل ہیں۔ روایات میں جس قدر فضائل بنی فاطمہؑ کے مذکور ہیں اور کے لیے نہیں۔ نیز حضورؐ سے جتنا بنی فاطمہؑ کو قرب حاصل ہے اوروں کو نہیں۔ شاید اسی وجہ سے قدیم زمانہ سے برابر یہ عرف چلا آتا ہے کہ بنی فاطمہؑ ہی کو سید کہتے ہیں.....
 اہل بیت اگرچہ سید ہیں لیکن بنی فاطمہؑ سیادت نسبی میں بلاشبہ اوروں سے بڑھ کر ہیں کیونکہ بنی فاطمہؑ کا نسب آنحضرتؐ سے زیادہ قریب ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مکمل جلد ۱۲، ص ۷۷۔ ۷۸ تحت سوال نمبر ۱۲۱۹۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

حضرت مفتی صاحبؒ اس سوال (کہ بعض بنی ہاشم اپنی سیادت نسبی پر یہ دلیل بیان کرتے ہیں کہ ہم پر ہر قسم کا صدقہ حرام ہے اور نیز ہم اہل بیت میں سے ہیں۔ پس یہ دلیل ان کی سیادت نسبی کے واسطے کافی ہے یا نہیں..... اور یہ لوگ اہل بیت ہیں یا نہیں اور اہل بیت میں کون کون داخل ہیں؟) کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:
 ”ان کا سیادت نسبی کے لیے یہ دلیل پیش کرنا صحیح ہے لیکن عرفان کو سید نہیں کہا جائے گا۔“

اہل بیت کے متعلق ابھی کہہ کر آیا ہوں کہ وہ آل علیؑ اور آل عباسؑ و آل جعفرؑ اور حارث بن عبدالمطلب (موصوف کو یہاں اشتراک اسمی کی وجہ سے غلط فہمی لاحق

ہوئی ہے، یہ حارث بن عبدالمطلب نہیں بلکہ حارث بن المطلب بن عبد مناف ہیں جو عبدالمطلب کے تایا اور مربی ہیں) اور آل عقیلؓ ہیں، صرف بنی فاطمہؓ ہی نہیں۔ الغرض بنو ہاشم میں سے جو حضرات اہل بیت کہلاتے ہیں واجب التعظیم اور بطون قریش میں سب سے باستثناء فاطمین افضل ہیں۔“

(عوالد مکرر ص ۷۷ تحت سوال نمبر ۱۳۳)

یہاں موصوف نے دونوں سوالوں کا جواب دیتے وقت امہات المؤمنینؓ کو ”اہل بیت“ میں شامل نہیں فرمایا جس سے اہل تشیع کے موقف کو تقویت ملتی ہے۔ مفتی صاحبؒ سے یہ ”سھو“ ضرور ہوا کہ وہ اہل بیت کی تعیین و توضیح کرتے وقت موقع محل کے اعتبار سے ازواج مطہراتؓ کا ذکر نہیں فرما سکے۔

علاوہ ازیں مفتی صاحبؒ کا یہ نظریہ کہ ”فاطمین (بنی فاطمہؓ) بطون قریش میں سب سے بہتر، اشرف اور افضل ہیں“ بھی محل نظر اور نص قطعی کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس سے نہ صرف بنی فاطمہؓ اور جن جن پر ”عرفا“ ”سید“ کا اطلاق ہوتا ہے کی بلکہ آل علیؓ، آل عباسؓ، آل جعفرؓ، آل عقیلؓ اور آل حارث بن المطلب کی بھی دیگر قریشی و غیر قریشی صحابہؓ پر فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ یہی نظریہ مشہور دشمن معاویہؓ محمود شاہ محدث ہزاروی نے پیش کیا ہے:

”بلاشبہ سادات حسنی و حسینی جو عالم میں موجود ہیں حضور علیہ السلام کی اولاد اور عزت ہیں اور یقیناً سادات حسنی و حسینی کو حضور سید العالمینؐ کی اولاد ہونے پر بجز انبیاء کے سارے عالم کے لوگوں پر فضیلت و شرف و امتیاز ہے اور کوئی بھی ان کے شرف کو نہیں پہنچ سکتا بھی تو وہ سید کہلائے۔“

(مقاصع اسمیہ ص ۱۵۷)

ارشاد باری ہے کہ:

”لَا يَسْتَوِي مَنُ اتَّقَىٰ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ط أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ
دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ اتَّقَوْا مِن بَعْدِ وَقَاتَلُوا ط وَكَأَلَوْ عَمَدَ اللَّحْهِ الْحُسْنَىٰ ط وَاللَّهُ بِمَا

تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝

(الحديد، آیت ۱۰)

تم میں سے کوئی برابر ہی نہیں کر سکتا ان کی جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے مال
خرچ کیا اور جنگ کی۔ ان کا درجہ بہت بڑا ہے ان سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد مال
خرچ کیا اور جنگ کی (ویسے تو) سب کے ساتھ اللہ نے وعدہ کیا ہے بھلائی کا اور اللہ
تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے بخوبی خبر دار ہے۔

اس موضوع پر مزید بحث آگے زیر عنوان ”حدیث نسب بنی فاطمہؑ“ آرہی ہے۔

مولانا محمد طاہر صاحب قاسمی نبیرہ حضرت محمد قاسم نانوتویؒ لکھتے ہیں کہ:

جن اہل ایمان کو حضور ﷺ سے کسی قسم کی قرابت نسبی حاصل ہے انہیں اہل
بیت کہا جاتا ہے۔ اہل بیت میں حضرت فاطمہؑ، حضرت عائشہؑ اور حضرت عباسؑ، حضرت
حمزہؑ و کل ازواج مطہرات، امام حسنؑ و امام حسینؑ اور دیگر مسلم اعزہ و اقارب رسول داخل
و شامل ہیں۔

(مقتلہ الاسلام ص ۸۰)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ:

ایں حکم ہم اشخاص اہل بیت را شامل است و آں بر شش قسم اند ازواج
واولا و داخوان و اعمام و عمات و کسانیکہ علاقہ مصاہرت دارند یعنی خویش کہ علاقہ زن
باشد مانند خسر و داماد۔

(نفاذ سما پاور اہل بیت ص ۱۶۲)

(اہل بیت کی تعظیم و توقیر اور ان سے محبت) یہ حکم تمام اہل بیت کو شامل

ہے۔ اور اہل بیت چھ قسم کے ہیں: ۱۔ ازواج مطہرات ۲۔ اولاد ۳۔ بھائی ۴۔ چچا ۵۔ پھوپھیاں اور ۶۔ جو لوگ علاقہ مصاہرت رکھتے ہیں جیسے خسر اور داماد۔

صاحب مظاہر حق نواب محمد قطب الدین خان دہلوی لکھتے ہیں:

بعض علماء نے اہل بیت کے بارے میں مختلف روایتوں میں تطبیق اور ان کے اطلاقات کی توجیہ میں یہ کہا ہے کہ ”بیت“ کی تین نوعیتیں ہیں۔ ۱۔ بیت نسب ۲۔ بیت سکنی ۳۔ بیت ولادت

پس بنو ہاشم یعنی عبدالمطلب کی اولاد کو تو نسب اور خاندان کے اعتبار سے آنحضرتؐ کا اہل بیت کہا جائے گا۔ آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہراتؓ کو اہل بیت سکنی کہا جائے گا۔ اور آپؐ کی اولاد کو اہل بیت ولادت کہا جائے گا۔ مگر تمام اولاد میں حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرات حسنینؓ اہل بیت ولادت کے خصوصی و امتیازی مصداق صرف یہی ”چارتن“ مانے جائیں گے..... مؤلف مشکوٰۃ نے جو اس باب (مناقب اہل بیت النبیؐ) میں ازواج مطہراتؓ کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ ان کے لیے علیحدہ باب قائم کیا ہے تو اس کی وجہ بھی یا تو یہ ہے کہ ان کے مخصوص مناقب و فضائل کے اعتبار سے ان کا ذکر مستقل طور پر (اہل بیت نبیؐ کے عنوان سے خارج کر کے) علیحدہ ہی باب میں کیا جانا موزوں جانا گیا یا عرف عام کی رعایت سے ان کا ذکر اہلبیت سے الگ کر کے کیا گیا کیونکہ عام طور سے اہل بیت کا اطلاق ان ہی چارتن پر ہوتا ہے۔

صاحب مظاہر حق علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی نے بہت تکلف سے کام لیا ہے اور کوئی معقول توجیہ پیش نہیں کر سکے۔ پہلی لغزش تو یہی ہوئی کہ جن مقدس ہستیوں (ازواج مطہراتؑ) کو قرآن اہل بیت قرار دے رہا ہے انہیں عرف عام کا لحاظ کرتے ہوئے باب مناقب اہل بیت نبیؐ سے خارج کر دیا حالانکہ انہیں عرف عام کا لحاظ کرنے کی بجائے اللہ کا لحاظ کرنا چاہیے تھا۔

صاحب مظاہر حق ”عرف عام“ سے اتنے مجبور ہیں کہ لکھتے ہیں:

بہر حال ایک طرف وہ روایتیں ہیں جن سے بنو ہاشم اور آنحضرت ﷺ کے اہل و عیال پر اہل بیت کا اطلاق ثابت ہوتا ہے اور دوسری طرف یہ روایتیں ہیں جن سے اہل بیت کا مصداق صرف حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ، حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ معلوم ہوتے ہیں۔ بلکہ ان ہی چہارتن پاک پر اہل بیت کا اطلاق شائع اور مشہور بھی ہے۔ (جلد ۵، ص ۵۷۷)

اس طرح موصوف نے پر زور الفاظ میں ”چہارتن پاک“ والے موقف کو ترجیح دے دی۔ علاوہ ازیں ”بیت“ کی مذکورہ بالا اقسام بھی قابل غور ہیں۔ کیا عہد صحابہؓ و تابعین میں ان اقسام کا وجود تھا؟ مزید برآں اپنی وضع کردہ تقسیم پر بھی عمل نہیں ہے۔ بیت نسب میں بنو ہاشم اور بیت سکینی میں ازواج مطہرات کو شامل کر دیا ہے لیکن ”بیت ولادت“ کے تحت صرف چہارتن کو مخصوص کر کے حقائق کی نفی کر دی ہے۔ بیت ولادت کا معنی تو یہ ہے کہ جو اس گھر میں پیدا ہوں۔ کیا حضرت علیؑ کی ولادت بیت النبیؐ میں ہوئی تھی؟ اس تقسیم سے تو ایک اور الجھن پیدا ہو گئی ہے وہ یہ ہے کہ اہل تشیع کے نزدیک حضرت علیؑ تو ”مولود کعبہ“ ہیں اور کعبہ بیت النبیؐ نہیں بلکہ بیت اللہ ہے۔ اس کے مطابق حضرت علیؑ نبیؐ کے نہیں اللہ کے اہل بیت ہو گئے۔

معلوم نہیں کہ اس تکلف سے کیوں کام لیا گیا جبکہ حضرت علیؑ بنو ہاشم کے ایک ممتاز فرد ہونے کی حیثیت سے بیت نسب میں شامل تھے۔ حضرت فاطمہؑ یقیناً بیت ولادت اور بیت نسب میں شامل ہیں لیکن ان کی بہنوں اور بھائیوں سے کیا جرم سرزد ہو گیا ہے کہ ان کا نام لینا بھی کوارا نہیں کیا گیا۔ (یہ ملحوظ رہے کہ بحث اہل بیت کی چل رہی ہے نہ کہ فضیلت و افضلیت کی) کیا یہ بھی ”عرف عام“ کا تقاضا ہے۔ باقی رہ گئے حضرات حسنینؑ، یہ ہاشمی ہونے کی حیثیت سے بھی نسب میں شامل ہیں لیکن اس بات کا ثبوت کون فراہم کرے گا کہ ان کی ولادت بیت النبیؐ میں ہوئی تھی۔ جبکہ صاحب مظاہر حق اور بعض دیگر علماء نے انہیں بیت ولادت میں شامل کیا ہے۔ اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ حضرات حسنینؑ اور ان کی ہمشیرگان سیدہ ام کلثومؑ اور سیدہ زینبؑ کی ولادت حضرت علیؑ کے گھر میں ہوئی تھی۔ نیز اس تقسیم سے تو آنحضرتؐ کے دیگر نواسے علیؑ و عبداللہؑ اور نواسی سیدہ امامہؑ اہل بیت ولادت سے خارج ہو گئے ہیں۔ کیونکہ وہ بیت ولادت میں شامل نہیں ہیں۔ جبکہ وہ اولاد سیدہ فاطمہؑ کی طرح مجازاً تبعاً و فرعاً و نسباً اہل بیت نبوت میں شامل ہیں۔

جناب مفتی احمد یار خان صاحب کجراتی لکھتے ہیں کہ:

گھر والا ہونے کی تین صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ نبیؐ کے گھر ہی میں پیدا ہوں اور گھر ہی میں رہیں۔ جیسے حضور ﷺ کے چاروں فرزند ارجمند طیب، طاہر، قاسم، ابراہیم۔ دوسرے یہ کہ نبیؐ کے گھر میں پیدا ہوں مگر پھر بعد میں دوسرے گھر میں رہیں جیسے حضور ﷺ کی چاروں صاحبزادیاں زینبؑ، کلثومؑ، رقیہؑ، فاطمہؑ، کہ حضورؐ کے گھر میں پیدا تو ہوئیں مگر نکاح کے بعد اپنے سرال میں رہیں۔ حضرت زینبؑ ابوالعاصؑ کے

گھر میں، رقیہؓ وام کلثومؓ عثمانؓ کے گھر میں، فاطمہؓ علیؓ مرتضیٰؓ کے گھر۔ ان دونوں کو اہل بیت ولادت کہا جاتا ہے۔ تیسرے وہ جو پیدا اور جگہ ہوں مگر بعد میں حضورؐ کے گھر میں رہیں۔ جیسے حضورؐ کی ازواج مطہراتؓ کہ ان کی ولادت اپنے والدین کے گھر ہوئی مگر حضورؐ کے نکاح میں آکر حضورؐ کے گھر میں رہیں۔ انہیں اہل بیت سکونت کہتے ہیں۔ تینوں قسم کے حضرات اہل بیت رسولؐ ہیں۔ لہذا حق یہ ہے کہ حضورؐ کی تمام اولاد، صاحبزادے، صاحبزادیاں اور تمام ازواج حضور ﷺ کے اہل بیت ہیں۔

(تفسیر کبیر، رقا، ۱۵۵، للمعات وغیرہ بحوالہ امیر معاویہؓ ص ۳۸)

اگر ”چارتن“ کی تخصیص کے لیے آل عباؓ و آل کساء کی روایت کا سہارا لیا جائے تو پھر وہی چار نبوت حضرت عباسؓ اور ان کے بیٹوں کے سر پر بھی نظر آتی ہے۔ پھر انہیں کیوں اہل بیت نبوت سے خارج قرار دیا جاتا ہے۔

اگر حضرت علیؓ کو داماد رسولؐ ہونے کی حیثیت سے اہل بیت نبوت میں شامل کیا جاتا ہے تو آنحضرتؐ کے بڑے داماد حضرت ابوالعاصؓ اور دوسرے داماد حضرت عثمانؓ کو اہل بیت نبیؐ میں شامل کرنے سے کون سی چیز مانع ہے۔

صاحب مظاہر حق یہاں قرار کرتے ہیں کہ اگرچہ آپؐ کی تمام ہی اولاد پر اہل بیت ولادت کا اطلاق کیا جانا چاہیے لیکن تمام اولاد میں حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرات حسنینؓ کو جو خاص فضل و شرف اور آنحضرتؐ سے جو کمال قرب و تعلق حاصل تھا اور یہ کہ ان کے فضائل و مناقب جس کثرت سے احادیث میں وارد ہیں اس کی بناء پر اہل بیت ولادت کا خصوصی امتیازی مصداق صرف یہی چارتن مانے جائیں گے۔

(مظاہر حق، جلد ۵، ص ۷۷)

لیکن دہے لفظوں میں اس اقرار کے باوجود ”عرف عام“ سے سخت مرعوب ہیں۔ اور اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت فاطمہؑ کے علاوہ باقی ”تین تن“ پر اہل بیت ولادت کی اصطلاح کا اطلاق کیا ہی نہیں جاسکتا۔ یہ مسئلہ زیر بحث ہی نہیں کہ اہل بیت میں افضل کون ہے؟ مختلف فیہ مسئلہ یہ ہے کہ اہل بیت کا اطلاق کن کن پر ہوتا ہے۔ یہ عجیب منطق ہے کہ جو حضرات اصلی مصداق ہیں انہیں ”مفضول“ سمجھ کر خارج کر دیا جائے اور جو تیسرے درجے میں آئیں انہیں اس کا خصوصی و امتیازی مصداق ٹھہرا کر اولیت دی جائے۔ (افضلیت کا مذکورہ معیار بجائے خود باطل ہے)

دراصل سبائی پروپیگنڈے کے اثرات سے ہمارا دینی لٹریچر بھی محفوظ نہیں رہ سکا۔ باری تعالیٰ اس کے اثرات بد سے تمام مسلمانوں کو اپنی حفاظت میں رکھے۔ آمین

مذکورہ تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ اصطلاح اہل بیت کے حقیقی مصداق کون ہیں۔ مزید برآں جب آنحضرت ﷺ نے ہر زبیہ مطہرہ کو علیحدہ علیحدہ گھر عطا کیا ہے تو ہر گھر کے اہل بیت بھی مختلف ہوں گے۔ یعنی ہر زبیہ مطہرہ کے والدین، بہن بھائی اور دیگر اہل ایمان قریبی رشتہ دار (جن کی آمد و رفت ان گھروں میں رہتی ہے) بھی اہل بیت میں شامل ہوں گے تو ”اہل بیت“ سے متعلق ایک نئی اور طویل بحث شروع ہو جائے گی۔

اہل بیت رسول کون؟ ۳۴۶ اہل تشیع کے نزدیک اہل بیت کا مصداق

اہل تشیع کے نزدیک اہل بیت کا مصداق

اہل تشیع کے نزدیک اہل بیت نبی کا مصداق صرف حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرات حسینؓ ہیں۔ ازواج مطہرات اہل بیت میں شامل نہیں ہیں۔ وہ صرف سیدہ خدیجہؓ اور سیدہ ام سلمہؓ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

چنانچہ غلام حسین نجفی لکھتا ہے کہ:

جناب ام سلمہؓ بڑی نیک دل بی بی ہیں لیکن حضور ﷺ نے اس نیک دل بی بی کو بھی اہل بیت سے دور ہٹا دیا۔ معلوم ہوا جب ام سلمہؓ جیسی بی بی اہل بیت میں داخل نہیں ہو سکتی تو مولا علیؓ کے ساتھ جنگ کرنے والی بھی اہل بیت میں داخل نہیں ہو سکتی۔ اہل بیت و آل نبیؐ وہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ (قول قبول ص ۱۲۰)

یہی مؤلف ایک دوسری کتاب میں لکھتا ہے کہ:

اہل بیت تطہیر نہ تو اصحاب نبیؐ ہیں اور نہ ازواج نبیؐ ہیں۔ بلکہ آیت تطہیر کے مصداق صرف پنجتن پاک ہیں جو کہ ہر گناہ سے پاک ہیں۔ (جامعہ ذکر ص ۹۷)

اہل تشیع کی دلیل یہ ہے کہ جس وقت آیت تطہیر نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے چارتن کو بلایا، ان پر اپنی چادر ڈالی اور فرمایا کہ اے اللہ یہ ہیں میرے اہل بیت ان سے ناپاکی کو دور کر اور ان کو پاک کر دے۔

شیعہ مجتہد بشیر انصاریؒ ”فاسخیکسلہ“ لکھتا ہے کہ:

(حضورؐ نے کمبل میں لینے کے بعد فرمایا) اے اللہ تو کوہ رہنا تو جانتا ہے یہی ہیں میرے اہل بیت جو چادر میں ہیں۔ جو باہر والے ہیں وہ نہیں۔ پروردگار عالم سے

اہل بیت رسول کون؟

۳۴۷

اہل تشیع کے نزدیک اہل بیت کا مصداق

سرکارِ دو جہاں نے کیوں کہا کہ ”الہم ہذا اہل بیتی“ اس لیے کہ سابقہ پیغمبروں کی آوازِ عالم میں کونج رہی تھی اور قرآن میں بھی وہ آواز آرہی تھی حضرت نوحؑ نے کہا تھا کہ ان ابنی من اہلی تو اللہ نے جواب میں کہا ایس من اہلک یہ تیرے اہل میں نہیں ہے۔ بیٹے کا انکار نہیں کیا بلکہ اہل میں سے نہیں ہے اہل کا انکار کر دیا۔ چونکہ نوحؑ نے کہا یہ میرا بیٹا میرے اہل میں ہے تو حضورؐ نے اللہ کے دربار میں کہا کہ اگر تیری نظر میں نہیں تو جیسے نوح کے بیٹے کو نکال دیا انہیں بھی نکال دے۔ اس لیے کہا کہ دنیا کو کیا در ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو پروردگار عالم ان چادر والوں کو یعنی اصحاب کساء کو نکال دیتا۔ عبا کے معنی چادر ہیں، کسا بھی چادر۔ چادر کو عربی میں عبا کہتے ہیں اور چادر والے آل عبا کہلاتے ہیں۔ یہ ہیں وہ بزرگوار، یہ ہیں اہل بیت۔ ان کے سوا اور کوئی نہیں اہل بیت۔ (مقامِ اہل بیت ص ۸۷ از مجمع الاسلام بشیر انصاری)

مشہور شیعہ سکا لر عبد الکریم مشتاق لکھتا ہے کہ:

حقیقت یہ ہے کہ ازواج کو آیہ تطہیر کا مصداق ٹھہرانا نہ صرف کتاب و سنت کے برعکس ہے بلکہ صداقت دین حقہ کے لیے مضر ہے۔ کیونکہ آیہ موصوفہ میں وارد طہارت کا ماحول اس بات کا تقاضا کرے گی کہ اس کا مصداق صاحبِ عظمت ہو۔ یعنی معصوم ہو۔ ایک غیر جانبدار شخص آلودگی حیض، حالات جنابت کی ناپاکی اور قبل از قبول اسلام کفر و جہالت کے تذکرے دیکھ کر ایسی طہارت کے دعویٰ کا مستحکم اڑائے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ جتہادی غلطیوں کی موجودگی بھی مانع طہارت مطلوبہ ہوگی۔ اندریں صورت صداقت کلام الہی پر حرف آئے گا کہ اللہ جس کا ارادہ ازلی ہے ایک جانب تو ظاہری و باطنی طہارت کا ماحول اعلان کرتا ہے تو دوسری طرف ظاہری نجاست سے بھی پاک نہیں رکھتا۔

اہل بیت رسول کون؟

۳۴۸

اہل تشیع کے نزدیک اہل بیت کا مصداق

علاوہ ازیں باطنی ضلالت کا بھی اذہاب نہیں کرتا، پس ایسی خطرناک صورت میں علم خدائے علیم کی بھی نفی ہوتی ہے۔ الغرض جب اللہ اور کتاب اللہ ہی مختلف ہو کر معاذ اللہ غیر معتبر ہو گئے تو پھر خاکم بدہن رسولؐ و اہل بیت رسولؐ کا کیا اعتبار رہے گا۔ پس پورا دین ہی منہدم ہو جائے گا۔ لہذا تحفظ ناموس دین الہیہ کے لیے ضروری ہے کہ دین کو اللہ و رسولؐ کے احکامات کی حدود میں قائم رکھا جائے اور اپنے ناقص خیالات کو دین کے معاملات میں پیش رو نہ بنایا جائے۔ کیونکہ تفسیر بالرائے کو اسی لیے ممنوع ٹھہرایا گیا ہے۔ پس از روئے قرآن مجید، لغت و گرامر، عربی، احادیث پیغمبر، تفاسیر قرآن بمطابق روایات اصحاب النبیؐ و صحابیات رسولؐ، ازواج النبیؐ، اہل بیت الرسولؐ اور علماء اسلام کی کثیر تعداد کے شواہد سے پوری طرح ثابت ہوا کہ آیت تطہیر حضرات خمسہ سرکار ختم الرسل محمد مصطفیٰؐ، سیدۃ النساء العالمین، صدیقہ الکبریٰ فاطمہ الزہراءؑ، سید الاولیاء امیر المؤمنین علی بن ابی طالبؑ، امام الصالحین حسن بن علی اور سید الشہداء حسین مظلوم علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان عظمت و طہارت میں نازل ہوئی ہے۔

(اہل بیت اور ازواج میں فرق، ص ۸۵، ۸۶)

شیعہ مفسر و مترجم سید فرمان علی جس کا ترجمہ قرآن، پاک و ہند میں بار بار شائع ہوا ہے اور اس پر مندرجہ ذیل شیعہ مجتہدین کی تصدیقات ہیں:

- ۱۔ جناب السید نجم الحسن، م ۱۳۵۷ھ ۲۔ جناب السید محمد باقر مجتہد، م ۱۳۳۶ھ ۳۔ جناب السید ظہور حسین مجتہد، م ۱۳۵۷ھ ۴۔ جناب السید کلب حسین مجتہد، م ۱۳۸۳ھ ۵۔ جناب السید ناصر حسین مجتہد، م ۱۳۶۱ھ
- یہ مترجم آیت تطہیر کے تحت لکھتا ہے:

اہل بیت رسول کون؟ ۳۴۹ اہل تشیع کے نزدیک اہل بیت کا مصداق

اس پر تو تمام علماء کا اتفاق ہے اور سنیوں اور شیعوں میں سے کوئی اس کا مخالف نہیں کہ اہل بیت رسول حضرت علی، جناب فاطمہ، امام حسن اور امام حسین ہیں اور اس میں بھی شک نہیں کہ یہ آیت ان ہی بزرگوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ مگر بعض حضرات اہل سنت کا خیال ہے کہ اس میں ازواج بھی شامل ہیں۔ اور مدح و ثنا اور اہل بیت میں داخل لیکن یہ چند وجوہ سے غلط ہے:

۱۔ اگر ازواج مقصود ہوتیں تو جس طرح ماقبل و مابعد کی آیت میں ضمیر جمع مؤنث حاضر تھی اس میں باقی رہتی بلکہ اگر،

۲۔ اس آیت کو درمیان سے نکال لو اور ماقبل اور مابعد کو ملا کر پڑھو تو کوئی خرابی نہیں ہوتی بلکہ اور ربط بڑھ جاتا ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اس مقام کی نہیں بلکہ خواہ مخواہ کسی خاص غرض سے داخل کی گئی ہے۔

۳۔ اگر ازواج بھی شامل ہوتیں تو ان کی تعداد نو تھی اور ان حضرات کی چارہ ان میں بھی ایک عورت ہی ہیں پس مجموعاً تیرہ ہوئے۔ دس عورتیں تین مرد پھر بھی غلبہ عورتوں کا ہی رہا اس حالت میں بھی ضمیر و صیغہ مؤنث ہی لانا ضروری تھا نہ مذکر۔

۴۔ زید بن ارقم کا قول ہے کہ ازواج اہل بیت نہیں ہیں کیونکہ یہ تو آج ہیں کل طلاق دی الگ ہو گئیں۔ بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جن پر خدا نے صدقہ حرام کیا ہے۔

۵۔ اگر ازواج بھی شامل ہوتیں تو جس وقت حضرت ام سلمہؓ نے جن کے گھر میں یہ آیت نازل ہوئی اور وہ خود پکی ایماندار بی بی تھیں۔ جب چادر کا کونہ اٹھا کر ان میں داخل ہونا چاہا تو حضرت رسول خداؐ نے کونہ ہاتھ سے کھینچ لیا اور صاف صاف

اہل بیت رسول کون؟ ۳۵۰ اہل تشیع کے نزدیک اہل بیت کا مصداق

کہہ دیا کہ تم نیکی پر ہو مگر اہل بیت میں شامل نہیں بلکہ ازواج میں ہو۔

(قرآن مجید ترجمہ سید فرمان علی، ص ۸۲-۵۸۳، تشریح علامہ علی ایڈمنسٹریٹر، کراچی)

آیت تطہیر کے بارے میں اہل سنت کا موقف آگے آ رہا ہے جس میں مترجم کی پیش کردہ وجوہات کا رد بھی ہوگا۔ یہاں ایک نام نہاد ”سنی“ کی تشریح بھی ملاحظہ فرمائیں۔ محمود شاہ محمد ث ہزاروی کے بڑے بھائی عبدالقاسی شاہ محمد ث ہزاروی لکھتے ہیں کہ:

اہل بیت: سو یہ مرکب ہے لفظ اہل اور بیت سے۔ اس کے معنی ہیں گھروالے۔ یہ اس کا لغوی مفہوم ہے اور اصطلاحی مفہوم اس کا دو صورتوں میں مستعمل ہے۔ ۱۔ عرف عام کی صورت ہے۔ اس لحاظ سے اہل بیت کا مفہوم ہجر و سماع سے اولاد رسول اور خاندان نبوت کے لوگ سمجھے جاتے ہیں۔ اہل بیت کا لفظ سنتے ہی سب جان لیتے ہیں کہ اس کا مدلول آل رسول ہیں جن کو سید کہا جاتا ہے۔ وہ حضرات حسنینؑ کی اولاد ہیں۔ آل کا اطلاق حضرت فاطمہؑ، علیؑ اور حسنینؑ پر ہوتا ہے اور یہی پانچ مقدس وہ ہیں جن کو اہل اسلام پانچ تن پاک یا آل عبا کہا کرتے ہیں۔

آل عبا رسول الملوہ وابنتہ والمرتضی ثم سبطاہ اذا جمعوا

۲۔ اور دوسری صورت اصطلاحی مفہوم اہلبیت کی شرعی ہے۔ اور اس شرعی لحاظ سے اہل بیت کا مدلول نبیؐ کے قرابت دار ہی ہوتے ہیں۔ اور ان ہی لوگوں کو کبھی آل محمدؐ سے اور کبھی اہل بیت سے احادیث میں تعبیر فرمایا..... لیکن آج سے تیرہ سو سال پیشتر دنیائے اسلام میں اس اہل بیت کے نام کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک گھروالوں پر اطلاق فرمایا جس سے اس گھروالوں کے شرف و مجد کا سکہ تمام عالم پر

اہل بیت رسول کون؟ ۳۵۱ اہل تشیع کے نزدیک اہل بیت کا مصداق

بٹھا دیا اور یہ ایک مرکب کلمہ اسی گھر والوں کے لیے بطور عالم مشہور ہو کر استعمال ہونے لگا۔ وہ گھر تمام دنیا میں عزت والا گھر تھا اور اس گھر کے رہنے والے تمام مخلوق سے افضل اور اشرف تھے۔ اور اس عزت والے گھر میں رہنے والے کافر و اعظم حضرت رسول کریم تھے۔ اور ان کی پاک زبان سے جن افراد پر لفظ اہل بیت کا اطلاق ہوا وہ صرف چار آدمی تھے جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱۔ مولائے کائنات علی المرتضیٰ اسد اللہ الغالب کرم اللہ وجہہ ہیں۔ ۲۔ اور دوسرے حضرت فاطمہ الزہراء بنت رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ ۳۔ اور تیسرے حضرت امام حسن مجتبیٰ ہیں۔ ۴۔ چوتھے جگر پارہ فاطمہ الزہراء بنت رسول حضرت امام حسین شہید کربلا ہیں۔

حضرت ام سلمہؓ کے گھر ان سب کو بلا کر اپنی نوری چادر کے نیچے داخل فرمایا اور پھر دعا فرمائی اللہم هؤلاء اہل بیتی فطہرہم تطہیراً۔ کہ الہی یہ میرے اہل بیت ہیں پس ان کو پاک کر جیسا کہ حق ہے پاک کرنے کا۔ دھر محبوب خدا کی زبان سے دعا نکلی ادھر بارگاہ حق سے اجابت نے استقبال کے لیے جلدی کی اور جبرائیل امین قبولیت کا پیغام لے کر آ پہنچے کہ تطہیر اہلبیت کا سوال کیا کرتے ہو ہم نے ظہور میں لا کر رکھ دیا اور تمہارے گھر والوں کی شان کو دوبالا کر کے چار چاند لگا دیے اور جبرائیل امین بول اٹھے انما یرید اللہ لیزہب عنکم الرجس اہل البیت ویطہرکم تطہیراً..... البتہ یہ امر ظاہر ہے کہ آیت میں اصحاب کساء اصلاً مراد ہیں اور حقیقتاً اور ان کے سوا جن پر اہل بیت کا لفظ لغتاً و عرفاً و شرعاً محیط ہے وہ فرعاً یا تبعاً و مجازاً مراد ہوں گے۔ اہل بیت کے لفظ کے مدلول حقیقی علی، فاطمہ اور حسین ہیں۔

(مختار لاکر امعاء ص ۸۳، ۸۴، ۸۵)

بعض حضرات نے آیت تطہیر کے نزول کے بعد چادر والی روایت کا ذکر کیا ہے کہ انہیں بھی اہل بیت میں شامل فرمائیں لیکن مذکورہ ”سنی“ نے تو ایسی توضیح پیش کی کہ فرمان دہلوی کے خواب و خیال میں بھی نہ آئی ہوگی کہ پہلے چادر ڈال کر دعا کی اور بعد میں آیت تطہیر نازل ہوئی۔

بہر حال اہل تشیع نے ازواج مطہرات کو اہل بیت کے مفہوم سے خارج کرنے کے لیے آل کساء والی روایت سے ہی استدلال کیا ہے۔ قرآن مجید اور حدیث کی رو سے اہل بیت کا اطلاق کن پر ہوتا ہے اس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

حدیث کساء

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں واضح ہو چکا ہے کہ شیعہ اہلبیت سے مراد اہل الکساء یعنی چادر والے لیتے ہیں۔ اہل الکساء کے لیے اہل العباء کی اصطلاح بھی آئی ہے۔

(اروود و معارف اسلامیہ - جلد ۳ ص ۵۷)

حدیث کساء یہ ہے:

عن عمر بن ابی سلمة قال لما نزلت هذه الآية على النبي انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ويطهركم تطهيرا في بيت ام سلمة فدعا فاطمة وحسنا وحسينا فجعلهم بكساء وعلی خلف ظهره فجعلهم بكساء ثم قال اللهم هؤلاء اهل بيتی فاذهب عنهم الرجس وطهرهم تطهیرا قالت ام سلمة وانا معهم یا نبی الله قال اتب علی مکانک وانت علی خیر۔ هذا حدیث غریب من هذا الوجه من حدیث عطاء عن عمر بن ابی سلمة۔

عمر بن ابی سلمہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نبی ﷺ پر ام سلمہؓ کے گھر میں نازل ہوئی یعنی سوائے اس کے نہیں کہ ارادہ کرتا ہے اللہ تا کہ دور کرے تم سے پلیدی اے گھر والو اور پاک کرے تم کو خوب پاک کرنا۔ تو آپؐ نے فاطمہؓ اور حسینؓ کو بلایا اور ان کو ایک چادر میں ڈھانپ لیا اور علیؓ ان کے پیچھے تھے انہیں بھی چادر میں لے لیا۔ پھر فرمایا اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں ان سے پلیدی دور کر اور ان کو خوب طرح سے پاک کر۔ اور کہا ام سلمہؓ نے میں بھی ان سے ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا تو اپنی جگہ پر ہے اور تو بہتری پر ہے۔ یہ حدیث غریب ہے۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو بساب مساجد فی فضل فاطمةؓ ابواب تفسیر القرآن تحت سورة الاحزاب اور مناقب اہل بیت النبیؐ میں ذکر کیا ہے۔

اہل تشیع نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ سنیوں کی صحیح ترین حدیث ہے اور چارتن کے ہی اہل بیت ہونے پر واضح دلیل ہے۔ امام اہل سنت مولانا عبد الشکور فاروقی لکھتے ہیں کہ:

اول تو یہ محض غلط ہے۔ ہرگز یہ ہمارے ہاں کی صحیح ترین حدیث نہیں ہے۔ دوسرے یہ حدیث ہرگز اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ اہل بیت سے ازواج مراد نہیں ہیں۔ بلکہ یہی چار بزرگ مراد ہیں۔ اس حدیث میں تو آنحضرتؐ نے دعا مانگی ہے کہ یا اللہ یہ بھی میرے اہل بیت ہیں لہذا ان کو بھی پاک کر دے۔ حضرت ام سلمہؓ کو کلی میں داخل نہ کرنے کی وجہ خود اس حدیث میں مذکور ہے یعنی تم اپنی جگہ پر رہو تم تو اس سے اچھی حالت میں ہو۔ مطلب یہ ہوا کہ تم تو حقیقتاً لفظ اہل بیت سے مراد ہی ہو تمہارے داخل کرنے کی اور تمہارے لیے دعا مانگنے کی کیا ضرورت ہے۔ ذرا

سمجھنے کی بات ہے کہ اگر یہ حضرات لفظ اہل بیت سے مراد ہوتے تو حضرت دعا کیوں مانگتے۔ کیا اللہ تعالیٰ کو معلوم نہ تھا کہ اہل بیت نبی کون لوگ ہیں۔ حضرت نے بتلایا کہ یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں۔ پس انصاف سے دیکھو تو یہ حدیث خود ہی بتا رہی ہے کہ یہ چاروں بزرگ اہل بیت میں داخل نہ تھے حضرت نے ان کو داخل کیا۔ اسی وجہ سے علماء محققین کہتے ہیں کہ حقیقتاً اہل بیت ازواج مطہرات ہیں اور حکماً یہ حضرات بھی ہیں۔
(مجموعہ تفسیر آیات قرآنیہ ص ۶۹۳)

علاوہ ازیں امام ترمذی نے اس حدیث کے راویوں میں شہر بن حوشب اور محمد بن سلیمان اصہبانی کا بھی ذکر کیا ہے۔ علماء رجال نے انہیں غیر ثقہ قرار دیا ہے کہ یہ حدیث میں قوی نہیں مضطرب الحدیث اور ناقابل اعتبار ہیں۔ شہر بن حوشب کے بارے میں حاتم سے پوچھا گیا حمل تحتیج بحدیثہ قال حاتم لا..... راہ کثیر من العلماء انه ليس بحجة۔ اس کی حدیث حجت نہیں ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک یہ قابل سند نہیں ہے۔

حضرت ام سلمہؓ سے مروی حدیث جس میں آیت تطہیر کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ میرے گھر میں نازل ہوئی اور یہ چارتن کے لیے خاص ہے کے راوی عطیہ اور عبد اللہ بن عبد القدوس ہیں۔ عطیہ کے بارے میں امام احمد کہتے ہیں ھو ضعیف الحدیث کہ یہ ضعیف الحدیث ہے۔ عطیہ کلبی کے پاس جایا کرتا تھا اور اس کی کنیت اس نے ابو سعید مقرر کر رکھی تھی۔ جب لوگ اس سے دریافت کرتے کہ تم نے یہ حدیث کس سے سنی ہے تو وہ جواب دیتا کہ میں نے ابو سعید سے سنی ہے اور کلبی کذاب

کا نام نہ لیتا تھا۔ تاکہ لوگ ابوسعید سے مراد مشہور صحابی رسول ﷺ حضرت ابوسعید خدریؓ لیں۔ تمام علماء جرح و تعدیل نے کلبی کو شیعہ امامی اور مردود قرار دیا ہے اور علامہ ابن حجر نے لکھا ہے کہ کان بالکوفة کذابان احدهما الکلبی۔ کوفہ میں دو کذاب تھے ان میں سے ایک ”کلبی“ ہے۔ اس روایت میں بھی سند یوں ہے ”عطیہ عن ابی سعید عن ام سلمة“ اس سند میں ”عطیہ“ اور ابوسعید (محمد بن السائب کلبی) کا موجود ہونا ہی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ حدیث ساقط الاعتبار ہے۔

دوسرے راوی عبد اللہ بن عبد القدوس کے بارے میں علامہ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ”قال ابن معین ليس بشيء رافضی حبیث“ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے رافضی اور حبیث ہے۔ جامع ترمذی میں ایک روایت یہ بھی ہے:

عن انس بن مالك ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يمر بباب فاطمة ستة اشهر اذا خرج الى صلاة الفجر يقول الصلوة يا اهل البيت انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ويطهركم تطهيرا۔
(جامع ترمذی ما یواب غیر القرآن تحت سورة الزاب)

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ حضرت فاطمہؓ کے دروازے پر چھ ماہ تک گزرتے رہے جب فجر کی نماز کے لیے نکلتے اور فرماتے نماز پڑھو اے اہل بیت، الآیہ..... یہ حدیث حسن غریب ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے اس حدیث کو روایت کرنے والا علی بن یزید

ہے۔ علامہ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں اس کے حالات میں لکھا ہے: لیس بالقوی منکر الحدیث عن الثقات وقال ابن عدی احادیثہ لاتشبه احادیث لثقات کہ یہ قوی نہیں ہے ثقات سے منکر حدیثیں بیان کرتا ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی روایات ثقات کی روایتوں سے کوئی مشابہت نہیں رکھتیں۔ اسی مضمون کی ایک دوسری روایت میں ”ابوداؤد“ صاحب تشریف فرما ہیں۔ علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ متروک المحدث، ضعیف یضع الحدیث لیس بشیء کان یغلو فی الرفض۔ اس کی روایت محدثین کے نزدیک قابل ترک ہے، یہ ضعیف ہے اپنی طرف سے روایتیں وضع کرنا تھا اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور رفض میں بڑا غالی تھا۔ اس اندھے ابوداؤد کا نام نفع بن حارث ہے اور بہت بڑا جھوٹا ہے۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس طرح کی روایات ازواج مطہرات کو اہل بیت سے خارج کرنے اور صرف چارتن کو داخل کرنے کے لیے گھڑی گئی۔ جبکہ قرآن کریم کی رو سے ”اہل بیت“ کی مصداق اور آیت تطہیر کی مخاطب صرف ازواج مطہرات ہیں۔ بالفرض اگر احادیث صحیح بھی ہوں اور سارے ہی راوی انتہائی ثقہ اور صدوق ہوں تو بھی وہ قرآن مجید کے مفہوم کی ناسخ نہیں ہو سکتیں۔ اور نہ ہی ان روایات کی بناء پر قرآن مجید کی نص قطعی میں کسی قسم کا تغیر و تبدل کیا جاسکتا ہے۔ جہاں اس قسم کی احادیث سنداً اور روایتاً غلط ہیں وہاں درایتاً بھی غلط ہیں۔ کیا اہلیت کا فرد ہونے کے لیے چادر میں آنا ضروری ہے؟ کیا دعا کے لیے چادر میں لینا ضروری ہے؟ کیا چادر میں لیے بغیر یہ نہیں کہا جاسکتا اللہم ھم لاء اہل بیتی؟ بچوں کو چادر میں لیا جاسکتا ہے، کاندھوں پر اٹھایا جاسکتا ہے لیکن کیا آنحضرت ﷺ

جیسا اکل الحیاء باپ ایک بالغ بیٹی ہی نہیں بلکہ شادی شدہ اور صاحب اولاد بیٹی کو اس کے شوہر کے ہمراہ چادر میں لے کر یہ اعلان کر سکتا ہے یہ ہیں میرے اہل بیت؟ کیا جو چادر سے باہر رہ گئے وہ اہل بیت نہیں ہیں؟ ازواج مطہرات کو از روئے لغت، عرف اور شرع کون اہل بیت سے خارج کر سکتا ہے؟ کیا آنحضرتؐ کی دیگر بیٹیاں سیدہ زینبؓ، سیدہ رقیہؓ اور سیدہ ام کلثومؓ اہل بیت میں شامل نہیں ہیں؟ کیا انہیں، ان کے شوہروں اور ان کی اولاد کو بھی چادر اڑھائی گئی ہے؟ کیا سیدہ فاطمہؓ کی بیٹیاں سیدہ ام کلثومؓ اور سیدہ زینبؓ اہل بیت میں داخل نہیں ہیں؟ اگر داخل ہیں تو کیا انہیں بھی چادر میں داخل کیا گیا ہے؟

چادر والا واقعہ افسانہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ جو حضرات چادر سے باہر رہ گئے ہیں وہ بھی بالاتفاق اہل بیت ہیں تو پھر چادر کی تخصیص کا کیا مطلب؟ اگر اس چادر سے (ردائے نبوت کی بناء پر) فضیلت ثابت کی جائے تو جو چند لمحات کے لیے اس چادر میں آجائے وہ تو اصلی اہل بیت ہو جائے اور جو ساری زندگی نبیؐ کے گھر رہیں، ہمیشہ نبیؐ کی چادر اوڑھے رہیں، جو نبیؐ کے ساتھ ایک چادر میں رہیں (اور پیغمبر قسم اٹھا کر کہیں ”واللہ ما نزل علی الوحی وانسا فی لحاف امرأۃ منکن غیرہا“ (صحیح بخاری) اللہ کی قسم سیدہ عائشہؓ کے علاوہ کسی کے ساتھ بھی چادر (لحاف) میں ہوتے وقت وحی نازل نہیں ہوئی) انہیں اہل بیت کے مفہوم سے خارج کر دیا جائے۔ فی اسفا!

علاوہ ازیں اسی قسم کی ایک روایت حضرت عباسؓ اور ان کے فرزندوں کے لیے بھی منقول ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے عباسؓ سے

فرمایا کہ پیر کے دن صبح کے وقت تم اپنی اولاد کو لے کر میرے پاس آنا میں تمہارے لیے دعا کروں جو تم کو اور تمہاری اولاد کو نفع دے۔ پھر پیر کے دن صبح کے وقت آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ نے ہمیں چادر اوڑھائی اور پھر فرمایا اے اللہ عباسؑ کو اور اس کی اولاد کو بخش دے۔ ظاہر اور باطن دونوں حالتوں میں ان کو پاک کر دے۔ اور ان دونوں کا کوئی گناہ نہ چھوڑ۔ اے اللہ عباسؑ کو اس کی اولاد میں قائم و محفوظ رکھ (ترمذی) اور زرین کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ حضور ﷺ نے دعا میں یہ بھی فرمایا کہ خلافت اور امارت کو اس کی اولاد میں باقی رکھ۔ ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

(مشکوٰۃ باب مناقب اہل بیت الہی)

ابن ماجہ اور بیہقی میں بھی اس طرح کی روایت موجود ہے۔ امام بیہقی نے ابوسعید ساعدی سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت عباسؑ بن عبدالمطلب سے فرمایا کہ آپ اور آپ کے بیٹے میرے آنے تک گھر سے نہ نکلیں۔ مجھے آپ سے کام ہے۔ سب نے حضورؐ کا انتظار کیا۔ دوسرے دن حضورؐ تشریف لائے۔ سلام دعا کے بعد فرمایا میرے قریب ہو جاؤ، وہ سب سرک کر قریب ہو گئے تو آپؐ نے ان سب کو اپنی چادر میں لے لیا اور دعا کی کہ اے الہی یہ میرا چچا ہے اور میرے والد کی جابجا ہے وہمؤلاء اہل بیتی استرہم من النار کستری ایاہم بحملائی ہذا۔ اور یہ میرے اہل بیت ہیں انہیں آگ سے یوں محفوظ رکھنا جیسے میں نے انہیں اپنی چادر میں چھپا لیا ہے (اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ جلد سوم ص ۶۷ پر بھی اسی طرح کی روایت موجود ہے)

اس حدیث میں حدیث کساء کی نسبت زیادہ اہتمام کے ساتھ حضرت عباسؑ

اور ان کی اولاد پر چادر ڈال کر دعا فرمائی گئی اور صاحب مشکوٰۃ نے اس کو باب مناقب اہل بیت میں نقل کیا ہے۔

ابن کثیر کے مطابق چارتن کے لیے چادر میں لینا متعدد بار ثابت ہے۔ اگر ایک بار بھی ثابت ہوتا تو نفس مضمون پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا لیکن حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد کے لیے بھی تو تعدد ثابت ہے۔ اسی طرح چادر میں لپیٹا گیا۔ دعا بھی فرمائی، اللہم ھؤلاء اھل بیتی بھی کہا، چادر بھی حضور ﷺ ہی کی تھی اور دعا بھی حضور مکی مبارک زبان سے نکلی مگر پھر بھی وہ اہل بیت نہ کہلا سکے اور اہل بیت صرف چارتن ہی رہے۔ اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کی قبولیت دعا کا تعلق اللہ تعالیٰ کی بجائے سبائیوں سے ہے۔ جسے یہ قبول کریں وہ ”اہل بیت“ ہو جائیں اور جس دعا کو یہ رد کریں وہ خارج از اہل بیت ہو جائیں۔

اگر حدیث کساء کی رو سے چارتن میں سے صرف دو تن (حضرات حسینؓ) کی اولاد تا قیامت اہل بیت میں شامل ہے تو حضرت عباسؓ کی جملہ اولاد بھی تا قیامت اہل بیت کہلائے گی۔ دراصل سبائیوں نے اس قسم کی وضعی احادیث سے مسلمانوں کی عقلوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ سبائیوں نے حضرت فاطمہؓ کی بیٹیوں سیدہ ام کلثوم اور سیدہ زہنب کو اس لیے چادر سے دور رکھا کہ کہیں غیر سادات میں ان کی شادیاں ہو جانے کی وجہ سے ان کی اولاد بھی اہل بیت میں شامل نہ ہو جائے۔ یہ ملحوظ رہے کہ سیدہ ام کلثوم کی شادی حضرت عمر فاروق کے ساتھ اور سیدہ زہنب کی شادی عبداللہ بن جعفر کے ساتھ ہوئی۔ بہر حال حدیث کساء جتنے بھی طریقوں سے مروی ہے اس کے ہر سلسلہ سند میں کوئی نہ کوئی راوی مجروح، غیر ثقہ، غیر معتبر، کذاب اور

اہل بیت رسول کون؟ ۳۶۰ حدیث نسب بنی فاطمہؑ

رفض سے متہم ہے۔ ایسی روایات کی بنیاد پر ازواج مطہراتؑ کو اہل بیت سے خارج قرار دینا کیا سبائیت نہیں ہے؟

علاوہ ازیں اگر برسمیل تنزل حدیث کساء کو صحیح مان لیا جائے تو اس سے صرف ”چارتن“ کا اہل بیت ہونا ثابت ہوتا ہے اور ان کی اولاد پر اہل بیت کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اہل تشیع کے نزدیک اہل بیت وہی ہیں جو چادر میں آئے۔ ظاہر ہے کہ چادر میں داخل ہوتے وقت حضرات حسنینؑ خود چھوٹے بچے تھے تو پھر ان کی اولاد پر ”اہل بیت“ کی اصطلاح کا اطلاق کیونکر کیا جاسکتا ہے؟

حدیث نسب بنی فاطمہؑ

لغت میں ”النسب“ کے معنی ابوین میں سے کسی ایک کی طرف سے رشتہ داری کے ہیں اور نسب دو قسم پر ہے۔ ”نَسَبٌ بِالسُّوْلِ“ یعنی وہ رشتہ جو آباء اور ابناء کے درمیان پایا جاتا ہے۔

دوم ”نَسَبٌ بِالْعُرْضِ“ یعنی وہ رشتہ جو بنو الاعمام، یعنی عم زاد بھائیوں کے درمیان ہوتا ہے۔ ارشاد باری ہے کہ:

”وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا“ (القرآن ۵۴)

(اللہ) وہ ذات ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا پھر اسے نسب والا اور سرالی رشتوں والا کر دیا۔

آیت میں ”نسب“ سے مراد وہ رشتہ داریاں جو باپ یا ماں کی طرف سے ہوں۔ اور ”صہر“ سے مراد وہ قرابت مندی ہے جو شادی کے بعد بیوی کی طرف سے

اہل بیت رسول کون؟

۳۶۱

حدیث نسب بنی فاطمہؑ

ہو یعنی سسرالی رشتہ۔ جبکہ رضاعی رشتہ داریاں حدیث کی رو سے نسبی رشتوں میں شامل ہیں۔ جیسا کہ فرمایا:

”يَحْرُمُ مِنَ الرِّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ“

(صحیح بخاری کتاب امہارات۔ باب انحصار علی الانساب والرضاع.....)

یہاں زیر بحث عنوان کے تحت ان احادیث کا روایتی و درایتی تجزیہ کرنا مقصود ہے جن میں بنی فاطمہؑ کو نبی اکرمؐ کے نسب کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور انہیں اولاد علیؑ کی بجائے اولاد رسولؐ قرار دیا گیا ہے۔

اہل تشیع اور ان کے دیگر ہم خیال حضرات نے حدیث ”کساء“ کی رو سے جہاں ”چہارتن“ (حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ، حضرت حسنؑ، حضرت حسینؑ) کو اصلی اور حقیقی اہل بیت قرار دیا وہاں انہوں نے حدیث ”نسب بنی فاطمہؑ“ کے تحت پہلے مرحلے میں ”بنی فاطمہؑ“ میں سے حضرت حسنؑ و حضرت حسینؑ اور ان کی اولاد ذکر کا نسب تاقیا مت بواسطہ ماں حضرت علیؑ کی بجائے نبی اکرمؐ کی طرف منسوب کر کے ”أَدْعَوْهُمْ لِإِسَاءِ هِمَّ“ کے حکم الہی کو وقتی طور پر معطل کیا پھر دوسرے مرحلے پر حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ کی اولاد اثاث اور ان کی ہم شیرگان کی اولاد ذکر و غیر ذکر کا نسب تاقیا مت حقیقی باپ کی طرف منسوب کر کے دستور قرآنی کی اصلی شق ”أَدْعَوْهُمْ لِإِسَاءِ هِمَّ“ کو دوبارہ بحال کر دیا۔

یہ ملحوظ رہے کہ حضرات حسنینؑ کی ان بیٹیوں کی اولاد پر اصطلاح سید اور اہل بیت کا اطلاق نہیں کیا جاتا جن کی شادیاں غیر سادات گھرانوں میں ہوئیں۔ ان کی اولاد کو دستور قرآنی کے مطابق شروع ہی سے اپنے اپنے حقیقی باپوں کی طرف ہی منسوب

کیا جاتا رہا ہے۔

پیر کرم شاہ صاحب الازہری رقم طراز ہیں کہ:

ہم اہل سنت کے نزدیک حضور سرور کائناتؐ کی ازواج مطہراتؑ بھی اہل بیت ہیں۔ سیدنا علی مرتضیٰؑ، سیدہ طاہرہ، حسنین کریمینؑ بھی اہل بیت میں سے ہیں۔ جس طرح متعدد صحیح احادیث میں مذکور ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خصوصی طور پر ان کو اپنی عبا کے سائے میں لینے ھولاء اہل بیتی فرمانے میں حکمت یہ ہے کہ عرب میں بھی بلکہ ہر جگہ مسلمہ دستور یہ ہے کہ نسب باپ کی طرف سے چلتی ہے نہ کہ ماں کی طرف سے۔ مثلاً اگر باپ کوندل ہو اور ماں راجپوت ہو تو اس کے بطن سے جو اولاد ہوگی وہ کوندل کہلائے گی نہ کہ راجپوت۔ اس بین الاقوامی طور پر مسلمہ قاعدے کے مطابق حضرت سیدنا علیؑ کے فرزند ان ارجمند حضرت ابوطالب کی اولاد اور نسل سے شمار ہونے چاہیے تھے نہ کہ حضور سرور عالم کی اولاد اور نسل سے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم کو جس طرح دیگر بے شمار خصوصیات سے نوازا ہے یہ خصوصیت بھی بخشی ہے کہ حضرت سیدنا علیؑ کی اولاد حضرت سیدہ طاہرہ کے بطن سے اولاد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء شمار ہوئی نہ کہ ذریت ابوطالب۔ اسی نسبت کی برکت سے سادات کرام میں سے جو حضرات شریعت اسلامیہ کی پابندی کرتے اور راہوار عزیمت پر سوار ہو کر ریاضت اور مجاہدہ کے میدان میں قدم رکھتے ہیں وہ دیگر حضرات سے کوئے سبقت لے جاتے ہیں۔ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَّشَاءُ..... اللہ تعالیٰ ہمیں خانوادہ نبوت کی سچی محبت اور غلامی نصیب فرمائے، قیامت کے دن ان ہی کی

اہل بیت رسول کون؟

۳۶۳

حدیث نسب بنی فاطمہؑ

سنگت میں لواء الحمد کے نیچے ہمارا حشر ہو۔ آمین ثم آمین

(نیا القرآن جلد چہارم ص ۵۶ تحت آیت تطہیر)

مفتی اول دارالعلوم دیوبند مولانا عزیز الرحمن صاحب عثمانی ”بنی فاطمہؑ“ کی

افضلیت پر حسب ذیل روایات سے استدلال کرتے ہیں:

۱۔ ”عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ بَنِي أُتَيْ

يَنْتَسِمُونَ إِلَى عَصَبَةِ فَإِنَّ عَصَبَتَهُمْ لَا بِيَهُمْ مَا خَلَا وَلِدَ فَاطِمَةَ فَإِنِّي عَصَبَتُهُمْ فَإِنَّا
أَكْبَرُهُمْ۔“

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ اہل بیت سید ہیں لیکن جس کو سیادت
نسبی کہنا چاہیے بنی فاطمہؑ میں منحصر ہے۔ بنی فاطمہؑ سے بڑھ کر نسباً کوئی سید نہیں۔ کیونکہ
حضور فرماتے ہیں کہ اگرچہ ہر ایک مؤمن کی اولاد اپنے اپنے باپ کی طرف منسوب
ہوتی ہے مگر بنی فاطمہؑ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ان کی عصبت میری طرف منسوب ہے۔ میں
ان کا باپ ہوں۔.....

۲۔ رَوَى الْمُحَاكِمُ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ بَنِي

أُتَيْ يَنْتَسِمُونَ إِلَى عَصَبَةِ إِلَّا وَلَدِي فَاطِمَةَ فَإِنَّا وَلِيُّهَا وَعَصَبَتُهَا۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کونسا باپ کی طرف سے ثابت ہوتا ہے
لیکن بنی فاطمہؑ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کا نسب حضرت فاطمہؑ کے
واسطے سے آنحضرتؐ کی طرف منسوب ہے۔ اور یہ صرف حضرت فاطمہؑ کے سیدۃ النساء
ہونے اور ان کی غایت شرافت کی وجہ سے ہوا ہے، حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ کی
خصوصیت ہے۔ آئندہ کسی عورت کی جانب سے خواہ وہ سید ہی کیوں نہ ہو نسب ثابت نہ

اہل بیت رسول کون؟

۳۶۴

حدیث نسب بنی فاطمہؑ

ہوگا۔ باپ اگر صدیقی ہو تو بچہ بھی صدیقی ہوگا۔“

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مکمل جلد یازدہم ص ۴۵-۴۶۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

مرتب فتاویٰ حضرت مولانا مفتی ظفر الدین صاحب دونوں ”احادیث“ کے آخر میں توضیحی اشارہ نمبر رقم کرنے کے باوجود نیچے حاشیہ میں تخریج نہیں کر سکے اور جگہ خالی چھوڑ دی۔ نیز ناشر فتاویٰ دارالاشاعت کراچی کے منتظمین بھی اس خلا کو ”بھرنے“ کی زحمت کو ادا نہیں کر سکے۔

جبکہ حدیث نمبر ۲ کے آخری الفاظ ”فَإِنَّمَا وَلِيُّهَا وَعَصَبَتُهَا“ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کتابت کی غلطی ہوئی ہے۔ ”ہا“ کی ضمیر جو حضرت فاطمہؑ کی طرف راجع ہے لکھ دی گئی جو اصل میں یہاں تثنیہ غائب کی ضمیر ”هُمَا“ ہونی چاہیے تھی۔ باقی روایت کے الفاظ میں معمولی سا فرق ہے، جبکہ مفہوم ایک ہی ہے۔ اصل روایت ملاحظہ فرمائیں:

”قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ بَنِيٍّ أُمِّ عَصْبَةٍ يَنْتُمُونَ إِلَيْهِمْ إِلَّا ابْنِي فَاطِمَةَ فَإِنَّمَا وَلِيُّهَا وَلِيُّهَا وَعَصَبَتُهَا۔“ (المعتمد رک الخاتم جلد ۲ ص ۱۵۲)

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب زیر عنوان ”پیش لفظ“ فرماتے ہیں کہ:

”دارالعلوم جیسے علمی مرکز کے دارالافتاء کے لیے ایک ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جس میں خود بھی مرکز بن جانے کی صلاحیتیں موجود ہوں۔ اور علم و تفقہ کی امتیازی استعداد کے ساتھ صلاح و تقویٰ اور برگزیدگی کی شانیں اس میں موجود ہوں۔.....“

دارالعلوم کی جاذبیت اور مقبولیت کا کرشمہ ظاہر ہوا اور ایک ایسی شخصیت کا انتخاب عمل میں آیا جو کویا ازل سے اس عہدہ ہی کے لیے پیدا کی گئی تھی اور یہ انتہائی

ذمہ داری اس ذات کے لیے اور وہ ذات اس ذمہ داری کے لیے من جانب اللہ موزوں اور منتخب کی جا چکی تھی۔

میں اس وقت عہدہ افتاء کی جس منتخب ہستی کا ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ ذات گرامی حضرت مفتی اعظم ہند مولانا الحاج الشیخ عزیز الرحمن صاحب عثمانی دیوبندی نور اللہ مرقدہ کی ہے جو جماعت دیوبند میں مفتیان ہند کے استاد و مربی تھے اور آپ کی تعلیم و تربیت اور آپ کے فتاویٰ کی روشنی میں کتنوں ہی کو مفتی بننے کی سعادت میسر آئی۔

حضرت ممدوح کا نام نامی اس سے بالاتر ہے کہ ہم جیسے ان کا تعارف کرانے بیٹھیں۔ جبکہ ہم اور ہمارے کام خود ہی ان ہستیوں کی نسبت اور نام سے متعارف ہیں تو ہم لوگوں کی کیا ہستی ہے کہ ہم ان کا تعارف کرانے کے مقام پر آنے کی جرات کریں۔ لیکن یہ سطریں ان کا تعارف نہیں بلکہ صرف عقیدت مندانہ تذکرہ ہیں، جو اولاً اپنی قلبی محبت و تسکین کے لیے قلم پر آ رہا ہے۔ نیز اللہ کے ایسے برگزیدہ بندوں کا تذکرہ ذکر و عبادت بھی ہے کہ:

اذا ذکرُوا ذکرَ اللہ واذا ذکرَ اللہ ذکرُوا

جب (ان پاک نہاد بندوں کا) ذکر کیا جاتا ہے تو اللہ کا ذکر بھی ساتھ ہوتا ہے اور جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان بزرگان خاص کا ذکر بھی ساتھ ہوتا ہے۔

خاصانِ خدا خدا نباشد لیکن ز خدا جدا نباشد

اس لیے ان ہستیوں کا تذکرہ محض تاریخ ہی نہیں بلکہ طاعت و قربت اور تعلیم و عبرت بھی ہے۔

دوسرے اس لیے جن فتاویٰ کا ذخیرہ اس زیر نظر مجموعہ میں کیا جا رہا ہے وہ اس مقدس ہستی کے ہی مقدس افکار کا ثمرہ ہے، اس لیے ضرورت تھی کہ فتاویٰ کے ساتھ صاحب فتاویٰ کا تذکرہ بھی سامنے لایا جائے تاکہ مفتی کی عظمت سامنے رہنے سے فتاویٰ کی عظمت دلوں میں جاگزیں ہو کہ قبر الشہادۃ قبر الشہود۔

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، جلد اول ص ۲۶ تا ۲۷ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

مرتب فتاویٰ مفتی ظفر الدین صاحب رقم طراز ہیں کہ:

”یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ حضرت مفتی علامہ قدس سرہ ایک طرف عارف باللہ، صاف باطن تھے اور دوسری طرف علوم دینیہ فقہیہ میں رسوخ تامہ اور ملکہ راسخہ کے مالک تھے۔

آپ کے دور کے کم و بیش سوا لاکھ مسائل جن کے جوابات آپ کے قلم سے لکھے ہوئے ہیں انہیں خاکسار نے بار بار غور سے پڑھا ہے اور مختلف نقطہ نظر سے اعتراف کرتا پڑتا ہے کہ آپ کا انداز فکر سلجھا ہوا، صاف ستھرا اور پختہ تھا۔ کہیں بھی مسئلہ میں آپ تذبذب کی راہ اختیار نہیں کرتے بلکہ مسائل کی تہہ تک پہنچ جاتے ہیں اور جو جوابات تحریر فرماتے ہیں وہ ہر پہلو سے ٹھوس اور مکمل ہیں۔ کمال یہ ہے کہ دماغ و حافظہ کبھی خیانت نہیں کرتا۔ ذہن جب جاتا ہے تو صحت ہی کی طرف.....

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کا کمال یہ ہے کہ عرف زمانہ سے کبھی صرف

نظر نہیں کرتے بلکہ اس پر گہری نظر رکھتے ہیں۔“ (حوالہ مذکور ص ۹۴ تحت مقدمہ)

مذکورہ ضمانت و تعارف اور یقین دہانی کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ کی کسی مستدل روایت کے ضعف کی طرف اشارہ کرنے سے ہاتھ اور قلم دونوں پر لرزہ و رعشہ

طاری ہو جاتا ہے۔ موصوف یقیناً ان ہی اوصاف سے متصف ہوں گے، لیکن یہاں بحث ان کے تقویٰ و تدبیر اور تبحر علمی سے نہیں ہے بلکہ ان روایات سے ہے جن سے انہوں نے استدلال کیا ہے۔

افسوس موصوف اپنی مستدل روایات پر ”روایتاً و درایتاً“ غور نہیں فرما سکے اور بقول مرتب فتاویٰ ”موصوف کا کمال یہ تھا کہ وہ عرف زمانہ سے کبھی صرف نظر نہیں کرتے تھے بلکہ اس پر گہری نظر رکھتے تھے۔“

اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نص قرآنی کے خلاف ”عرف“ کے ہاتھوں مجبوری کے ساتھ ساتھ مذکورہ ضعیف روایات سے بھی استدلال کر بیٹھے۔

موصوف نے ”بنی فاطمہؑ“ کی سیادت نسبی پر امام طبرانی کی جس روایت سے استدلال کیا ہے وہ معجم کبیر حدیث نمبر ۲۶۳۱ کے تحت بیان ہوئی ہے۔ جس میں (بروایت حضرت عمرؓ) یہ بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کی تمام اولاد اپنے عصبہ (باپ) کی طرف منسوب ہوتی ہے سوائے اولاد فاطمہؑ کے۔ پس بے شک میں ان کا عصبہ اور ان کا باپ ہوں۔

اس روایت کی سند میں ایک راوی بشر بن مہران ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ بشر ہے۔ ابو حاتم رازی نے کہا ہے کہ ”وہ مٹروک“ وہ مٹروک ہے۔ ایک راوی محمد بن زکریا العلایبی ہے جسے ”کذاب“ کہا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۲۳۲، ص ۳۰۱ جلد ۶)

معجم کبیر میں ہی اگلی حدیث (نمبر ۲۶۳۲) ”محمد بن عبد اللہ الحضرمی، عثمان بن ابی شیبہ، جریر، شیبہ بن نعامہ، فاطمہ بنت حسینؑ، فاطمہ الکبریٰؑ“ کی سند سے باس الفاظ بیان ہوئی ہے کہ:

اہل بیت رسول کون؟

۳۶۸

حدیث نسب بنی فاطمہؑ

”قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ بَنِي أُمِّ يَنْتَمُونَ إِلَيَّ عَصَبَةٍ إِلَّا وَلَدَ فَاطِمَةَ فَإِنَّهَا وَلِيَّتُهُمْ وَأَنَا عَصَبَتُهُمْ“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ماں کی تمام اولاد عصبہ کی طرف منسوب ہوتی ہے سوائے اولاد فاطمہؑ کے۔ پس میں ان کا ولی اور عصبہ ہوں۔

فاضل محقق لکھتے ہیں کہ:

”قال في المجموع (۹/ ۱۷۳) رواه المطهراني وابو يعلى (۱۵۹۱) وفيه شيبه بن نعام ولا يجوز الاحتجاج به وقال (۴/ ۲۲۴) وهو ضعيف واورده ابن الجوزي في العلل المتناهية (۲/ ۲۵۸) وقال لا يصح. قال ابن حبان لا يجوز الاحتجاج بشيبة بن نعام وضعفه شيخنا في السلسلة المذكرة (۲/ ۲۱۳)

(المعجم الكبير للحافظ ابن القاسم سليمان بن أحمد الطبراني ۴/ ۲ - حقه وخارج احادته - حمدي
المجيد السلفي)

اس روایت کو طبرانی اور ابویعلیٰ نے روایت کیا ہے۔ اس میں ایک راوی شیبہ بن نعام ہے جس سے حجت پکڑنا جائز نہیں۔ یہ راوی ضعیف ہے۔ علامہ ابن جوزی نے اس روایت کو السلسلة المتناہیة میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں۔ اور سلسلہ مذکورہ میں ہمارے شیخ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

اس روایت میں شیبہ بن نعام کے علاوہ اور بھی متعدد عیوب پائے جاتے ہیں۔ اس میں ایک راوی حسین بن الحسن الاشغری الکوفی ہے جسے ابن عدی، ابو عمر العذلی، نسائی، دارقطنی بخاری، ابوزرعہ، ابوحاتم اور جوزجانی نے ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔ یہ

غالی رافضی ہے، صحابہؓ کو گالیاں دیتا تھا۔

اس حدیث کا ایک راوی محمد بن حمید الرازی ہے جو مغازی ابن اسحاق کا ناقل ہے۔ جسے متعدد محدثین نے کذاب قرار دیا ہے۔ یہ بھی غالی قسم کا رافضی تھا۔ علاوہ ازیں اس روایت میں ایک بڑی خامی یہ بھی ہے کہ سیدہ فاطمہؑ کی وفات کے وقت خود حضرت حسینؑ کی عمر علی اختلاف الاقوال چار سال یا زیادہ سے زیادہ سات سال تھی تو حضرت حسینؑ کی بیٹی فاطمہ صغریٰ اپنی دادی فاطمہ کبریٰؑ سے کس طرح روایت نقل کر سکتی ہیں؟ اس سے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ حدیث علاوہ دیگر خامیوں کے مرسل و منقطع بھی ہے۔ اور متروک راوی معلوم نہیں کہ کس کردار کا مالک ہے۔

لہذا اس حدیث کو نبی اکرمؐ کی طرف منسوب کرنا روایتاً و درایتاً بھی صحیح نہیں ہے۔

امام طبرانی نے بروایت جابر بن عبد اللہ ایک روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرمؐ

نے فرمایا:

”إِنَّ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ جَعَلَ ذُرِّيَّةَ كُلِّ نَبِيٍّ فِيْ صُلْبِهِ وَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى جَعَلَ

ذُرِّيَّتِيْ فِيْ صُلْبِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ“

بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی اولاد اس کے صلب میں رکھی ہے جبکہ میری

اولاد اللہ تعالیٰ نے علیؑ بن ابی طالب کی پشت میں رکھی ہے۔ (معجم کبیر میں اس روایت

کا نمبر ۲۶۳۰ ہے)

اس روایت میں ایک راوی یحییٰ بن الغلاء ہے، جو متروک ہے۔ احمد کہتے

ہیں ”کذاب، بضع“ کہ یہ جھوٹا ہے اور احادیث گھڑتا ہے۔ ”نسب بنی فاطمہؑ“ سے

متعلق یہ احادیث صحاح ستہ اور دیگر مشہور کتب حدیث میں نہیں پائی جاتیں۔ نیز امام طبرانی م ۳۶۰ھ کی معجم کبیر کا شمار کتب حدیث کے تیسرے طبقہ میں (جن میں صحیح، حسن، ضعیف، منکر و موضوع ہر طرح کی احادیث پائی جاتی ہیں) سنن ابن ماجہ، سنن دارقطنی، سنن بیہقی، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، مسند الطیالسی، سنن سعید بن منصور، مسند الحمیدی کے بعد ہوتا ہے۔ (ملاحظہ ہو درس ترمذی جلد اول ص ۷۷ مؤلف مولانا مفتی محمد تقی عثمانی)

مولانا بدر عالم صاحب امام طبرانی کے متعلق لکھتے ہیں کہ ”آخر عمر میں قرامطہ نے ان پر جادو کر دیا تھا اور اس کے اثر سے ان کی بصارت زائل ہو گئی تھی۔

(ترجمان السنن جلد اول ص ۲۶۶)

یہ ملحوظ رہے کہ امام طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت عمرؓ، جابر بن عبد اللہ اور فاطمہ بنت حسینؓ سے جتنی بھی روایات نقل کی ہیں ان سب میں جمع کی ضمیریں اور الفاظ استعمال ہوئے ہیں، یعنی ”فما سی عصبتہم، انا ابوہم، انا ولیہم، انا عصبتہم، ذریعتی، وُلِدَ فاطمۃ، بنی فاطمۃ“

لفوی طور پر ”ذریعت“ کا اطلاق ”نسل انسانی، اولاد، عورتوں اور بچوں سب پر ہوتا ہے۔ جیسے ذریعت نوح اور ذریعت ابراہیم وغیرہ۔

اسی طرح ”وُلِدَ، وُلِدَ“ کا اطلاق واحد، جمع، مذکر، مؤنث اور چھوٹے بڑے سب پر ہوتا ہے۔ نیز ”وُلِدَ“ کا لفظ تثنیٰ پر بھی بولا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے ”وَوَلَدْنَا وَلَدًا“ (سورہ یوسف ۲۱) یا ہم اسے بیٹا بنالیں۔

”بنی“ کا لفظ بھی ہر قسم کی اولاد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مذکر و مؤنث، بیٹے و بیٹیاں، پوتے، پوتیاں، نواسے، نواسیاں حتیٰ کہ خاندان اور قوم پر بھی اس کا

اطلاق ہوتا ہے، جیسے ”بنی آدم، بنی اسرائیل، بنی اسماعیل، بنی ہاشم اور بنی امیہ وغیرہ۔
لہذا ”بنی فاطمہؑ“ میں ان کی جملہ اولاد ذکور و اناث شامل ہے۔ جہاں نبی
اکرمؐ نے حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ کے مناقب میں تثنیہ کا لفظ ”اِبْنَاۓ“ استعمال
فرمایا تو وہیں اس کی معنوی حیثیت بھی واضح فرمادی کہ ”وَاِبْنَاۓ اِبْنَتِیْ“ یہ دونوں میری
بیٹی کے بیٹے ہیں۔
(ترمذی جلد ۸ ص ۲۱۸)

اس فرمان سے ”بنی فاطمہؑ“ میں شامل دوسری اولاد کی نفی مراد نہیں لی
جاسکتی۔

علاوہ ازیں روایات میں ”اِنَا عَصَبَتُہُمْ ، اِنَا اَبُوہُمْ ، اِنَا وَلِیُّہُمْ“ کے
الفاظ بھی قابل غور ہیں۔ بشرط صحت روایات نبی اکرمؐ کا اولاد علیؑ (بنی فاطمہؑ وغیرہ بنی
فاطمہؑ) کے لیے ”عَصَبَتُہُمْ ، وَلِیُّہُمْ وَاَبُوہُمْ“ کے الفاظ استعمال فرمانا نبی
برحقیقت ہے کیونکہ ”عصبہ“ میں دوہمیالی رشتہ دار جیسے باپ، بیٹا، چچا، دادا، بھائی
وغیرہ شامل ہیں۔
(الغات الحدیث از وحید الزمان)

لغت میں ”العصبۃ“ کے معنی جتھا، جماعت، پٹھا اور ریشہ کے ہیں۔
”عصبۃ الرجل“ سے مراد اولاد اور باپ کی طرف کے رشتہ دار یا اس کے
حامی اور ہمدرد لوگ ہیں۔ یہ لفظ واحد اور جمع دونوں کے لیے آتا ہے۔
”عصبہ“ کی اس عام تعریف کے علاوہ نبی اکرمؐ اور حضرت علیؑ باہم ”ابن
العم“ عینی بھی ہیں تو اس اعتبار سے بھی آپ اولاد علیؑ (بنی فاطمہؑ وغیرہ بنی فاطمہؑ) کے
عصبہ ہیں۔

اسی طرح روایات میں لفظ ”وَلِی“ بھی آیا ہے۔ ”اَلْوَلَاءُ وَالتَّوَلَّی“ بطور

استعارہ قرب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جو ہر قسم کے قرب (بمحاذ مکان، نسب، دین، دوستی، نصرت اور اعتقاد کو شامل ہے۔

”أَلْوَلَايَةُ“ (بکسر الواو) کے معنی نصرت اور ”وَلَايَةُ“ (فتح الواو) کے معنی کسی کام کا متولی ہونے کے ہیں۔

”أَلْوَلِيٌّ وَالْمَوْلَى“ یہ دونوں کبھی اسم فاعل یعنی ”مَوْلٍ“ اور کبھی اسم مفعول یعنی ”مَوْلًى“ کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ لہذا نبی اکرمؐ کا اولاد علیؑ کے لیے ”أَنَا وَلِيُّهُمْ“ فرمانا بھی صحیح ہے۔

جہاں تک ”وَأَنَا أَبُوهُمْ“ کا تعلق ہے ظاہر ہے کہ بنی فاطمہؑ کے حوالے سے کوئی شخص بھی اسے لفظ ”اب“ کے حقیقی معنوں میں نہیں لے سکتا۔ بیٹی کی اولاد کے لیے یہ لفظ ”نانا“ کے مفہوم میں ہی استعمال ہوتا ہے۔ آج کے ”عرف“ میں بھی نواسے اور نواسیوں کی طرف سے نانا ”ابو“ کہہ دیا جاتا ہے۔ ایک دوسرے موقع پر خود نبی اکرمؐ نے ”أَنَا أَبُوهُمْ“ کو نانا سے تعبیر فرمایا ہے۔ چنانچہ امام ترمذی نے یعلیٰ بن مرہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”حُسَيْنٌ قَيْنِي وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ أَحَبَّ اللَّهُ مَنْ أَحَبَّ حُسَيْنًا، حُسَيْنٌ

سَبْطٌ مِنَ الْأَسْبَاطِ“ (جامع ترمذی جلد دوم ص ۲۱۹۔ باب مناقب اہل بیت)

حسینؑ مجھ سے ہیں اور میں حسینؑ سے ہوں، اللہ اس سے محبت فرمائے جو حسینؑ سے محبت کرے۔ حسینؑ ”اسباط“ میں سے ایک ”سبط“ ہیں۔

”اسباط“ کا لفظ ”سبط“ کی جمع ہے۔ اس کا لغوی مفہوم بڑھنے اور پھیلنے کا ہے۔ اسی مفہوم کے لحاظ سے ایک باپ کی اولاد اور ان کی مختلف شاخوں کے لیے اس

اہل بیت رسول کون؟

۳۷۳

حدیث نسب بنی فاطمہؑ

کا استعمال ہوا اور نسل یعقوبؑ کی مختلف شاخوں کے لیے تو اس کا استعمال اس قدر مشہور و معروف ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ ان ہی کے لیے وضع ہوا ہے:

”وَيَعْقُوبُ وَالْأَسْبَاطُ“ (البقرہ: ۱۳)

جس طرح بنی اسماعیل میں ”قبائل“ کی اصطلاح مشہور ہے اسی طرح بنی اسرائیل میں قبائل کے لیے ”اسباط“ کا لفظ استعمال کیا گیا۔ ہر قبیلہ ایک شاخ کی اولاد سے تھا۔ جیسے فرمایا ”وَقَطَّعْنَهُمْ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ أَسْبَاطًا أُمَمًا“ (الاعراف: ۱۶) اور ہم نے ان کو بارہ خاندانوں میں تقسیم کر کے سب کی الگ الگ جماعت مقرر کر دی۔

امام قرطبی لکھتے ہیں کہ:

”اسباط“ یعقوبؑ کے بیٹوں کو کہا جاتا ہے جو بارہ تھے۔ ان میں سے ہر ایک کو ”سبط“ بولا جاتا ہے۔ کو یا بنی اسرائیل میں ”سبط“ بمعنی قبیلہ ہے۔ (تفسیر قرطبی جلد ۱ ص ۵۸) اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ اگرچہ ”سبط“ کا اطلاق پوتے اور نواسے دونوں پر ہوتا ہے لیکن یہاں حضرت حسینؑ کے دختری اولاد ہونے کی وجہ سے ”پوتا“ مراد لینے کا ادنیٰ احتمال بھی ختم ہو گیا۔

جہاں نبی اکرمؐ نے حضرات حسینؑ کے لیے ”هَذَانِ اِبْنَايَ“ کے الفاظ استعمال فرمائے وہاں ساتھ ہی ”اِبْنَا اِبْنَتَيْ“ کے الفاظ سے اس کا معنی و مفہوم بھی واضح فرما دیا کہ اس سے مراد نواسے ہیں۔

زیر بحث حدیث میں حضرت حسینؑ کو ”سبط من الاسباط“ کہا گیا کہ حسینؑ بھی اسباط میں سے ایک سبط ہیں۔ جس طرح حسینؑ کو سبط فرمانے سے حضرت حسنؑ

اور ان کی بہنوں سیدہ ام کلثومؑ اور سیدہ زینبؑ کے سبط ہونے کی نفی نہیں کی جاسکتی اسی طرح علی بن ابی العاصؑ، امامہ بنت ابی العاصؑ اور عبداللہ بن عثمانؑ (جو بالترتیب سیدہ زینبؑ اور سیدہ رقیہؑ دختران پیغمبرؐ کی اولاد ہیں) کے سبط ہونے کی نفی بھی نہیں کی جاسکتی۔ جامع ترمذی کی زیر بحث روایت اگرچہ طبرانی اور امام حاکم کی روایات سے زیادہ قوی ہے تاہم یہ بھی فقہی عیوب سے کھلی طور پر پاک نہیں ہے۔

اس روایت کا تمام تر دار و مدار دو راویوں پر ہے۔ سعید بن راشد اور عبداللہ بن عثمان بن خثیم۔ امام نسائی کے نزدیک سعید بن راشد متروک ہے، دارقطنی کے نزدیک ضعیف ہے، امام بخاری کے نزدیک منکر الحدیث ہے، عبدالرحمن بن ابی حاتم کے نزدیک بھی ضعیف اور منکر الحدیث ہے۔

علاوہ ازیں سعید بن راشد تابعین سے روایت کرتا ہے۔ اس نے کسی صحابی سے روایت بیان نہیں کی۔ لہذا یہاں حضرت یعلیٰ بن مرہؑ سے جو حدیث بیان کی جا رہی ہے وہ درمیان سے ایک راوی ساقط ہونے کی وجہ سے منقطع ہے۔ مزید برآں عبداللہ بن عثمان بن خثیم اور اسماعیل بن ابی عیاش بھی ضعیف ہیں جبکہ روایت کی درایتی اور معنوی خامیاں مذکورہ عیوب کے علاوہ ہیں۔

بلسلسلہ ”نسب بنی فاطمہؑ“ احادیث کے ضعف سے قطع نظر اس سے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نبی اکرمؐ حضرت فاطمہؑ کی (سیدہ ام کلثومؑ و سیدہ زینبؑ سمیت) جملہ اولاد کے والد یعنی نانا ہیں۔ لہذا حضرات حسنینؑ کی طرح ان کی حقیقی بہنیں اور ان کی اولاد بھی ماں کی طرف منسوب ہوں گی۔ جبکہ جابر بن عبداللہ کی روایت سے تو یہ

اہل بیت رسول کون؟

۳۷۵

حدیث نسب بنی فاطمہؑ

بات واضح ہوتی ہے کہ نہ صرف بنی فاطمہؑ بلکہ حضرت علیؑ کی جملہ اولاد نبی اکرمؐ کی ذریت کہلائے گی۔

مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند نے مکمل ”سند“ بیان کیے بغیر امام حاکم کی حسب ذیل روایت سے بھی استدلال فرمایا ہے کہ:

”قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ بَنِي أُمِّ عَصَبَةٍ يَنْتُمُونَ إِلَيْهِمْ إِلَّا ابْنِي فَاطِمَةَ فَإِنَّهَا وَلِيَّتُهَا وَعَصَبَتُهَا“

جب کہ اصل روایت میں وَلِيَّتُهَا وَعَصَبَتُهَا کے الفاظ آئے ہیں۔

هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ وَلَمْ يَخْرُجْاهُ۔

(المستدرک علی الصحیحین۔ کتاب معرفة الصحابة ومن مناقب الحسن والحسين ابني رسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم جلد ۴ ص ۱۵۲-۱۵۳۔ مطبوعہ بیروت الطبعة الاولى)

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورت کی تمام اولاد کے عصبہ ہیں جن کی طرف وہ منسوب ہوتی ہے سوائے حضرت فاطمہؑ کے دو بیٹوں کے۔ پس میں ہی ان دونوں کا ولی اور عصبہ ہوں۔

اس حدیث کی سند (جسے حضرت مفتی صاحبؒ نے حذف کر دیا تھا) یہ ہے:

”حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي دَارِمٍ الْحَافِظُ بِالكُوفَةِ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَثْمَانَ

بْنِ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنِي عَمِّي الْقَاسِمُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ ثَنَا يَحْيَى بْنُ الْعَلَاءِ عَنْ جَعْفَرِ

بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَابِرٍ“

امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی۔

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ:

”لَيْسَ بِصَحِيحٍ فَإِنَّ يَحْيَى قَالَ أَحْمَدُ كَانَ يَضَعُ الْحَلِيَّتَ وَالْقَلْبِيَّ مَتْرُوكًا“

یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ یحییٰ کے بارے میں احمد کہتے ہیں کہ وہ احادیث

(حوالہ مذکور)

گھڑتا تھا جبکہ قاسم مٹروک ہے۔

علاوہ ازیں معجم کبیر کے محشی نے یحییٰ بن العلاء کے متعلق ”سذاب“ کا لفظ

بھی نقل کیا ہے۔

مزید برآں امام حاکم (م ۴۰۵ھ) خود بھی کوئی قابل اعتماد شخصیت نہیں

ہیں۔ ان کے شیعہ ہونے پر تو ائمہ رجال کا تقریباً اتفاق ہے۔ ابواسامعیل عبداللہ

انصاری نے امام حاکم کے متعلق کہا کہ ”امام فی الحدیث رافضی خبیث“ حدیث

میں ”امام“ ہے لیکن خبیث رافضی ہے۔

جبکہ امام ذہبیؒ نے کہا کہ:

”اللّٰهُ يَحِبُّ الْاِنْصَافَ مَا لِرَجُلٍ بِرَافِضِيٍّ بَلِ شِيعِيٍّ فَقَطْ“

اللہ انصاف کو پسند فرماتا ہے کہ وہ رافضی نہیں بلکہ فقط شیعہ ہے۔

(میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۲۰۸)

مستدرک ہی میں ایک مقام پر امام ذہبیؒ نے امام حاکم کو واضح الفاظ میں

رافضی قرار دیا ہے۔ ”تَبَّحَ اللّٰهُ رَافِضِيَّ الْفِتْرَةِ“

(المستدرک جلد ۳ ص ۳۲۔ کتاب المغازی ذکر مبارزہ یحییٰ۔ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

امام ذہبیؒ نے اپنی ایک دوسری کتاب میں امام حاکم کے متعلق علامہ ابن

طاہر مقدسی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: ”ثَقَّةٌ فِي الْحَدِيثِ رَافِضِيٌّ خَبِيثٌ ثُمَّ قَالَ ابْنُ

طاهر کمان شہید التعصب للشیعة فی الباطن وکان یظهر التسنن فی التقدیم والمخالفة وکان منحرفاً عن معاویة والہ منتظاہراً بذلك ولا یعتذر منه“ (تذکرۃ الخلفاء ج ۳ تحت امام حاکم، میرا علم، المجلد ۱، ص ۱۷۵-۱۷۶)

حدیث میں ثقہ ہیں لیکن خبیث قسم کے رافضی ہیں۔ باطن میں شیعیت کے لیے سخت تعصب رکھتے تھے۔ جبکہ شیخین کی تقدیم و خلافت کے سلسلہ میں اپنا سنی ہونا ظاہر کرتے تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ حضرت معاویہؓ اور ان کی آل سے سخت منحرف تھے۔ اس چیز کا برملا اظہار کرتے تھے اور اس سلسلے میں کسی معذرت کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔

مولانا تقی عثمانی صاحب رقم طراز ہیں کہ:

”لیکن امام حاکم تصحیح حدیث کے معاملہ میں بہت تساہل ہیں۔ چنانچہ انہوں نے بہت سی حسن، ضعیف، منکر بلکہ موضوع احادیث کو بھی علی شرط الشیخین قرار دے کر مستدرک میں داخل کر دیا ہے، اس لیے حافظ ذہبی نے اس کی تلخیص کر کے امام حاکم کی غلطیوں پر تنبیہ کیا ہے۔ یہ تلخیص حاکم کی مستدرک کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔ جب تک حدیث کے بارے میں وہ صحت کی تصدیق نہ کر دیں اس وقت تک محض حاکم کی تصحیح کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔“ (درس ترمذی جلد اول ص ۵۲-۵۳)

زیر بحث حدیث کے متعلق بھی امام ذہبیؒ نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ ”لیس بصحیح“ کہ وہ صحیح نہیں ہے۔

نسب بنی فاطمہؑ کے متعلق صرف امام حاکم کی مذکورہ روایت میں ”ابنہ فاطمة“ یا ”وَلَدَتِی فاطمة“ کے الفاظ آئے ہیں جن کی بناء پر صرف حضرات

اہل بیت رسول کون؟

۳۷۸

حدیث نسب بنی فاطمہؑ

حسینؑ کے نسب کو نبی اکرمؐ کی طرف منسوب کیا گیا ہے باقی اس سلسلہ کی تمام روایات میں حضرت فاطمہؑ کے (بیٹوں و بیٹیوں سمیت) جملہ اولاد جبکہ ایک روایت میں حضرت علیؑ کی تمام اولاد مراد لی گئی ہے۔

بنی فاطمہؑ کے نسب کو اس حدیث کی رو سے بھی نبی اکرمؐ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کہ:

”قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنْ بَنِي يُقْبَضُ عَنْهَا مَا يَسْبِطُهَا وَإِنَّ الْأَنْسَابَ تَنْقَطِعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غَيْرَ نَسَبِي وَسَبَبِي وَصِهْرِي“

(تفسیر ابن کثیر۔ سورۃ المؤمنون تحت آیت (۱۰۱) نَبَا فَاطِمَةُ فِي الصُّورِ قَالَا أَنْسَابُ بَنِيهِمْ يُؤْتِيهِ..... مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فاطمہؑ میری لخت جگر ہے جو چیز اسے ناراض کرتی ہے وہ مجھے ناراض کرتی ہے، جو چیز اسے خوش کرتی ہے وہ مجھے خوش کرتی ہے۔ بے شک قیامت کے دن سارے رشتے ٹوٹ جائیں گے لیکن میرا نسب، میرا سبب اور میری رشتہ داری نہ ٹوٹے گی۔

امام ابن کثیر نے اس حدیث کو بحوالہ مسند احمد مذکورہ آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کی اصل بخاری و مسلم میں بھی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ”فاطمہؑ میرے جسم کا ٹکڑا ہے اسے ناراض کرنے والی اور اسے ستانے والی چیزیں مجھے ناراض کرنے والی اور مجھے تکلیف پہنچانے والی ہیں۔

موصوف کے اس فرمان کہ ”اس کی اصل بخاری و مسلم میں بھی ہے“ سے

عام قاری کو شدید غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے کیونکہ اس کا آخری حصہ صحیحین میں نہیں ہے۔
صحیح بخاری کی اصل روایت ملاحظہ فرمائیں:

.....عَنِ الْمُسَوِّرِ الْمُحَرَّمَةِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ وَهُوَ عَلَى الْعَنْبَرِ إِنَّ بَنِي هِشَامِ ابْنِ الْمُغِيرَةِ اسْتَأْذَنُونِي فِي أَنْ يُنْكَحُوا ابْنَتَهُمْ عَلِيَّ ابْنَ أَبِي طَالِبٍ قَالَا أَدْنُ ثُمَّ لَا أَدْنُ ثُمَّ لَا أَدْنُ إِلَّا أَنْ يُرِيدَ ابْنُ أَبِي طَالِبٍ أَنْ يُطَلِّقَ ابْنَتِي وَيُنْكَحَ ابْنَتَهُمْ فَإِنَّمَا هِيَ بَضْعَةٌ مِنِّي يُرِيدُنِي مَا زَالَهَا وَيُرِيدُنِي مَا آذَاهَا هَلَكْنَا۔

(صحیح بخاری کتاب النکاح - باب ذی الریح من ۵۵۸ فی التیمم والایمان - حدیث نمبر ۵۴۳۰)

اس حدیث سے تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نبی اکرمؐ نے منبر پر یہ خطاب اس وقت ارشاد فرمایا جب حضرت علیؑ نے ابو جہل کی بیٹی کے لیے نکاح کا پیغام دیا اور حارث بن ہشام اور سلمہ بن ہشام نے حضور اکرمؐ کے پاس حاضر ہو کر اپنی بیعتی کا نکاح حضرت علیؑ کے ساتھ کر دینے کی اجازت چاہی۔ نبی اقدسؐ نے ان کے جواب میں رنجیدہ ہو کر بار بار فرمایا ”قَالَ اَدْنُ ثُمَّ لَا اَدْنُ ثُمَّ لَا اَدْنُ“ میں اس نکاح کی اجازت نہیں دے سکتا مگر صرف اس صورت میں اجازت دے سکتا ہوں کہ علیؑ میری بیٹی کو طلاق دے کر ابو جہل کی بیٹی سے نکاح کر لے۔ کیونکہ فاطمہؑ میرے جسم کا ٹکڑا ہے، جو چیز اسے دکھا اور ایذا دیتی ہے وہ میرے لیے دکھا اور ایذا کا باعث بنتی ہے۔

امام ابن کثیر نے مسند احمد کے حوالے سے ہی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر یہ ارشاد فرمایا کہ:

”فَمَا بَالُ رَجَالٍ يَقُولُونَ: إِنَّ رَحِمَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لَا تَنْفَعُ قَوْمَهُ بَلَىٰ وَاللَّهِ إِنَّ رَحْمَتِي مَوْصُولَةٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَيُّىَ إِلَيْهَا النَّاسُ قَرِطٌ لَّكُمْ فَإِذَا جِئْتُمْ قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَتَا فَلَانُ ابْنِ فَلَانٍ وَقَالَ آخَرُ: قَا فَلَانُ ابْنِ فَلَانٍ فَأَقُولُ: مَا النَّسَبُ فَقَدْ عَرَفْتُ وَلَكِنَّكُمْ أَحَدُكُمْ بَعْلِي وَارْتَدَدْتُمْ الْقَهْقَرَىٰ“

(تفسیر ابن کثیر سورۃ المؤمنون تحت آیت (۱۰۱) فانا نفع فی الصور فلا انساب بینہم

یومئذ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

لوگوں کا کیا حال ہے جو کہتے ہیں کہ حضورؐ کا رشتہ بھی ان کی قوم کو کوئی فائدہ نہ دے گا۔ اللہ کی قسم میرا رشتہ دنیا میں اور آخرت میں ملا ہوا ہے اور اے لوگو! جب تم وہاں پہنچو گے تو میں تمہارا پیش رو ہوں گا۔ ایک شخص کہے گا رسول اللہ میں فلاں بن فلاں ہوں، پھر ایک دوسرا شخص بھی یہی کہے گا۔ میں جواب دوں گا کہ ہاں نسب تو میں نے پہچان لیا لیکن تم لوگوں نے میرے بعد بدعتیں ایجاد کی تھیں اور ایڑیوں کے بل مرتد ہو گئے تھے۔

اس حدیث میں تو صاف طور پر دینی نسب و رشتہ مراد لیا گیا ہے۔ جبکہ صاحبزادہ یونس شاہ کاظمی نے اس روایت کا شان و رود کچھ اس طرح بیان کیا ہے کہ:

”حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب کا بیٹا فوت ہو گیا تو آپ اس پر رونے لگیں۔ نبی اکرمؐ نے ان سے فرمایا پھوپھی جان آپ روتی ہیں حالانکہ جس کا بیٹا اسلام میں فوت ہو جائے اس کی سکونت کے لیے جنت میں گھر ہے۔

پھر جب صفیہؓ باہر تشریف لائیں تو انہیں ایک شخص نے کہا محمدؐ کی قرابت تجھے اللہ سے کچھ بھی نہ بچا سکے گی، تو آپ رونے لگیں۔

حضور رسالتؐ نے ان کے رونے کی آواز سنی تو آپؐ باہر تشریف لے آئے آپؐ اپنی پھوپھی کی تکریم و توقیر فرمایا کرتے تھے اور ان سے محبت فرماتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا پھوپھی جان آپؐ روتی ہیں حالانکہ میں نے آپؐ سے کہا جو کہا؟

حضرت صفیہؓ نے عرض کی میں اس لیے نہیں روتی اور آپؐ کو وہ بات بتائی جو اس شخص نے کہی تھی۔ آپؐ یہ سن کر غضب ناک ہو گئے اور حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ اذان دے کر لوگوں کو نماز کے لیے بلاؤ۔ جب لوگ آگئے تو آپؐ نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنایاں کی اور فرمایا لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو کہتے ہیں کہ میری قرابت فائدہ نہیں دے گی۔ قیامت کے دن سب لوگوں کے سبب اور نسب کٹ جائیں گے مگر میرا سبب اور نسب منقطع نہیں ہوگا اور بے شک دنیا و آخرت میں میرا رحم ملا ہوا ہے۔“

(نسب رسولؐ جلد اول ص ۱۳۲-۱۳۳)

پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری سورۃ المؤمنون کی آیت ۱۰۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

”اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے علامہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ آیت میں ”بِئْسَھُمْ“ کی ضمیر کا مرجع کفار ہیں کیونکہ ان ہی کا ذکر ہو رہا ہے اہل ایمان کا یہ حال نہ ہوگا۔ مومنوں کے لیے ارشاد باری ہے ”الْحَقُّنَا بِھُمْ ذُرِّیَّتَھُمْ“، ہم ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے۔

پھر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ میرے نسب کے بغیر ساری نسبیں منقطع ہو جائیں گی، اس حدیث سے تو مومنوں کی نسبتیں بھی منقطع ہونا ثابت ہوتا ہے۔

”قُلْتُ نَسَبُ الْمُؤْمِنِينَ دَاخِلٌ فِي نَسَبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَإِنَّهُ أَبُ الْمُؤْمِنِينَ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ“ (مطہری)

تو اس کے جواب میں، میں یہ کہوں گا مومنوں کا نسب حضورؐ کے نسب میں
داخل ہے کیونکہ حضورؐ سب مومنوں کے باپ ہیں اور ان کی ازواج مومنوں کی مائیں
ہیں۔“ {ضیاء القرآن جلد سوم ص ۲۷۵۔ سورۃ المؤمن آیت (۱۰۱) فَإِنَّ نَازِلًا مِّنَ السَّمَاءِ قَالَا لَنُؤْتِيَنَّهُم بَنَاتٍ طَيِّبَاتٍ}۔
مذکورہ تشریح سے تو اس بحث کا باب ہی بند ہو جاتا ہے کہ قیامت کے دن
”بنی فاطمہؑ“ کا نسب بواسطہ ماں حضورؐ کے نسب میں داخل ہو کر قائم رہے گا اور دیگر
انساب منقطع ہو جائیں گے۔

جبکہ حقیقت یہی ہے (جیسا کہ مذکور ہوئی) کہ قیامت کے دن سب مومنوں
کا نسب نبی اکرمؐ کے نسب میں داخل ہو جائے گا کیونکہ وہ سب مومنوں کے باپ ہیں اور ان
کی ازواج مطہرات مومنوں کی مائیں ہیں تو پھر بنی فاطمہؑ کی خصوصیت باقی رہی؟
پھر حضرت عمرؓ نے بشرط صحت روایت ام کلثوم بنت علیؑ کے ساتھ نکاح
کرتے ہوئے یہ وضاحت کیوں فرمائی تھی کہ ”واللہ! مجھے اس نکاح سے صرف یہ غرض
تھی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ میرے نسب اور سب کے سوا ہر سبب
و نسب قیامت کے دن کٹ جائے گا“ (تفسیر ابن کثیر تحت سورۃ المؤمن آیت ۱۰۱)

کیا حضرت عمرؓ قریش کی شاخ ”بنو عدی“ میں شامل ہونے کی وجہ سے پہلے
سے ہی حضورؐ کے نسب میں داخل نہیں ہیں؟

کیا حضرت عمرؓ حضورؐ کے ساتھ سرالی تعلق کی وجہ سے بھی ”إِلَّا نَسَبِي وَ
سَبِي وَ صِهْرِي“ کے استثناء میں شامل نہیں ہیں؟

کیا صدیق اکبرؑ اور دیگر صحابہؓ کا بنی فاطمہؑ میں شادی نہ کرنے سے ان کا نسب قیامت کے دن کٹ جائے گا۔

اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً ایسا نہیں ہے تو پھر حضرت عمرؓ کو ام کلثوم بنت علیؑ کے ساتھ نکاح کر کے قیامت کے دن اپنا نسب برقرار اور موصول رکھنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟

اگر بالفرض یہ نکاح نہ ہوتا تو کیا حضرت عمرؓ کے مقام، مرتبے، درجے اور فضیلت و افضلیت میں کوئی کمی واقع ہو جاتی؟

صحیح بات وہی ہے جو پیر کرم شاہ صاحب نے بحوالہ علامہ پانی پتی نقل کی ہے کہ حضورؐ سب مومنوں کے روحانی باپ ہیں اور ازواج مطہراتؓ سب کی مائیں۔ اس لیے سب مومنوں کا نسب قیامت کے دن حضورؐ کے نسب میں داخل ہو جائے گا۔ اور کسی مومن کا نسب بھی منقطع نہیں ہوگا۔ پھر نسب پر تفاخر کے کیا معنی ہیں۔

یہ بات تو دین اسلام سے معمولی واقفیت رکھنے والا شخص بھی بخوبی جانتا ہے کہ اسلام تو آیا ہی اس لیے تھا کہ وہ تمام قومی اور نسلی امتیازات کو مٹا کر ایمان اور عمل صالح کی بنیاد پر صرف انسانیت کی ”بے قید و عام“ عظمت قائم کر دے۔ کیونکہ اس کے ظہور کے وقت (جب بنی فاطمہؑ کا وجود بھی نہ تھا) عرب میں نسب پر تفاخر کا یہ حال تھا کہ وہاں کا ایک چرواہا بھی اپنے نسب و خاندانی شرف کے سامنے قیصر و کسریٰ کو بھی ذلیل و حقیر سمجھتا تھا۔

اسلام نے قریش کے اس نسلی تفاخر کے بت کو پاش پاش کرنے کے لیے

اپنی دعوت کی پہلی ضرب ہی اسی پر لگائی:

”يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ“ (المحجرات: ۱۳)

اے لوگو! ہم نے پیدا کیا ہے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے اور بنادیا ہے تمہیں مختلف قومیں اور مختلف خاندان تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ تم میں سے زیادہ معزز اللہ کی بارگاہ میں وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ علیم (اور) خبیر ہے۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

”أَلَا تَذَرُونَ اِزْرَةً وَّزْرًا خُرَىٰ ۚ وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ۚ وَأَنْ سَعْيُهُ سَوْفَ يَرَىٰ ۚ“ (سورۃ النجم: ۳۸، ۳۹، ۴۰)

کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور یہ کہ ہر انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی کوشش خود اس نے کی اور یہ کہ بے شک اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی۔

یعنی انسان اپنے کاموں کا خود ذمہ دار ہے اور انسان کی تمام کامیابیوں اور سعادتوں کی بنیاد صرف اس کی کوشش اور اس کا عمل ہے۔ نبی اکرمؐ کا زندگی بھر یہ قول و فعل رہا:

”لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَىٰ إِلَىٰ عَصَبِيَّةٍ، لَيْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَلَىٰ عَصَبِيَّةٍ وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ مَاتَ عَلَىٰ عَصَبِيَّةٍ“

یعنی وہ ہم میں سے نہیں جو نسلِ قوم کے تعصب کی طرف لوگوں کو بلائے،
وہ ہم میں سے نہیں جو تعصب کی بنیاد پر لوگوں سے جنگ کرے، وہ ہم میں سے نہیں
جو اس تعصب کی حالت میں دنیا سے جائے۔

فتح مکہ کے موقع پر یہ اعلان فرمایا کہ:

”يَا أَيُّهَا النَّاسُ فَإِنَّ اللَّهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبْيَةَ الْجَاهِلِيَّةِ يَأْيُهَا النَّاسُ إِنَّمَا
النَّاسُ رَجُلَانِ: بَرٌّ نَفِيٌّ كَرِيمٌ عَلَى رَبِّهِ وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ هَيْنَ عَلَى رَبِّهِ“
(ابن حبان، بروایت عبداللہ بن عمرؓ)

اے لوگو! اللہ نے تمہارے جاہلی و نسلی غرور و تکبر کو ہوا میں اڑا کر رکھ دیا ہے۔
لوگو! لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو نیک ہو، اپنے رب کے ہاں پرہیزگار،
اور معزز ہو، اور دوسرا وہ جو بدکار، بد بخت اور اپنے پروردگار کے ہاں گھٹیا ہو۔
اس کے بعد سورۃ الحجرات کی مذکورہ آیت ۱۳ تلاوت فرمائی۔

نبی اکرمؐ نے دنیا کو چھوڑنے سے پہلے حجۃ الوداع میں جو آخری پیام امت
کو دیا اس میں بھی سب سے پہلی چیز یہی تھی یعنی نسلی تفاخر کا خاتمہ اور بنی نوع انسان کی
عام مساوات کا اعلان:

”يَا أَيُّهَا النَّاسُ! أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ
لِعَرَبِيٍّ عَلَى أَعْمَجِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلَا لَأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلَا
أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوَى“
(مسند احمد، جلد ۵۔ ص ۳۱ و ۳۲)

اے لوگو! آگاہ ہو جاؤ تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ بھی ایک ہے۔ لہذا
کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فوقیت ہے۔ نہ

کسی کورے کو کالے پر کوئی فضیلت ہے اور نہ کسی کالے کو کسی کورے پر کوئی فوقیت و فضیلت حاصل ہے۔ ہاں فوقیت و فضیلت صرف تقویٰ کی وجہ سے ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ:

”لَيْسَ لَأَحَدٍ فَضْلٌ عَلَى أَحَدٍ إِلَّا بِدِينٍ وَتَقْوَى: النَّاسُ كُلُّهُمْ بَنُو آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ“

دین اور تقویٰ کے علاوہ کسی شخص کو کسی شخص پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ تمام لوگ حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ کی پیدائش مٹی سے ہوئی۔

یہ صرف قول کی حد تک ہی نہ تھا بلکہ عملاً حال یہ تھا کہ آپؐ نے اپنی زندگی میں سب سے آخری فوجی مہم جو بھیجی اس کی امارت اسامہ بن زیدؓ کو دی۔ بعض لوگوں کو جب یہ عمل گراں گزرا تو فرمایا:

لَقَدْ طَعَنْتُمْ فِيْ أَمَارَةِ أَبِيّ وَقَدْ كَانَ لَهَا أَهْلًا ، وَإِنَّ أَسَامَةَ لَهَا أَهْلًا“
تم لوگ پہلے اس کے باپ (زیدؓ) کی امارت پر بھی طعن کر چکے ہو حالانکہ وہ اس کام کے اہل تھے۔ اب اسامہؓ کو امارت دی گئی ہے تو وہ بھی اس کام کے اہل ہیں۔
حضرت جامی نے کیا خوب فرمایا:۔

بندہ عشق شدی ، ترک نسب کن جامی
کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست
کہ جامی عشق کی غلامی اختیار کی ہے تو خاندانی حسب اور نسب کی برتری کو بھول جاؤ کیونکہ مذہب عشق میں فلاں اور فلاں کا بیٹا جیسی باتیں بے معنی ہیں۔

علاوہ ازیں نبی اکرمؐ کا یہ ارشاد گرامی بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ:

”.....مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللَّهِ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَيَتَدَارَسُونَ بَيْنَهُمْ إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَغَشِيَتْهُمْ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللَّهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ وَمَنْ يَتَأَخَذَ بِهِ عَمَلَهُ لَمْ يُسْبِغْ بِهِ نَسَبُهُ“

(صحیح مسلم: جلد ۵ ص ۳۳۵۔ کتاب الذکر والدعاء والقبول والاستغفار۔ باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر)

کوئی قوم اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر کلام پاک کی تلاوت اور اس کا دور نہیں کرتی مگر یہ کہ اس پر سکینہ نازل ہوتی ہے اور رحمت الہی ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی تعریف فرشتوں کی مجلس میں کرتا ہے ”اور جس کا عمل کوتاہی کرے تو اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھائے گا۔“

نسب بنی فاطمہؑ سے متعلق احادیث (جن میں انہیں اپنے حقیقی باپ کی بجائے بواسطہ ماں نبی اکرمؐ کی طرف منسوب کیا گیا ہے) کا روایتاً و درایتاً ایک مختصر تجزیہ پیش کر دیا گیا ہے۔ اگر وہ روایات بالفرض صحیح بھی ثابت ہو جائیں تو پھر بھی وہ خلاف قرآن ہونے کی وجہ سے قطعاً قابل التفات نہیں ہیں چہ جائیکہ وہ ضعیف، مرسل منقطع اور منکر ہونے کے علاوہ مروی بھی شیعوں، جھوٹوں اور کذابوں سے ہیں۔ چنانچہ پیر کرم شاہ صاحب رقم طراز ہیں کہ:

”احادیث اگر صحیح بھی ہوں تو وہ قرآن کریم کے مفہوم کی ناسخ نہیں ہو سکتیں، نہ ان کی وجہ سے قرآن کریم کی نصوص میں تغیر و تبدل کیا جاسکتا ہے، چہ جائیکہ جب ایسے راویوں سے مروی ہوں جو پایہ اعتبار سے ساقط ہیں۔“

(نیا باقران: جلد چہارم ص ۵۵ صفحہ ۵۷ نمبر)

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ نسب بنی فاطمہؑ سے متعلق احادیث
نص قرآنی اور حکم ربانی کے سراسر خلاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

”وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ ۚ ذَٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ ۖ وَاللَّهُ يَقُولُ
الْحَقُّ ۖ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ ۚ اُدْعُوهُمْ لِأَبَائِهِمْ ۚ هُمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ ۚ فَإِلَّمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ
هُمُ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ ۚ وَمَوَالِيكُمْ ۚ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ ۚ وَلَٰكِنْ مَّا
تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا“ (احزاب ۵۷)

اور نہیں بنایا اس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو (واقعی) تمہارے بیٹے۔ یہ
تو صرف تمہارے اپنے منہ کی باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ حق بات فرماتا ہے اور وہ صحیح راہ کی
طرف رہنمائی کرتا ہے۔ منہ بولے بیٹوں کو ان کے (حقیقی) باپوں کی طرف نسبت کر
کے بلاؤ۔ یہ زیادہ قرین انصاف ہے اللہ کے نزدیک۔

پھر اگر تمہیں ان کے (حقیقی) باپوں کا علم ہی نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی
اور دوست ہیں۔

اور نہیں تم پر کوئی گرفت جو تم نا دانستہ کر بیٹھے۔ البتہ تمہارے دلوں نے جس
بات کا عزم کر لیا (اس پر گرفت ہوگی) اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

یہ آیات سورہ احزاب کے پہلے رکوع میں ہیں۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب
لکھتے ہیں کہ:

”پہلا رکوع غزوہ احزاب سے کچھ پہلے کا نازل شدہ معلوم ہوتا ہے۔ تاریخی
پس منظر کو نگاہ میں رکھ کر دیکھا جائے تو اس رکوع کو پڑھتے ہوئے صاف محسوس ہوتا

ہے کہ اس کے نزول کے وقت حضرت زیدؑ، حضرت زینبؑ کو طلاق دے چکے تھے۔“

(تفہیم القرآن جلد چہارم ص ۶۶ تحت موشوع اور مباحث)

غزوہ احزاب شوال ۵ھ میں واقع ہوا تھا۔ کو یا ۵ھ میں ہی اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل کر دیا تھا کہ جن منہ بولے بیٹوں کے حقیقی باپوں کا علم ہو تو دیگر نسبتیں ختم کر کے انہیں ان ہی کی طرف منسوب کرو۔ البتہ اس حکم سے استثناء کی یہ صورت باقی رکھی گئی ہے کہ جن کے حقیقی باپوں کا کسی طرح علم ہی نہ ہو سکے تو تم انہیں اپنا بھائی یا دوست سمجھو، بیٹا مت کہو۔ اور جو جان بوجھ کر ان کا غلط انتساب کرے گا وہ سخت گناہ گار ہوگا۔

جبکہ ایک حدیث میں نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

”لَيْسَ مِنْ رَجُلٍ ادَّعَى لِغَيْرِ آبِيهِ وَهُوَ يَعْلَمُهُ إِلَّا كَفَرَ بِاللَّهِ وَمَنْ ادَّعَى

قَوْمًا لَيْسَ لَهُ فِيهِمْ نَسَبٌ فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ“

(صحیح بخاری کتاب النکاح، باب بلانوان بعد باب نسبة اليمن الى اسماعيل.....)

جو شخص اپنے آپ کو اپنے (حقیقی) باپ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کی طرف منسوب کرے اور وہ اس بات کو جانتا بھی ہو تو وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتا ہے۔

اور جو شخص کسی ایسی قوم میں سے ہونے کا دعویٰ کرے جس میں اس کا کوئی قرابت دار نہ ہو تو اس کا ٹھکانہ جہنم میں ہے۔

زیر بحث آیت میں ”ادعیاء“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو ”دعویٰ“ کی جمع ہے۔ ”الادعیاء“ کے معنی کسی چیز کے متعلق دعویٰ کرنے کے ہیں۔ جنگ میں ”ادعیاء“ کے معنی اپنے آپ کو کسی کی طرف منسوب کرنے کے ہیں کہ میں فلاں قوم میں سے

ہوں یا فلاں کا بیٹا ہوں وغیرہ۔

جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں کہ:

”اس آیت کے نزول کے بعد یہ بات حرام قرار دے دی گئی کہ کوئی شخص اپنے حقیقی باپ کے سوا کسی اور کی طرف اپنا نسب منسوب کرے۔ بخاری و مسلم اور ابوداؤد نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی روایت نقل کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ”مَنْ ادَّعى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ فَالْحَنَّةُ عَلَيْهِمَا حَرَامٌ“

جس نے اپنے آپ کو باپ کے سوا کسی اور کا بیٹا کہا اور آنحلیکہ وہ جانتا ہو کہ وہ شخص اس کا باپ نہیں ہے اس پر جنت حرام ہے۔ (تفہیم القرآن جلد چہارم ص ۷۰)

بہر حال ”ادعوہم لابناءہم“ کے حکم سے اس ”رواج“ کی ممانعت کر دی گئی جو زمانہ جاہلیت سے چلا آ رہا تھا اور ابتدائے اسلام میں بھی رائج تھا کہ منہ بولے بیٹوں کو ان کے حقیقی باپوں کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا تھا اور انہیں متبٹنی بنانے والے ان کو اپنا حقیقی بیٹا سمجھتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کہتے ہیں کہ ہم زید بن حارثہؓ کو (جنہیں نبی اکرمؐ نے آزاد کر کے بیٹا بنالیا تھا) زید بن محمدؓ کہہ کر پکارا کرتے تھے یہاں تک کہ قرآن کریم کی آیت ”ادعوہم لابناءہم“ نازل ہو گئی۔

(صحیح بخاری کتاب التیمم - سورۃ الاحزاب باب ادعوہم لابناءہم - اوسط عند اللہ)

اس حکم کے نزول کے بعد جب نبی اکرمؐ نے زید بن حارثہؓ جو زید بن محمدؓ کے نام سے مشہور ہو چکے تھے (کی مطلقہ سیدہ زینب بنت جحشؓ سے نکاح فرمایا تو یہودیوں اور منافقوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ دیکھو محمدؐ نے اپنے بیٹے کی بیوی کو اپنی بیوی بنالیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس الزام کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی کہ:

”مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ

النَّبِيِّينَ“

(ابواب ۴۰)

نہیں ہیں محمد کسی کے باپ تمہارے مردوں میں سے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔

یعنی نبی اکرمؐ جب تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں تو پھر زید بیٹا کیسے بن گیا؟ وہ تو اپنے باپ حارثہ کا بیٹا ہے۔ منافقوں کا یہ اعتراض کہ محمدؐ نے اپنے بیٹے کی بیوی (مطلقہ) سے نکاح کر لیا ہے دراصل ان کے خبث باطن کا نتیجہ تھا۔

مذکورہ آیت میں جہاں اللہ تعالیٰ نے اس بات کی نفی فرمائی کہ محمدؐ تم میں سے کسی بھی مرد کے باپ نہیں ہیں وہاں اسی کے ساتھ ہی یہ وضاحت بھی فرمادی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ اب کوئی نیا نبی آنے والا نہیں ہے اور آخری نبی کی حیثیت سے بنی فاطمہؑ سمیت پوری امت مسلمہ کے روحانی باپ ہیں۔ اولادِ زہیدہ سے ان کی اولاد آگے کیا چلتی وہ تو سن بلوغ کو بھی نہیں پہنچ سکی البتہ ان کی روحانی اولاد بکثرت ہوگی۔

سورۃ الکوثر میں ”الکوثر“ سے امت مسلمہ کی کثرت بھی مراد لی گئی ہے۔

منافقوں کا الزام تو یہ تھا کہ نبی اکرمؐ نے اپنے منہ بولے بیٹے زید کی مطلقہ یعنی اپنی بہو سے نکاح کر لیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس غلط فہمی کی اصلاح یہ کہہ کر نہیں فرمائی کہ ”محمدؐ زید کے باپ نہیں ہیں“ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ فرمایا کہ ”تمہارے مردوں میں سے بھی وہ کسی کے باپ نہیں ہیں“ اس سے یہ بات مزید مؤکد ہو گئی۔

جبکہ یہ امر واقعہ بھی ہے کہ آپؐ کی اولاد ذکور سب بچپن اور نابالغی کی عمر میں فوت ہوئی، ان میں سے ”رجال“ کی عمر تک کوئی بیٹا بھی نہیں پہنچا۔

اس کے برعکس چاروں بیٹیاں جوان اور بالغ ہو کر بیاہی گئیں اور تین بیٹیوں کے ہاں باقاعدہ اولاد بھی ہوئی۔ سیدہ زہنبؓ زوجہ ابوالعاصؓ سے ایک فرزند علیؑ اور ایک بیٹی امامہ پیدا ہوئیں، سیدہ رقیہؓ زوجہ عثمانؓ سے ایک بیٹی عبداللہؑ تولد ہوئے (جبکہ سیدہ ام کلثومؓ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی) اور سیدہ فاطمہؓ زوجہ علیؑ سے دو بیٹے حسنؑ و حسینؑ اور دو ہی بیٹیاں سیدہ ام کلثومؓ اور سیدہ زہنبؓ پیدا ہوئیں۔ اس طرح نبی اکرمؐ کے سات نواسے اور نواسیاں اپنے اپنے باپ ابوالعاصؓ، امویؓ، عثمانؓ، امویؓ اور علیؑ ہاشمیؑ کی طرف منسوب ہو کر ”ادعواہم لابناءہم“ کے حکم الہی اور بین الاقوامی مسلمہ قانون کے مطابق اموی نسب اور ہاشمی نسب کہلائیں۔

سخت حیرت ہے کہ پیر کرم شاہ صاحب الازہری نے اس حکم الہی اور بین الاقوامی قاعدہ سے آگاہی کے باوجود یہ بات لکھ دی کہ:

”اس بین الاقوامی طور پر مسلمہ قاعدہ کے مطابق حضرت سیدنا علیؑ کے فرزندان ارحمہم حضرت ابوطالبؑ کی اولاد اور نسل سے شمار ہونے چاہیے تھے نہ کہ حضور سرور عالمؐ کی اولاد اور نسل سے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم کو جس طرح دیگر بے شمار خصوصیات سے نوازا ہے یہ خصوصیت بھی بخشی ہے کہ حضرت سیدنا علیؑ کی اولاد حضرت سیدہ طاہرہؓ کے لطن سے اولاد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناءؑ شمار ہوئی نہ کہ ذریت ابوطالب۔“

(ملاحظہ ہو نیاہ افقر آن جلد چہارم ص ۵۶۔ تحت آیت تطہیر)

استعجاب بالائے استعجاب یہ ہے کہ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا عزیز الرحمن عثمانیؒ نے بھی مستدرک کی ایک ضعیف اور مجروح روایت کے سہارے بنی فاطمہؑ کو ”ادعوہم لا بآء ہم“ کے حکم الہی اور بین الاقوامی مسلمہ قانون سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

”کون نسب باپ کی طرف سے ثابت ہوتا ہے لیکن بنی فاطمہؑ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کا نسب حضرت فاطمہؑ کے واسطے سے آنحضرتؐ کی طرف منسوب ہے اور یہ صرف حضرت فاطمہؑ کے سیدۃ النساء ہونے اور ان کی غایت شرافت کی وجہ سے ہوا ہے۔ حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ کی خصوصیت ہے۔

آئندہ کسی عورت کی طرف سے خواہ وہ سیدہ ہی کیوں نہ ہوں نسب ثابت نہ ہوگا۔ باپ کا اعتبار کیا جاتا ہے“ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ج ۱، ص ۵۷)

موصوف نے اس حکم الہی اور اصول (کہ ”نسب باپ کی طرف سے ثابت ہوتا ہے“) کو تسلیم کرنے کے باوجود بنی فاطمہؑ میں سے صرف امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو مستثنیٰ کیا ہے اور اسے ان کی خصوصیت قرار دیتے ہوئے آئندہ کے لیے پھر پابندی لگا دی ہے۔ ”ادعوہم لا بآء ہم“ کا حکم ۵ھ میں نازل ہوا، اس وقت تحقیقی قول کے مطابق حضرات حسنینؑ کی ولادت بھی نہیں ہوئی تھی۔ (تفصیل پیچھے ان کے حالات کے تحت گزر چکی ہے) جبکہ عام مشہور قول کے مطابق ان دونوں کی عمر بالترتیب ایک اور دو سال تھی۔ سوال یہ ہے کہ کب اور کس دلیل کے تحت ان دونوں کا نسب باپ کی بجائے نانا کی طرف منسوب کیا گیا؟

کیا معجم کبیر للطبرانی اور مستدرک للحاکم کی مجروح اور ضعیف روایات کی بنیاد

پر حکم الہی ”ادعوہم لاباءہم“ کو منسوخ یا معطل کیا جاسکتا ہے؟

”بنی فاطمہؑ“ میں سے حضرات حسنینؑ کی حقیقی ہمشیرگان (سیدہ ام کلثومؑ و سیدہ زینبؑ) اور ان کی اولاد کو بواسطہ ماں نبی اکرمؐ کی طرف منسوب کیوں نہیں کیا گیا؟ کیا ان کی ماں سیدہ فاطمہؑ نہیں تھیں؟ کیا اس موقع پر موصوفہؑ کی ”سیادت“ اور ”غایت شرافت“ منقطع ہو گئی تھی؟

نبی اکرمؐ کی وفات کے وقت حضرات حسنینؑ کی عمر مشہور قول کے مطابق چھ اور سات سال تھی۔ جو خود چھوٹے بچے تھے، حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں یہ شادی کی عمر کو پہنچے تھے۔ سوال یہ ہے کہ کس کے حکم سے حضرات حسنینؑ کی اولاد کے لیے ”ادعوہم لاباءہم“ کا معطل قانون دوبارہ بحال ہوا تھا؟

جن ضعیف اور مخروح احادیث کی بناء پر حضرات حسنینؑ کا نسب بواسطہ ماں نبی اکرمؐ کی طرف منسوب کیا گیا تھا ان میں بھی اس ”بحالی“ کے اعلان کا کہیں کوئی ادنیٰ سا اشارہ بھی نہیں پایا جاتا کہ آئندہ اولاد حسنینؑ کو ماں کی بجائے ”ادعوہم لاباءہم“ کے تحت پھر اپنے اپنے حقیقی باپ کی طرف ہی منسوب کیا جائے گا۔

پیر کرم شاہ صاحب نے حدیث کساء یعنی ”ہو لاء اہمل بیتہی“ کے تحت بنی فاطمہؑ کے نسب کو نبی اکرمؐ کی طرف منسوب کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ آیت تطہیر کے نزول کا زمانہ ۹ھ ہے، کیونکہ اس رکوع کا آغاز ہی ”آیت تنخیر“ سے ہوتا ہے۔ گویا ۵ھ میں یہ حکم نازل ہوا کہ اولاد کو ان کے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارا کرو۔ پھر حدیث کساء یا طبرانی و حاکم کی روایات کی بناء پر اس حکم الہی کو معطل کر دیا

گیا لیکن اس کی دوبارہ بحالی دور عثمانی میں ہوئی۔

اس سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ بحالی کا یہ آرڈر بھی ”سبائی سیکرٹریٹ“ سے ہی جاری کیا گیا۔

بہر حال بنی فاطمہؑ اور حضرات حسنینؑ کو بواسطہ ماں نبی اکرمؐ کی طرف منسوب کرنا ”ادعہ ہم لایسآء ہم ہوا قسط عند اللہ“ کے حکم الہی اور ”مَا كَانَ مُحَمَّدٌ ابْنًا أَحَدٍ مِّنْ رَّحَالِكُمْ“ کے اعلان الہی سے بھی صریح انحراف اور بغاوت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اعلان تو یہ ہے کہ محمد ﷺ تم میں سے کسی بھی مرد کے حقیقی باپ نہیں ہیں، کیا حضرات حسنینؑ ”رجال“ میں شمار نہیں ہوتے؟

اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تو یہ ہے کہ اس نے دوسروں کے بیٹے تمہارے بیٹے قرار نہیں دیے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم تو یہ ہے کہ تم دوسروں کے بیٹوں کو ان کے حقیقی باپوں ہی کی طرف منسوب کر کے پکارا کرو اور اس بات کو عند اللہ سب سے زیادہ منصفانہ بات بھی قرار دیا گیا ہے۔

اس حکم الہی میں جہاں دوسروں کی اولاد کو ان کے غیر حقیقی باپوں کے نام سے پکارنے کی ممانعت ہے وہاں ”اشارة النص“ سے یہ امر بھی خود بخود واضح ہو گیا ہے کہ کسی کو اس کے حقیقی باپ کی بجائے ”ماں“ کے نام سے پکارنے کی بھی ممانعت ہے۔ اور یہ دونوں باتیں (غیر حقیقی باپ اور ماں کی طرف منسوب کر کے پکارنا) باطل، ظلم اور غیر منصفانہ ہیں۔

بطن مادری ذریعہ نسل نہیں ہے۔ نطفہ باپ کی طرف سے ہی ہوتا ہے اور اولاد حقیقی باپ کی جانب ہی منسوب ہوتی ہے، ماں کی جانب نہیں۔ کسی ضعیف کیا بلکہ

کسی صحیح حدیث سے بھی حکم الہی کو معطل نہیں کیا جاسکتا لہذا ”بنی فاطمہؑ“ کو اس حکم الہی سے ضعیف اور مجروح روایات کی بناء پر ہرگز مستثنیٰ قرار نہیں دیا جاسکتا۔

سخت تعجب ہے کہ بعض حضرات نے ”ادعہم لا بآء ہم“ کے حکم الہی سے ”بنی فاطمہؑ“ کو نہ صرف اس دنیا میں مستثنیٰ کیا بلکہ آخرت میں بھی انہیں ایک موضوع روایت کے سہارے مستثنیٰ قرار دے دیا۔ ملاحظہ فرمائیں:

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ:

”در بعض روایات آمدہ کہ روزے قیامت مردم را بنام مادران خوانند و گفته اند کہ حکمت دریں آں است کہ تا اولاد زنا شرمنده و رسوا نشوند۔ بجهت رعایت حال عیسیٰ ابن مریم کہ پدرندارد از برائے اظہار فضل و شرف حضرت امام حسن و امام حسین علیہما السلام باظہار نسب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ و اگر ایں روایت ثابت شد آبائکم را حمل بر تغلیب می توان کرد۔ چنانکہ ”ابوین“ می گویند و شاید کہ گاہے بآباء خوانند و گاہے با مہات یا بعضے را بہ نسبت پدران و بعضے را بہ نسبت مادران یا در بعضے مواطن چنان و در بعضے چنین۔ واللہ اعلم رواہ احمد و ابوداؤد۔“

(شعة المعانی فارسی جلد ۲ ص ۵۰۔ مطبوعہ کتب خانہ مجیدیہ ملتان)

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ قیامت کے دن انسان اپنی ماؤں کے نام کے ساتھ پکارا جائے گا۔ اور اس کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس طرح زنا کی اولاد رسوائی اور شرمندگی سے بچ جائے گی۔ (باپ کا نام لینے میں چونکہ یہ منسوب ہوں گے غیر کی طرف جن سے ان کی ماں کی آشنائی تھی اس لیے ایسا نہ ہوگا)

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی اس میں رعایت ملحوظ ہے کہ آپ بن

باپ کے پیدا ہوئے تھے۔

اور ایک کونہ اس سے حضرات حسنینؑ کا شرف و فضل بھی ظاہر ہوگا کہ بواسطہ ماں آنحضرتؐ سے نسب کا اظہار ہوگا۔

اگر ماں سے پکارے جانے والی روایت صحیح ثابت ہو جائے تو ”ہائکم“ کو تعلیم پر محمول کیا جائے گا جس طرح ماں باپ کے لیے ”ابوین“ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کبھی باپ کی طرف منسوب ہو کر بلائے جائیں اور کبھی ماں کی طرف منسوب ہو کر۔ یا بعض افراد باپ کے نام کے ساتھ پکارے جائیں اور بعض دوسرے ماں کی طرف نسبت کر کے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض مقامات میں باپ کی طرف نسبت کی جائے اور بعض مقامات میں ماں کی طرف۔

حالانکہ حضرت موصوف نے ماں کے نام سے پکارے جانے والی مذکورہ موضوع روایت کو مع شرح حسب ذیل صحیح حدیث کے تحت نقل فرمایا ہے جسے صاحب مشکوٰۃ نے بحوالہ احمد و ابوداؤد روایت کیا ہے:-

”عَنْ أَبِي ذَرْدَاءَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَدْعُونَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ بِأَسْمَائِكُمْ وَأَسْمَاءِ آبَائِكُمْ فَأَحْسِنُوا أَسْمَاءَكُمْ“
(مشکوٰۃ - کتاب الآداب - باب الاسماء تحت الفصل الثاني ص ۴۸)

حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم قیامت کے دن اپنے اور اپنے باپ کے ناموں کے ساتھ بلائے جاؤ گے لہذا اپنے نام عمدہ رکھا کرو۔

جبکہ سنن ابی داؤد میں ”صمر و بن عون، مسدد، حشم، داؤد بن عمرو، عبد اللہ بن

زکریا اور ابودرداءؓ کی سند سے یہ حدیث بیان ہوئی ہے۔ البتہ اس کے شروع میں ”إِنَّكُمْ“ کا اضافہ بھی ہے۔ ”إِنَّكُمْ تَدْعُونَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ.....“

(ملاحظہ ہو: سنن ابی داؤد، کتاب الآداب، باب فی تغیب الاستغاثہ، جلد ۸ ص ۳۲۸)

چونکہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اس ساری بحث (صحیح و موضوع روایت مع شرح) کے آخر میں احمد و ابوداؤد کا حوالہ دیا ہے اس لیے قاری کو یہ غلط فہمی لاحق ہو سکتی ہے کہ مذکورہ موضوع روایت بھی ان کتب حدیث میں بیان ہوئی ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

تعب بالائے تعجب یہ کہ مولانا ظفر الدین صاحب مرتب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند و صدر مفتی دارالعلوم دیوبند نے اپنی کتاب میں باقاعدہ جلی عنوان ”قیامت میں پکار ماں کے نام کے ساتھ اور اس کی وجہ“ قائم کر کے اس کے تحت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی منقولہ موضوع روایت مع شرح کو بغیر کسی نقد و جرح اور صحیح سمجھتے ہوئے نقل کر دیا۔ (ملاحظہ ہو: اسلام کا نظام تربیت، ص ۳۳-۳۴ مطبوعہ مکتبہ شریعہ قاری منزل، پاکستان چوک کراچی)

ابوداؤد اور مسند احمد کے علاوہ صحیح بخاری کی متعدد احادیث سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو اپنے اور اپنے باپ کے نام سے پکارا جائے گا:

”عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْغَايِرَ يُرْفَعُ لَهُ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يُقَالُ هَذِهِ غَنَرَةُ فُلَانٍ بْنِ فُلَانٍ“

(صحیح بخاری، کتاب الآداب، باب يُدْعَى النَّاسُ بِأَبَائِهِمْ، جلد ۲، ص ۹۱۲، رقم الحديث ۶۱۷۷، ۶۱۷۸)

علاوہ ازیں یہ حدیث صحیح بخاری کے دیگر ابواب میں بھی آئی ہے۔

(ملاحظہ ہو: صحیح بخاری تحت رقم الحدیث ۳۱۸۶، ۳۱۸۷، ۳۱۸۸، ۳۱۸۹، ۳۱۹۰، ۳۱۹۱، ۳۱۹۲، ۳۱۹۳، ۳۱۹۴)

امام بخاری نے مذکورہ احادیث جس باب کے تحت روایت کی ہیں اس کا عنوان ہی یہ قائم کیا ہے کہ:

”بَابُ يُدْعَى النَّاسُ بِأَبَائِهِمْ“ یعنی لوگ قیامت کے دن اپنے باپوں کے نام سے پکارے جائیں گے۔

مذکورہ صحیح احادیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو ”انفرادی“ حیثیت میں اپنے اپنے باپ کے نام سے ہی پکارا جائے گا۔ جبکہ قرآن کریم کی ایک آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ”اجتماعی“ حیثیت میں انہیں ان کے لیڈروں اور پیشواؤں کے نام سے پکارا جائے گا۔

”يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِسمَائِهِمْ“ (نہ مرائلہ)

وہ دن جب ہم بلائیں گے تمام انسانوں کو ان کے پیشوا کے ساتھ۔

لغت میں امام اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کی پیروی کی جائے، خواہ وہ ہدایت پر ہو یا گمراہی پر۔ یعنی اہل حق کو ان کے انبیاء کے نام سے پکارا جائے گا اور گمراہوں کو ان کے پیشواؤں کے نام سے۔ آیت میں ”اناس“ کے معنی انسانوں کے گروہ کے ہیں اور امام سے مراد لیڈر اور پیشوا ہیں۔

بعض مفسرین کے نزدیک ”امام“ سے آسمانی کتب مراد ہیں جو انبیاء کرامؑ کے ساتھ نازل ہوتی رہیں۔ یعنی اے اہل تورات!، اے اہل انجیل! اور اے اہل قرآن! وغیرہ کہہ کے پکارا جائے گا۔ جبکہ بعض کے نزدیک ”امام“ سے مراد نامہ اعمال ہے۔ یعنی ہر شخص کو جب بلایا جائے گا تو اس کا نامہ اعمال اس کے ساتھ ہوگا اور اس

کے مطابق اس کا فیصلہ کیا جائے گا۔

سہائی اور سہائی نواز طبقہ نے سیدہ فاطمہؑ اور حضرات حسنینؑ کی فضیلت کے پیش نظر زیر بحث روایت گھڑ کر اس کی خوب تشہیر کی جس سے اہل سنت خواص بھی متاثر ہو گئے اور انہوں نے اس موضوع روایت کو اپنی تحریر و تقریر میں نقل و بیان کرنا شروع کر دیا۔

ملا علی قاری حنفی اپنی کتاب ”موضوعات“ میں فرماتے ہیں کہ:

یہ روایت کہ لوگ ماؤں کے نام سے پکارے جائیں گے باطل ہے۔ جبکہ محمد بن کعب کا قول یہ ہے کہ لوگ اماموں کے ناموں سے پکارے جائیں گے۔ (قرآن سے بھی اسی قول کی تائید ہوتی ہے)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور مفتی ظفر الدین صاحب نے زیر بحث روایت کی تشریح کرتے ہوئے تین وجوہات کا ذکر فرمایا ہے:

۱۔ اتنا کہ حرام اور زنا کی اولاد قیامت کے دن شرم سار نہ ہو۔

۲۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چونکہ باپ نہیں اس لیے ان کی رعایت کرتے ہوئے ماؤں کے نام سے پکارا جائے گا۔

۳۔ سیدہ فاطمہؑ اور حضرات حسنینؑ کا مرتبہ اور شرف و فضل ظاہر کرنے کے لیے یہ قاعدہ اپنایا جائے گا۔

جبکہ صحیح احادیث سے اس امر کی تردید ہوتی ہے۔ صحیح بخاری، مسند احمد اور ابوداؤد کے حوالے اور پرگز رچکے ہیں۔

حرام اولاد کو رسوائی سے بچانے کی وجہ تو نقل کرنے کے بھی قابل نہیں ہے۔

کیونکہ شریعت کی نگاہ میں وہ ہرگز مجرم نہیں۔ اصل مجرم تو وہ رجال اور خواتین ہیں جن کی حرام کاری کے باعث یہ اولاد وجود میں آئی۔ قیامت کا دن تو ایسے مجرموں کو سزا دینے اور رسوا کرنے کے لیے ہی مقرر کیا گیا ہے۔ کہیں ”مشکوٰۃ“ قسم کے لوگ اس طرح کی روایت وضع کر کے اپنے شک پر پردہ تو نہیں ڈالنا چاہتے۔

جہاں تک اس توجیہ کا تعلق ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باپ نہیں تھے اس لیے لوگوں کو ماؤں کے نام سے پکارا جائے گا تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو کس نام سے پکارا جائے گا جن کے ماں باپ دونوں نہیں تھے۔ جس اصول اور قاعدے کے تحت حضرت آدم علیہ السلام کو خارج کیا جائے گا اسی کے تحت حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی مستثنیٰ سمجھے جاسکتے ہیں۔

اب صرف ایک وجہ باقی رہ جاتی ہے کہ حضرات حسنینؑ کے شرف و فضل کی وجہ سے ماں کے نام سے پکارا جائے گا۔

تو سوال یہ ہے کہ کیا سیدہ فاطمہؑ اور ان کی بہنوں سیدہ زینبؑ، سیدہ رقیہؑ اور سیدہ ام کلثومؑ کو بھی ماں کے نام سے ہی پکارا جائے گا؟

کیا بنات رسولؐ کو سیدہ خدیجہؑ کے نام سے پکارا جانا زیادہ باعث فضیلت ہے یا خود نبی اکرمؐ کے نام سے.....؟

جب سب انسانوں کو ماں کے نام سے ہی پکارا جائے گا تو پھر اس میں حضرات حسنینؑ کی کیا خصوصیت باقی رہ جاتی ہے؟

زیر بحث روایت کو ملا علی قاری، ابن جوزی اور علامہ ناصر الدین البانی نے موضوع قرار دیا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ روایت صحیح احادیث اور حکم قرآن کے

خلاف ہے۔

صد افسوس کہنا قابل احتجاج اور ناقابل اعتبار، کذاب و سہائی راویوں سے مروی ضعیف و منکر روایات اور ”عرف“ کی بناء پر علماء کرام و مفتیان کرام کی تائیدات سے نص قطعی میں تغیر تبدل، تمنیخ و قطل اور نقب زنی کر کے حضرات حسینؑ کا نسب علیؑ بن ابی طالب سے کاٹ دیا گیا ہے جس سے ”مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ“ اور ”ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ“ کی دونوں شقوں (یعنی غیر حقیقی باپ اور ماں کی طرف نسبت) کی سخت ترین خلاف ورزی واقع ہوئی ہے۔

بنی نوع انسان کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت ہوا سے ہوئی لیکن قرآن مجید میں ہر جگہ ”یَسْبِيْ اٰدَمَ“ ہی فرمایا گیا ہے۔ کسی مقام پر بھی انسان کو حضرت ہوا کی طرف منسوب نہیں کیا گیا۔

اسی طرح قوم نوحؑ، قوم صالحؑ، ذریت نوحؑ، ذریت ابراہیمؑ، آل ابراہیمؑ، بنی اسماعیلؑ، آل رسولؐ، آل ابی طالبؑ، آل علیؑ، آل حسنؑ، آل حسینؑ، بنی ہاشمؑ، بنی عباسؑ وغیرہم کے عنوانات ہی قرآن، حدیث اور کتب تاریخ و سیر و انساب میں پائے جاتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کسی کو بھی ماں کی طرف منسوب نہیں کیا گیا اور اس کی وجہ بھی اہل علم پر واضح ہے۔ اگر ان کے باپ ہوتے تو ضرور انہیں بھی باپ ہی کی طرف منسوب کیا جاتا کیونکہ نسب باپ ہی کی طرف سے چلتا ہے۔

لیکن بعض حضرات نے حضرت عیسیٰ کی مثال سے بالکل غلط استدلال کرتے ہوئے اولاد علیؑ (از بطن فاطمہؑ) کو بھی حقیقی باپ کی موجودگی کے

اہل بیت رسول کون؟ ۴۰۳ حدیث نسب بنی فاطمہؑ

باوجود بواسطہ ماں نبی اکرمؐ کے نسب میں شامل کر دیا۔ وہ اپنی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم، اسحاق، یعقوب علیہم السلام کا ذکر کر کے فرمایا:

وَنُوحًا هَدَيْنَا مِن قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَى وَهَارُونَ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ ۝ (سورۃ الانعام ۸۴-۸۵)

اور پہلے زمانہ میں ہم نے نوح کو ہدایت کی اور ان کی اولاد میں سے داؤد کو اور سلیمان کو اور ایوب کو اور یوسف کو اور موسیٰ کو اور ہارون کو اور اسی طرح ہم نیک کام کرنے والوں کو جزا دیا کرتے ہیں۔ اور (نیز) زکریا کو اور یحییٰ کو اور عیسیٰ کو اور ایسا کو، سب نیک لوگوں میں سے تھے۔

بعض مفسرین نے آیت میں لفظ ”ذُرِّيَّتِهِ“ میں ضمیر کا مرجع ابراہیم کو قرار دیا ہے اور بعض نے نوح کو کیونکہ وہی اقرب ہیں۔ ”ای من ذریۃ ابراہیم وقیل ومن ذریۃ نوح“ (القرطبی)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

”اس میں ایک اشکال تو حضرت عیسیٰ کے بارے میں ہو سکتا ہے کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ کی دختری اولاد میں سے ہیں، یعنی پوتے نہیں بلکہ نواسے ہیں تو ان کو ذریۃ کہنا کیسے صحیح ہوگا؟

اہل بیت رسولؐ کون؟

۴۰۴

حدیث نسب بنی فاطمہؑ

اس کا جواب عامہ علماء و فقہاء نے یہ دیا ہے کہ لفظ ذریت پوتوں اور نواسوں دونوں کو شامل ہے۔ اور اسی سے استدلال کیا ہے کہ حضرات حسنینؑ رسول اللہ ﷺ کی ذریت میں داخل ہیں۔“ (معارف القرآن جلد سوم ص ۳۸۸-۳۸۹)

حضرت عیسیٰؑ کو باپ کے نہ ہونے کی وجہ سے ماں کی طرف منسوب کر کے پکارنا صحیح ہے اور وہ نواسہ ہونے کی بناء پر ”ذریت ابراہیمؑ“ میں بھی شامل ہیں کیونکہ آیت کا اطلاق پوتوں اور نواسوں دونوں پر ہوتا ہے۔ لیکن اس آیت سے صرف حضرات حسنینؑ کے ذریت محمدؐ ہونے پر استدلال یقیناً محل نظر ہے۔ دونوں واقعات میں کوئی مماثلت نہیں پائی جاتی۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضرات حسنینؑ نبی اکرمؐ کی ذریت نہیں ہیں، وہ زیر بحث آیت اور حضرت عیسیٰؑ کی مثال کی وجہ سے نہیں بلکہ نواسہ ہونے کی بناء پر یقیناً آپؐ کی ذریت میں شامل ہیں۔ اسی طرح ان کی حقیقی بہنیں سیدہ ام کلثومؑ، سیدہ زینبؑ، علی بن ابی العاصؑ، سیدہ امامہ بنت ابی العاصؑ اڑطن سیدہ زینبؑ بنت محمدؐ اور عبداللہ بن عثمان ذوالنورینؑ اڑطن سیدہ رقیہؑ بنت محمدؐ بھی نواسہ ہونے کی بناء پر یقیناً ذریت محمدؐ میں شامل و داخل ہیں۔

علاوہ ازیں قرآن عزیز نے سورۃ الانعام کی آٹھ (۸۳ تا ۹۰) آیات میں نہ صرف سترہ انبیاء کرامؑ کا نام لے کر بلکہ ”وَمَنْ آتَيْنَاهُمُ وَذَرْنَاهُمْ وَآخَرَانِهِمْ“ کی تصریح کے ساتھ یہ اعلان فرمایا کہ:

یہ برگزیدگی اور ہدایت صرف ان انبیاء تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ ان کے آباء و اجداد، ان کی آل و اولاد اور ان کے بھائی بندوں میں سے بھی کتنوں کو یہ سعادت حاصل ہوئی لیکن انہیں یہ فضیلت و برگزیدگی نوحؑ یا ابراہیمؑ کی ذریت اور اولاد ہونے

اہل بیت رسول کون؟

۴۰۵

حدیث نسب بنی فاطمہؑ

کی وجہ سے نہیں بلکہ تو حید صراط مستقیم اور صلاح و تقویٰ کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ ”وَلَوْ
أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ“ (الانعام ۸۸) اگر یہ لوگ بھی شرک میں مبتلا
ہو جاتے تو ان کا سارا کیا دھرا اکارت اور برباد ہو کے رہ جاتا۔

اس ارشاد میں ان لوگوں کے لیے زبردست تنبیہ ہے جو محض ذریت نوح
و ابراہیمؑ پر برگزیدگی کے خواب دیکھ رہے ہیں۔

علاوہ ازیں سورۃ الانعام کی آیت ۸۴، ۸۵ میں حضرت عیسیٰ سے متعلق
ذریت ابراہیمؑ کی تصریح سے حضرات حسنینؑ کے ذریت محمدؐ میں داخل ہونے پر
استدلال اور قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ”قیاس فاسد“ کے زمرے میں آتا ہے
جبکہ ایک دوسری آیت سے قیاس صحیح اور شرعی پر رہنمائی ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد
فرماتے ہیں کہ:

”إِنْ مَثَلٌ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ طَخَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ

فَيَكُونُ“

(آل عمران ۵۹)

بے شک مثال عیسیٰ کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدمؑ کی مانند ہے۔ بنایا اسے
مٹی سے پھر فرمایا اسے ہو جا تو وہ ہو گیا۔

حضرات حسنینؑ کی پیدائش تو حضرت عیسیٰ جیسی نہ تھی۔ کیونکہ ان کے باپ
حضرت علیؑ موجود تھے۔ البتہ قرآن عزیز نے عیسیٰ کی ولادت کو آدمؑ کی ولادت کی
طرح قرار دیا کہ جس طرح وہ بن باپ پیدا ہوئے اسی طرح عیسیٰ بھی بن باپ پیدا
ہوئے۔ بلکہ ولادت کے معاملے میں آدمؑ کو اس اعتبار سے عیسیٰ پر فوقیت حاصل ہے

کہ وہ بغیر ماں کے بھی پیدا ہوئے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کی ولادت کو حضرت آدمؑ کی ولادت پر قیاس فرمایا۔

عیسائی حضرت عیسیٰ کی بن باپ ولادت کو اس بات کی دلیل بناتے تھے کہ آپؑ ”اللہ“ یا اللہ کے بیٹے ہیں۔ قرآن کریم ان کے اس باطل نظریہ کی تردید کرتا ہے کہ اگر عیسیٰ کے الہ ہونے کی یہی دلیل ہے تو پھر آدمؑ کو معبود کیوں نہیں بنایا گیا۔ حالانکہ ان کے ماں باپ دونوں نہیں تھے۔ اگر انہیں انسان تسلیم کیا گیا ہے تو پھر عیسیٰ کو ”الوہیت“ کے درجے پر کیوں فائز کر دیا گیا؟ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے سامنے حضرت آدمؑ اور حضرت عیسیٰ دونوں کی پیدائش یکساں ہے۔

اس سے یہ عقیدہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ سبائی اولاد علیؑ (حضرات حسنینؑ) کو ”ادعورہم لآہائہم“ کے حکم الہی کے برخلاف ماں کی طرف منسوب کر کے کیا مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں؟

جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ بن مریم کو ”الوہیت“ کے مقام پر فائز کیا تھا اسی طرح سبائیوں نے بھی نہ صرف حضرت علیؑ اور حضرات حسنینؑ کو بلکہ ان سمیت بارہ اماموں کو بھی مقام الوہیت پر بٹھا دیا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم الحروف کی کتاب ”شیعیت۔ تاریخ و افکار“ ص ۶۹۰ تا ۷۰۲۔ تحت ”عقیدہ امامت“۔ جس میں ناقابل تردید دلائل سے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ اہل تشیع کا عقیدہ امامت اور نظریہ ولایت فقیہ ختم نبوت کے منافی اور نبوت والوہیت کا مرکب ہے۔

اہل تشیع کی کتب سے یہ بات ثابت ہے کہ عبد اللہ بن سبائے حضرت علیؑ کی ربوہیت کا دعویٰ کیا تھا۔ ”إِنَّهُ ادَّعَى الرَّبُّوبِيَّةَ فِي أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِ السَّلَامُ“

مشہور شیعہ مجتہد ابن شہر آشوب نے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے لیے بیان کی گئیں صفات حضرت علیؑ کے لیے ثابت کیں کہ:

اللہ ”علیٰ العظیم“ ہے اور حضرت علیؑ کو بھی ”علی“ کہا گیا۔ (وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقًا عَلِيًّا) اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو (هُوَ يُطْعَمُ وَلَا يُطْعَمُ) کھانا کھلانے والا کہا اور یہی صفت حضرت علیؑ کو بھی عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے (لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ) نہ تیند اور نہ اونگھ آنے کی صفت بیان فرمائی اور حضرت علیؑ کے لیے (أَمَّنْ هُوَ قَانِثٌ) شب بیداری کرنے والا کہا۔

اللہ تعالیٰ نے خود کو (أَلَوَاحِدُ الْقَهَّانُ) واحد کہا اور حضرت علیؑ کو بھی (قُلُوبُ النَّاسِ أَعْظَمُكُمْ بِوَاحِدَةٍ) واحد کہا۔

امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ قریش کو تمہاری وجہ سے نصیحت حاصل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو ”مَالِكُ الْمَلِكِ“ کہا اور حضرت علیؑ کو ”مُلْكُ الْمُلْكِ“ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے ”يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوهُ“ کہا اور حضرت علیؑ کو ”عَلِيٌّ حُبُّهُ مَسْكِينًا وَيَتِيمًا“ فرمایا۔ (مناقب آل ابی طالب۔ جلد سوم ص ۲۳۸۔ باب الفخائل۔ مطبوعہ قم طبع جدید) ملا باقر مجلسی رقم طراز ہیں کہ:

”حضرت علیؑ نے اپنے بعض خطبات میں ارشاد فرمایا ہے۔۔۔ میں وہ ہوں جس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں بعد رسول اللہ میرے سوا کوئی نہیں

اہل بیت رسول کون؟

۴۰۸

حدیث نسب بنی فاطمہؑ

جانتا۔ میں وہ ذوالقرنین ہوں جس کا ذکر صحفِ اولیٰ میں ہے، میں خاتمِ سلیمان کا مالک ہوں، میں قاسمِ جنت و نار ہوں، میں اولِ آدم ہوں، میں اولِ نوح ہوں، میں جبّار کی آیت ہوں، میں اسرار کی حقیقت ہوں، میں درختوں کو پتوں کا لباس دینے والا ہوں، میں پھلوں کا پکانے والا ہوں، میں چشموں کو جاری کرنے والا ہوں، میں نہروں کو بہانے والا ہوں، میں علم کا خزانہ ہوں، میں حلم کا پہاڑ ہوں، میں امیر المومنین ہوں، میں سرچشمہ یقین ہوں اور میں زمینوں اور آسمانوں میں اللہ کی حجت ہوں۔“

(جلاء المصابیح جلد دوم ص ۶۰-۶۱۔ مطبوعہ شیعہ جزل کتب انجمنی لاہور)

حضرت جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ:

جو امیر المومنین حکم دیں وہ مانو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔ علیؑ کو وہی فضیلت حاصل ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔

(اصول کافی۔ کتاب الحجة۔ باب ان الامامة هم اركان الارض جلد اول ص ۱۱۸)

قرآن کی رو سے حضراتِ حسنینؑ کو مثیلِ عیسیٰ قرار دینے کی حیثیت تو خوب واضح ہوگئی ہے اب وہ حدیث ملاحظہ فرمائیں جس کی رو سے حضرت علیؑ کو مثیلِ عیسیٰ قرار دیا گیا ہے:

”عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيكَ مَثَلُ مَنْ عِيسَى الْكَعْبُضَةُ الْيَهُودُ حَتَّى بَهَتُوا أُمَّةً وَأَحْبَبَهُ النَّصَارَى حَتَّى أَنْزَلُوهُ بِالْعَرِزَةِ الَّتِي لَيْسَتْ لَهُ۔ ثُمَّ قَالَ يَهْلِكُ فِي رَجُلَانِ مُجِبٌ مُفْرِطٌ يُفَرِّطُنِي بَعَا لَيْسَ فِيٍّ وَمُبْغِضٌ يَحْمِلُهُ شَنَايِي عَلَيَّ أَنْ يَهْتَنِي۔ (رواه احمد، مطبوعه المصاحف باب مناقب علي)

حضرت علیؑ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے اندر

حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ ایک مشابہت پائی جاتی ہے کہ ان کے ساتھ یہودیوں نے بغض رکھا یہاں تک کہ انہوں نے ان کی والدہ پر (بدکاری کی) تہمت لگائی اور نصاریٰ نے ان کے ساتھ انتہائی محبت کی حتیٰ کہ انہیں اس مقام پر پہنچا دیا جو ان کے لیے نہ تھا۔

پھر حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میرے بارے میں بھی دو طرح کے آدمی ہلاک ہوں گے: ایک افراط کی حد تک محبت کرنے والا جو مجھ میں وہ اوصاف و فضائل گنوائے گا جو مجھ میں نہیں ہیں۔ اور دوسرا بغض رکھنے والا کہ وہ میری دشمنی میں یہاں تک بڑھ جائے گا کہ مجھ پر بہتان لگائے گا۔

مسند احمد بن حنبلؒ کے علاوہ مستدرک حاکم، نہج البلاغہ اور حق الیقین میں بھی یہ حدیث بیان ہوئی ہے۔ کو یا اس کی صحت پر اہل سنت اور اہل تشیع دونوں متفق ہیں بلکہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب امیر تنظیم اسلامی نے پہلی مرتبہ اپنی تقریر کے لیے اسے بطور عنوان (مثیل عیسیٰ، علی مرتضیٰ) اخبارات میں مشتہر کیا جسے بعد میں دو قسطوں میں اپنے جریدے ماہنامہ میثاق کے اوراق کی زینت بنایا۔ (ملاحظہ ہو ماہنامہ میثاق اگست/ ستمبر ۱۹۸۷ء)

چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

”آج کی اس تقریر کے لیے اخبار میں جو اشتہار شائع کرایا گیا ہے اس کو دیکھ کر بہت سے لوگ چونکے ہوں گے۔ میں نے اخباری اطلاع کا عنوان ”مثیل عیسیٰ، علی مرتضیٰ“ کیوں بنایا؟ یہ لفظ تو حضرت علیؑ کے عالی عقیدت مندوں نے بھی کبھی استعمال نہیں کیا۔ یہ تم کہاں سے لے آئے۔ حضرات! یہ لفظ میں نے اس حدیث سے لیا ہے جس کے راوی خود حضرت علیؑ ہیں.....“ (ماہنامہ میثاق اگست/ ستمبر ۱۹۸۷ء ص ۲۹)

نہج البلاغہ اور حق الیقین اہل تشیع کی کتابیں ہیں۔ مستدرک حاکم بھی ان ہی

اہل بیت رسول کون؟

۳۱۰

حدیث نسب بنی فاطمہؑ

کی ہے جس کا مختصر تعارف زیر بحث عنوان (یعنی ”حدیث نسب بنی فاطمہؑ“ کی ابتداء میں کرا دیا گیا ہے۔

صاحب مشکوٰۃ کالمأخذ مسند احمد بن حنبل ہے۔

مولانا ناصر الدین البانی کی تحقیق کے مطابق اس روایت کو امام احمدؒ نے روایت نہیں کیا بلکہ ان کے صاحبزادے کا ادخال ہے اور اس کی اسناد کو ضعیف بھی قرار دیا ہے۔
(مشکوٰۃ جلد ۳۔ ص ۲۳۔ کتب اسلامیہ روت ۱۹۸۵ء بحوالہ تحقیق واقعہ سہ ماہی تحت ”حرفے چند“ از مولانا سعید الرحمن ملوئی ص ۱۱)

علامہ ابن جوزی نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔

علاوہ ازیں یہ حدیث حکیم بن عبد الملک، خالد بن مخلد اور سفیان بن وکیع سے مروی ہے۔ سبکی بن معین کا بیان ہے کہ حکیم بن عبد الملک ثقہ نہیں بلکہ یہ کچھ بھی نہیں۔ ابو داؤد کا قول ہے یہ منکر الحدیث ہے۔ (میزان الاختصار جلد ۱ ص ۵۸۶، کتاب الضعفاء والمترکین للنسبی ص ۳۶)

دوسرے راوی خالد بن مخلد کے متعلق خود امام احمد فرماتے ہیں کہ اس کی روایات منکر ہوتی ہیں۔ جبکہ سفیان بن وکیع کے متعلق امام نسائی کا بیان ہے یہ کچھ بھی نہیں۔ ابوزرعمہ کا بیان ہے کہ یہ جھوٹ کے ساتھ مہم ہے۔ (اعمال اصحابہ جلد ۱ ص ۲۲۷)

ان تین راویوں کے علاوہ اس روایت کے دیگر راوی بھی ناقابل اعتبار ہیں مثلاً حارث بن حصیرہ عقیدہ رجعت پر ایمان رکھتا تھا۔ ابوصادق اور ربیعہ بن ناجد، یہ سب لوگ مجہول ہیں۔

زیر بحث حدیث کی روایتی و درایتی حیثیت کے قطع نظر اہل تشیع نے ”رجلان“ کا مصداق اہل سنت کو قرار دیا ہے جبکہ اہل سنت نے بجا طور پر اور واضح

دلائل وبراہین کے ساتھ اس روایت کو اہل تشیع کے دونوں گروہوں (روافض و خوارج) پر منطبق کیا ہے۔

بہر حال واضعین نے حضرات حسنینؑ کو اروئے قرآن اور حضرت علیؑ کو از روئے حدیث ”مثیل عیسیٰ“ قرار دیتے ہوئے ان بزرگان امت کے ساتھ وہی سلوک کیا ہے جو یہود و نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کے ساتھ روا رکھا تھا۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ حضرات حسنینؑ کا نسب اپنے حقیقی باپ حضرت علیؑ سے منقطع کر کے بواسطہ ماں نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں ہے۔

کیا حضرات حسنینؑ اپنی بہنوں سمیت ماں کی طرف سے صرف ایک واسطہ سے اور حقیقی باپ حضرت علیؑ کی طرف سے دو واسطوں (علیؑ بن ابی طالب بن عبدالمطلب) سے محمدؐ (بن عبد اللہ بن عبدالمطلب) کے شجرہ نسب میں شامل نہیں ہو جاتے؟ کیا بنی فاطمہؑ کے لیے یہ شمولیت و فضیلت کچھ معمولی وجہ کی تھی؟

معلوم نہیں کہ پھر اس نقطہ نظر کے حاملین کو ”أَذْعَوْهُمْ لَا بَاءَ بِهِمْ“ کے حکم الہی کو معطل کرنے، پھر دوبارہ بحال کرنے، ”مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ“ جیسی نص قطعی کی نفی کرنے اور کذاب و مجروح راویوں کے اقوال کو نبی اکرمؐ کی طرف منسوب کرنے کی ضرورت آخر کیوں محسوس ہوئی؟ کیا نبی اکرمؐ دیگر افراد امت کی طرح بنی فاطمہؑ کے بھی روحانی والد نہیں ہیں؟ کیا نبی اکرمؐ اولاد سیدہ زہبہؓ زہبہ ابوالعاص امویؓ اور اولاد سیدہ رقیہؓ زوجہ عثمان امویؓ کی طرح اولاد سیدہ فاطمہؓ زوجہ علیؓ ہاشمی کے بھی مجازی والد نہیں ہیں؟ کیا قرآن، صحیح احادیث اور نبی اکرمؐ کے اسوۂ حسنہ اور طرز عمل

سے آگاہ ہو کر ایک لمحہ کے لیے بھی یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ اسلام کا داعی، پیغمبر آخر الزمان محمد مصطفیٰ ﷺ جو تمام دنیا کو تو قومی و نسلی امتیازات کی غلامی سے نجات دلانا چاہتا ہو لیکن نعوذ باللہ خود حکم الہی میں ترمیم کر کے اپنے صرف دونوں حضرات حسنینؑ کا نسب ان کے حقیقی باپ حضرت علیؑ سے کاٹ کر اپنے ساتھ ملحق کر دے؟

یہ بات کیونکر ممکن ہے کہ امتیاز نسب کے جس بت کو اس ذات اقدسؐ نے خود ڈرا ہو بعد میں پھر ان ہی ٹکڑوں کو جوڑ کر از سر نو ایک نیا بت خانہ قائم کر جائے؟
لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم۔

کیا حسب ذیل آیت کی روشنی میں اس بات کا تصور کیا جاسکتا ہے کہ نبی اکرمؐ نے خود حضرات حسنینؑ کی خاطر حکم الہی ”ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ“ میں ترمیم اور تغیر و تبدل کیا ہو؟ یا نبی اکرمؐ نے ”مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ“ کی تصریح کے باوجود حضرات حسنینؑ جیسے ”رجال“ کے لیے اپنی ”ابویت“ ثابت کی ہو؟

”وَإِذَا تَمَسَّلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بِلَهْلَهٗ قُلْ مَسَٰيْكُورٌ لِّیْٓ أَنْ أَدَّبِلَهُٗ مِنْ تَلْقَآئِیْ نَفْسِیْٓ إِنَّ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا یُوحِیْٓ إِلَیَّ لَیْسَ لِیْیَ أَخَافُ إِنَّ عَصِیْتُ رَبِّیْ عَذَابٌ یَّوْمٍ عَظِیْمٌ“ (سورہ یونس آیت ۱۵)

اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں جو بالکل صاف صاف ہیں تو یہ لوگ جن کو ہمارے پاس آنے کی امید نہیں ہے یوں کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی دوسرا قرآن لایئے یا اس میں کچھ ترمیم کر دیجیے۔
آپؐ یوں کہہ دیجیے کہ مجھے یہ حق نہیں کہ میں اپنی طرف سے اس میں ترمیم

اہل بیت رسول کون؟

۴۱۳

حدیث نسب بنی فاطمہؑ

کردوں۔ بس میں تو اسی کا اتباع کروں گا جو میرے پاس وحی کے ذریعہ سے پہنچا ہے۔
اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب کا
اندیشہ رکھتا ہوں۔

اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی تحریر کرتے ہیں کہ:

شرع مطہر میں نسب باپ سے لیا جاتا ہے۔ جس کے باپ دادا پٹھان،
مغل یا شیخ ہوں وہ ان ہی قوموں سے ہوگا اگرچہ اس کی ماں، دادی، پردادی سب
سیدانیاں ہوں۔ (اکام شریعت ص ۱۸۲)

حکیم الامت شاہ اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں کہ نسب میں اعتبار باپ کا ہے
ماں کا کچھ اعتبار نہیں۔ (بہشتی زیور حصہ چہارم ص ۱۰)

لیکن اس کے برعکس اہل تشیع اور ان کے ہم خیال، حضرات حسنینؑ اور ان کی
اولاد کو حدیث کساء اور حدیث بنی فاطمہؑ کی بناء پر باپ کی بجائے ماں کی جانب
منسوب کرتے ہیں۔ جبکہ آنحضرت ﷺ کی بیٹی سیدہ زینبؑ اور سیدہ رقیہؑ نیز حضرت
حسنؑ اور حضرت حسینؑ کی حقیقی بہنوں (سیدہ ام کلثومؑ و سیدہ زینبؑ) کی اولاد کو آج تک
کسی نے بھی ماں کی جانب منسوب کرتے ہوئے اولاد نبیؐ میں شمار نہیں کیا اس طرح
انہوں نے اصلی اور حقیقی اہل بیت (ازواج مطہراتؑ) کو اہل بیت کی اصطلاح سے
خارج کر کے ان کی جگہ مجازی اہل بیت کو شامل کر دیا۔

لیفٹیننٹ کمانڈر ریٹائرڈ عبدالجلیل خان صاحب لکھتے ہیں:

صدیوں تک اہل بیت کے کسی ایک ہی سلسلہ کے چلنے کی کوئی سند قرآن
اور سنت میں موجود ہے نہ عالم انسانی میں اس کی کوئی مثال پائی جاتی ہے۔ یہ زالی منطق

اہل بیت رسول کون؟

۴۱۴

حدیث نسب بنی فاطمہؑ

صرف شیعوں کی بے اصل اختراع ہے۔ اہل بیت ہر فرد کے جدا ہوتے ہیں۔ کسی کی نسل اس کی اہل بیت نہیں ہوتی..... امہات المؤمنینؑ اہل بیت رسولؐ کہلاتی ہیں۔

جہاں تک چہارتن کے اہل بیت ہونے کا تعلق ہے اس کا مدار کسی قرآنی آیت پر نہیں بلکہ ایک حدیث پر ہے..... چنانچہ مسلمان امہات المؤمنینؑ کے ساتھ چہارتن کو بھی ان کی ذات کی حد تک اہل بیت تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن ان کی اولاد اور ان کی نسل کا اہل بیت رسولؐ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (اسلام اور منافقت۔ ص ۱۱۶)

فخر المفسرین عبدالحق حقانی دہلوی لکھتے ہیں:

ف: کیا حضرت علیؑ و جعفرؑ و عقیلؑ و عباسؑ کی اولاد بھی جو سینکڑوں برس کے بعد پیدا ہوئی اور ہوگی سب اہل بیت ہیں؟

حقیقت میں اہل بیت و آل وہی لوگ تھے جو حضرتؐ کے سامنے موجود تھے اور ان کی اولاد اور اولاد در اولاد کو جو اہل بیت اور آل نبیؐ کہا جاتا ہے تو مجازاً اور ادباً؛ اس لیے کہ نہ یہ حضرتؐ کے گھر کبھی رہے ہیں نہ حضرت ان کی عیالت کرتے تھے۔ حق بات یہی ہے باقی افراط و تفریط ہے جو تعصب یا فرط محبت پر مبنی ہے۔ (تفسیر حقانی حصہ ششم ص ۹۰)

☆☆☆

عصمت ائمہ کا عقیدہ

اہل تشیع حدیث کساء کے ذریعے ”چارتن“ کے معصوم ہونے کا بھی اعتقاد رکھتے ہیں۔ حدیث پر روایتاً و درایتاً بحث تو پیچھے گزر چکی ہے اب اس سے ماخوذ عقیدہ عصمت ائمہ کا مختصر تجزیہ ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے۔

سورۃ الاحزاب کی آیت تطہیر میں ”چارتن“ کا تو دور دور تک کوئی نشان نظر نہیں آتا اور نہ ہی وہ سرے سے سیاق کے اعتبار سے آیت تطہیر کے مصداق ہیں۔ اس کا توڑ (وہ بھی ازواج مطہرات کو خارج کر کے) حدیث کساء سے کیا گیا کہ یہی چارتن اہل بیت ہیں۔ پھر اسے آیت تطہیر کے ساتھ منسلک کر کے اذہاب رجس اور تطہیر سے عصمت کا عقیدہ کشید کر لیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بیت کو معصوم بنایا ہے۔ اصول کافی میں ایک باب کا عنوان ہے ”باب نادر جماع فی فضل الامام و صفاته“ اس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ الامام المصطہر من الذنوب والمعبر من العیوب فہو معصوم مؤید موفق..... الخ امام ہر طرح کے گناہوں اور عیوب سے پاک اور مبرا ہوتا ہے، وہ معصوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خاص تائید و توفیق اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ اللہ اس کو سیدھا رکھتا ہے۔ وہ غلطی بھول چوک اور لغزش سے محفوظ و مامون ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ معصومیت کی اس نعمت کے ساتھ اس کو مخصوص کرتا ہے تاکہ وہ اس کے بندوں پر اس کی حجت ہو۔ اور اس کی مخلوق پر شاہد ہو۔

اسی باب میں یہ بھی مذکور ہے کہ اِنَّ الْاِمَامَةَ هِيَ مَنْزِلَةُ الْاَنْبِيَاءِ۔ امامت انبیاء کے درجہ و مرتبہ میں ہے۔

اہل تشیع کے نزدیک امام کے لیے دیگر شرائط کی طرح (کہ وہ مامور من اللہ ہوتا ہے، مفترض الطاعت ہوتا ہے، اس پر وحی آتی ہے) عصمت بھی ایک ضروری شرط ہے جس طرح نبی کے لیے معصوم ہونا ضروری ہے اسی طرح امام کے لیے بھی معصوم ہونا شرط ہے۔ کیونکہ امامت نبوت کے درجے میں ہے۔ اور امام تمام انبیاء سے افضل ہے۔ ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ:

”مرتبہ امامت چنانکہ دانستی نظیر منصب جلیل نبوت است“ (عن الباقی ص ۳۷)
 آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ”انکار امامت و کفر است ہم چنانکہ انکار نبوت کفر است“ (ص ۵۱۹)
 جس طرح انکار نبوت کفر ہے اسی طرح انکار امامت کفر ہے۔
 یہی مجلسی اپنی دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

”امام می باید از اول تا آخر عمر از جمیع گناہان صغیرہ و کبیرہ معصوم باشد..... آیت تطہیر در شان اہل بیت رسالت نازل شدہ کہ آل عبا باشد“
 (معین الجناح ص ۱۰۱)

امام شروع سے آخر تک تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے پاک ہوتا ہے۔
 آیت تطہیر اہل بیت رسالت کی شان میں نازل ہوئی جو آل عبا (آل کساء) ہیں۔
 اہل تشیع نے تو پہلے ازواج مطہرات کو آیت تطہیر سے خارج کرنے کے لیے اہل بیت کو صرف چارتن میں محدود کر دیا پھر بعد میں ان نوا افراد کو بھی شامل کر دیا جو بیسیوں برس بعد پیدا ہوئے اور ان میں ایک ایسی شخصیت بھی شامل ہے جو بقول ان کے ۲۵۶ھ میں پیدا ہوئی۔ اسی لیے شیعہ لفظ اہل بیت سے چارتن کی بجائے بارہ امام مراد لیتے ہیں۔ ان سب کو مامور من اللہ، مفترض الطاعت، موحی من اللہ اور معصوم

مانتے ہیں اور اس کے برعکس عقیدہ رکھنے والوں کی تکفیر کرتے ہیں۔ اس طرح انہوں نے درپردہ سیدہ فاطمہؓ کو بھی اہل بیت سے خارج کر دیا۔ کیونکہ ان کے نزدیک اہل بیت کی تعریف یہ ہے ”اہل بیت کل نبی او صیاء“ ہر نبی کی اہل بیت وہی ہیں جو بموجب اس کی وصیت کے اس کے جانشین ہوں اور وہ بارہ ہیں۔

اس نظریے کے رد میں مولانا حیدر علی صاحب نے ایک مستقل کتاب ”الداہیۃ الحاطمة علی من اخرج من اهل البيت فاطمة“ کے نام سے لکھی۔ بہر حال آیت تطہیر اور حدیث کساء سے عقیدہ عصمت ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان کے نزدیک امام ہی پاک ہوتا ہے۔ جب یہ پہلے ہی پاک ہیں تو اب انہیں پاک کرنے کا ارادہ کرنے کا کیا مطلب؟ نیز یہ حکم مکلفین کے لیے ہے نابالغوں کے لیے نہیں۔ لہذا چار میں سے دو یعنی حضرات حسنینؓ تو اس کے تحت آہی نہیں سکتے۔ ان کی پیدائش مشہور قول کے مطابق ۳ھ اور ۴ھ میں ہوئی۔ اور شیعہ کے نزدیک آیت کا نزول ۷ھ ہے۔ (تحقیقی قول کے مطابق حسنؓ ۷ھ میں اور حسینؓ ۹ھ میں پیدا ہوئے۔ تفصیل پیچھے ان کے حالات میں گزر چکی ہے) تو تین چار سال کا بچہ غیر مکلف ہے۔ اسے پاک کرنے کا کوئی مطلب ہی نہ ہوا۔ حدیث کساء کے مطابق آنحضرت ﷺ نے نزول آیت کے بعد ان چاروں کو چادر میں ڈھانپ کر پاک کرنے کی دعا فرمائی۔ اگر یہ پہلے ہی سے پاک تھے تو دعا کرنے کا کیا مطلب؟ وہ جس آیت کے ایک حصے سے معصوم ہونے کی سند پیش کرتے ہیں اس کے الفاظ یہ ہیں ”اِنَّهُمْ يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا“ (احزاب۔ آیت ۳۳)

اس آیت میں پسریدا اور پسندھب دونوں فعل مضارع کے صیغے ہیں۔ اگر

بالفرض محال اس آیت سے معصوم ہونا ثابت ہو تو وہ آیت کے نازل ہونے کے بعد ہوگا۔ تو اس طرح ان کا اپنے آئمہ کے بارے میں پیدائشی عصمت کا عقیدہ باطل ہو جائے گا۔ اگر آیت کے الفاظ لیٰ مذہب عنکم الرجس اور یطہرکم تطہیرا سے معصوم ہونا مراد لیا جائے تو قرآن نے یہی الفاظ حضرات صحابہؓ کے لیے بھی استعمال کیے ہیں۔ بالخصوص اصحاب بدر کے لیے۔ پھر کیا انہیں بھی معصوم مان لیا جائے۔ واللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

لِيُطَهِّرَكُمْ بِهِ وَيَذْهَبَ عَنْكُمْ رَجَزَ الشَّيْطَانِ۔ (نفال آیت ۱۱) اور وَلَٰكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُذْهِبَ عَنْكُمْ لَعْنَتَهُ عَلَيَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ O (نساء آیت ۶)

صحابہؓ کے حق میں محض اذحاب رجز اور تطہیر ہی کا اعلان نہیں ہوا بلکہ اتمام نعمت کا ذکر بھی ہے۔ جو ایک جامع کلمہ ہے اور تمام انعام باری کو شامل ہے۔ اگر آیت تطہیر سے مراد عصمت ہے تو لازم آئے گا کہ وہ تمام حضرات معصوم ہیں جن پر اہل بیت کا اطلاق لغتاً و عرفاً و شرعاً ہو سکتا ہے۔ اور وہ ازواج مطہرات، اولاد رسول، آل عباس، آل جعفر، آل عقیل، آل علیؑ اور جملہ اہل اسلام ہیں۔

آیت تطہیر میں عَنْكُمْ اور يُطَهِّرْكُمْ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آیت کے مخاطب صرف وہ حضرات ہیں جو نزول آیت کے وقت موجود تھے۔ لہذا جو حضرات اس وقت پیدا ہی نہیں ہوئے تھے وہ آیت کے حکم میں ہرگز نہیں آ سکتے۔

اگر آیت تطہیر کا مصداق چارتن ہوں تو پھر صرف یہی بزرگ ”معصوم“ قرار پائیں گے، باقی نوا مام کس کی چادر تطہیر میں آئے ہیں؟

اہل تشیع حدیث کساء سے استدلال کرتے ہیں صرف یہی چارتن چادر میں

آئے تھے۔ اس لیے یہی آیت تطہیر کا مصداق ہیں اور یہی معصوم ہیں۔ اور چارتن سے مراد: ۱۔ حضرت علیؑ ۲۔ حضرت فاطمہؑ ۳۔ حضرت حسنؑ اور ۴۔ حضرت حسینؑ ہیں۔ اب وہ عصمت کا دائرہ اور اہل بیت کی تعداد بڑھاتے ہوئے صرف حضرت حسینؑ کی اولاد، در اولاد سے انتخاب کر کے مزید نو حضرات کو آئمہ اہل بیت اور معصوم قرار دیتے ہیں۔ جبکہ نو کی تخصیص بھی بلا دلیل ہے۔ جس طرح مذکورہ نو حضرات افراد اہلبیت ہونے کی بناء پر معصوم ہیں اسی طرح اہل بیت کی اصطلاح کے مصداق جملہ افراد بھی معصوم ہیں۔ چونکہ عرفاً آج کل صرف سادات پر اہل بیت کا اطلاق کیا جاتا ہے اس لیے آیت تطہیر کی رو سے ہر سید معصوم قرار پا گیا۔ ظاہر ہے کہ اس کا سوائے غالیوں کے اور کوئی قائل نہیں۔

علاوہ ازیں مذکورہ تصور (کہ حضرت حسینؑ کی اولاد میں نو معصوم ہیں) کی رو سے حضرت حسینؑ کی دختری اولاد بھی اہل بیت سے خارج ہو گئی۔ کیونکہ ان کی ایک بیٹی سیدہ سکینہ کا نکاح حضرت ابو بکر صدیقؓ کے نواسے مصعب بن زبیرؓ کے ساتھ ہوا۔ ان سے ایک بچی فاطمہ پیدا ہوئی۔ مصعب بن زبیرؓ کے انتقال کے بعد سیدہ سکینہ بنت حسینؑ کا دوسرا نکاح عبداللہ بن عثمان بن حکیم بن حزام کے ساتھ ہوا۔ ان سے ایک لڑکی ربیعہ اور دو لڑکے حکیم اور عثمان جسے قرین کہتے ہیں پیدا ہوئے۔ حضرت حسینؑ کے نواسے قرین یعنی عثمان بن عبداللہ کی اولاد باقی ہے۔ عبداللہ بن عثمان کے بعد سیدہ سکینہ کا نکاح جناب مروان بن حکمؓ کے پوتے اور عمر بن عبدالعزیز کے بھائی اصمغ بن عبدالعزیز کے ساتھ ہوا۔ لیکن اصمغ بن عبدالعزیز کا نکاح کے بعد انہیں دیکھے بغیر انتقال کر گئے۔ پھر سیدہ سکینہ کا نکاح حضرت عثمان بن عفانؓ کے پوتے زید بن عمرو بن

عثمان کے ساتھ ہوا۔ زید ان ہی کے پاس فوت ہوئے اور سیدہ سکینہ نے ان سے وراثت پائی۔

(کتاب العارف، ص ۲۱۹)

حضرت حسینؑ کی دوسری بیٹی فاطمہ بنت حسینؑ کا نکاح حسن بن حسن مثنیٰ کے بعد حضرت عثمانؓ کے پوتے عبداللہ بن عمرو بن عثمانؓ کے ساتھ ہوا۔ ان سے ایک لڑکی رقیہ اور دو لڑکے قاسم اور محمد الدبیان پیدا ہوئے۔ محمد کو ان کے حسن و جمال کی وجہ سے الدبیان کہا جاتا تھا۔

(کتاب العارف، ص ۲۱۸)

اس تفصیل سے یہ معلوم ہو گیا کہ حضرت حسینؑ کی بیٹیوں کے نکاح بنو امیہ میں ہوئے تو سبائی انہیں کس طرح اہل بیت میں شمار کر سکتے ہیں۔ جبکہ اسی ”جرم“ کی پاداش میں سبائیوں نے آنحضرت ﷺ کی بیٹیوں کو اہل بیت سے خارج کر دیا تھا۔ (ان کے نکاح بھی عثمانؓ اموی اور ابوالعاصؓ اموی کے ساتھ ہوئے تھے) ”چارتن“ میں شامل دوسرے بزرگ حضرت حسنؓ (جو چادر تطہیر میں داخل ہوئے تھے) کی اولاد میں سے کوئی بھی معصوم نہیں ہو سکا۔ کہیں یہ اس بات کا انتقام تو نہیں ہے کہ حضرت حسنؓ نے خلافت حضرت معاویہؓ کے سپرد کر دی تھی۔ یہ کتنی ستم ظریفی ہے کہ حضرت حسنؓ کی اولاد میں کوئی ایک بھی نہ امامت کے درجے پر فائز ہو سکا اور نہ ہی معصوم کہلا سکا۔ اور چھوٹے بھائی کی اولاد میں سے ہی نوافراد معصوم قرار دے دیے گئے۔ اس طرح حضرت حسنؓ کی دختری اولاد بھی اہل بیت سے خارج سمجھی گئی کیونکہ وہ بھی خاندان بنو امیہ اور صدیقی خانوادے میں بیاہی گئی۔ (تفصیل کے لیے راقم کی کتاب ”تحقیق نکاح سیدہ“ کا مطالعہ کریں) بہر حال اب حضرت حسنؓ کی اولاد ذکر پر اہل بیت کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ لیکن انہیں کسی روحانی منصب ”ولایت یا امامت“ کا

مستحق نہیں سمجھا جاتا۔ جبکہ اہل سنت نے اولاد حسنؑ میں سے ایک شخصیت کو ”مہدویت“ کا مستحق قرار دیا ہے۔ البتہ مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب نے اس استحقاق کی ایک عجیب وجہ ذکر کی ہے، جسے بلا تبصرہ ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب رقم طراز ہیں:

”نواسہ رسولؐ سیدنا حضرت حسنؑ عظیم ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے سیدنا حضرت معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو گئے تھے اور محض مسلمانوں میں اتفاق اور صلح کی خاطر اپنا یہ حق چھوڑ دیا۔ اس کے بدلے آخر زمانے میں جب امت کو اتفاق و اتحاد کی ضرورت ہوگی تو اللہ پاک ان ہی کی اولاد میں سے ایک مجاہد لیڈر عالمی سطح پر خلافت کے قیام کے لیے منتخب فرمائیں گے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کوئی چیز چھوڑ دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو یا اس کی اولاد کو اس سے بہتر چیز عنایت فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ محمد وودعلا قے میں خلافت چھوڑنے کے بدلے حضرت حسنؑ کی اولاد کو عالمی خلافت کا انعام ملے گا۔

آپ کے حسی ہونے کی دوسری وجہ علماء کرام نے یہ لکھی ہے جس طرح حضرت اسحقؑ کی اولاد سے بہت سے انبیائے کرام آئے اور حضرت اسماعیلؑ کی نسل میں اللہ تعالیٰ نے صرف ایک نبی بھیجے جو ”خاتم الانبیاء“ تھے۔

اسی طرح حضرت حسینؑ کی نسل سے بہت سے اولیاء آئے جبکہ حضرت حسنؑ کی اولاد سے ایک ہی بہت بڑے ولی آئیں گے جو ”خاتم الاولیاء“ ہوں گے“
(دجال کن؟ کہاں؟ کب؟ ص ۱۹)

(یہ ملحوظ رہے کہ اہل تشیع بھی اپنے ”امام مہدی“ کے لیے ”خاتمِ ائمہ، خاتمِ الاوصیاء اور خاتمِ الاولیاء“ کی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں)

حضراتِ حسنینؑ کے بعد ”چارتن“ میں سے دوبرگ باقی رہ گئے۔ سیدہ فاطمہؑ اور حضرت علیؑ چادرِ تطہیر میں حضراتِ حسنینؑ کے ہمراہ برابر کے شریک ہیں۔ حضراتِ حسنینؑ کی اولاد ذکور کو تو تاقیامت اہل بیت میں شامل کر لیا گیا لیکن حضرت علیؑ کی غیر فاطمی اولاد اور حضرت فاطمہؑ کی ذمیری اولاد کو اہل بیت سے خارج کر دیا گیا۔ فیا اسفا!

اگر یہ کہا جائے کہ پیش کردہ تصور غلط ہے، کسی کو خارج نہیں کیا گیا؛ آخر حسنینؑ بھی تو ان ہی دوبرگوں کی اولاد ہیں تو یہ محض دھوکہ اور فریب ہے۔ حسنینؑ کی چادر میں آنے کی وجہ سے مستقل حیثیت ہے (اگرچہ اہل تشیع نے اولادِ حسنؑ کو محروم کیا لیکن اہل سنت نے دونوں کی اولاد کے ساتھ یکساں سلوک کیا) اور اسی حیثیت کو برقرار رکھا گیا۔ کیا سیدہ ام کلثومؑ اور سیدہ زینبؑ، حضرت فاطمہؑ اور حضرت علیؑ کی بیٹیاں نہیں ہیں؟ تو کیا انہیں اور ان کی اولاد کو بھی وہ درجہ دیا جاتا ہے؟ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضراتِ حسنینؑ کی اپنی مستقل حیثیت کی وجہ سے ان کی اولاد کو اہل بیت میں شامل سمجھا گیا۔ حضرت فاطمہؑ بھی چادر میں شریک تھیں مگر ان کی صاحبزادیاں اس شرف سے محروم ہو گئیں۔ حالانکہ چادر کا جواثر حسنینؑ پر مرتب ہوا وہ حضرت فاطمہؑ پر بھی ہونا چاہیے تھا۔ اس طرح حضرت علیؑ بھی چادر میں شریک ہیں لیکن ان کی جملہ غیر فاطمی اولاد اہل بیت کے شرف سے محروم ہو گئی اور حضرت علیؑ پر چادر کا وہ اثر ظاہر نہ ہو سکا جو حضراتِ حسنینؑ پر مرتب ہوا (کہ ان کی تو جملہ اولاد پر اہل بیت کا اطلاق ہوا اور حضرت علیؑ کی جملہ اولاد پر نہ ہو)

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سبائیت نے ازواج مطہرات کو اہل بیت اور آیت تطہیر سے باہر رکھنے کے لیے ”حدیث کساء“ وضع کی۔ جب اس مقصد میں کامیاب ہو گئے تو آگے چل کر انہوں نے حضرت فاطمہؑ کی بیٹیاں، حضرت علیؑ کی غیر فاطمی اولاد، حضرت حسنؑ کی اولاد اور حضرت حسینؑ کی دختری اولاد کو محروم کر دیا۔ کو کیا کہ یہ چادر نبیؐ کی نہیں تھی بلکہ ایرانیوں کی تھی۔ وہ جن کے بارے میں چاہتے چادر اپنا فیض ظاہر کر دیتی اور جن کے بارے میں نہ چاہتے تو چادر اپنا فیض روک دیتی۔

اس طرح اب صرف حضرت حسینؑ کی اولاد باقی رہ گئی جن میں سے نو (۹) حضرات کو ”امامت“ کے اعلیٰ ترین منصب پر فائز کر دیا گیا۔ اور باقی اولاد اس شرف سے محروم ہو گئی۔ اہل تشیع کے نزدیک آئمہ اہل بیت مامور من اللہ، معصوم عن الخطاء، اعلم زمانہ، افضل کائنات، مہبط وحی اور مفترض الطاعت ہوتے ہیں۔ آئمہ کو انبیاء کے تمام خصائص و کمالات اور معجزات حاصل تھے اور ان کا درجہ سب انبیاء سے برتر اور آنحضرت ﷺ کے برابر تھا۔ وہ علم میں ماکان و مایکون کے حامل ہیں۔ کوئی چیز ان سے مخفی نہیں۔ ان کے بارے میں غفلت اور سہو و نسیان کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اور کائنات کے ذرے ذرے پر ان کی تکوینی حکومت ہے۔ وہ دنیا و آخرت کے مالک ہیں۔ جس کو چاہیں دیں اور جس کو چاہیں محروم کر دیں۔

اہل تشیع کے نزدیک آئمہ کی امامت کا انکار کرنے والے، آئمہ کے مقابلے میں امامت کا دعویٰ کرنے والے اور ان کے پیرو و تبعین ظالم، زندیق اور کافر ہیں۔ اگرچہ وہ فاطمی یا علوی ہی کیوں نہ ہوں۔ ایک طرف تو ان کا دعویٰ یہ ہے کہ اولاد رسولؐ کا اکرام و احترام واجب ہے اگرچہ وہ بدکار و فاسق ہی کیوں نہ ہوں اور دوسری طرف

وہ حضرات حسنینؑ کی اس اولاد کو جنہوں نے ان کے مزعومہ آئمہ کے مقابلے میں اپنی امامت کا اعلان کیا یا ان کی اتباع و پیروی کی، ظالم، زندیق اور کافر قرار دیتے ہیں۔ (یہ ہے حب اہل بیت اور اکرام و احترام اہل بیت کا اعلیٰ نمونہ.....؟)

جن حسنی سادات نے اپنی امامت کا دعویٰ کیا اور اس منصب کو حسینی سادات میں محدود ماننے سے انکار کیا تو شیعہ ان کے اس اقدام کو حسد سے تعبیر کرتے ہیں۔ شیعہ مجتہد احمد بن علی طبری لکھتا ہے کہ ”تفصیل لہ (لابی عبدالمہ) بنو الحسن لا يعرفون لمن الحق؟ قال بلی ولكن يحملهم الحسد۔“ (اجتاج طبری ص ۳۷۴) جناب ابو عبد اللہ سے عرض کیا گیا کہ حضرت حسنؑ کی اولاد نہیں جانتی کہ (امامت) کن کا حق ہے؟ تو آپ نے فرمایا کیوں نہیں لیکن انہیں اس بات پر حسد آمادہ کرنا ہے۔ طبری آگے چل کر لکھتا ہے کہ:

جب خلیفہ مامون نے جناب علی رضا کو خلیفہ بنانے کا ارادہ کیا تو بنی ہاشم کو جمع کر کے کہا:

”انسی اریمد ان استعمل الرضا علی هذا الامر من بعدی فحسدہ بنو ہاشم وقالوا اتولی رجلاً جاہلاً لیس لہ بصیر بتدبیر الخلافة“ (اجتاج طبری ص ۳۹۸)

میں اپنے بعد خلافت کا معاملہ حضرت علی رضا کو سونپ دینے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ تو بنو ہاشم نے ان سے حسد کیا اور کہا کیا تو ایک ایسے جاہل آدمی کو خلافت کا منصب سونپتا ہے جسے امور خلافت انجام دینے کی کوئی بصیرت نہیں ہے۔ جبکہ حسد ان کے نزدیک اصول کفر میں سے ہے۔ چنانچہ شیعہ محدث کلینی

لکھتے ہیں کہ:

قال ابو عبد الله عليه السلام اصول الكفر ثلاثة الحصر
والاستكبار والحسد۔ (اصول کافی۔ جلد ۹ ص ۳۸۹)

حضرت ابو عبد اللہ نے فرمایا کفر کے اصول تین ہیں: حرص، تکبر اور حسد۔
کلیبی انکار امامت کے بارے میں لکھتے ہیں:

سودہ بن کلیب نے حضرت جعفر صادق سے پوچھا کہ اس آیت کا کیا
مطلب ہے؟ ”وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ وَجُوهَهُمْ مَسْوُودَةٌ“
قیامت کے دن دیکھو گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا کہ ان کے
چہرے سیاہ ہوں گے تو آپ نے فرمایا ”من قال انسى امام وليس بامام قلت وان
كان علويا؟ قال وان كان علويا“..... ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو کہیں ہم امام
ہیں جبکہ وہ امام نہیں۔ میں نے (ابن کلیب) کہا اگر چہ وہ اولاد علیؑ میں سے ہی ہو؟ تو
آپ نے فرمایا ہاں اگر چہ اولاد علیؑ ہی میں سے ہو۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے:
”وان كان فاطميا علويا؟ قال وان كان فاطميا علويا“

اگر چہ وہ حضرت فاطمہؑ اور حضرت علیؑ کی اولاد میں سے ہو۔ تو فرمایا ہاں
اگر چہ وہ فاطمی علوی ہی کیوں نہ ہو۔ اور ایک روایت میں ہے:

”عن ابی عبد الله عليه السلام من ادعى الامامة وليس من اهلها فهو كافر“
حضرت ابو عبد اللہ نے فرمایا جس نے امامت کا دعویٰ کیا اور وہ اس کا اہل
نہیں ہے (کیونکہ امامت منصوص ہے) تو وہ کافر ہے۔

اسی لیے اہل تشیع حضرت علیؑ کی بیعت نہ کرنے والے اور ان کے مقابلے

میں امامت کا اعلان کرنے والے حضرات کی تکفیر کرتے ہیں۔ اور اس میں جملہ صحابہؓ (بشمول حضرت ابوبکرؓ) شامل ہیں۔ شیعہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے بارے میں کہتے ہیں کہ انہوں نے امامت کے مسئلے پر حضرت علیؓ سے بحث کی۔ فرشتے نے پر مار کر ان کی آنکھ پھوڑ دی، انہیں کذاب، بے وقوف اور جہنمی کہا۔ (اصول کافی بحوالہ یازدہ نجم۔ ص ۲۹۶)

حضرت زین العابدینؑ کے مقابلے میں حضرت علیؓ کے فرزند محمد بن حنفیہ نے امامت کا دعویٰ کیا تو مذکورہ اصول کے تحت وہ اور ان کے متبعین کافر ہو گئے۔ حضرت زین العابدینؑ کے چھ بیٹوں سے سلسلہ نسب جاری ہے۔ انہوں نے صرف ایک بیٹے محمد الباقرؑ کو معصوم قرار دے کر باقی حضرات کی نفی کر دی۔

جناب باقرؑ کے مقابلے میں ان کے حقیقی بھائی زید بن زین العابدینؑ نے امامت کا دعویٰ کیا (جن کی طرف زید یہ فرقہ منسوب ہے) تو حضرت زیدؑ نہ صرف عصمت سے محروم ہوئے بلکہ وہ اور ان کے پیروکار کافر قرار پا گئے۔

حضرت جعفر صادقؑ کی اولاد میں سے اسماعیلؑ، علیؑ، محمدؑ، عبداللہؑ قطع اور اسحقؑ کو غیر معصوم کہا صرف موسیٰؑ کاظمؑ کو معصوم قرار دیا۔ جناب جعفر صادقؑ کے مقابلے میں محمد بن عبداللہؑ (نفس زکیہ) نے دعویٰ امامت کیا۔ نفس زکیہ کے والد عبداللہؑ محض کو محض اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ ماں باپ دونوں کی طرف سے خالص تھے۔ دونوں طرف سے سیدہ فاطمہؑ کی اولاد تھے۔ یہ اور ان کے پیروکار (اس وقت حضرت حسنؑ کی ساری اولاد عبداللہؑ محض کے ساتھ متفق تھی) کافر قرار پا گئے۔

جناب جعفر صادقؑ کے بیٹے عبداللہؑ قطع نے بھی امامت کا دعویٰ کیا وہ بھی کافر ہو گئے۔ حضرت جعفر صادقؑ کے بعد ان کے بیٹے موسیٰؑ کاظمؑ امامت کے درجے

پر فائز ہوئے تو ان کے مقابلے میں حسین بن علی بن حسن مثلث بن حسن ثنی بن حسن بن علیؑ دعویٰ امامت کے سبب کافر ہو گئے۔

علاوہ ازیں جعفر صادق کے بڑے لڑکے اسماعیل کی امامت کا پہلے اعلان کیا گیا لیکن ان کے فوت ہو جانے کی وجہ سے ان کے بھائی موسیٰ کاظم کی امامت کا اعلان ہوا تو ان کے بھتیجے محمد بن اسماعیل بن جعفر صادق نے ان کے مقابلے میں اپنی امامت کا اعلان کر دیا۔ فرقہ اسماعیلیہ ان ہی کی طرف منسوب ہے۔ اس طرح محمد بن اسماعیل اور ان کے پیروکار کافر ہو گئے۔

حضرت موسیٰ کاظم کی اولاد میں تیس (۲۳) بیٹے اور تینتیس (۳۳) بیٹیاں تھیں۔ علی رضا کے بغیر باقی سب غیر معصوم ہو گئے۔

جب علی رضا امامت پر فائز ہوئے تو ان کے مقابلے میں جعفر صادق کے ایک بیٹے محمد بن جعفر نے امامت کا دعویٰ کر دیا۔ وہ اور ان کے پیروکار بھی کافر ہو گئے۔ علی رضا کے مقابلے میں چھ حضرات نے امامت کا دعویٰ کیا۔ یہ سب اہل بیت میں سے تھے۔ ان میں ایک علی رضا کے بھائی ابراہیم بن موسیٰ کاظم بھی ہیں، یہ بھی کافر ہو گئے۔ بالآخر سبائی علی رضا کو ایران لے گئے اور وہیں مشہد مقدس میں ان کا مزار بنادیا۔ ان کی نسل صرف محمد الجواد سے جاری ہے۔

علی رضا کے بعد ان کے بیٹے محمد تقی امام مقرر ہوئے۔ ان کے مقابلے میں ان کے چچا محمد بن قاسم اور چچا زاد بھائی عبدالرحمن بن احمد نے امامت کا دعویٰ کیا، اس طرح وہ بھی کافر ہو گئے۔

محمد تقی کے بعد ان کے بیٹے علی نقی امام مقرر ہوئے تو ان کے مقابلے میں بھی

بن عمر (جعفر بن ابی طالب کی اولاد) حسن بن زید حسنی اور حسن بن اسماعیل حسینی نے دعویٰ امامت کر کے کفر کا ارتکاب کیا۔ علی نقی کی نسل دو بیٹوں عبداللہ جعفر اور حسن عسکری سے جاری ہے۔

علی نقی کے بعد حسن عسکری امام مقرر ہوئے۔ ان کے مقابلے میں حسن بن زید، ابراہیم بن محمد اور علی بن زید نے امامت کا دعویٰ کیا (تینوں کا تعلق خاندان رسالت کے ساتھ ہے) اس طرح یہ بھی کافر ہو گئے۔

حسن عسکری کے بعد ان کے بیٹے امام مقرر ہوئے۔ بارہویں امام محمد المہدی ۲۵۶ھ میں پیدا ہو کر ۲۶۱ھ میں ہجر پانچ سال غار میں روپوش ہو گئے لیکن تاقیامت ان کی امامت باقی اور جاری و ساری ہے۔ ان کے مقابلے میں حسن عسکری کے بھائی اور علی نقی کے بیٹے جناب جعفر نے دعویٰ امامت کیا۔ شیعہ انہیں جعفر کذاب کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ شیعہ مجتہد طبری جناب جعفر صادق کے بارے میں لکھتا ہے کہ انہیں صادق کا لقب اس لیے دیا گیا کہ ان کی اولاد میں پانچویں پشت میں جعفر کذاب پیدا ہوگا۔ جو از روئے کذب و افتراء امامت کا دعویٰ کرے گا۔ پس وہ عند اللہ کذاب اور مفتری ہوگا۔ اپنے باپ کا مخالف اور اپنے بھائی سے حسد کرنے والا ہوگا۔ اس طرح جعفر بن علی نقی اور ان کے پیروں کا بھی کافر ہو گئے۔

فرقہ اسماعیلیہ جن کے ائمہ نسلاً و سباً یقیناً حسینی ہیں وہ سب شیعہ اثنا عشریہ کے نزدیک کافر ہیں۔ مذکورہ تفصیل سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ آل کساء اور ان کی اولاد کے بارے میں شیعہ کا دعویٰ عصمت و محبت باطل ہے اور وہ اہل بیت (آل کساء) کی شدید توہین، تحقیر اور تکفیر کے مرتکب ہوئے ہیں۔

پنج تن پاک

آل کساء و آل عباء کے لیے پنج تن پاک کی اصطلاح بھی مستعمل ہے۔ آل کساء میں شامل حضرات کی کل تعداد پانچ ہے۔ چار تو یہی بزرگ ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا اور ایک صاحب چادر یعنی خود پیغمبر اسلام کی ذات گرامی ہے۔ یہی حضرات ہیں جو چادر کے نیچے جمع ہوئے، ان کے بارے میں آیت تطہیر نازل ہوئی جس سے یہ پاک اور معصوم ہو گئے۔ اور آج ہر شیعہ اور جاہل سنی کی زبان پر پنج تن پاک کا نعرہ جاری ہے۔ یہ ایک واضح تبرّاہ ہے۔ اس سے دو مقصد حاصل کیے گئے۔ اول یہ کہ ان پانچ کے علاوہ ازواج مطہراتؑ، آنحضرت ﷺ کی صلبی اولاد اور جملہ صحابہ کرامؓ کو ناپاک تصور کیا اور دوم یہ کہ اس سے ان کا حقیقی اور اصلی مقصد حاصل ہو گیا کہ ازواج مطہراتؑ اور آپؐ کی اپنی اولاد (قاسم، عبداللہ، ابراہیم، سیدہ زینبؑ، سیدہ رقیہؑ اور سیدہ ام کلثومؑ) اہل بیت کے منہوم سے خارج ہو گئی۔ شیعہ پنج تن پاک کے بارے میں لکھتے ہیں:

اہل بیت رسولؐ وہ مقدس ہستیاں ہیں جو پاک، طاہر و معصوم من اللہ ہیں۔ ان ذوات مقدسہ کے نام یہ ہیں:

۱۔ حضرت محمد مصطفیٰؐ ۲۔ حضرت علی علیہ السلام ۳۔ حضرت فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا ۴۔ حضرت حسن ۵۔ حضرت حسین علیہ السلام۔ ان ہی ذوات مقدسہ کو پنج تن پاک کہا جاتا ہے۔ (مطبوعات جعفریہ۔ ص ۲۵۲)

شیعہ مصنف ادا امام لکھتا ہے:

جاننا چاہیے کہ پنج تن پاک شیعوں کا عقیدہ خاص ہے۔ اس عقیدے سے

اہل سنت خس برابر بھی تعلق نہیں رکھ سکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرات علماء اہل سنت آیت تطہیر کو رسول خدا، علی، فاطمہ، حسن، حسین کے ساتھ کسی طرح پر مخصوص نہیں جانتے نہ آیت مباہلہ کو علی و فاطمہ، حسن و حسین سے بالتخصیص متعلق سمجھتے ہیں..... بعض حضرات اہل سنت جو عقیدہ پنج تن پاک کے پابند نظر آتے ہیں وہ یقیناً بے قاعدہ اور بے اصول سنی ہیں جو چیز ان کے مذہب میں نہیں ہے اس کی پابندی ان کی لاعلمی کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔ ایسے سنیوں کو شیعہ ہو جانے سے کس نے منع کیا ہے۔ سنی ہو کر شیعہ کا عقیدہ رکھنا چہ معنی دارد؟ (مباح ظہم ص ۶۵)

مولانا عبدالقدوس ہاشمی صاحب لکھتے ہیں کہ:

مختلف اقوام قدیمہ کی دیومالائی کہانیوں میں ہمیں مقدس پانچ شخصیتوں کا نشان ملتا ہے اور یہ بھی ملتا ہے کہ قوت، تسلط اور گرفت کو ظاہر کرنے کے لیے کہیں ہاتھ کے پٹے کا نشان بنایا گیا ہے کہیں پانچ الگ الگ نشانات بنائے گئے ہیں۔ اور آشوریوں نے تو کمال ہی کر دیا۔ ان کا مقدس نیل جس کا بت نینوا عراق میں ملا ہے اور اب تک موجود ہے، اس بت میں نیل کے پانچ پیر دکھائے گئے ہیں اور دو ڈپینے (چکیتی) بھی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسا نیل انہیں کہاں ملا ہوگا۔ یہ محض ان کے کافرانہ اور احقانہ افکار کی صورت گری کے سوا کچھ نہیں ہے۔ بعض کے ہاں ایک مقدس گائے ملتی ہے جو اپنے ایک سینک پر ساری زمین کو اٹھائے ہوئے ہے۔ اس طرح زمین پر مختلف اقوام نے پانچ دیویوں اور دیوتاؤں کے مجموعے تیار کر لیے اور ان کی پوجا کرنے لگے۔ ان مجموعوں کی کئی اقسام ہیں؛ کہیں پانچ دیوتا ہیں اور کہیں پانچ دیویاں ہیں۔ کہیں ایک مرد اور چار دیویاں ہیں اور کہیں چار مرد اور ایک دیوی ہے۔ زیادہ تر ہاتھ کی چار

انگیوں کے مقابلے میں چار دیوتا اور ایک انگوٹھے کے مقابلے میں ایک دیوی۔ اس سے پنج جنا (پنج تن) بنائے گئے ہیں۔ دیو مالائی کہانیوں میں پنج تن کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ حضرت نوح کی قوم کے پانچ مقدس اشخاص:

۱۔ ۲۔ سواع ۳۔ یغوث ۴۔ یعوق ۵۔ نسر

ان میں ایک ”سواع“ دیوی ہے اور باقی چار دیوتا۔

۲۔ سمیرین قوم کے پانچ مقدس اشخاص:

۱۔ ان لیل ۲۔ ان کی ۳۔ ننا ۴۔ اُتو ۵۔ ماما

ان میں ماما دیوی ہے اور باقی چار دیوتا ہیں۔ زمانہ مابعد میں ننا کو بھی دیوی

کہا گیا ہے۔

۳۔ اکادی قوم کے پانچ مقدس اشخاص:

۱۔ ننگے ۲۔ موگے ۳۔ ہینا ۴۔ اردکی ۵۔ لود

ان میں ”ننگے“ دیوی ہے اور باقی دیوتا۔

۴۔ بابلیوں کے پانچ مقدس اشخاص:

۱۔ شمس ۲۔ سن ۳۔ نیبویہ ۴۔ مرٹوک ۵۔ انی

ان میں ”شمس“ دیوی ہے اور اسی کا اثر ہے کہ عربی زبان میں آج تک شمس

کو مؤنث لکھتے ہیں۔ باقی چار دیوتا ہیں۔

۵۔ قدیم مصری دیومالا کے پانچ مقدس اشخاص:

۱۔ سیرس ۲۔ ہورس ۳۔ سلیس ۴۔ را ۵۔ اتیم
ان میں ”سلیس“ دیوی ہے اور باقی دیوتا۔

۶۔ چینی دیومالا کے پانچ مقدس اشخاص:

۱۔ یانگ ۲۔ آسمان ۳۔ سورج ۴۔ چاند ۵۔ ہوا
ان میں ”یانگ“ یعنی دھرتی ماتا دیوی ہے اور باقی دیوتا۔

۷۔ ہندو دیومالا کے پانچ مقدس اشخاص:

۱۔ پاربتی ۲۔ ہری ہرا ۳۔ برہما ۴۔ وشنو ۵۔ مہیش (شیو)
ان میں ”پاربتی“ مادر عالم دیوی ہے اور باقی دیوتا۔

۸۔ ایرانی دیومالا کے پانچ مقدس اشخاص:

۱۔ امورہ مرثدہ ۲۔ انگریو ۳۔ آگ ۴۔ سورج ۵۔ زمین
ان میں ”زمین“ دیوی ہے اور باقی دیوتا۔

۹۔ رومن دیومالا کے پانچ مقدس اشخاص:

۱۔ مرکری ۲۔ اپالو ۳۔ سیروفا ۴۔ بیگی کش ۵۔ سرنو
ان میں ”سیروفا“ دیوی ہے اور باقی دیوتا۔

۱۰۔ رام بھگتی دیومالا کے پانچ مقدس اشخاص:

۱۔ رام ۲۔ بھمن ۳۔ لُوؤ ۴۔ کیشو ۵۔ سیتا

ان میں شری متی سیتاجی ایک خاتون ہیں۔

یہودیوں نے کتاب مقدس تو رات کو پانچ حصوں میں تقسیم کر کے اور اپنے ابتدائی دور کے پانچ بزرگوں کو تقدس کا مقام عطا کر کے دیو مالا کے پانچ مقدس کی تکمیل کر لی۔ لیکن عیسائیوں میں عقیدہ تثلیث (ماں، بیٹا اور روح القدس) کی وجہ سے پانچ مقدس کے مجموعہ میں دو کی کمی پڑ گئی۔

دین اسلام کی بنیاد تو حید خالص پر قائم تھی۔ تین یا پانچ کی آلودگیوں سے یہ دین پاک صاف تھا۔ اس میں آنحضرت ﷺ کے سوا کوئی مفترض الطاعت نہ تھا۔ اس میں مساوات کی تعلیم تھی۔ اسلام میں اس کی مطلقاً کوئی گنجائش نہیں کہ آدمی کو کسی نسل کی نسبت سے برتر تسلیم کیا جائے یا کم تر گنا جائے۔ لیکن حضرت عثمانؓ کے آخر عہد خلافت میں ایک یہودی عبداللہ بن سبا نے جاہل بدویوں میں مختلف قسم کے افکار پیدا کر دیے۔ آپؐ کے وصی اور اولاد علیؓ کے مقدس و محترم اور پیدائشی برتری کے عقائد پیدا کر دیے گئے۔

(مکاتیب مطہرہ، ص ۹۰-۸۶)

اہل تشیع نے دیگر بت پرست اقوام کی طرح ”اسلام“ میں بھی پانچ اشخاص کا ایک مقدس مجموعہ تیار کر لیا اور پھر اسے خوب تشہیر دی تاکہ دل و دماغ اس کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے۔ آج ”پنجہ“ کا نشان ان کی امتیازی علامت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج یہ نشان ہر امام باڑے پر، ہر گھر پر، ہر علم پر حتیٰ کہ گھوڑے کی تصویر پر بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ علاوہ ازیں اہل تشیع نے اس ”پنجتن“ کے عقیدے کو آل کساء، آل عبا، آیت تطہیر اور آیت مباہلہ کے تحت وضعی روایات کے ذریعے مذہبی حیثیت بھی دے دی۔ بلکہ غالی شیعوں نے اپنے آئمہ میں ”حلول الہ“ کے عقیدے کو بھی اپنالیا ہے۔

اہل بیت رسول کون؟

۴۳۴

پنج تن پاک

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

”وَمِنْهُمْ يَزْعُمُونَ أَنَّ الْمَلَائِكَةَ خَمْسَةٌ اشْتَرَا فِي النَّبِيِّ وَعَلَى

وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ وَفَاطِمَةَ“۔

(مناجاة المؤمن - جلد ۱ ص ۲۳۹)

کہ ان میں وہ بھی ہیں جو یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ ان پانچ، نبیؐ، علیؑ، حسنؑ، حسینؑ و فاطمہؑ میں حلول کیے ہوئے ہے۔

تیسری چوتھی صدی ہجری میں ”خمسة اشخاص“ کی اصطلاح وضع ہوئی۔ آٹھویں صدی ہجری کے آخر میں ایک ایرانی باطنی مبلغ سید سعادت جس نے مصلحتاً و تہیۃ اپنا نام نورالدین اختیار کیا، ہندوستان آیا۔ یہ ہندوؤں کی تالیف قلب کے لیے نورست ساگر کہلواتا تھا۔ ہندو تجارت پیشہ حضرات اس کے معتقد ہو گئے۔ اسی نورست ساگر نے ہندوؤں کے پنج جنا کی بجائے ”پنج تن“ کی اصطلاح قائم کی۔

(بحوالہ حجتین سید وراثت - ص ۲۳۵)

اسی لیے اس مقدس مجموعے کے لیے فارسی الفاظ پنج تن پاک مستعمل ہیں۔ عربی زبان میں اس مجموعے کے لیے کوئی لفظ یا لفظوں کا مرکب تو صافی نہیں ملتا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ سرزمین نینوا کے باشندوں نے اس پنج تن کو جنم دیا ہو کیونکہ فرقہ سبائیہ کے نزدیک ان کے آئمہ علوم نینوی کے وارث تھے۔ لہذا یہ پانچ ٹانگ کے تیل کو پوجنے والے، ”اسلام“ میں بھی اس پنج جنا کو گھسیٹ لائے۔ اسی لیے شیعہ کتب میں حضرت حسینؑ کو شہید نینوا بھی کہا جاتا ہے۔

مذکورہ تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ ”پنجتن پاک“ ایک خالص شیعہ اصطلاح ہے جس کے ذریعے ازواج مطہراتؑ، آپ ﷺ کی صلیب اولاد اور اصحاب

رسولؐ پر تبرا کیا جاتا ہے۔ اب جو ”سنی“ بھی ان کی ہمنوائی کرتا ہے انہیں شیعہ مجتہد مؤلف مصباح الظلم یہ دعوت دیتا ہے کہ اہل سنت کا اس عقیدے سے کوئی تعلق نہیں، جو بعض اہل سنت اس عقیدے کے پابند نظر آتے ہیں وہ یقیناً بے قاعدہ اور بے اصول سنی ہیں۔ ایسے سنیوں کو چاہیے کہ وہ شیعہ ہو جائیں۔ سنی ہو کر شیعہ کا عقیدہ رکھنا چہ معنی دارد؟ اس گراں قدر مشورے کے مطابق ایسے ”اہل سنت“ اور ان کے متبعین کے لیے ایک ہی راستہ ہے یا تو وہ اس تبرا ائی نعرے سے نائب ہو جائیں اور یا پھر شیعیت قبول کر لیں۔ ایسے اہل سنت کی مثال ملاحظہ ہو:

جناب مفتی احمد یار خان صاحب کجراتی لکھتے ہیں:

حضرت علی مرتضیٰؑ کی عظمت تو دیکھو ادھر پنجتن پاک میں شامل ادھر چار یار میں داخل۔ ایک ہاتھ اہل کساء میں تو دوسرا ہاتھ خلفائے راشدین میں ہے۔ حضرت علیؑ ہی نسل مصطفیٰ کی اصل ہیں۔ حضرت علیؑ کے دروازے سے ولایت تقسیم ہوتی ہے۔ علیؑ ہی مشکل کشا ہیں۔ (امیر معاویہؓ ص ۳۳)

محمود شاہ صاحب محدث ہزاروی کے بڑے بھائی عبدالقاسمی شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ:

”اور یہی پانچ مقدس وہ ہیں جن کو اہل اسلام پانچ تن پاک یا آل عباؑ کہا کرتے ہیں۔“

آل عبا رسول اللہ و ابنتہ

والمرتضیٰ ثم سبطاہ اذا جمعوا

(الغزالی لاکرام اعمار ص ۶۸)

مذکورہ ”سنی“ تو دنیا سے چلے گئے ہیں البتہ ان کے تبعین کے لیے راستہ کھلا ہے کہ وہ مؤلف مصباح الظلم کے مشورے پر عمل کر لیں۔

آیت تطہیر

اللہ تعالیٰ نے سورہ احزاب کا چوتھا رکوع (آیات ۲۸ تا ۳۴) پ ۲۱ کی آخری تین آیات اور پ ۲۲ کی ابتدائی چار آیات (ازواج مطہرات کے بارے میں نازل کیا ہے۔ اس میں امہات المؤمنین کے لیے آداب، احکام، ان کے فرائض اور ان کے شرف و فضل کو بیان کیا ہے۔ آیت نمبر ۳۳ میں ”اہل البیت“ اور ”تطہیر“ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ جس کی بناء پر اسے آیت تطہیر کا نام دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ پوری آیت نہیں ہے۔ آیت کے اس آخری حصے کو علیحدہ فرض کر کے یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اس کا ازواج النبی سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ ”چارتن“ اور آل کساء کی شان میں نازل ہوا ہے اور اہل البیت سے یہی مراد ہیں۔ اس دعوے کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے یہاں پورا رکوع پیش کیا جاتا ہے تاکہ آیت مذکورہ کا صحیح مفہوم سیاق و سباق کو پیش نظر رکھتے ہوئے معلوم ہو سکے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا
فَتَعْمَلْنَ أَمْعَةً وَأَسْبِرْ حَتَّىٰ سَرَاحًا جَمِيلًا ۚ وَإِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
وَالْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ۚ لِّنِسَاءِ النَّبِيِّ مَن
يَأْتِ مِنكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۚ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَىٰ

اللَّهُ يَسِيرًا O وَمَنْ يُغْنُكَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُورُهَا أَجْرُهَا مَرَّتَيْنِ
وَأَعْتَمَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيمًا O لَيْسَ سَاءَ النَّبِيُّ لَسْتُ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ إِنَّ اتَّقِيْتُمْ
فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا O وَقَرْنَ
فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ السَّاهِلِيَّةِ الْأُولَى وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ
الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ
الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا O وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَى فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ الْكِتَابِ
وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا O

۱۔ اے نبی ﷺ! اپنی بیویوں سے کہہ دیجیے کہ اگر تم دنیاوی زندگی اور اس
کی زینت و آرائش چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال و متاع دے دوں اور تمہیں عہدگی
کے ساتھ رخصت کر دوں۔

۲۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کو چاہتی ہو تو اللہ تعالیٰ نے
تم میں سے نیکو کاروں کے لیے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

۳۔ اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کوئی صریح یا شائستہ حرکت کرے اس
کے لیے سزا میں دگنا اضافہ کر دیا جائے گا اور یہ اللہ کے لیے آسان ہے۔

۴۔ اور تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے اور نیک
عمل کرے تو اسے ہم اجر بھی دگنا دیں گے اور اس کے لیے ہم نے باعزت روزی بھی
تیار کر رکھی ہے۔

۵۔ اے نبیؐ کی بیویو! تم (اللہ کے نزدیک رتبہ میں دنیا کی) اور کسی عورت کے برابر نہیں ہو۔ اگر تم تقویٰ اختیار کرو۔ تم گفتگو میں وہ نرمی اختیار نہ کرو جس کے دل میں مرض ہے وہ لپچانے لگے اور معقول بات کرو۔

۶۔ اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ رہو اور قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور کے مطابق مت پھرو اور نماز کو قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتی رہو۔ دراصل اللہ چاہتا ہی یہ ہے کہ اے گھر والیو! تم سے تمام آلودگیوں کو (بخطر اب، التباسات یا وہ موانع جو تمہاری صحیح نشوونما کے راستہ میں حائل ہوں انہیں) دور کر دے اور تمہیں بالکل پاک صاف کر دے۔

۷۔ اور تمہارے گھروں میں جو آیات الہی اور حکمت کی باتیں تلاوت کی جاتی ہیں ان کو یاد رکھو۔ بے شک اللہ بڑا مہربان اور ہر بات کی خبر رکھنے والا ہے۔

مذکورہ بالا آیات میں نبیؐ کی بیویوں کو خطاب کیا گیا ہے۔ ان میں ازواج مطہراتؓ کے فرائض، حدود اور شرف و فضیلت کا بیان ہے۔ ان تمام آیات میں ”چارتن“ کا کسی جگہ بھی اشارہ یا کنایہ کوئی ذکر نہیں ہے۔ تمام مفسرین کے نزدیک ان تمام آیات کی مخاطب امہات المؤمنینؓ ہیں۔

سورہ احزاب مدنی ہے اور اس کا زمانہ نزول ۵ھ سے ۹ھ تک ہے۔ کیونکہ اس میں ان تمام واقعات کا ذکر ہے جو ۹ھ میں پیش آئے۔ مثلاً واقعہ ایلاء اور تخییر وغیرہ۔ اس کے چوتھے رکوع میں ازواج مطہراتؓ کا ذکر ہے۔ اس کی پہلی آیت (احزاب نمبر ۲۸) کو آیت تخییر کہا جاتا ہے۔ جس کی رو سے اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہراتؓ کا امتحان لیا اور ان کے سامنے دو چیزیں پیش کیں اور اختیار دیا کہ ان دو میں

سے کسی ایک کو پسند کر لیں۔

۱۔ دنیوی زندگی اور اس کی زمینت و آرائش ۲۔ اللہ، رسول اور دار آخرت
پہلی شق کے اختیار کرنے کی صورت میں آنحضرت ﷺ کو حکم دیا گیا کہ
انہیں کچھ مال دے کر عمرگی کے ساتھ الگ کر دیجیے۔

اور دوسری شق کے اختیار کرنے کی صورت میں اللہ نے ان کے لیے اجر عظیم
کا اعلان فرمایا:

آنحضرتؐ نے اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے سب سے پہلے سیدہ عائشہؓ سے
فرمایا کہ میں تمہارے سامنے ایک بات پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے جواب میں
جلدی نہ کرنا۔ اپنے والدین سے مشورہ کے بعد جواب دینا۔ جب آپؐ نے آیت تحفیر
تلاوت فرمائی تو سیدہ عائشہؓ نے عرض کیا:

فَقَبِيْ اَيِّ هٰذَا اسْتَأْمِرُ اَبَوَيَّ فَاِنِّيْ اُرِيْدُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَالنَّارَ الْاٰخِرَةَ۔

(صحیح بخاری۔ کتاب التیمار۔ سورۃ الاحزاب۔ باب قولہ "یا ایہا النبی قل لا ازیوا حاک ان کنن تر دن الحیوة الدنیا.....")

کہ میں کس بات میں اپنے والدین سے مشورہ کروں۔ میں اللہ، اس کے
رسولؐ اور آخرت کو اختیار کرتی ہوں۔ اس کے بعد آپؐ نے دیگر ازواج مطہراتؓ
تک اس حکم کو پہنچایا تو سب نے وہی جواب دیا جو سیدہ عائشہؓ نے دیا تھا۔ جب ازواج
مطہراتؓ نے شق ثانی اختیار کر لی تو اللہ تعالیٰ نے جہاں ان کے لیے اجر عظیم کا اعلان
فرمایا وہاں آنحضرتؐ سے انہیں اپنے سے الگ کرنے کا اختیار بھی واپس لے لیا:

لَا یَجْعَلُ لَّكَ النِّسَاءَ مِنْ بَعْدُ وَلَا اَنْ تَبْتَغِيَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّ لَوْ

اَعْتَبَبْتَ حُسْنَهُنَّ.....

(احزاب ۵۲)

اس کے بعد اے نبیؐ تیرے لیے اور عورتیں حلال نہیں اور نہ یہ حلال ہے کہ ان کے بدلے اور بیویاں کرلو۔ اگرچہ تجھے ان کا حسن پسند آجائے۔
 کیونکہ ازواج مطہراتؑ اس امتحان میں کامیاب ہو گئیں اور وہ صرف اللہ، اس کے رسول ﷺ اور دار آخرت کی خواستگار ہیں تو اللہ نے انہیں ہمیشہ کے لیے اپنے رسولؐ کے واسطے پسند کر لیا اور پھر ان کی تبدیلی کا اختیار بھی رسولؐ کو نہیں رہا۔ آنحضرتؐ نے آخری نکاح ام المؤمنین سیدہ میمونہؓ کے ساتھ ذی قعدہ ۷ھ میں کیا اور اس حکم کے نازل ہونے کے بعد آپؐ نے نہ تو ازواج مطہراتؑ میں سے کسی کو طلاق دی اور نہ ہی مزید کسی عورت سے نکاح کیا۔

اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ محبت دنیا اور آنحضرتؐ کی زوجیت کا یکجا ہونا محال اور اجتماع ضدین ہے۔ یہ ایک مسلمہ اور ناقابل تردید حقیقت ہے کہ ازواج مطہراتؑ نے اللہ، رسولؐ اور دار آخرت کو اختیار کیا تھا۔ اس کے بعد آپؐ پر یہ پابندی عائد کر دی گئی کہ انہیں تبدیل نہیں کر سکتے اور نہ ہی انہیں طلاق دے سکتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ ازواج مطہراتؑ آپؐ کی وفات کے بعد بھی آخری سانس تک ”بیت نبویؐ“ میں قیام پذیر رہیں تو پھر معلوم نہیں کہ ”علیؑ بچھتی کوئل“ میں شامل علماء کرام کن اغراض اور مفادات کے تحت انہیں ”اہل بیت نبویؐ“ کا مصداق قرار نہ دینے پر مجبور ہوئے۔
 (اس کی وضاحت عرض مؤلف کے تحت گزر چکی ہے)

آیت تخیر جنگ تبوک سے پہلے نازل ہوئی۔ صحیح بخاری کی وہ روایت جس میں حضرت عمر فاروقؓ نے پورا واقعہ بیان کیا تھا یہ ثابت کرتی ہے کہ جب ایلاء و تخیر کا

معاملہ پیش آیا اس وقت رومیوں کی مدینہ پر حملے کی خبریں آرہی تھیں۔ اسی لیے تو حضرت عمرؓ نے اپنے انصاری ہمسائے سے پوچھا کہ کیا غسانی مدینے پر چڑھ دوڑے ہیں؟ مؤرخین نے غزوہ تبوک کو جب ۹ھ کا واقعہ قرار دیا ہے۔ اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے ان آیات کا نزول اوائل ۹ھ ہے۔ ازواج مطہراتؓ کی اس عظیم کامیابی کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر حسب ذیل فرائض، واجبات اور احکام عائد کر دیے:

۱۔ وہ ان تمام فواحش سے دور رہیں جو عام طور پر عورتوں میں پائے

جاتے ہیں۔

۲۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کی فرمانبرداری کریں۔

۳۔ نرم و نازک لہجے میں باتیں نہ کریں اور عام شریفانہ دستور کے مطابق

باتیں کریں۔

۴۔ اپنے گھروں میں قیام کریں، سیر و تفریح کے لیے باہر نہ نکلیں۔

۵۔ قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور کے مطابق نہ گھومیں۔

۶۔ نماز قائم کریں۔

۷۔ زکوٰۃ ادا کریں اور لوگوں کو ان کی نشوونما کا سامان بہم پہنچائیں۔

۸۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کریں۔

۹۔ تمہارے گھروں میں جن آیات الہی کی تلاوت کی جاتی ہے اور

۱۰۔ احکام الہی کے مصالح اور حکمت کی جو باتیں بیان کی جاتی ہیں ان کا

چہ چا کریں اور ان کی تبلیغ و اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔

مذکورہ بالا حدود اللہ کی پابندی اور بجا آوری کے صلے میں ازواج مطہراتؓ کو

اہل بیت رسول کون؟

۴۴۲

آیت تطہیر

آیت تطہیر کے عظیم انعام سے نوازا گیا کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہی یہ ہے کہ اے نبی کی گھر والو! تم سے وساوس کو دور کرے اور تمہیں بالکل پاک و صاف کر دے۔ علماء اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں اہل بیت سے مراد صرف اور صرف ازواج مطہراتؑ ہیں۔ اس قرآنی اعزاز میں کوئی بھی ان کا ساجھی اور شریک نہیں ہے۔ امام اہل سنت مولانا عبدالحکیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

آیت تطہیر میں لفظ اہل بیت سے مراد الہی ازواج مطہراتؑ ہیں۔ ان کے سوا کوئی دوسرا مراد ہی نہیں ہو سکتا۔ لغت عرب میں بھی کسی شخص کا اہل بیت سوا اس کی زوجہ کے کسی کو نہیں کہتے۔ روایات میں اہل بیت کا لفظ اگر چارتن کے لیے ہے تو حضرت عباسؑ اور ان کی اولاد کے لیے بھی وارد ہوا ہے بلکہ بعض ایسے حضرات کے لیے جو کسی طرح کی قرابت نسبی یا صہری یا رضاعی نہ رکھتے تھے یہی لفظ اہل بیت وارد ہوا ہے، جیسے حضرت سلمان فارسیؑ، لہذا معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات کے سوا جن کو بھی اہل بیت فرمایا وہ پیار و محبت کے طور پر اور مجازاً فرمایا گیا ہے۔ (مجموعہ تفسیر آیات قرآنی، ص ۷۵)

☆☆☆

اہل بیت رسول کون؟

۴۴۳ مفسرین کے نزدیک آیت تطہیر کا مصداق

مفسرین کرام کے نزدیک آیت تطہیر کا مصداق

۱۔ علامہ ابوبکر حصص متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں کہ:

اس آیت کا نزول ازواج مطہرات کے بارے میں ہے۔ اس قول کی دلیل یہ ہے کہ آیت کا آغاز اور سیاق و سباق اور سلسلہ بیان کا تعلق ازواج مطہرات کے ساتھ ہے۔
(اکام القرآن جلد ۵ ص ۲۳۰ تحت الآیہ)

۲۔ امام بغوی متوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں کہ:

وَلَرَادُ بَاهِلِ الْبَيْتِ : نِسَاءُ النَّبِيِّ لَأَنَّهُنَّ فِي بَيْتِهِ (معالم القریل جلد ۵ ص ۵۲۸)
اہل بیت سے مراد آنحضرت ﷺ کی بیویاں ہیں کیونکہ وہ آپ کے گھر میں رہائش پذیر تھیں۔

۳۔ علامہ محمدری متوفی ۵۳۸ھ لکھتے ہیں:

وَفِي هَذَا دَلِيلٌ بَيْنَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي نِسَاءِ النَّبِيِّ مِنْ أَهْلِيهِ ثُمَّ ذَكَرَهُنَّ أَنْ يَسُوْرَتِهِنَّ مَهَابِطُ الرُّوحِ وَأَمْرُهُنَّ أَنْ لَا يَنْسِينَ مَا يَتْلُو فِيهَا مِنَ الْكِتَابِ الْجَامِعِ بَيْنَ أَمْرَيْنَ.....
(تفیر کشف جلد ۳ ص ۵۳۸ تحت الآیہ)

اس آیت میں اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ ﷺ کی بیویاں اہل بیت ہیں۔ پھر اللہ نے انہیں یہ بات یاد دلائی کہ ان کے گھر نزول وحی کے مقام ہیں اور ان کو حکم دیا کہ جو کتاب فلاح دارین کی جامع ہے اور ان کے گھروں میں پڑھی جاتی ہے اس کو فراموش نہ کریں۔

۴۔ علامہ ابوالفرج عبدالرحمن جمال الدین ابن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ

اہل بیت رسول کون؟ ۴۴۴ مفسرین کے نزدیک آیت تطہیر کا مصداق
لکھتے ہیں کہ:

اہل بیت سے مراد رسول کریم کی بیویاں ہیں۔ اس لیے کہ وہی آپ کے گھر
میں رہتی تھیں۔ (زاد المسیر فی علم الشیخ۔ جلد ۶ ص ۴۸)

۵۔ امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

إِنَّهَا شَامِلَةٌ لِنِسَائِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَنَّ سِيَاقَ الْآيَةِ يُنَادِي
عَلَى ذَلِكَ فَإِخْرَاجُهُنَّ عَنْ ذَلِكَ وَتَخْصِيصُهُ بغيرهنَّ غَيْرُ صَحِيحٍ۔
(تفهيم العزيز جلد ۲ ص ۳۴۲)

آیت تطہیر آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کو شامل ہے۔ کیونکہ آیت کا
سیاق اس پر دلالت کرتا ہے۔ لہذا ان کا آیت تطہیر سے اخراج اور ان کے علاوہ کسی
دوسرے کے ساتھ اس کی تخصیص غلط ہے۔

۶۔ امام ابو عبد اللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۷۱ھ لکھتے ہیں کہ:

قال عطاء وعكرمة وابن عباس هم زوجة خاصة۔
(جامع احکام القرآن جلد ۱ ص ۱۸۲)

عطاء، عکرمہ اور ابن عباس نے فرمایا (اہلبیت) وہ محض ازواج مطہرات ہیں۔

۷۔ امام ابو البرکات نسفی متوفی ۷۰۱ھ لکھتے ہیں کہ:

وفيه دليل على ان نساءه من اهل بيته۔ (تفسير القرآن الجليل جلد چہارم ص ۱۶۷)

اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کی بیویاں آپ کی اہل بیت ہیں۔

۸۔ علامہ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں کہ:

یہ آیت اس بات پر نص ہے کہ رسول اللہ کی بیویاں اہل بیت میں داخل

اہل بیت رسول کون؟ ۴۴۵ مفسرین کے نزدیک آیت تطہیر کا مصداق

ہیں۔ اس لیے کہ یہ آیت ان ہی کے بارے میں اتری ہے..... جس شخص کو نور معرفت حاصل ہو اور قرآن میں تدبر کرنے کی عادت ہو وہ یقیناً بیک نگاہ جان لے گا کہ اس آیت میں حضورؐ کی بیویاں بلا شک و شبہ داخل ہیں۔ اس لیے کہ اوپر سے کلام ہی ان کے ساتھ اور ان ہی کے بارے میں چلا آ رہا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ۲۲ حصہ آیت تطہیر)

۹۔ جلال الدین محلی شافعی متوفی ۸۶۴ھ لکھتے ہیں کہ:

اَهْلُ الْبَيْتِ: اى نساء النبى صلى الله عليه وسلم۔ (جلالین کلام ص ۳۵۴)

اہل البیت سے آنحضرت ﷺ کی بیویاں مراد ہیں۔

۱۰۔ بہیقی وقت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی متوفی ۱۲۲۵ھ لکھتے ہیں کہ:

اهل البيت: بيت النبى..... فقال عكرمة ومقاتل اراد باهل البيت

نساء النبى ورضى عنهن لانهن فى بيته۔ (تفسیر ظہری جلد ۳ ص ۳۳۹)

اہل بیت میں بیت سے آنحضرت ﷺ کا گھر مراد ہے۔ عکرمہ اور مقاتل

نے کہا ہے کہ اہل البیت سے آپؐ کی بیویاں رضی اللہ عنہن مراد ہیں۔ کیونکہ وہی ان کے گھر میں قیام پذیر تھیں۔

۱۱۔ امام شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں کہ:

فقال ابن عباس وعكرمة وعطاء والكلبي ومقاتل وسعيد بن

جبیر ان اهل البيت المذكورين فى الآية هن زوجات النبى خاصة۔ قالوا

والمعمراد من البيت: بيت النبى ومساكن زوجات لقوله تعالى "واذكرن

ما يتلى فى بيوتكن" وايضا السياق فى الزوجات يابها النبى قل

اہل بیت رسول کون؟

۴۴۶ مفسرین کے نزدیک آیت تطہیر کا مصداق

لازواجك الى قوله واذكرن۔ الخ (تفسیر فتح القدیر جلد ۲ ص ۲۷۰)

جناب ابن عباس، عکرمہ، عطاء مفضل اور سعید بن جبیر نے کہا کہ آیت میں مذکور اہل بیت سے مراد خاص ازواج مطہرات ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بیت سے مراد نبی کے گھر جن میں آپ کی بیویاں رہائش پذیر تھیں جیسا کہ اس آیت سے پہلے اور بعد میں ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت عکرمہ گواہ اس قدر شدید احساس تھا کہ فرماتے ہیں اس امر کے متعلق جو کوئی چاہے میں اس سے مباہلہ کے لیے تیار ہوں۔ (عالم مذکور)

۱۲۔ علامہ محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں کہ:

فالمعمر ادباً ہاملاً نساءہ صلی اللہ علیہ وسلم المطہرات للقرائن الدالة علی ذلك من الآيات السابقة والاحقة مع انه عليه الصلوة والسلام ليس له بيت يسكنه سوى سكناهن عن ابن عباس نزلت (انما يريد الله الخ) فی نساء النبی خاصة وقال عکرمہ من شاء باہلته انہا نزلت فی ازواج النبی واخرج ابن جریر وابن مردويه عن عکرمہ انہ قال فی الآية ليس بالمذی تذهبون اليه انما هو نساء النبی وروی ابن جریر ايضاً ان عکرمہ کان ينادی فی السوق ان قوله تعالى انما يريد الله الخ

نزل فی نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم واخرج ابن سعد عن عروة (ليذهب عنكم الرجس اهل البيت) قال یعنی ازواج النبی۔ (روح المعانی جلد ۲ ص ۱۳)

اہل سے مراد آنحضرت کی بیویاں ہیں۔ سیاق و سباق کی آیات اس پر دال

اہل بیت رسول کون؟

۴۴۷

مفسرین کے نزدیک آیت تطہیر کا مصداق

ہیں۔ ازواج مطہرات کے گھروں کے علاوہ آپؐ کا کوئی گھر نہیں تھا جن میں آپؐ سکونت پذیر ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یہ آیت خاص طور پر آنحضرتؐ کی بیویوں کے لیے نازل ہوئی ہے۔ حضرت عکرمہؓ کہتے ہیں جو چاہے میں اس سے مباہلہ کر سکتا ہوں کہ یہ آیت ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ مزید فرمایا جو تم اس سے مراد لے رہے ہو وہ نہیں ہے۔ بلکہ اس سے صرف آنحضرت ﷺ کی بیویاں مراد ہیں۔ ابن جریر نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ عکرمہ بازار میں منادی کیا کرتے تھے کہ آیت تطہیر آپؐ کی بیویوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ابن سعد عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ اس سے مراد ازواج النبیؐ ہیں۔

۱۳۔ فخر المفسرین حضرت عبدالحق حقانی متوفی ۱۳۳۵ھ لکھتے ہیں کہ:

اہل البیت کے لغوی معنی گھر والے کے ہیں اور اصطلاح میں خصوصاً عرب کے عرف میں اس لفظ کا اطلاق خاص بیوی پر ہوتا ہے۔۔۔ اسی طرح قرآن مجید میں اہل البیت کا لفظ خاص ابراہیمؑ کی بیوی پر بھی مستعمل ہوا ہے اور عرب بولتے ہیں کیف اہلک یعنی گھر والی کی خیریت پوچھتے ہیں۔ ہمارے عرف میں بھی اہل خانہ گھر والی، بیوی کو کہتے ہیں۔ اسی لیے علماء اسلام کا ایک جم غفیر اس کا قائل ہوا ہے کہ اس آیت میں اہل البیت سے مراد آنحضرتؐ کی بیویاں ہیں۔ جس کو قرآنی مذاق کچھ بھی ہے وہ سیاق و سباق میں نظر کر کے اس بات کو جلد تسلیم کر سکتا ہے۔ ابن عباسؓ، عکرمہؓ، عطاءؓ، مقاتل اور سعید بن جبیر اسی کے قائل ہیں۔ اول میں بھی خطاب نبیؐ کی بیویوں سے ہے۔ کما قال قل لازواجک اور یہاں تک انہی کے متعلق احکام چلے آتے ہیں۔ گھر میں بیٹھنا وغیرہ اور بعد میں بھی ان ہی کی طرف

اہل بیت رسول کون؟

۴۴۸

مفسرین کے نزدیک آیت تطہیر کا مصداق

خطاب ہے۔ واذکرن معاہدۃ فی بیوتکم۔ اور نیز ”بیت“ سے مراد آنحضرتؐ کا گھر ہے جو حضرت مکی بیویوں کے رہنے کی جگہ ہے، جہاں آپؐ شب باش ہوتے تھے۔

(تفسیر حاشی ص ۸۹ تحت آیت تطہیر)

۱۴۔ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کلڑوی متوفی ۱۳۵۶ھ فرماتے ہیں کہ:

”آیت تطہیر میں الفاظ اہل البیت سے مراد مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ بحسب کثرت روایات، آل کساء یعنی علی، حسن، حسین، سیدۃ النساء

علیہم السلام ہیں۔ اور یہی قول ہے صحابہ کرامؓ میں سے حضرت ابوسعید خدریؓ کا اور تابعین میں سے بھی ایک گروہ کا جن میں مجاہد اور قتادہ بھی ہیں۔

۲۔ جمہور کا قول ہے کہ لفظ اہل بیت فریقین یعنی امہات المؤمنین اور آل عبا

علیہم السلام کو بھی شامل ہے۔

۳۔ تیسرا قول صحابہؓ میں سے ابن عباسؓ اور تابعین میں سے عکرمہؓ کا ہے کہ

اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات ہی ہیں۔

۴۔ چوتھا قول جسے ابن حجر نے صواعق میں ثعلبی سے نقل کیا ہے کہ اہل بیت

سے مراد بنو ہاشم اور بیت سے ”بیت النسب“ ہے۔ خازن میں ہے کہ زید بن ارقمؓ کا بھی یہی قول ہے۔

۵۔ پانچواں قول جس کو خطیب شربینی نے بقاعی سے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ

یہ قول اولیٰ ہے وہ یہ ہے کہ ”اہل بیت“ سے مراد سب تعلق دار، ازواج و اولاد علیہم السلام اور وہ خدام ہیں جن کو آنحضرت ﷺ سے ممتاز انداز و تعلق تھا جیسا کہ حدیث شریف میں سلمان فارسیؓ کی نسبت وارد ہے کہ ”سَلَمَانٌ مِنَّا أَهْلُ الْبَيْتِ“ یعنی سلمان ہم

اہل بیت رسول کون؟ ۴۴۹ مفسرین کے نزدیک آیت تطہیر کا مصداق

سے یعنی اہل بیت سے ہے۔“ (تفسیر مائین سنی و شیعہ ص ۵۲ تحت آیت تطہیر - کواثر شریف)

۱۵۔ حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ لکھتے ہیں کہ:

اس مقام پر جو لفظ اہل بیت آیت تطہیر میں آیا ہے سیاق و سباق کے دیکھنے سے بالیقین اس کا مصداق ازواج مطہرات ہیں۔ چنانچہ ابن عباس کا قول اسی آیت تطہیر میں ہے۔ منزلت فی نساء النبی خاصۃ اور عکرمہ کا قول ہے انہا نزلت فی ازواج النبی۔ (بیان القرآن حصہ ۸ ص ۲۸ تحت آیت تطہیر)

۱۶۔ صدرالا فاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے

ہیں کہ:

”اس آیت سے اہل بیت کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور اہل بیت میں نبی کریم کے ازواج مطہرات اور حضرت خاتون جنت فاطمہ زہرا داخل ہیں۔ آیات واحادیت کو جمع کرنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے اور یہی حضرت امام ابو منصور ماتریدی سے منقول ہے۔“ (تفسیری حاشیہ بر کنز الدیان تحت الایہ ص ۶۰۳)

۱۷۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ لکھتے ہیں کہ:

نظم قرآن میں تدبر کرنے والے کو ایک لمحہ کے لیے اس میں شک و شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہاں اہل بیت کے مدلول میں ازواج مطہرات یقیناً داخل ہیں۔ کیونکہ آیت ہذا سے پہلے اور پیچھے پورے رکوع میں تمام تر خطابات ان ہی سے ہوئے ہیں اور ”بیوت“ کی نسبت بھی پہلے وَقَرْنَ فِی بُیُوتِکُنَّ میں اور آگے وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰی فِی بُیُوتِکُنَّ میں ان کی طرف کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ قرآن میں یہ لفظ عموماً اسی سیاق میں مستعمل ہوا ہے..... مطلقہ عورت باوجودیکہ نکاح سے نکل چکی مگر عدت

اہل بیت رسول کون؟ ۴۵۰ مفسرین کے نزدیک آیت تطہیر کا مصداق

منقضي ہونے سے پہلے بیوت کی نسبت اسی کی طرف کی گئی۔ چنانچہ فرمایا

”وَلَا تُخَيِّرُ حُرُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ“ (سورۃ الطلاق)

حضرت یوسف کے قصہ میں ”بیت“ کو زینچا کی طرف منسوب

کیا۔ ”وَرَأَوْنَاهُ الْيَتِيمَ الَّذِي هُوَ فِي بَيْتِهَا“ (یوسف)

بہر حال اہل بیت میں اس جگہ ازواج مطہرات کا داخل ہونا یقینی ہے بلکہ

آیت کا خطاب اولاً ان ہی سے ہے۔ (تفسیر عثمانی ص ۵۲۲ تحت آیت تطہیر)

۱۸۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی متوفی ۱۳۹۴ھ لکھتے ہیں کہ:

آیت تطہیر باجماع صحابہ کرام ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی اور آیت میں اہل بیت سے آپ ﷺ کی بیویاں مراد ہیں۔ اور تطہیر سے تزکیہ نفس اور تہذیب باطن اور تصفیہ قلب مراد ہے۔ جو تزکیہ باطن کا وہ اعلیٰ ترین مقام ہے جو کامل اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے۔ جس کے حصول کے بعد وہ گناہوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ مگر انبیاء کی طرح معصوم نہیں ہوتے۔ (معارف القرآن جلد ۶ ص ۲۲۲ تحت الآیہ)

۱۹۔ مولانا عبد الماجد دریا آبادی متوفی ۱۳۹۸ھ لکھتے ہیں کہ:

سیاق سے بالکل ظاہر ہے کہ اہل بیت سے مراد ازواج نبی ہیں اور یہی مفہوم سلف سے منقول بھی ہے۔ اہل سنت کا تو اس میں کوئی اختلاف ہی نہیں کہ آیت کا سبب نزول ازواج نبی ہی ہیں اور اہل بیت سے اولاً یہی مراد ہیں۔ البتہ گفتگو اس میں ہوئی ہے کہ آیا ان کے علاوہ بھی کوئی مراد ہے؟ سو محققین اہل سنت کا فیصلہ ہے کہ لفظ کے عموم میں ازواج النبی کے علاوہ بھی ہستیاں داخل ہیں۔ اہل بیت کے جو متعارف معنی اردو میں چلے ہوئے ہیں وہ بھی حدیث سے نکلتے ہیں۔ لیکن یہاں ذکر صرف

اہل بیت رسول کون؟ ۳۵۱ مفسرین کے نزدیک آیت تطہیر کا مصداق

اصطلاح قرآنی کا ہے۔ قرآن مجید میں دوسری جگہ بھی اہل بیت کا لفظ ایک پیغمبر کی
زوجہ محترمہ ہی کے لیے آیا ہے۔ (قرآن مجید ترجمہ تفسیر ص ۵۸۳۸ ج تہجد)

۲۰۔ جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں کہ:

جس سیاق و سباق میں یہ آیت وارد ہوئی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ
یہاں اہل بیت سے مراد نبی کی بیویاں ہیں۔ کیونکہ خطاب کا آغاز ہی بِسْمِ اللّٰہِ
النَّبِیِّ (اے نبی کی بیویو) کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔ اور ما قبل و ما بعد کی پوری تقریر
میں وہی خطاب ہے۔ علاوہ بریں اہل بیت کا لفظ عربی زبان میں ٹھیک ان ہی معنوں
میں استعمال ہوتا ہے جن میں ہم ”گھر والوں“ کا لفظ بولتے ہیں اور اس کے مفہوم میں
آدمی کی بیوی اور اس کے بچے دونوں شامل ہوتے ہیں۔ بیوی کو مستثنیٰ کر کے اہل خانہ
کا کوئی لفظ نہیں بولتا۔ خود قرآن مجید میں بھی اس مقام کے سوا دو مزید مقامات پر یہ لفظ
آیا ہے اور دونوں جگہ اس کے مفہوم میں بیوی شامل بلکہ مقدم ہے۔ پس محاورہ
اور قرآن کے استعمالات اور خود اس آیت کا سیاق و سباق ہر چیز اس بات پر قطعی
دلائل کرتی ہے کہ نبی کے اہل بیت میں آپ کی ازواج مطہرات بھی داخل
ہیں۔ اور آپ کی اولاد بھی۔ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اس آیت کا خطاب ازواج سے ہے
اور اولاد مفہوم لفظ کے اعتبار سے اس میں شامل قرار پاتی ہے۔ اسی بناء پر ابن عباسؓ،
عروہ بن زبیر اور عکرمہؓ کہتے ہیں کہ اس آیت میں اہل بیت سے مراد ازواج النبی ہیں۔
(تفہیم القرآن حصہ چہارم تحت آیت تطہیر)

۲۱۔ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب متوفی ۱۴۰۰ھ لکھتے ہیں کہ:

اے ازواج نبی! اللہ نے یہ احکام تمہیں اس لیے دیے ہیں تاکہ ان کے

اہل بیت رسول کون؟ ۳۵۲ مفسرین کے نزدیک آیت تطہیر کا مصداق

ذریعہ تم ہر قسم کی اخلاقی کمزوریوں سے محفوظ رہو اور اللہ اور رسولؐ کی نافرمانی کے جرم اور گناہ سے پاک صاف رہو۔ ”وَ اذْكُرْنَ“ قرآن کی آیتوں اور آپؐ کے ارشادات کو اپنے گھروں میں بار بار پڑھا کرو اور ان کو دہرایا کرو تا کہ اللہ و رسولؐ کے احکام ہر وقت تمہارے ذہنوں میں تازہ رہیں۔ اور ان کے اتباع میں آسانی ہو۔

یہاں لفظ ”اہل البیت“ سے روافض ”بیعت“ مراد لیتے ہیں جو قرآن کے سیاق و سباق کے سراسر خلاف اور لغت و عربیت کی رو سے قطعاً غلط ہے۔ جس آیت میں یہ لفظ وارد ہے اس سے پہلے پانچ آیتوں میں ازواج مطہرات سے خطاب چلا آ رہا ہے اور اس سے بعد والی آیت میں بھی ازواج ہی سے خطاب ہے۔ ان تمام آیتوں میں جمع مؤنث مخاطب کے صیغہ استعمال کیے گئے ہیں اور خود اس آیت میں اس لفظ سے پہلے چھ صیغہ جمع مؤنث حاضر کے موجود ہیں جن سے ازواج مطہرات مخاطب ہیں۔ اس لیے لامحالہ یہاں اہل بیت سے حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات ہی مراد ہیں۔ اگر اس سے بیعت مراد لیے جائیں تو نظم قرآن مختل ہو جائے گا۔

(جوہر القرآن۔ جلد سوم ص ۹۳۹)

۲۲۔ مولانا محمد منظور نعمانی متوفی ۱۴۱۷ھ لکھتے ہیں کہ:

یہ ایک حقیقت ہے جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ ”اہل بیت“ کا لفظ قرآن مجید میں ازواج مطہرات ہی کے لیے استعمال ہوا ہے۔ سورۃ الاحزاب کے چوتھے رکوع میں ازواج مطہرات کو کچھ خاص ہدایات دینے کے بعد فرمایا گیا ہے:

اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ ”اے ہمارے پیغمبر کی بیویاں! تم کو جو یہ خاص

اہل بیت رسول کون؟ ۴۵۳ مفسرین کے نزدیک آیت تطہیر کا مصداق

ہدایتیں دی گئی ہیں ان سے اللہ کا مقصد تم کو زحمت و مشقت میں مبتلا کرنا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ان ہدایات سے یہ ہے کہ تم کو ہر قسم کی ظاہری و باطنی برائی اور گندگی سے مطہر اور پاک صاف کر دے۔

جو شخص عربی زبان کی کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے اس کو سورۃ احزاب کے اس پورے رکوع کے پڑھنے کے بعد اس میں کوئی شک شبہ نہیں ہوگا کہ یہاں ”اہل بیت“ کا لفظ رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات ہی کے لیے استعمال ہوا ہے۔ لیکن یہ کیسی عجیب بات ہے کہ قرآن پر ایمان رکھنے والے ہم مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ ”اہل البیت“ کا لفظ سن کر ہمارا ذہن ازواج مطہرات کی طرف بالکل نہیں جاتا بلکہ آنحضرتؐ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہراؑ اور ان کے شوہر حضرت علی مرتضیٰؑ اور ان کی ذریت (رضی اللہ عنہم) ہی کی طرف جاتا ہے۔

”اہل البیت“ کا لفظ قرآن مجید میں سورۃ احزاب کے علاوہ صرف ایک جگہ اور سورۃ ہود کے چھٹے رکوع میں بھی آیا ہے (”اہل بیت“ کے حوالے سے یہاں حضرت نعمانی صاحبؒ سے تسامح ہو گیا ہے۔ قرآن مجید میں سورۃ احزاب اور سورۃ ہود کے ان دو مقامات کے علاوہ سورۃ القصص آیت ۱۲ میں بھی ”تَهْلُ اٰذْلُكُمْ عَلٰی اَهْلِ بَيْتِ.....“ کے الفاظ آئے ہیں۔ جن سے مراد حضرت موسیٰؑ کی والدہ ماجدہ اور عمران کی بیوی ہیں۔ البتہ یہاں ”اہل البیت“ کی بجائے ”بیت“ یعنی بغیر الف لام کے استعمال ہوا ہے۔ ازراقم الحروف) جہاں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ جب بڑھاپے کی اس عمر کو پہنچ گئے تھے جس میں عام قانون فطرت کے مطابق اولاد کی امید نہیں کی جاسکتی اور لا ولد تھے، تب اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتوں کی ایک جماعت نے آکر

اہل بیت رسول کون؟ ۴۵۴ مفسرین کے نزدیک آیت تطہیر کا مصداق

انہیں اور ان کی زوجہ محترمہ حضرت سارہؓ کو ایک بیٹے کے تولد کی بشارت دی۔ حضرت سارہؓ نے ازراہ تعجب کہا ”اِنَّ الْاِلٰهَ وَآنَا عَجُوْزٌ وَهٰذَا بَعْلٰی شَيْخًا“ (میں خود بڑھیا اور میرے یہ میاں بھی بوڑھے تو اب کیا میں بچہ جنوں گی؟)

اس کے جواب میں فرشتوں نے کہا ”اَتَعْصَمِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحِمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهُ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ“ (محترمہ! کیا آپ اللہ کے نیکو بنی حکم کے بارے میں تعجب کرتی ہیں۔ آپ ”اہل البیت“ پر تو اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتیں اور برکتیں ہیں)

ظاہر ہے کہ اس آیت میں بھی ”اہل البیت“ سے مراد اہل بیت کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ ہی کو مخاطب کیا گیا ہے۔

عربی زبان و محاورات سے واقفیت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ کسی شخص کے ”اہل البیت“ کا اولین مصداق اس کی بیوی ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح فارسی میں ”اہل خانہ“ اور اردو میں ”گھر والے“ یا ”گھر والی“ بیوی ہی کو کہا جاتا ہے۔ ماں، بہن بیٹی اور داماد اور ان کی اولاد کے لیے ”اہل البیت“ اور ”اہل خانہ“ اور ”گھر والوں“ کا لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ الغرض اس میں شک شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ ”اہل البیت“ کا لفظ قرآن مجید میں ازواج مطہرات ہی کے لیے استعمال ہوا ہے اور وہی اس کی اولین مصداق ہیں۔

البتہ یہ بات حدیث شریف سے ثابت ہے کہ جب سورہ احزاب کی مندرجہ بالا آیت ”اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا“ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ اور ان کے دونوں

اہل بیت رسول کون؟

۴۵۵

مفسرین کے نزدیک آیت تطہیر کا مصداق

بیٹوں حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ اور ان کے ساتھ ان کے شوہر اور اپنے چچا زاد بھائی حضرت علی مرتضیٰؑ کو ایک کمر میں اپنے ساتھ لے کر دعا فرمائی:

”اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِيْ فَادْخَبْ عَنْهُمْ الرَّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيراً“

(اے اللہ یہ بھی میرے اہل بیت ہیں ان سے بھی ہر طرح کی برائی اور

گندگی کو دور فرما دے اور ان کو مکمل طور سے مطہر و پاک صاف فرما دے)

بلاشبہ حضورؐ کی دعا قبول ہوئی اور سورہ احزاب والی آیت میں ازواج مطہرات کا

”اہل البیت“ کے لفظ سے ذکر فرما کر ان پر اللہ تعالیٰ کے جس خاص انعام کا ذکر فرمایا گیا تھا

اس میں اور لفظ ”اہل البیت“ کے اطلاق میں یہ حضرات بھی شامل ہو گئے اس بنیاد پر یہ

حضرات بھی لفظ ”اہل البیت“ کا مصداق ہیں۔ لیکن جیسا کہ تفصیل سے عرض کیا جا چکا

ہے قرآن مجید میں یہ لفظ ازواج مطہرات ہی کے لیے استعمال ہوا ہے اور وہی اس کی اولین

مصداق ہیں۔ الغرض یہ بات کہ ازواج مطہرات آپؐ کے اہل بیت میں سے نہیں ہیں بلکہ

اس لفظ کا مصداق صرف آپؐ کی ایک بیٹی، ایک داماد اور دونوں سے ہیں، نہ تو زبان کے لحاظ

سے درست ہے نہ قرآن وحدیث سے ثابت۔۔۔ بلکہ ایک خاص فرقہ کے فنکاروں کی

سازش کے نتیجے میں اس غلطی نے امت میں عرف عام کی حیثیت اختیار کر لی اور ہماری

سادہ دلی کی وجہ سے اس طرح بہت سی دوسری غلط باتوں کی طرح اس کو بھی قبول عام حاصل

ہو گیا۔ اور جیسا کہ عرض کیا گیا حالت یہ ہو گئی کہ ”اہل بیت“ کا لفظ سن کر ہمارے اچھے

پڑھے لکھے لوگوں کا ذہن بھی ازواج مطہرات کی طرف نہیں جاتا جو قرآن مجید کی رو سے

اس لفظ کی اولین مصداق ہیں۔

اب اس عاجز نے لفظ ”اہل البیت“ کے صحیح مفہوم کو امت میں رائج کرنے

اہل بیت رسول کون؟ ۳۵۶ مفسرین کے نزدیک آیت تطہیر کا مصداق

کی نیت سے ”اہل بیت نبویؑ“ کے عنوان کے تحت ہی رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات اور آپؐ کی ذریت طیبہ دونوں کے فضائل و مناقب لکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔
وَاللّٰهُ الْمَوْفِقُ وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ - (معارف الحدیث، جلد ۸ ص ۳۳۷-۳۳۸ تحت فضائل اہل بیت نبوی)

۲۳۔ مولانا امین احسن اصلاحی، متوفی ۱۴۱۸ھ لکھتے ہیں کہ:

نبی ﷺ کے اہل بیت ہونے کا شرف اصلاً آپؐ کی ازواج مطہرات کو حاصل ہے۔ یہ آیت اس باب میں نص قطعی ہے۔ قرآن میں اس کی نظیریں بھی موجود ہیں۔ یہاں اہل بیت سے ازواج نبیؑ کے سوا کسی اور کو مراد لینے کی گنجائش موجود نہیں ہے۔ دوسروں کی شمولیت اس میں ہو سکتی ہے تو اصلاً نہیں بلکہ تبعاً و ضمناً ہو سکتی ہے۔ اس وجہ سے ان غالی فرقوں کی منطق ہماری سمجھ میں نہیں آتی جو اصل کے تو منکر ہیں لیکن فروع پر بڑا طوفان کھڑا کرتے ہیں۔ (۲۔ برقرآن جلد ششم ص ۲۲۲)

۲۴۔ پیر کرم شاہ صاحب الازہری متوفی ۱۴۱۸ھ لکھتے ہیں کہ:

”رکوع کے آغاز سے روئے سخن محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کی طرف ہے۔“..... (اس کے بعد پیر صاحب آیت تطہیر کا سیاق و سباق بیان کر کے لکھتے ہیں)

یہ ہے اس آیت کا سیاق و سباق۔ اسے دیکھنے کے بعد یہ تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے کہ آیت کے اس جملہ (اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ) میں بھی وہی مخاطب ہیں جن سے پہلے اور بعد میں خطاب ہو رہا ہے اور وہ ازواج مطہرات ہیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہن اور اہل بیت سے بھی ازواج مطہرات مراد ہیں۔

فرقہ وارانہ تعصب سے بلند اور خالی الذہن ہو کر اگر ان آیات کا مطالعہ

اہل بیت رسول کون؟

۴۵۷

مفسرین کے نزدیک آیت تطہیر کا مصداق

کیا جائے تو ان آیات کا یہی مفہوم ہے جو بلا تکلف سمجھ میں آتا ہے۔ خدا نہ بھلا کرے فرقہ وارانہ تعصبات کا کہ وہ حق نبی کی راہ میں پہاڑ بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

(منہاء القرآن جلد چہارم ص ۵۱ تحت الآیہ)

۲۵۔ مولانا محمد یوسف لدھیانوی متوفی ۱۴۲۱ھ شیعہ مترجم فرمان علی کے

جواب میں لکھتے ہیں کہ:

سورة الاحزاب کا چوتھا رکوع (آیات ۲۸ تا ۳۴) پورے کا پورا آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات سے متعلق ہے۔ اسی ذیل میں آیت ۳۳ کا یہ جملہ بھی ہے جو آیت تطہیر کے نام سے موسوم ہے۔ اس آیت کریمہ میں ازواج مطہرات کو ”اہل بیت“ سے خطاب کر کے ان کی تطہیر کامل کا اعلان فرمایا گیا ہے۔ قرآن کریم کی اس نص قطعی سے ثابت ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات ”اہل بیت“ بھی ہیں اور فیصلہ خداوندی کے مطابق پاک اور مطہر بھی۔

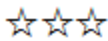
مترجم (فرمان علی) اور ان کے ہم عقیدہ لوگوں کو ”اہل بیت“ سے عداوت اور اللہ تعالیٰ کے اس قطعی فیصلہ سے انحراف ہے۔ وہ اس آیت کی کوئی ایسی تاویل بھی نہیں کر سکتے جس کے ذریعے آیت تطہیر کا روئے سخن ازواج مطہرات سے ہٹا کر کسی اور کی طرف پھیرا جاسکے۔ اس لیے کہ ماقبل اور مابعد میں خطاب ازواج مطہرات ہی سے چلا آ رہا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ درمیان کا ٹکڑا کسی اور سے متعلق قرار دیا جائے۔ جناب مترجم نے اس مشکل کا حل یہ نکالا ہے کہ یہاں قرآن میں تحریف کر دی گئی ہے۔ آیت کا یہ ٹکڑا کسی اور جگہ کا تھا جسے (نعوذ باللہ) خود غرضی کی وجہ سے یہاں جڑ دیا گیا ہے۔

(شیعہ بنی اختلافات اور صراط مستقیم ص ۴۸۷)

۲۶۔ مشہور غیر مقلد عالم مولانا صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں کہ:

”اہل بیت سے کون مراد ہیں؟ اس کی تعیین میں کچھ اختلاف ہے۔ بعض نے ازواج مطہرات کو مراد لیا ہے جیسا کہ یہاں قرآن کریم کے سیاق سے واضح ہے۔ قرآن نے یہاں ازواج مطہرات ہی کو اہل البیت کہا ہے۔ قرآن کے دوسرے مقامات پر بھی بیوی کو اہل بیت کہا گیا ہے۔ مثلاً سورہ ہود آیت ۳۷ میں۔ اس لیے ازواج مطہرات کا اہل بیت ہونا نص قرآنی سے واضح ہے۔ بعض حضرات، بعض روایات کی رو سے اہل بیت کا مصداق صرف حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو مانتے ہیں اور ازواج مطہرات کو اس سے خارج سمجھتے ہیں۔ جبکہ اول الذکر ان اصحاب اربعہ کو اس سے خارج سمجھتے ہیں تاہم اعتدال کی راہ اور نقطہ متوسطہ یہ ہے کہ دونوں ہی اہل بیت ہیں۔ ازواج مطہرات تو اس نص قرآنی کی وجہ سے اور داماد و اولاد ان روایات کی رو سے جو صحیح سند سے ثابت ہیں، جن میں نبیؐ نے ان کو اپنی چادر میں لے کر فرمایا کہ اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ بھی میرے اہل بیت سے ہیں۔ یا یہ دعا ہے کہ یا اللہ ان کو بھی ازواج مطہرات کی طرح میرے اہل بیت میں شامل فرما دے۔ اس طرح تمام دلائل میں بھی تطہیق ہو جاتی ہے۔“

(قرآن کریم مع ردود جہانگیر ص ۸۷ تحت الآیۃ۔ مطبوعہ شاہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپنیز)



قرآن مجید میں لفظ اہل بیت کا استعمال

قرآن مجید میں تین مقامات پر اہل بیت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ سورہ ہود آیت ۷۳ اور سورہ احزاب آیت ۳۳ میں ”اہل البیت“ جبکہ سورہ قصص آیت ۱۲ میں ”اہل بیت“ یعنی لفظ ”بیت“ ”بغیر الف لام“ کے استعمال ہوا ہے۔

۱۔ حضرت ابراہیمؑ اور ان کی بیوی دونوں بڑھاپے کی منزل میں تھے۔ فرشتوں نے ان کی بیوی کو بیٹے کی بشارت سنائی تو انہوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا تو فرشتوں نے کہا:

قَالُوا اتَّعَجِبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَجِيدٌ ۝

(ہود پ ۱۲ آیت نمبر ۷۳)

کیا تم امرا الہی پر تعجب کرتی ہو۔ اے گھر والو تم پر اللہ کی رحمت اور برکتیں ہیں۔ بلاشبہ وہ سزاوارحما اور بزرگوار ہے۔

اس آیت میں ”اہل البیت“ سے مراد بالاتفاق حضرت ابراہیمؑ کی بیوی ہے جو ابھی صاحب اولاد نہیں ہیں۔ پھر بھی انہیں اہل البیت کے الفاظ سے مخاطب کیا جا رہا ہے۔ یہاں حضرت سارہؑ کے ”اہل البیت“ کا مصداق ہونے سے کون بد بخت انکار کر سکتا ہے کہ آیت میں خطاب خود انہی کی ذات سے ہے۔

امام قرطبی لکھتے ہیں کہ یہ آیت اس امر پر قطعی دلالت کرتی ہے کہ آدمی کی بیوی اس کی اہل بیت ہوتی ہے۔ سو انبیاء کی بیویاں ان کی اہل بیت ہیں۔ اس لیے حضرت عائشہؓ اور دیگر ازواج مطہرات آنحضرت ﷺ کی اہل بیت ہیں۔

اہل بیت رسول کون؟

۳۶۰

قرآن مجید میں لفظ اہل بیت کا استعمال

۲۔ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ وَهُمْ لَهُ نَاصِحُونَ ۝ فَرَدَدْنَاهُ إِلَىٰ أُمِّهِ..... (القلم ص ۲۰ آیت ۱۲)
اور ہم نے پہلے ہی اس (موسیٰ) پر دایوں کے دودھ حرام کر دیے تھے تو اس (موسیٰ کی بہن) نے کہا کہ کیا میں تمہیں ایسے گھر والے (اہل بیت) بتاؤں کہ تمہارے لیے اس (بچے) کو پالیں اور اس (موسیٰ) کی خیر خواہی (سے پرورش) کریں۔

اس آیت میں اہل بیت کا لفظ عمران کی بیوی (ام موسیٰ) کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ اس کی تائید آیت کے دوسرے حصے سے ہوتی ہے کہ ہم نے اسے (موسیٰ کو) ان کی ماں کے پاس لوٹا دیا۔

۳۔ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۝ (احزاب ص ۲۲-۲۳ آیت ۳۳)

قرآن مجید میں تیسری بار اہل البیت کا لفظ سورہ احزاب کی آیت ۳۳ میں استعمال ہوا ہے۔ جسے آیت تطہیر کا نام بھی دیا گیا ہے۔ اور اسی آیت کی رو سے آپ کی بیویوں کو ازواج مطہرات کہا جاتا ہے اور یہ لقب آپ کی بیویوں کے لیے ہی خاص ہے۔ دوسرا کوئی بھی اس میں ان کا شریک نہیں۔ چنانچہ امت مسلمہ نے ہمیشہ ازواج مطہرات سے امہات المؤمنین کو ہی مراد لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اہل جنت کے لیے دیگر انعامات کے علاوہ اس انعام کا بھی اعلان فرمایا ہے کہ وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ (اور ان کے لیے اس میں پاک بیویاں ہوں گی) مگر آنحضرت ﷺ کی بیویوں کو آیت تطہیر کے انعام سے نوازا کر جنت الفردوس کی بشارت

اہل بیت رسول کون؟ ۳۶۱ قرآن مجید میں لفظ اہل بیت کا استعمال

کو اسی دنیا میں ہی پورا کر دیا۔ لہذا یہ مقدس لقب ان ہی کے لیے مخصوص ہو گیا۔ اور آپؐ کے علاوہ کسی بھی شخص کی بیویوں کو ازواج مطہرات کے لقب سے نہ تو کبھی پکارا گیا اور نہ پکارا جاسکتا ہے۔

مذکورہ بالا آیات میں ”اہل البیت“ کا لفظ حضرت ابراہیمؑ کی بیوی عمران کی بیوی (ام موسیٰ) اور آنحضرتؐ کی بیویوں کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ ان قرآنی استعمالات میں کہیں بھی اولاد مراد نہیں لی گئی۔

اس تحقیق سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی ہے کہ آیت تطہیر سے اصلاً مراد ازواج مطہرات ہیں اور ”اہل بیت“ کا اطلاق بھی ان ہی پر ہوتا ہے۔ کیونکہ ”بیت“ سے نبی کے گھر کے سوا اور کوئی گھر مراد نہیں ہو سکتا۔ نبیؐ کے گھر وہی تھے جن میں آپؐ کی بیویاں رہائش پذیر تھیں۔ اور ان ہی گھروں کو ازواج النبی کا گھر کہا گیا ہے۔ جیسا کہ آیت تطہیر میں وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ اور اس کے بعد وَادْخُلْنَ مَا بَيْنَ يَدَيْ بُيُوتِكُنَّ میں ہے اور اسی سورہ احزاب کی آیت ۵۳ میں مزید واضح کیا گیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ.....وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ۔

اے ایمان والو! نبیؐ کے گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک تمہیں اجازت نہ مل جائے۔ اور اگر ان بیویوں سے کوئی کام کی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔

اس آیت میں نبیؐ کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہونے کی ممانعت ہے اور اسی آیت میں ازواج النبی سے پس پردہ سوال کرنے کی ہدایت ہے۔ یعنی جو گھر نبیؐ کا

ہے وہی ازواج النبیؐ کا ہے۔ پس گھر والوں ”اہل البیت“ سے مراد اصلاً و حقیقتاً ازواج مطہرات (امہات المؤمنین) کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔

حدیث میں لفظ اہل بیت کا استعمال

گذشتہ صفحات میں ”آل“ اور ”اہل“ کی بحث میں یہ وضاحت گزر چکی ہے کہ ان کا اطلاق بھی ازواج مطہرات پر بطریق اولیٰ ہوتا ہے۔ یہاں یہ بتانا ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے ”اہل بیت“ کا اطلاق ازواج مطہرات پر کیا ہے۔ اور ان الفاظ کے ساتھ انہیں مخاطب فرمایا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے ام المؤمنین سیدہ زینب بنت جحشؓ کی شادی کی روایت میں منقول ہے کہ:

فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَنْطَلَقَ إِلَى حُجْرَةِ عَائِشَةَ فَقَالَ
السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ وَرَحْمَةُ اللَّهِ فَقَالَتْ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ
كَيْفَ وَجَدْتَ أَهْلَكَ بِمَا رَكَ اللَّهُ لَكَ فَتَقَرَّرِي حُجْرَتِي سَابِقِهِ كُلِّهِنَّ يَقُولُ لَهُنَّ
كَمَا يَقُولُ لِعَائِشَةَ وَيَقُولْنَ لَهُ كَمَا قَالَتْ عَائِشَةُ۔

(صحیح بخاری۔ کتاب النکاح باب قوله لا تدخلوا بيوت النبي إلا أن يؤذن لكم)

آنحضرتؐ باہر تشریف لا کر حضرت عائشہؓ کے حجرہ کی طرف روانہ ہوئے وہاں پہنچ کر فرمایا ”السلاام علیکم اہل البیت ورحمة اللہ“ حضرت عائشہؓ نے جواب میں عرض کیا ”وعلیک السلام ورحمة اللہ“ اور دریافت کیا کہ آپؐ نے اپنی اہلیہ کو کیسا پایا۔ اللہ تعالیٰ آپؐ کو برکت دے۔

اسی طرح آپ ﷺ نے تمام بیویوں کے حجروں کے پاس جا کر وہی الفاظ

اہل بیت رسول کون؟ ۴۶۳ حدیث میں لفظ اہل بیت کا استعمال

یعنی ”اہل بیت“ ادا فرمائے جو حضرت عائشہؓ سے فرمائے تھے۔ اور سب نے وہی جواب دیا جو حضرت عائشہؓ نے دیا تھا۔

صحیح بخاری کی اس حدیث سے اس بحث کا قطعی فیصلہ ہو جاتا ہے کہ آیا ازواج مطہرات ”اہل البیت“ میں داخل ہیں یا نہیں۔ کیونکہ اس میں صاف تصریح موجود ہے کہ آنحضرتؐ نے ازواج مطہرات میں سے ہر ایک کو اہل البیت سے خطاب فرمایا ہے۔

صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ اس طرح آئے ہیں کہ:

فمجعل یمر علیٰ نسائه فیسلم علیٰ کل واحدة منهن سلام علیکم
کیف انتم یا اہل البیت فیقولون بخیر یا رسول اللہ کیف وجدت اہلک
فیقول بخیر“ (صحیح مسلم۔ کتاب النکاح باب زوج نسیبت جملہ ج ۴۶۰)

پھر آنحضرتؐ ہر زوجہ مطہرہ کے پاس تشریف لے گئے اور ہر ایک کو کہا کہ تم پر سلام ہو۔ اے اہل بیت تم کیسی ہو؟ سب نے کہا اے اللہ کے رسول ہم خیریت سے ہیں، آپؐ نے اپنی بیوی کو کیسا پایا؟ آپؐ نے فرمایا بہت اچھا۔ اسی طرح زید بن ارقمؓ والی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ:

جب ان سے پوچھا گیا کہ:

”و من اہل بیتہ یمزید الیس نساء ہ من اہل بیتہ قال نساء ہ من
اہل بیتہ“ (صحیح مسلم۔ کتاب النکاح باب من نسیبت علی بن ابی طالب)

اہل بیت کون ہیں؟ کیا آنحضرت ﷺ کی بیویاں اہل بیت نہیں ہیں؟ تو زید بن ارقمؓ نے کہا آپؐ کی بیویاں اہل بیت سے ہیں۔

اہل بیت رسول کون؟ ۴۶۴ حدیث میں لفظ اہل بیت کا استعمال

سیدہ عائشہ صدیقہؓ بھی اپنے متعلق اہل بیت کے الفاظ استعمال کرتی تھیں۔
چنانچہ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ:
جب ام المؤمنینؓ سے پوچھا گیا کہ کن برتنوں میں آنحضرتؐ نے نبیذ بنانے
سے منع کیا ہے تو انہوں نے کہا کہ:

”تہذا اهل البيت ان ننتبذ فی الثباء والعزقت.....“

آپؐ نے ہم اہل بیت کو تو بنے اور لاکھی برتن میں نبیذ بنانے سے منع کیا۔

(صحیح مسلم۔ کتاب الاثریہ۔ باب المی عن الامتاز فی الموفت)

آنحضرتؐ نے جس ”بیت“ میں وفات پائی وہ آپؐ نے حضرت عائشہؓ کے
لیے تیار کرایا تھا۔ اور سیدہ عائشہؓ نے اس کی نسبت اپنی طرف کرتے ہوئے فرمایا کہ:

توفی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی بیتی وفی یومی وبین سحری

ونحری....“ (صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب مرض النبی)

سخت حیرت ہے کہ دشمنان ام المؤمنینؓ نے خود اس ”بیت النبی“ کی مالک کو
ہی ”اہل بیت نبی“ سے خارج قرار دے دیا۔

شیعہ مجتہد ملا باقر مجلسی لکھتا ہے کہ:

”آنحضرت ﷺ سیدہ خدیجہؓ کو ان الفاظ سے سلام کیا کرتے تھے:

”السلام علیکم یا اهل البيت“

اے میری اہل بیت (گھر والی) تم پر سلام ہو۔ (حیات القلیب اردو۔ جلد ۴ ص ۱۸۸)

مذکورہ بالا احادیث سے بھی یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ ”اہل بیت“ کا اطلاق

ازواج مطہرات پر بھی ہوتا ہے بلکہ وہی اس اصطلاح کی اصلاً اور حقیقتاً مصداق ہیں۔

اہل تشیع کے دلائل

اہل تشیع نے ازواج مطہرات کو آیت تطہیر کے مصداق سے خارج کر کے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ آیت ”بیچ تن پاک“ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور ثبوت میں حسب ذیل دلائل پیش کیے:

۱۔ حدیث کساء جس کے تحت آپؐ نے چارتن کو چادر میں لے کر فرمایا ”اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِيْ“ اے اللہ یہ ہیں میرے اہل بیت۔
حدیث کساء پر تفصیلی بحث مستقل عنوان کے تحت گذشتہ صفحات میں گزر چکی ہے، اسے وہاں دیکھ لیا جائے۔

۲۔ سورہ احزاب کے چوتھے رکوع میں جہاں بھی ازواج رسولؐ کے لیے ضمیریں اور صیغے استعمال ہوئے ہیں وہ سب مؤنث کے ہیں لیکن آیت تطہیر کے زیر بحث حصے میں دو مرتبہ ”عنکم“ اور ”بطہرکم“ جمع مذکر کی ضمیر استعمال ہوئی ہے۔ اگر بیویاں مراد ہوتیں تو جس طرح ماقبل و مابعد کی آیت میں ضمیر جمع مؤنث حاضر تھی یہاں بھی باقی رہتی۔

۳۔ قرآن میں تحریف کر دی گئی ہے آیت کا یہ ٹکڑا کسی اور جگہ کا تھا جسے خود غرضی کی وجہ سے یہاں جڑ دیا گیا ہے۔ سید فرمان علی لکھتا ہے کہ:

اس آیت کو درمیان سے نکال لو اور ماقبل اور مابعد کو ملا کر پڑھو تو کوئی خرابی نہیں ہوتی بلکہ اور ربط بڑھ جاتا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اس مقام کی نہیں بلکہ خواہ مخواہ کسی خاص غرض سے داخل کی گئی ہے۔ (قرآن مجید ترجمہ ص ۵۸۳ از سید فرمان علی)

در اصل تیسری دلیل دوسری دلیل ہی کی مزید وضاحت ہے۔ آج تک کسی مفسر کو آیت تطہیر کی وجہ سے بے ربطی معلوم نہ ہو سکی بلکہ اس کے برعکس اگر یہ آیت یہاں نہ ہوتی تو ضرور بے ربطی پائی جاتی۔ کیونکہ سورۃ الاحزاب کا پورا چوتھا رکوع ازواج مطہرات سے متعلق ہے۔ آیت تطہیر بھی اسی رکوع میں ہے جو پوری آیت نہیں بلکہ اس کا ایک حصہ ہے۔ آیت کے دوسرے حصے کی وجہ سے پوری آیت، آیت تطہیر کے نام سے موسوم ہو گئی۔ اس آیت میں چھ صیغے مؤنث کے استعمال ہوئے ہیں جن سے ازواج مطہرات مراد ہیں۔ ان ہی کو ”اہل البیت“ سے مخاطب کیا گیا اور ان ہی کی تطہیر کا اعلان ہوا۔ آیت کے نہ صرف دونوں حصے بلکہ پورا رکوع باہم مربوط ہے۔ جیسا کہ قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے کہ رکوع کی پہلی آیت ”آیت تسخیر“ کہلاتی ہے اور وہ آپ ﷺ کی بیویوں کے بارے میں ہے تو جن کے لیے آیت تسخیر ہے ان ہی کے لیے یہ پوری آیت تطہیر بھی ہے۔ اسی لیے انہیں ازواج مطہرات کہا جاتا ہے اور اس میں ان کا کوئی شریک و سہم نہیں۔ (آیت تطہیر کے تحت حضرات مفسرین کے تفسیری اقوال پیچھے گزر چکے ہیں)

اب باقی رہ جاتی ہے اہل تشیع کی دوسری دلیل جس میں یہ ”وزنی“ اعتراض کیا گیا ہے کہ اگر ازواج مراد ہوتیں تو زیر بحث آیت کے اس حصے میں بھی مؤنث کی ضمیریں اور صیغے استعمال ہوتے۔ اس اعتراض کا خوب پروپیگنڈا کیا گیا جس سے کچھ خواص اہل سنت بھی بری طرح متاثر ہو گئے۔

چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم ازواج مطہرات اور چارتن کو آیت تطہیر کا مصداق ٹھہرانے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

اس آیت سے پہلے اور بعد میں دونوں جگہ نساء النبی کے عنوان سے خطاب اور ان کے لیے صیغہ مؤنث کے استعمال فرمائے گئے ہیں۔ سابقہ آیات میں فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ سے آخر تک سب صیغہ مؤنث کے استعمال ہوئے ہیں اور آگے پھر وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ میں بصیغہ تانیث خطاب ہوا ہے۔ اس درمیانی آیت کو سیاق و سباق سے کاٹ کر بصیغہ مذکر عَنْكُمْ اور يُطَهَّرُكُمْ فرمانا بھی اس پر شاہد قوی ہے کہ اس میں صرف ازواج ہی داخل نہیں کچھ رجال بھی ہیں۔ (معارف القرآن جلد ۱۴ ص ۱۴۰)

حضرت مفتی صاحبؒ یہاں جمہور اہل سنت مفسرین سے قدرے ہٹ کر موقف بیان فرما گئے ہیں۔ آیت تطہیر کے بارے میں اہل تشیع کے بھی دو بڑے اعتراض ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں مذکر کے صیغہ استعمال ہوئے ہیں اور دوسرا یہ کہ آیت کا یہ کلزاسیاق و سباق سے علیحدہ ہے۔

مذکر کے صیغہ یہاں کیوں استعمال ہوئے؟ اس کا مفصل جواب آگے آ رہا ہے۔ مفتی صاحب مرحوم کی اس توضیح کے ساتھ قطعاً اتفاق نہیں کیا جاسکتا کہ اس کلزے کو سیاق و سباق سے کاٹ کر یہاں لایا گیا ہے۔ حضرات مفسرین کے اقوال پیچھے گزر چکے ہیں وہاں ایک بار پھر ملاحظہ کر لیے جائیں۔ یہاں صرف مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی کی عبارت دوبارہ نقل کی جاتی ہے:

قرآن کریم کی اس نص قطعی سے ثابت ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات ”اہل بیت“ بھی ہیں اور فیصلہ خداوندی کے مطابق پاک اور مطہر بھی۔

مترجم اور ان کے ہم عقیدہ لوگوں کو ”اہل بیت“ سے عداوت اور اللہ تعالیٰ

کے اس قطعی فیصلہ سے انحراف ہے۔ وہ اس آیت کی کوئی ایسی تاویل بھی نہیں کر سکتے جس کے ذریعے آیت تطہیر کا روئے سخن ازواج مطہرات سے ہٹا کر کسی اور کی طرف پھیرا جاسکے اس لیے کہ ماقبل و مابعد میں خطاب ازواج مطہرات ہی سے چلا آ رہا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ درمیان کا ٹکڑا کسی اور سے متعلق قرار دے دیا جائے۔ جناب مترجم نے اس مشکل کا حل یہ نکالا ہے کہ یہاں قرآن میں تحریف کر دی گئی ہے۔ آیت تطہیر کا یہ ٹکڑا کسی اور جگہ کا تھا جسے (نعوذ باللہ) خود غرضی کی وجہ سے یہاں جڑ دیا گیا ہے۔

(شیعہ سنی اختلافات اور مراعات مستقیم ص ۲۸ مکتبہ حیات علامہ بخاری ماؤن کراچی)

ہم حضرت مفتی صاحب کے بارے میں تو ایسا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ انہوں نے مذکورہ بالا بیان کسی ”اور جذبے“ کے تحت تحریر کیا ہو البتہ انہوں نے مذکر کی ضمیروں عنکم اور بيطہرکم کی بنیاد پر ”چارتن“ کی آیت تطہیر میں شمولیت کی جو ”زوردار طریقے“ سے ترجمانی فرمائی ہے وہ ضرور محل نظر ہے۔ بہر حال جمہور مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ”اہل بیت“ کی قرآنی اصطلاح سے صرف ازواج مطہرات ہی مراد ہیں اور جن بعض حضرات نے اس میں ”چارتن“ کو بھی شامل کیا ہے تو وہ باعتبار حدیث (تبعاً، مجازاً اور فرعاً) کیا ہے۔ جبکہ اسی طرح حدیث کساء حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد کے لیے بھی موجود ہے۔ یہ حضرات اگر چادر میں نہ آتے پھر بھی وہ مجازاً ”اہل بیت“ میں شامل ہوتے۔ جیسے حضرات حسنینؓ کی ہم شیر گان سیدہ ام کلثومؓ، سیدہ زینبؓ، آپؐ کی صلیبی اولاد حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابوسفیانؓ (بحیثیت خسر) حضرت ابوالعاصؓ حضرت عثمانؓ، دیگر نواسے، نواسیاں، اہل ایمان قرابت دار

اہل بیت رسول کون؟

۴۶۹

اہل تشیع کے دلائل

اور دیگر آئمہ اہل بیت ”حدیث کساء“ میں شامل نہ ہونے کے باوجود مجازاً بھی اہل بیت کے مصداق ہیں۔

زیر بحث مسئلہ صرف یہ ہے کہ قرآن کی رو سے ”اہل بیت“ کا اصلاً مصداق کون ہے؟ ”چارتن“ کے فضائل و مناقب زیر بحث نہیں ہیں۔ ان کے ساتھ محبت جزء ایمان ہے۔ مفسر قرطبی لکھتے ہیں کہ ایک فرقہ بطور خاص کلبی (کذاب) اس (آیت تطہیر) سے چارتن کو ہی مراد لیتا ہے۔ فہنہب الکلبی و من وافقہ فصیر ہالہم خاصة وھی دعوة لہم خارجة من التنزیل۔ (تفسیر قرطبی جلد ۱۴ ص ۱۸۴)

کلبی اور اس کے ہم عقیدہ ان (چارتن) کو ہی مراد لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ ان کے لیے دعا ہے جو نص قرآن سے خارج ہے۔

☆☆☆

آیت تطہیر میں مذکر کی ضمیریں کیوں استعمال کی گئیں؟

جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ سورہ احزاب کا چوتھا رکوع کل سات آیات پر مشتمل ہے اور اول سے آخر تک ازواج مطہرات ہی کے بارے میں ہے۔ ان سات آیتوں میں ازواج مطہرات کے لیے ستائیس (۲۷) مرتبہ مؤنث کے صیغے اور ضمیریں استعمال ہوئی ہیں، دو مرتبہ ینسآء النبئی اور ایک بار قُلْ لَا زَوْجَ لَكَ کہا گیا تو اس طرح اس رکوع میں کل تین مرتبہ تکرار مؤنث کے صیغے استعمال ہوئے۔ اس کے برعکس پورے رکوع میں صرف دو بار ”عنکم“ اور ”یطہرکم“ (مذکر کی ضمیریں استعمال ہوئیں جس سے بعض حضرات غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے یا بعض حضرات نے ان مذکر کی ضمیروں کے استعمال سے حضرت علیؑ، حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ کو ”اہل البیت“ کا مصداق ٹھہرایا۔

ان حضرات کا یہ استدلال بالکل لغو اور باطل ہے کہ اس جگہ اہل بیت سے اگر ازواج مطہرات مراد ہوتیں تو جمع مؤنث کی ضمیر آنی چاہیے تھی نہ کہ جمع مذکر کی۔ کیونکہ ”عنکم“ اور ”یطہرکم“ میں جو جمع مذکر کی ضمیریں استعمال کی گئی ہیں وہ محض لفظ ”اہل“ کی رعایت سے استعمال کی گئی ہیں۔ اس کی مثالیں اسی بحث میں آگے آرہی ہیں۔

دراصل عربی زبان میں کبھی لفظ کو ملحوظ رکھا جاتا ہے اور کبھی معنی کو۔ جیسے ”مَنْ“ لفظ کے لحاظ سے مفرد ہے اور معنی کے اعتبار سے جمع۔

۱۔ وَمَنْ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ ۝

اہل بیت رسول کون؟ ۳۷۱ مذکر کی ضمیریں کیوں استعمال کی گئیں؟

اس آیت میں لفظ ”مَنْ“ کے لیے ایک جگہ ہر رعایت لفظ صیغہ واحد ”يَقُولُ“ لایا گیا ہے اور دوسری جگہ معنی کی رعایت کرتے ہوئے ”هُمْ“ ضمیر جمع لائی گئی ہے۔

آیت تطہیر (احزاب ۳۳) سے پہلے آیت ۳۱ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

۲- وَمَنْ يُقْسِنُ مَنَّكَ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ..... اس میں بالاتفاق ازواج

مطہرات مراد ہیں۔ لیکن ”مَنْ“ کی رعایت سے ”يُقْسِنُ“ مذکر کا صیغہ استعمال ہوا۔ جبکہ اصولاً اسے ”تَقْنُنُ“ ہونا چاہیے تھا۔

کلام عرب میں اگر مخاطب صرف عورتیں ہوں تو اظہار عظمت یا اظہار محبت کے طور پر مذکر کے صیغہ استعمال ہوتے ہیں۔

۳۔ امام قرطبی لکھتے ہیں کہ جب کسی سے پوچھا جائے ”كَيْفَ أَهْلُكَ“ اَيْ اَمْرًا تُكْ وَنَسَائِكَ“ کہ آپ کے گھر والے یعنی بیوی یا بیویاں کیسی ہیں تو جواباً کہا جاتا ہے ”هُمْ بِسَخِيرٍ“ وہ بخیریت ہیں۔ یہاں هُمْ جو مذکر کی ضمیر ہے مؤنث کے لیے استعمال ہوئی ہے۔ (تفسیر قرطبی جلد ۱۳ ص ۱۸۳)

۴۔ آنحضرت ﷺ جب غار حرا سے واپس گھر تشریف لائے تو حضرت خدیجہؓ کے علاوہ گھر میں کوئی موجود نہ تھا، آپؐ نے سیدہ خدیجہؓ سے فرمایا ”زَمَلُونِي زَمَلُونِي“ مجھے چا دو اور ڈھا دو۔ یہاں بھی مؤنث کے لیے جمع مذکر کا صیغہ استعمال کیا گیا۔

۵۔ صحیح مسلم کی ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ازواج مطہرات سے فرمایا:

”قَالَ هُوَ عَلَيْهَا صَدَقَةٌ وَلَكُمْ هَدِيَّةٌ فَكُلُوهُ“

اہل بیت رسول کون؟

۴۷۲

مذکر کی ضمیریں کیوں استعمال کی گئیں؟

یعنی وہ چیز (بریرہ) پر صدقہ اور تمہارے لیے ہدیہ ہے پس تم اسے کھا سکتے ہو۔

اس قول میں مؤنث کے لیے مذکر کی ضمیر اور صیغہ استعمال کیا گیا۔

۶۔ ایک دفعہ آنحضرتؐ نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا ”هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ؟“

فَإِلَّا لَا إِنَّ نُسَيْبَةَ بَعَثْتُ إِلَيْنَا“ کہ تمہارے پاس (کھانے کے لیے) کوئی چیز ہے

تو انہوں نے جواب دیا اور تو کوئی چیز نہیں مگر نُسَیبہ نے جو کچھ بھیجا ہے وہ موجود ہے۔

(صحیح مسلم۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب اداء الصدقہ)

یہاں بھی سیدہ عائشہؓ کے لیے جمع مذکر کی ضمیر استعمال ہوئی۔

۷۔ آنحضرتؐ نے ایک منٹ کے بارے میں ازواج مطہرات سے فرمایا

”لَا يَدْخُلْنَ هَذَا عَلَيْكُمْ“ یہ آپ کے پاس نہ آیا کرے۔

یہاں مخاطب عورتیں تھیں لیکن آپؐ نے ”عَلَيْكُمْ“ کی بجائے ”عَلَيْكُمْ“

جمع مذکر کی ضمیر استعمال فرمائی۔

۸۔ مرض وفات میں جب آپؐ تیز بخار میں مبتلا ہوئے تو ازواج مطہرات

سے فرمایا ”هَرِّقُوا عَلَيَّ مِنْ سَبْعِ قَرَبٍ لَمْ تُحْلَلْ أَوْ كَيْتُهُنَّ“ (صحیح بخاری۔ باب مرض النبی)

کہ مجھ پر سات لبریر مشکیزے ساندیل دو۔

یہاں مخاطب عورتیں تھیں لیکن مؤنث کے صیغہ ”هَرِّقْنَ“ کی بجائے

”هَرِّقُوا“ جمع مذکر کا صیغہ استعمال کیا۔

۹۔ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کی عیادت کرتے ہوئے ان سے

پوچھا ”كَيْفَ بَيْتُكُمْ“ آپ کا حال کیا ہے۔ (جامع ترمذی)

یہاں آپؐ نے حضرت عائشہؓ کے لیے جمع مذکر کی ضمیر استعمال کی۔

اہل بیت رسول کون؟ ۴۷۳ مذکر کی ضمیریں کیوں استعمال کی گئیں؟

۱۰۔ ایک مخزومی شاعر اپنی محبوبہ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے:

فَإِنْ ثُبُتَ حَرَمْتُ النِّسَاءَ سِوَاكُمْ

وَإِنْ ثُبُتَ لَمْ أَطْعَمْ نَفَاخًا وَلَا بَرْدًا

فَإِنْ تَذَكَّجَنِي أَنْكَحُ وَإِنْ تَتَّأَيَمَنِي

وَإِنْ كُنْتُ أَفْنَى مِنْكُمْ أَتَأَيَمُّ

ان دو شعروں میں شاعر نے مؤنث کے لیے دوبار جمع مذکر کی ضمیر

”سواکم، منکم“ استعمال کی ہے۔

۱۱۔ اہل عرب عموماً مؤنث سے مخاطب کرتے وقت جمع مذکر کا صیغہ استعمال

کرتے ہیں۔ حماسی شاعر اپنی بیوی کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

ع “فَلَا تَحْسَبِي أَنِّي تَحْشَعْتُ بَعْدَ كَمْ”

تو یہ خیال نہ کرنا کہ میں تیرے بعد ذلیل ہو گیا۔

۱۲۔ اکثر اوقات ایک عورت کو تعظیماً جمع مذکر کے صیغے سے مخاطب کیا جاتا

ہے۔ ایک آدمی اپنی اہلیہ کے بارے میں کہتا ہے ”فَعَلُّوْا كَذَا“ انہوں نے ایسا کیا۔

اس سے مقصود اس کے پردے کا بلوغ اہتمام ہوتا ہے۔

یہاں بھی مؤنث کے لیے جمع مذکر کا صیغہ استعمال کیا گیا۔

۱۳۔ اہل تشیع نے بھی مؤنث سے خطاب کے لیے جمع مذکر کا صیغہ استعمال

کرنے کو درست تسلیم کیا ہے۔ شیخ طوسی نے لکھا ہے کہ:

۲۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؑ اور سیدہ فاطمہؑ کی شادی کے موقع پر ازواج

مطہرات سے فرمایا ”هَيِّسُوْا لِابْنَتِيْ وَابْنِ عَجَبِيْ“ میری بیٹی اور میرے چچا کے بیٹے

اہل بیت رسول کون؟ ۴۷۴ مذکر کی ضمیریں کیوں استعمال کی گئیں؟

کے لیے زفاف کی تیاری کرو۔

اس قول میں بھی مؤنث کے لیے مذکر کا صیغہ استعمال ہوا۔

مذکورہ بالا مثالوں سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ اگر مخاطب صرف عورتیں ہوں تو اظہار عظمت و محبت کے طور پر ان کے لیے مذکر کے صیغہ استعمال ہو سکتے ہیں۔

آیت تطہیر میں مذکر کی ضمیریں استعمال کرنے کی وجہ لفظ ”اہل“ ہے۔ ”اہل“ چونکہ مذکر ہے، اس لیے اس کی رعایت سے مذکر کا صیغہ ہی لانا پڑے گا۔ قرآن مجید، حدیث اور کلام عرب میں جہاں بھی لفظ ”اہل“ استعمال ہوا ہے تو اس کے لیے جمع مذکر ہی کی ضمیر لائی گئی ہے؛ خواہ وہ واحد ہو، تثنیہ ہو، جمع ہو، مذکر ہو یا مؤنث ہو لفظ ”اہل“ کی رعایت سے ہمیشہ جمع مذکر ہی کی ضمیر آئے گی۔

امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ:

وَالْمَوْحُۃُ فِیْ تَمْدِیْکِیْرِ الْخِطَابِ فِیْ قَوْلِهِ لِيُنْهَبَ عَنْکُمْ وَيُطَهَّرَ کُمْ بِإِعْتِبَارِ لَفْظِ الْاَهْلِ۔ (تفہیم فی حادی جلد چہارم ص ۳۴۲)

اللہ تعالیٰ کے قول لِيُنْهَبَ عَنْکُمْ وَيُطَهَّرَ کُمْ میں بصیغہ تذکیر خطاب کی وجہ لفظ ”اہل“ ہے۔ (اور لفظ اہل مذکر ہے) امام ابو عبد اللہ قرطبی لکھتے ہیں کہ:

والمصحیح ان قوله ”واذکرن“ منسوق علی ما قبله وقال ”عنکم“ لقوله ”اہل“ فالاہل مذکر۔ (تفسیر قرطبی جلد ۱۲ ص ۱۸۳)

صحیح بات یہ ہے کہ وَ اِذْ کُرْنَ مَا یَنْتَلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ مَا قَبْلُ سے متصل ہے اور لِيُنْهَبَ عَنْکُمْ الرَّجْسِ میں ضمیر مذکر لانے کی وجہ لفظ ”اہل“ ہے اور اہل مذکر ہے۔

اہل بیت رسول کون؟ ۴۷۵ مذکر کی ضمیریں کیوں استعمال کی گئیں؟

علامہ محمود آلوسی لکھتے ہیں کہ:

وَأُورِدَ ضَمِيرُ جَمْعِ الْمَذْكُورِ فِي (عَنْكُمْ وَيُطَهِّرُكُمْ) رِغَايَةَ اللَّفْظِ الْإِهْلِيَّ وَالْعَرَبُ كَثِيرًا مَا يَسْتَعْمِلُونَ صِيغَ الْمَذْكُورِ فِي مِثْلِ ذَلِكَ رِغَايَةَ اللَّفْظِ وَلَعَلَّ اعْتِبَارَ التَّذْكِيرِ هَذَا دَخَلَ فِي التَّعْظِيمِ وَقِيلَ الْمُرَادُ هُوَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنِسَاءُ هَ الْمَمْطَهْرَاتِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُنَّ وَضَمِيرُ جَمْعِ الْمَذْكُورِ لِتَغْلِيظِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْهِنَ - (روح المعاني جلد ۲ ص ۱۳)

یہاں جمع مذکر کی ضمیر لفظ اہل کی رعایت کی وجہ سے وارد ہوئی ہے۔ اور عرب ایسے مواقع پر کثرت کے ساتھ لفظ کی رعایت کرتے ہوئے مذکر کے صیغے استعمال کرتے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ”اہل بیت“ میں چونکہ آنحضرت ﷺ بھی شامل ہیں اس لیے تعلیلاً مذکر کی ضمیر استعمال ہوئی ہے۔

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب لکھتے ہیں کہ:

بعض لوگوں کو ”عنکم“ اور ”یطہرکم“ کی ضمیر مذکر سے دھوکہ ہوا ہے۔ حالانکہ یہ محاورات لغت سے ناواقف کی دلیل ہے۔ لفظ اہل چونکہ مذکر ہے اس لیے باعتبار لفظ اس کے لیے ضمیر جمع مذکر ہی کی استعمال کی جاتی ہے، اگرچہ اس سے مراد صرف ایک بیوی ہو۔ (جوہر القرآن جلد سوم ص ۹۲)

لفظ ”اہل“ کی رعایت سے مذکر کے صیغوں کے استعمال کی چند مثالیں

ملاحظہ ہوں:

أَوَ هَلْ آتَاكَ خَبِيرٌ مُّؤْمِنٌ ۚ إِذْ رَأَيْنَا فَتَحَالَ لَا هِلَهُ امْكُتُوا ۝

(سورہ طہ آیت نمبر ۱۰۹ پ ۱۲)

اہل بیت رسول کون؟ ۴۷۶ مذکر کی ضمیریں کیوں استعمال کی گئیں؟

یہاں اہل سے مراد حضرت موسیٰ کی بیوی ہیں لیکن ان کے لیے ”امکنوا“ جمع مذکر کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔

۲۔ اِذْ قَالَ مُوسٰى لَآ اَهْلِيْهِ اِنِّىْ اَنْسٰتُ نَارًا مَّسٰئِيْكُمْ مِنْهَا يَخْبَرُوْنَ

اَوَاٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ (سورہ نمل پ ۱۹ آیت ۷)

یہاں بھی ”اہل“ کی رعایت سے تین بار مذکر کے صیغہ (مسائیکم، او اتیکم، تصطلون) استعمال ہوئے ہیں۔

۳۔ قَالِ لَآ اَهْلِيْهِ اَمْكُنُوْا فِىْ اَنْسٰتُ نَارًا لَّعَلِّىْ اِيْتِيْكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ

اَوْ جَلْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ (القصص پ ۲۰ آیت ۲۹)

اس آیت میں ”اہل“ کی رعایت سے حضرت موسیٰ کی بیوی کے لیے تین صیغہ (امکنوا، اتیکم، تصطلون) جمع مذکر کے استعمال ہوئے ہیں۔

مذکورہ آیات سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ خود قرآن مجید میں حضرت موسیٰ کی زبان سے جبکہ وہ اپنی اہلیہ محترمہ کو خطاب کر رہے ہیں جمع مذکر حاضر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔

۴۔ قَالُوْا اَتَعْبُدِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَةً اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ

(سورہ صوف پ ۱۲ آیت ۷۳)

اس آیت میں فرشتے حضرت ابراہیم کی بیوی سیدہ سارہ سے مخاطب ہیں اور واحد مؤنث حاضر کے صیغہ سے مخاطب کر کے کہتے ہیں اَتَعْبُدِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ کیا تو اللہ کے حکم میں تعجب کرتی ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی اسی جملے میں جب لفظ اہل بیت سے مخاطب کرتے ہیں تو اسی وقت صیغہ بدل جاتا ہے رَحْمَةً اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ

اہل بیت رسول کون؟ ۴۷۷ مکر کی ضمیریں کیوں استعمال کی گئیں؟

الْبَيْتِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فرمایا بلکہ مؤنث (بیوی) کے لیے جمع مذکر کی ضمیر ہی استعمال کی ہے۔

۵۔ فَقَالَتْ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ وَهُمْ لَهُ

نَاصِحُونَ 0 (القصص پ ۲۰ آیت ۱۲)

اس آیت میں اہل بیت سے عمران کی بیوی (ام موسیٰ) مراد ہیں لیکن ان

کے لیے ”اہل“ کی رعایت سے ”يَكْفُلُونَهُ“ صیغہ جمع مذکر اور ”هُمْ“ ضمیر جمع مذکر استعمال ہوئی ہے۔

۶۔ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ

تَطْهِيرًا 0 (الاحزاب پ ۲۲ آیت ۳۳)

اسی طرح اس زیر بحث آیت میں بھی ”اہل بیت“ سے مراد ازواج مطہرات

ہیں لیکن لفظ ”اہل“ کی رعایت سے (عنکم، بطہرکم) جمع مذکر کی ضمیر استعمال ہوئی ہے۔

اب اہل تشیع اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کے اس دعویٰ کی کیا

حیثیت باقی رہ گئی ہے کہ:

”اس آیت سے پہلے اور بعد میں دونوں جگہ نساء النبی کے عنوان سے

خطاب اور ان کے لیے صیغہ مؤنث کے استعمال فرمائے گئے ہیں، سابقہ آیات

میں فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ سے آخر تک سب صیغہ جمع مؤنث کے استعمال ہوئے ہیں

اور آگے پھر وَادْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ میں بصیغہ نثیث خطاب ہوا ہے۔ اس درمیانی آیت

کو سیاق و سباق سے کاٹ کر بصیغہ مذکر عنکم اور بطہرکم فرمانا بھی اس پر

اہل بیت رسول کون؟

۴۷۸

مذکر کی ضمیریں کیوں استعمال کی گئیں؟

شاهد قوی ہے کہ اس میں صرف ازواج ہی داخل نہیں کچھ رجال بھی ہیں۔

(معارف القرآن جلد ۷ ص ۱۴)

موصوف عنکم اور مبطہرکم کو ”شاهد قوی“ کے طور پر پیش فرما رہے ہیں اور آیت کو سیاق و سباق سے کاٹنے کی جو زحمت اٹھا رہے ہیں اس کی حقیقت تو اوپر دی گئی مثالوں سے خوب واضح ہو گئی ہے۔ راقم الحروف یہ جسارت تو نہیں کر سکتا کہ موصوف نے لفظ ”اہل“ کی حقیقت پر غور نہیں فرمایا ہوگا۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ وہ آل کساء کو جبراً آیت تطہیر کا مصداق قرار دینے کی کوششوں میں اس غیر منطقی، غیر حقیقی اور انتہائی کمزور بلکہ لغو و باطل استدلال کا سہارا لینے پر مجبور ہو گئے ہوں۔ کیونکہ باقی جن حضرات نے آل کساء کو آیت تطہیر کا مصداق قرار دیا بھی ہے تو انہوں نے از روئے حدیث ایسا کیا ہے، لیکن موصوف نے تو از روئے قرآن انہیں آیت تطہیر میں داخل کرنے کی سعی لا حاصل فرمائی ہے۔

۷۔ قرآن مجید میں ”اہل“ کے ذکر کے بغیر بھی مؤمنٹ کے لیے جمع مذکر کا

صیغہ استعمال ہوا ہے:

إِنَّكَ كُنْتَ مِنَ الْخَاطِئِينَ O (یوسف پ ۱۲ آیت ۲۹)

اس آیت میں خاطئین جمع مذکر ہے جو زلیخا کے لیے استعمال ہوا ہے۔

۸۔ آنحضرت ﷺ سیدہ زینب بنت جحشؓ کے ساتھ شادی کے بعد سیدہ

عائشہ صدیقہؓ کے گھر تشریف لائے تو فرمایا:

”الْسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ فَقَالَتْ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ“

(صحیح بخاری۔ کتاب الطہیر۔ سورۃ الرزا۔ اب۔ باب قولہ لا تدخلوا بیوت النبی.....)

اہل بیت رسول کون؟ ۴۷۹ مذکر کی ضمیریں کیوں استعمال کی گئیں؟

یہاں ”اہل“ کی رعایت سے جمع مذکر کی ضمیر علیکم استعمال ہوئی ہے۔
۹۔ ملا باقر مجلسی لکھتا ہے کہ:

آنحضرت حضرت خدیجہؓ کو ان الفاظ سے سلام کیا کرتے تھے ”السلام

علیکم یا اهل البيت“ (حیات القلوب)

۱۰۔ شیخ اکبر ابن عربی کی طرف منسوب اشعار میں ”اہل بیت“ کا استعمال:

فَلَا تَعُدُّ بِأَهْلِ الْبَيْتِ خَلْفًا

فَأَهْلُ الْبَيْتِ هُمْ أَهْلُ الْمَيْمَنَةِ

فَبَعْضُهُمْ مِنَ الْإِنْسَانِ خُسْرٌ

حَقِيقَةُ قِيَامِي وَحُبُّهُمْ عِبَادَةٌ

ان اشعار میں ”اہل“ کی رعایت سے جمع مذکر کی ضمیر ”ہم“ تین مرتبہ استعمال ہوئی ہے۔

۱۱۔ امام شافعیؒ کی طرف منسوب اشعار میں ”اہل بیت“ کا استعمال:

يَا أَهْلَ بَيْتِ رَسُولِ اللَّهِ حُبُّكُمْ

فَرَضَ مِنَ اللَّهِ فِي الْقُرْآنِ أَنْزَلَهُ

كَفَّاهُمْ مِنْ عَظِيمِ الْقَدْرِ أَنْكُمْ

مَنْ لَمْ يُصَلِّ عَلَيْكُمْ لَا صَلَوةَ لَهُ

یہاں بھی ان اشعار میں لفظ ”اہل“ کی رعایت سے جمع مذکر کی ضمیر ”کم“ چار مرتبہ استعمال ہوئی ہے۔

اہل بیت رسول کون؟ ۴۸۰ مذکر کی ضمیریں کیوں استعمال کی گئیں؟

الصغرض قرآن مجید، حدیث اور کلام عرب سے پیش کردہ مذکورہ بالا ناقابل تردید دلائل سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ:

۱۔ ایک یا زیادہ عورتوں کو اظہار عظمت و محبت کے طور پر مذکر کے صیغے سے مخاطب کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ لفظ ”اہل“ چونکہ مذکر ہے اس لیے اس کی رعایت سے ہمیشہ جمع مذکر ہی کی ضمیر یا صیغہ استعمال ہوگا، خواہ مخاطب واحد ہو، تشبیہ ہو، جمع ہو، مذکر ہو یا مؤنث ہو۔
۳۔ ”اہل بیت“ کی ترکیب پورے قرآن میں تین مرتبہ استعمال ہوئی ہے اور تینوں مقامات پر مخاطب عورتیں ہیں۔ اور ان مواقع پر بھی ”اہل“ کے لفظ کی رعایت سے جمع مذکر کی ضمیریں اور صیغے ہی استعمال ہوئے ہیں۔

نیز از روئے لغت، حدیث اور قرآن مجید یہ بھی ثابت ہو گیا ہے کہ ”اہل بیت“ کے لفظ کے مدلول حقیقی صرف ازواج مطہرات یعنی امہات المؤمنین ہیں۔

☆☆☆

ازواجِ مطہراتؑ پر عائد چند پابندیاں

جیسا کہ قبل ازیں گزر چکا ہے کہ ازواجِ مطہراتؑ نے آیتِ تغیر کے جواب میں جب اللہ، رسولؐ اور دارِ آخرت کو اختیار کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو ان کی موجودگی میں مزید کسی عورت کو نکاح میں لانے سے منع کر دیا اور آپؐ سے انہیں طلاق دینے کا اختیار بھی سلب کر لیا۔ علاوہ ازیں ازواجِ مطہراتؑ کو مومنوں کی مائیں قرار دے کر یہ حکم جاری کر دیا کہ ان سے آنحضرتؐ کے بعد کوئی شخص نکاح نہیں کر سکتا:

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبْتَاعَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَتَّخَذْتَ حُسْنُهُنَّ..... (نساء: ۵۲)

اس کے بعد آپؐ کے لیے مزید عورتیں حلال نہیں ہیں اور نہ یہ کہ آپؐ ان کی جگہ اور عورتیں تبدیل کریں اگرچہ آپؐ کو ان کا حسن پسند آئے۔

وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَتْ إِذًا ذَلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا O (نساء: ۵۳)

اور تمہیں مناسب نہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کو ایذا دو اور نہ یہ کہ ان کی بیویوں سے ان کے بعد نکاح کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔

اس آیت میں ازواجِ مطہراتؑ کی حرمت دوام کا اعلان ہے۔ پھر یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ پہلے حضور علیہ السلام کو ایذا دینے سے روکا گیا۔ اس کے بعد حقوقِ ازواجِ بیان کیے، جس سے یہ ثابت ہوا کہ ایذائے رسولؐ کی جتنی بھی اقسام ہیں ان میں سب سے زیادہ سخت صورت وہ ہوگی جس میں ازواجِ مطہراتؑ کی شان کے

اہل بیت رسولؐ کون؟

۴۸۲

ازواج مطہراتؑ پر عائد چند پابندیاں

خلاف کوئی رویہ اختیار کیا گیا ہو اور یہ اس لیے کہ اس آیت میں ایذائے رسولؐ کے تحت خصوصیت کے ساتھ اس جزئیہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان احکامات کے تحت آنحضرتؐ نے ۷ھ کے بعد کسی عورت سے نکاح نہیں فرمایا، نہ ہی ازواج مطہرات کو طلاق دینے کا تصور بھی کیا اور آپؐ تا حیات ان احکام کے پابند رہے۔ اسی طرح ازواج مطہرات بھی تا حیات ان احکامات کی پابند رہیں۔

حضرت علیؑ نے سیدہ فاطمہؑ کے علاوہ مزید آٹھ شادیاں کیں۔ بلکہ حضرت فاطمہؑ کی زندگی ہی میں ابو جہل کی بیٹی سے شادی کرنے کے لیے پیغام بھیجا تو نبی اکرمؐ نے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اگر علیؑ میری بیٹی کو طلاق دے دے اور ابو جہل کی بیٹی سے نکاح کر لے تو

اسے اختیار ہے۔ (صحیح بخاری۔ کتاب نکاح۔ باب ذی الریحل علی البیہ فی الغیر والافاض)

قرآنی اہل بیت (ازواج مطہرات) پر یہ پابندی بھی عائد تھی کہ وہ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی اور سے نکاح نہیں کر سکتیں۔ جبکہ حضرت علیؑ نے خود مغیرہ بن نوفلؓ کو وصیت کی کہ میرے بعد میری بیوہ سیدہ امامہ سے نکاح کر لیں اور مغیرہ بن نوفلؓ نے اس وصیت پر عمل بھی کیا۔

حضرات حسنینؑ پر بھی اس قسم کی کوئی پابندی عائد نہیں تھی۔ انہوں نے کثرت کے ساتھ شادیاں کیں۔ بلکہ حضرت حسنؑ کا تو زیادہ طلاقیں دینے کی وجہ سے لقب ہی ”مطلق“ پڑ گیا۔ حضرت زین العابدینؑ نے اپنے والد کی وفات کے بعد اپنی والدہ کا خود نکاح کیا۔ جبکہ قرآنی اہل بیت پر یہ پابندی عائد تھی کہ انہیں نہ طلاق دی جاسکتی ہے اور نہ ان کے ساتھ آپؐ کے بعد نکاح کیا جاسکتا ہے۔

ان احکامات (آیت تخییر) کی رو سے اہل بیت (ازواج مطہرات) کو اس بات کا بھی پابند کر دیا گیا تھا کہ وہ حیات دنیا اور نان و نفقہ میں زیادتی کا مطالبہ (خیال) ترک کر دیں اور فقیرانہ زندگی بسر کریں۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں اہلبیت رسولؐ نے نان و نفقہ میں قدرے اضافے کے مطالبے کو ترک کر دیا۔ حالانکہ انہیں بحیثیت ازواج اس کا حق حاصل تھا۔ مگر انہوں نے ان حدود اللہ (احکامات) کی پابندی نہ صرف آپؐ کی حیات طیبہ میں کی بلکہ آپؐ کی رحلت کے بعد سے اپنی وفات تک وہ ان احکامات کی پابند رہیں۔ اور جس طرح آنحضرتؐ نے کچھ درہم و دینار نہ چھوڑا اسی طرح ان مقدس اہلبیت (ازواج مطہرات) نے بھی کوئی درہم و دینار نہ چھوڑا اور ہمیشہ فقر و فاقہ کی زندگی بسر کی۔ ازواج مطہرات نے حقیقتاً اپنے آپ کو آیت تطہیر کا مصداق ثابت کیا۔ کیونکہ سب سے بڑی ناپاکی دنیا کے مال کی محبت ہے۔ اسی سے طرح طرح کی برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اور یہی مال کی محبت دل میں اللہ کی محبت کی جگہ لے لیتی ہے۔

ازواج مطہرات کے متعلق جس بات کا یہاں ذکر ہے وہ یہی ہے کہ انہوں نے نان و نفقہ میں اضافے کا مطالبہ کیا تھا لہذا انہیں اختیار دیا گیا کہ یا تو مال دنیا لے کر آپ ﷺ سے علیحدہ ہو جائیں یا اللہ، رسولؐ اور آخرت کے گھر کو اختیار کر لیں؛ تو اس پر ازواج مطہرات نے مال دنیا کو ٹھکرا کر آنحضرتؐ کی رفاقت اختیار کی۔ اس کامیابی پر انہیں تطہیر کے انعام سے نوازا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہی یہ ہے کہ وہ اس رجس اور اس کے ساتھ ہر قسم کے وساوس سے انہیں پاک کر کے صحیح معنی میں امہات المؤمنین بنائے تاکہ وہ بھی رسولؐ کے ساتھ امت کی روحانی پرورش کرنے والیاں اور

اہل بیت رسولؐ کون؟ ۴۸۴ ازواج مطہراتؑ پر عائد چند پابندیاں

امت کے لیے نمونہ بن جائیں۔

تاریخ اسلام شاہد ہے کہ ازواج مطہرات کے دلوں میں مال دنیا کی ایک تنکے کے برابر بھی کوئی وقعت نہ تھی۔ خلفائے وقت جب ان کی خدمت میں مال بھیجتے تو وہ فوراً اسے اللہ کے راستے میں تقسیم کر دیتیں۔ اور حضرت عائشہؓ کے متعلق تو یہاں تک ثابت ہے کہ بعض اوقات رات کے کھانے کے لیے بھی انہوں نے کچھ باقی نہ رکھا۔ سب کا سب مال اللہ کی راہ میں قربان کر دیا۔

مذکورہ بالا تحقیق سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ اہل بیت نبیؐ اصلاً و حقیقتاً صرف ازواج مطہرات ہیں جو امہات المؤمنین ہونے کی حیثیت سے ”چارتن“ کی بھی مانیں ہیں اور مجازاً، تبعاً و فرعاً آنحضرتؐ کی صلبی اولاد، بیٹے، بیٹیاں، داماد، نواسے، نوایاں، اہل ایمان قرابت دار اور امت مسلمہ کے افراد بھی اہل بیت رسولؐ اور آل رسول ﷺ میں داخل و شامل ہیں۔

اہل تشیع اور ان کے ہم خیال حضرات نے مذکر کے صیغوں سے جو دھوکا دینے کی کوشش کی تھی اس کی حقیقت بھی خوب واضح ہو گئی ہے۔ (الحمد للہ علی ذلک)

☆☆☆

عترت رسول ﷺ

آل رسول اور اہل بیت رسول کی طرح ”عترت رسول“ کے مفہوم کو بھی محدود اور مسخ کر دیا گیا ہے اور اس سے عام طور پر ”چارتن“ اور حضرات حسینؑ کی اولاد ذکر مراد لی جاتی ہے۔ یہی حضرات ذریت طیبہ اور سادات کے نام سے بھی موسوم ہیں۔ جبکہ ”عترت“ کے مفہوم میں بیوی، خاندان، قوم اور اولاد داخل ہے۔ از روئے لغت عترت کا اطلاق بیوی، اولاد اور تمام قریبی رشتہ داروں پر ہوتا ہے۔

المنجد:

الْعِتْرَةُ: كُنْبَةُ، أَوْلَادُ (المعجم ص ۱۸۳)

المعجم الاعظم:

العترة: كُنْبَةُ، بَالِ بَنِي، أَدَمِي كَخَصِ رَشْتَةِ دَارِيَا گھر کے لوگ، آل اولاد۔

(المعجم الاعظم ص ۱۸۳)

لسان العرب:

عِتْرَةُ الرَّجُلِ اقْرِبَاؤُهُ مِنْ وَلَدٍ وَغَيْرِهِ وَقِيلَ هُمْ قَوْمُهُ دُنْيَاً وَقِيلَ هُمْ رَهْطُهُ وَعَشِيرَتُهُ الْاَذْنُونُ عِتْرَةُ رَجُلٍ اسْرَتُهُ قَالَ عِتْرَةُ النَّبِيِّ عَبْدُ الْمَطْلَبِ وَوَلَدُهُ عِتْرَةُ الرَّجُلِ اقْرِبَاؤُهُ مِنْ وَلَدٍ وَغَيْرِهِ دُنْيَاً وَمِنْهُ حَدِيثُ أَبِي بَكْرٍ قَالَ لِلنَّبِيِّ حَمِيمٌ شَاوَرٌ اصْحَابُهُ فِي اسَارِي بَدْرٍ عِتْرَتُكَ وَقَوْمُكَ ارَادَ بِعِتْرَتِهِ الْعِبَاسَ وَمَنْ كَانَ فِيهِمْ مِنْ بَنِي هَاشِمٍ وَبِقَوْمِهِ قُرَيْشٍ وَالْمَشْهُورُ وَالْمَعْرُوفُ اَنْ عِتْرَتَهُ اَهْلُ

بیتہ و ہم الحنین حرمت علیہم الزکوٰۃ والصدقۃ المغروسۃ و ہم ذوی القربی
الذین لہم خمس الخمس المذکور فی سورۃ الانفال۔ (سان العرب جلد چہارم ص ۵۳۸)
علامہ ابن منظور کی مذکورہ عبارت کا حاصل یہ ہے کہ کسی آدمی کی عمرت سے
مراد اس کے رشتہ دار، قوم کنبہ، اولاد اور خاندان ہے۔ عمرت النبیؐ سے مراد
عبدالمطلب اور ان کی اولاد ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کی حدیث میں عمرت کا یہی مفہوم
ہے۔ جب آنحضرت ﷺ نے بدر کے قیدیوں کے بارے میں اپنے صحابہؓ سے مشورہ
کیا تو حضرت صدیق اکبرؓ نے عرض کیا کہ ان میں آپؐ کی عمرت اور آپؐ کی قوم کے
افراد ہیں اور عمرت سے حضرت عباسؓ، بنی ہاشم کے دیگر افراد اور قوم سے قریش مراد
لیے۔ اور عمرت کا مشہور و معروف مفہوم یہ ہے کہ وہ اہل بیت جن پر زکوٰۃ و صدقات
واجبہ حرام ہیں اور وہ ذوی القربی ہیں (بنی ہاشم و بنی المطلب) جن کے لیے سورہ
انفال میں خمس الخمس مذکور ہے۔

علامہ محمود آلوسی لکھتے ہیں:

لان عترة الرجل كما في الصحاح نسله ورهطه الاذنون..... وفي
النهاية ان عترة النبي بنو عبدالمطلب وقيل اهل بيته الاقربون وهم اولاده
وعلى واولاده وقيل عترته الاقربون والابعدون منهم والذي رجحه
القرطبي انهم من حرمت عليهم الزکوٰۃ۔ (روح المعاني جلد ۲ ص ۱۶)

آدمی کی عمرت جیسا کہ صحاح میں ہے اس کی نسل اور اس کا قریبی خاندان
ہے۔ اور نہایت میں ہے کہ آپؐ کی عمرت اولاد عبدالمطلب ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ
عمرت اس کے قریبی اور دور کے رشتہ دار ہیں۔ اور قرطبی نے انہیں ترجیح دی ہے جن

پر زکوٰۃ حرام ہے۔

مذکورہ تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ ”عترت“ کا موجودہ محدود مفہوم غلط ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ عترت رسول میں قوم قریش، بنو ہاشم، بنو المطلب، آل عباسؓ، آل علی، آل جعفر، آل عقیل، آل حارث (فان کل هؤلاء یحرم علیہم الصدقة۔ تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی جلد ۲ ص ۳۳۲) خاندان، آل، کنبہ، بیویاں، اولاد (بیٹے اور بیٹیاں) نواسے اور نواسیاں سب ہی شامل ہیں۔

علمائے لغت کا اس پر اتفاق ہے کہ عترت سے اہل بیت، خاندان، کنبہ اور اولاد مراد ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ازواج مطہرات اہل بیت، آل، خاندان اور کنبہ میں بدرجہ اولیٰ شامل ہیں۔ دشمنان اسلام کی سازش سے جس طرح ازواج مطہرات کو آل رسولؐ اور اہل بیت کے مفہوم سے خارج قرار دیا گیا اسی طرح انہیں عترت رسولؐ کا مصداق بھی نہیں سمجھا گیا۔

مزید برآں جامع ترمذی کی دو روایتوں میں ”عترت“ کی تشریح لفظ ”اہل بیت“ سے کی گئی ہے۔

۱۔ یَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا إِنِ اخَذْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوا كِتَابَ اللَّهِ وَعِترَتِي أَهْلُ بَيْتِي۔

۲۔ إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمْ مَا إِنِ تَمَسَّكْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي أَخَذْتُمَا أَعْظَمُ مِنَ الْأَجْرِ۔ كِتَابُ اللَّهِ حَبْلٌ مَمْلُوءٌ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ وَعِترَتِي أَهْلُ بَيْتِي۔

(جامع ترمذی۔ باب ما قبل بیت النبی)

مذکورہ دونوں روایتوں میں عترت سے مراد اہل بیت لیے گئے ہیں اور

اہل بیت سے کون مراد ہیں؟ اس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ علامہ ابن منظور لکھتے

ہیں کہ ”فَجَعَلَ الْعِتْرَةَ أَهْلَ الْبَيْتِ“ (لسان العرب جلد ۴ ص ۵۳۸)

آنحضرت ﷺ نے عمرت کی تشریح اہل بیت سے فرمادی۔ لہذا اب عمرت

سے صرف چارتن اور حضرات حسنینؑ کی اولاد مراد لینے کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔

اہل تشیع مذکورہ روایتوں میں لفظ عمرت سے بارہ امام مراد لے کر ان کا

مفترض الطاعت ہونا ثابت کرتے ہیں۔ یہ ملحوظ رہے کہ یہاں مذکورہ بالا روایتوں کی

اسناد سے بحث مقصود نہیں ہے، ورنہ دونوں روایتوں میں ”شیعہ بزرگ“ زید بن الحسن،

علی بن المند رکوفی، محمد بن فضیل اور عطیہ تشریف فرما ہیں۔ علاوہ ازیں اہل تشیع ان

روایتوں کی رو سے اہل بیت اور عمرت (صرف بارہ افراد) کو مفترض الطاعت اور

واجب التمسک قرار دیتے ہیں۔ جبکہ اہل سنت کے نزدیک عمرت و اہل بیت واجب

المحبت ہیں نہ کہ واجب التمسک۔ اور اس فضیلت میں صرف بارہ افراد ہی شامل نہیں

بلکہ وہ سب شامل ہیں جن پر از روئے لغت، حدیث اور قرآن عمرت و اہل بیت کا

اطلاق کیا جاسکتا ہے۔

عترت کے ساتھ اہل تشیع کے دعویٰ محبت کی حقیقت

اہل تشیع ذریت طیبہ، اولاد رسول ﷺ، آل رسول، عترت رسول، اہل بیت رسول اور سادات کرام کے ساتھ محبت و تمسک کے بلند بانگ دعوے تو کرتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ ان حضرات کے بدترین گستاخ اور دشمن ہیں۔ یہ عنوان تو ایک مستقل کتاب کا متقاضی ہے لیکن یہاں بطور نمونہ ”ادب و احترام“ پر مشتمل چند عبارات ہدیہ قارئین کی جاتی ہیں:

آنحضرتؐ اور حضرت علیؑ کے بارے میں شیعہ مفسر لکھتا ہے کہ:

إِنَّ الْمَلَّةَ لَا يَسْتَحْيَى أَنْ يَمْضِرَ بِ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةُ فَعَمَا فَوْقَهَا۔ اِنَّ
هَذَا الْمَثَلُ ضَرِبَهُ اللَّهُ لَامِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عَلِيٍّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ فَالْبَعُوْضَةُ امِيرُ الْمُؤْمِنِينَ
فَعَمَا فَوْقَهَا رَسُولُ اللَّهِ ۔ (تقریبی ترجمہ آیت اللہ لا یسعی..... ص ۳۵ تقریر حسن عسکری، ۲۵ جمادی الثانی ۱۴۱۸)
یہ مثال اللہ تعالیٰ نے امیر المؤمنین حضرت علیؑ بن ابی طالب کے لیے بیان فرمائی ہے۔ پس امیر المؤمنین حضرت علیؑ پھھر ہیں اور اس سے کمتر آنحضرتؐ ہیں۔
۲۔ آنحضرتؐ اور حضرت علیؑ دونوں ملتے جلتے کوئے ہیں۔

الغرابیۃ قالوا محمد بن علی اشبه من الغراب بالغراب والذباب
بالمذباب فبعث الله جبرائیل الی علی فغلط جبرائیل فی التبلیغ الرسالة من
علی علیہ السلام الی محمد۔ (انوار النما نیہ جلد دوم ص ۲۳۷ بحوالہ مظاہر عفریہ جلد ۸ ص ۸۸)

غرابیہ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ کی حضرت علیؑ کے ساتھ مشابہت ایسی تھی جیسی کوئے کو کوئے کے ساتھ اور مکھی کی مکھی کے ساتھ پھر اللہ تعالیٰ نے جبرائیل کو

اہل بیت رسولؐ کون؟ ۴۹۰ عزت کے ساتھ اہل تشیع کے کوئی محبت کی حقیقت
جب حضرت علیؑ کی طرف بھیجا تو جبرائیل غلطی سے بجائے حضرت علیؑ کے آنحضرتؐ
کے پاس چلے گئے۔

۳۔ حضرت علیؑ اور آنحضرتؐ کو ”دو“ دیکھنے والا بھیجنا ہے۔

۴۔ یا علی تم اور نبی تو ایک تھے چشمِ احوال میں مگر دو ہو گئے

(تہذیبِ امتین جلد ۳ ص ۱۹۳ بحوالہ مفتاح جعفریہ جلد ۱ ص ۹)

۴۔ حضرت علیؑ فضیلت میں آنحضرتؐ کے ساتھ برابر ہیں:

قَالَ اَبُو عَبْدِ اللَّهِ يَا سَلِيمَانُ مَا جَاءَ مِنْ اَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ يُؤْخَذُ بِهِ وَمَا
نَهَى عَنْهُ جَزَى لَهُ مِنْ فَضْلِ مَا جَزَى لِرَسُولِ اللَّهِ۔

(مول کاظمی۔ کتاب الحج۔ باب ان الامامة هم اركان الارض)

حضرت جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ اے سلیمان جو امیر المومنین حکم دیں اسے
مانو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔ علیؑ کو وہی فضیلت حاصل ہے جو رسولؐ کو ہے۔
۵۔ ترجمان شیعیت ملا باقر مجلسی لکھتا ہے کہ:

جب امام مہدی ظاہر ہوں گے خدا ان کی مدد فرشتوں کے ذریعے کرائے گا
اور سب سے پہلے ان کی بیعت محمدؐ اور پھر علیؑ کریں گے۔ (عن یحییٰ ص ۳۷)

۶۔ حضرت علیؑ کے گلے میں رسی ڈال کر ان سے بیعت لی گئی:

پس آں کافراں ریسمانی در گردن امیر المومنین انداختند و بسوئے مسجد
کشیدند۔ (جلد ۱۱ ص ۲۱۹، زندگانیِ فاطمہؑ، جلد ۱ ص ۲۱۲)

پس وہ کافر امیر المومنین کے گلے میں رسی ڈال کر انہیں مسجد کی طرف کھینچ کر
لے گئے۔

اہل بیت رسول کون؟

۴۹۱

عزت کے ساتھ اہل تشیع کے عہدِ نبوت کی حقیقت

سیدہ فاطمہؓ نے حضرت علیؓ کو سخت الفاظ میں ڈانٹا کہ تم بچہ کی طرح ماں کے پیٹ میں پردہ نشین ہو گئے اور ذلیل لوگوں کی طرح بھاگ آئے، تم نے زمانہ کے بہادروں کو بچھاڑا لیکن ان نامرادوں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ (حق البیہن ص ۱۷۷)
۷۔ شب زفاف آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ اور سیدہ فاطمہؓ کو اپنے آنے سے پہلے ”مخصوص کام“ کرنے سے منع کر دیا:

بند حسن از حضرت صادق علیہ السلام روایت کردہ است کہ غیرتے در حلال روانیست۔ بعد از آنکہ حضرت رسالتاً بعلی و فاطمہ علیہما السلام در شب زفاف گفت کہ کاری نکنند تا من نزد شما بیام۔ (جلد ۱۹، جلد ۱۹، جلد ۱۹، جلد ۱۹)
بند حسن جناب صادق سے روایت ہے کہ حلال چیز کے بیان کرنے میں غیرت مناسب نہیں ہے۔ آنحضرتؐ نے شب زفاف حضرات علیؓ و فاطمہؓ سے فرمایا جب تک میں نہ آؤں کام نہ کرنا۔

ملا باقر مجلسی مزید لکھتا ہے کہ:

جب جناب فاطمہؓ (رخصتی کے وقت) حضرت رسول اللہ کے پاس کھڑی ہوئیں، حضرتؐ نے روئے منور سے نقاب اٹھادی کہ علی بن ابی طالب نے خورشید جمال جناب سیدہ مشاہدہ فرمایا۔ پھر جناب سیدہ کا ہاتھ پکڑ کر جناب امیرؓ کے ہاتھ میں دے دیا اور فرمایا اے علی خدا تعالیٰ موافقت دختر رسول کو تمہارے ساتھ مبارک کرے۔ اے علی، فاطمہؓ اچھی بیوی ہے اور اے فاطمہؓ، علیؓ اچھا شوہر ہے۔ اپنے گھر جاؤ اور میرے آنے تک کوئی کام نہ کرو۔ جناب امیرؓ نے فرمایا میں فاطمہؓ کو لے کر

اہل بیت رسول کون؟ ۴۹۲ عزت کے ساتھ اہل تشیع کے عہدِ نبوت کی حقیقت

اپنے گھر گیا اور جناب فاطمہؓ کو دالان کے ایک گوشہ میں بٹھا کر خود دوسرے گوشہ میں بیٹھ گیا۔ ہم دونوں شرم سے سر جھکائے ہوئے تھے۔ ناگاہ حضرت تشریف لائے..... آپؐ نے تھوڑا سا پانی دونوں شانوں کے درمیان چھڑکا..... اس کے بعد فرمایا اے علیؑ اپنی زوجہ کے پاس جاؤ۔ (جلال امین، اردو مجلس کتب خانہ کمال گڑھ، فتح پور)

ملا باقر مجلسی کی روایت سے ملتی جلتی یہ روایت کتب اہل سنت میں بھی پائی جاتی ہے۔ اسے نظر انداز کرنا قرین انصاف نہیں ہے۔ لہذا ہدیہ قارئین کی جاتی ہے:

پیر کرم شاہ صاحب الازہری رقم طراز ہیں کہ:

حضرت فاطمہؓ کا نکاح ماہ رجب ۱ھ میں ہوا اور رخصتی غزوہ بدر کے بعد ۲ھ میں ہوئی۔ اس وقت سیدہ کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ شب زفاف کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دونوں کو کہلا بھیجا کہ میرے آنے سے پہلے کچھ نہ کرنا۔ حضور تشریف لے گئے، وضو فرمایا پھر پانی کو دم کیا اور ان دونوں پر چھڑک دیا پھر دعا فرمائی:

”اللہم باریک فیہما وبارک علیہما وبارک لہما فی نسلہما“

اے اللہ ان دونوں میں برکت ڈال اور ان دونوں پر برکت نازل فرما اور ان کے لیے ان کی نسل میں بھی برکتیں عطا فرما۔ (نیاء النبی جلد سوم ص ۴۲۳)

حضرت عارف باللہ ڈاکٹر محمد عبدالحی عارفی خلفیہ مجاز حضرت حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں کہ:

جب رسول اکرمؐ نے حضرت علیؑ کا نکاح حضرت فاطمہؓ سے کر دیا تو آپؐ ان کے گھر تشریف لے گئے اور حضرت فاطمہؓ سے فرمایا پانی لاؤ۔ چنانچہ وہ ایک لکڑی

اہل بیت رسول کون؟

۴۹۳ عزت کے ساتھ اہل تشیع کے بھائی محبت کی حقیقت

کے پیالے میں پانی لے کر حاضر ہوئیں۔ آپؐ نے پیالہ ان سے لے لیا اور ایک گھونٹ پانی دہن مبارک میں لے کر پیالے میں ڈال دیا اور فرمایا آگے آؤ۔ وہ سامنے آکر کھڑی ہو گئیں تو آپؐ نے ان کے سینہ اور سر پر پانی چھڑکا اور فرمایا:

”اللہم انی اعینہا بک و ذریعتہا من الشیطان الرجیم“

اور اس کے بعد فرمایا میری طرف پشت کرو۔ چنانچہ وہ پشت کر کے کھڑی ہو گئیں تو آپؐ نے باقی پانی بھی یہی دعا پڑھ کر پشت پر چھڑک دیا۔ اس کے بعد آپؐ نے (حضرت علیؑ کی جانب رخ کر کے) فرمایا پانی لاؤ۔ حضرت علیؑ کہتے ہیں میں سمجھ گیا جو آپؐ چاہتے ہیں۔

چنانچہ میں نے بھی پیالہ پانی کا بھر کر پیش کیا۔ آپؐ نے فرمایا آگے آؤ۔ میں آگے آگیا۔ آپؐ نے وہی کلمات پڑھ کر اور پیالے میں کھلی کر کے میرے سر اور سینہ پر پانی کے چھینٹے دیے۔ پھر فرمایا پشت پھيرو۔ میں پشت پھیر کر کھڑا ہو گیا۔ آپؐ نے پھر وہی کلمات پڑھ کر اور پیالے میں کھلی کر کے میرے مؤذنوں کے درمیان پانی کے چھینٹے دیے اس کے بعد فرمایا ”اب اپنی دہن کے پاس جاؤ۔“

(اسوہ رسول اکرم ص ۱۱۲ تحت حضرت فاطمہ زہراؑ کی رخصتی کے بعد۔ بحوالہ حسن حصین، شامل ترمذی)

مقتدایان اہل سنت اور پیران طریقت نے بیٹی کی رخصتی کے موقع پر رسول اکرمؐ کے مذکورہ ”اسوہ“ کی طرف رہنمائی کی ہے تو ایسے قبیحین سنت کے بارے میں یہ کیونکر تصور کیا جاسکتا ہے کہ وہ خود اس ”اسوہ“ پر عمل نہیں کرتے ہوں گے؟ یا پھر یہ ”اسوہ“ بھی نبیؐ کے خصائص میں شمار ہوگا۔ لہذا قارئین سے درخواست ہے کہ وہ سنی شیعہ مذہب کے درمیان اس ”مشترک روایت“ کو عزت کے ساتھ ”عداوت“ پر

اہل بیت رسول کون؟ ۴۹۴ عزت کے ساتھ اہل تشیع کے عوامی محبت کی حقیقت

محمول نہ فرمائیں۔

۸۔ شیعہ نے حضرت حسنؑ کو زخمی کیا، کافر و شرک، نذل المؤمنین اور مسود

الوجہ کہا:

جلاء العیون، کشف الغمہ، اخبار الطوال اور مناقب آل ابی طالب میں

ہے کہ:

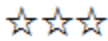
لَمَّا صَلَّى الْمَحْسَنُ بْنُ عَلِيٍّ وَعَزَلَ وَقِيلَ لَهُ يَا مُذِلَّ الْمُؤْمِنِينَ
وَمُسَوِّدَ الْوُجُوهِ فَقَالَ لَا تَعْدِلُونَنِي فَإِنَّ فِيهَا مَصْلِحَةً۔

(مناقب آل ابی طالب ابن حجر آشوب، بحوالہ مفتاح جعفریہ جلد ۳ ص ۲۰۳)

جب امام حسن نے امیر معاویہ سے صلح کر لی۔ آپ کو ملا مت کی لگی اور کہا گیا
اے مومنوں کو ذلیل کرنے والے اور ان کے منہ کالے کرنے والے تو آپ نے فرمایا
مجھے ملا مت نہ کرو کیونکہ اس میں مصلحت ہے۔

۹۔ پھر آنحضرتؐ نے حضرت فاطمہؑ کو امام حسین کی پیدائش اور ان کی
شہادت کی خبر دی۔ پھر وہ ان کے ساتھ بادلِ نخواستہ حاملہ ہوئیں۔ حضرتؐ نے فرمایا
کیا کبھی کسی کو تو نے دیکھا ہے کہ اسے بچہ ہونے کی خوشخبری دی جائے اور وہ اس سے
بکراہت حاملہ ہو یعنی اس کے قتل ہونے کی وجہ سے مغموم ہو اور ایسے بچے کے جننے کو
اچھا نہ سمجھتی ہو۔ اور وضع حمل کے وقت بھی آپؐ ناخوش تھیں۔

(جلاء العیون جلد ۱ ص ۳۳۵۔ بحوالہ مفتاح جعفریہ جلد اول ص ۱۸۶)



اہل بیت رسول کون؟

۴۹۵ اہل سنت سادات کے بارے میں اہل تشیع کا نظریہ

اہل سنت سادات کے بارے میں اہل تشیع کا گستاخانہ نظریہ

اوپر ”چارتن“ کے بارے میں شیعہ خیالات پیش کیے گئے ہیں۔ اب اہلسنت سادات کرام کے بارے میں شیعہ کے خیالات ملاحظہ ہوں۔ شیعہ مجتہد قاضی نور اللہ شوستری لکھتا ہے کہ:

اِذَا عَمِلَ رِي تَابِع نَاصِيَا

بِمَذْهَبِهِ فَمَا هُوَ مِنْ اِيَّاهِ

وَ اِنَّ الْكَلْبَ خَيْرٌ مِنْهُ طَبْعًا

لَا اِنَّ الْكَلْبَ طَبَعَ اِيَّاهُ فِيْهِ

(مجالس المؤمنین ص ۵۷۲)

جب علوی (اولاد علی) سنی مذہب کا پیروکار ہو تو وہ اپنے باپ کا نہیں ہے۔ اس علوی اور سید سے تو کتابت بہتر ہے کیونکہ کتے کے بچے میں باپ کی خصلت اور طبیعت موجود ہوتی ہے۔

یہ ہے اہل تشیع کا نظریہ حب اہل بیت کہ سنی سادات کے حلالی ہونے کا بھی انکار کر دیا اور انہیں کتے سے بھی بدتر قرار دے دیا۔ شیعہ اہل سنت کو حضرت علیؑ اور دیگر ائمہ کا محب نہیں سمجھتے۔ کیونکہ ان کے نزدیک حب علیؑ اور حب عمرؓ ایک دل میں اکٹھی ہو ہی نہیں سکتی۔ اب سنی سادات جن کے دل میں حضرت عمرؓ کی محبت پائی جاتی ہے وہ شیعہ کے نزدیک دشمنان علیؑ ہیں۔ چنانچہ قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المؤمنین جلد اول صفحہ ۴۸۲ پر خواجہ حسن بن جعفر

اہل بیت رسول کون؟

۴۹۶ اہل سنت و جماعت کے بارے میں اہل تشیع کا نظریہ

دور بہتی کا کلام نقل کیا ہے۔

بَغِضَ الْوَلِيِّ عِلَامَةً مَعْرُوفَةً

كُتِبَتْ عَلَيَّ جَبْهَةُ أَوْلَادِ الزَّنَا

مَنْ لَمْ يَرَالِ مِنَ الْإِنْسَامِ وَلَيْتَهُ

سَيِّئَانِ عِنْدَ اللَّهِ صَالِحِي أَوْزَانَا

ولی (حضرت علیؓ) کا بغض معروف علامت ہے جو اولاد زنا کی پیشانیوں پر
لکھا جا چکا ہے اور ساری مخلوق میں سے جو شخص علیؓ کی موالات نہیں رکھتا تو اللہ تعالیٰ کے
ہاں اس کے یہ دونوں عمل برادر ہیں کہ نماز پڑھے یا زنا کرے۔

شیعہ مجتہد محدث نعمت اللہ الجزائری لکھتا ہے کہ:

والمعجب العجيب من جماعة المخالفين كيف احبوا عليًا وعمر

و كيف جمعوا بين حب علي وعمر في قلب واحد مع ان جبههما مما لا

يجتمعان ابدا كما سيأتي تحقيقه۔ (انوار المانی جلد اول ص ۱۱۹)

جماعت مخالفین سے عجیب تعجب ہوتا ہے کہ انہوں نے کیسے حضرت علی اور

حضرت عمر دونوں سے محبت رکھی ہوئی ہے اور ان دونوں کی محبت کو کس طرح ایک دل

میں جمع کر رکھا ہے۔ حالانکہ ان دونوں کی محبت ان امور سے ہے جو کبھی جمع نہیں

ہو سکتے۔ جیسا کہ عنقریب اس کی تحقیق آئے گی، پھر آگے چل کر مصنف لکھتا ہے کہ شیخ

صالح جزائری نے شیخ بہاؤ الدین عاملی کی طرف ایک ناصبی (سنی) کے یہ اشعار لکھ کر

ان کا جواب اشعار ہی میں طلب کیا۔ سنی نے کہا تھا:

اہل بیت رسول کون؟

۴۹۷ اہل سنت و جماعت کے بارے میں اہل تشیع کا نظریہ

۱۔ اہل بیت علیہم السلام امیر المؤمنین و لا

ارضی بسبب ابی بکر و لا عمر

میں امیر المؤمنین علیؑ سے محبت رکھتا ہوں اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو سب و شتم کرنا پسند نہیں کرتا۔

اس کے جواب میں شیعہ عالم شیخ بہاؤ الدین نے درج ذیل اشعار لکھے:

يا ايها المذعي حب الرضي ولم

تسمح بسبب ابی بکر و لا عمرا

كذبت والله في دعوى محبته

تبت يدك ستصالي في غد سقرا

فكيف تهوى امير المؤمنين وقد

اراك سب من عداك مفتكرا

فانك صادقاً فيما نطقك به

فابره الى الله فمن خان او غدر

لكن ابليس اغواكم وصيركم

عمى وصم فلا سمعوا ولا بصروا

(تحفہ حنیفہ جلد ۳ ص ۲۸۸)

اے وصی (علیؑ) کی محبت کا دعویٰ کرنے والے اور ابو بکر و عمر کی سب و شتم کو

کوارانہ کرنے والے اللہ کی قسم تو نے ان کے دعویٰ محبت میں جھوٹ بولا ہے۔ ہلاک

اہل بیت رسول کون؟ ۴۹۸ اہل سنت سادات کے بارے میں اہل تشیع کا نظریہ

ہوں تیرے ہاتھ اور کل (عنقریب) تو داخل ہوگا دیکتی ہوئی آگ میں تو کیسے
امیر المومنین سے محبت رکھ سکتا ہے۔ حالانکہ میں تجھے دیکھتا ہوں ان کے معاندین کی
سب میں متفکر اور پس و پیش کرنے والا۔

اگر تو اپنے دعوے میں سچا ہے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں برأت کا اظہار کر،
خیانت اور بد عہدی کرنے والوں سے۔ یہ دعویٰ محبت نہیں بلکہ درحقیقت ابلیس نے تمہیں
گمراہ کر دیا ہے اور تمہیں اندھا، بہرا کر دیا ہے۔ پس نہ تمہارے کان ہیں اور نہ آنکھ۔

شیعہ عالم بہاؤ الدین کے اس فتوے کی زد میں نہ صرف متاخرین سنی
سادات بلکہ حسنین کریمینؑ اور حضرت علیؑ کی ذات بھی آجاتی ہے، جو حضرت عمرؓ سے
یقیناً محبت رکھتے تھے اور اسی بناء پر سیدنا علیؑ نے اپنی لخت جگر سیدہ ام کلثومؓ کا نکاح ان
سے کیا تھا۔ حضرت عمرؓ کے ساتھ محبت رکھنے والے سادات کو واصل جہنم کیا جا رہا ہے،
اندھے، بہرے اور ابلیس کے چیلے کہا جا رہا ہے اور خواجہ حسن انہیں اولاد زنا قرار دے
رہے ہیں اور ان کی نمازوں کو زنا کے برابر اور جو سید، سنی ہو وہ شوستری کے نزدیک
اپنے باپ کے نطفے سے نہیں ہے اور کتے سے بھی بدتر ہے۔

امید ہے کہ مندرجہ بالا نظریات کی روشنی میں اہل سنت سادات کرام جو اہل
تشیع کے بارے میں نرم گوشہ رکھتے ہیں اپنے اس طرز عمل پر نظر ثانی فرمائیں گے۔

☆☆☆

مناقب اہل بیت (امہات المؤمنینؑ)

آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امہات المؤمنینؑ جو لفظ اہل بیت کی اصلاً و حقیقتاً مصداق ہیں کے بحیثیت مجموعی چند فضائل و مناقب پیش کر دیے جائیں۔ ازواج مطہراتؑ اور باقی جن حضرات پر تبعا و فرعا و مجازاً اہل بیت کا اطلاق ہوتا ہے ان کا مختصر ذکر پہلے کر چکا ہے۔

اَلنَّبِيُّ اَوَّلَىٰ بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهُ اُمَّهَاتُهُمْ۔ (ج۱: ۶)
نبی کریم ﷺ مومنوں کی جانوں کے ان سے بھی زیادہ حق دار ہیں اور ان کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔

”اولیٰ“ کے دو معنی ہیں (۱) اَکَرُّ۔ یعنی زیادہ حق دار (۲) اقرب۔ یعنی زیادہ نزدیک۔ نبی مومنین کے ساتھ زیادہ قریبی تعلق رکھتے ہیں کیونکہ وہ ذات سے زیادہ شفیق اور مہربان ہیں۔ بالموئین رؤف رحیم ہیں۔ پس نبیؐ خود ہماری اپنی ذات سے ہم پر زیادہ حق رکھتے ہیں کہ ہم ان کی اطاعت اور تعظیم سب سے زیادہ کریں۔ اور ہمیں ان کے ساتھ سب سے زیادہ محبت ہو۔ یہ بات نص قطعی سے ثابت ہے کہ نبیؐ کا رشتہ قرابت مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ ہے۔ مومن کے دو وجود ہیں، ایک جسمانی اور دوسرا ایمانی۔ اصل وجود تو ایمانی ہے جس سے حیات ابدی حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ وجود نبیؐ کے طفیل حاصل ہوا ہے۔ ایک امتی کا ایمانی و روحانی وجود نبیؐ کی روحانیت کبریٰ کا پرتو اور ظل ہوتا ہے۔ خود ہماری اپنی ذات میں ہمارا تصرف نہیں چلتا جتنا نبیؐ کا چلتا ہے۔ ہم اپنی مرضی سے آگ میں چھلانگ لگائیں تو حرام موت ہوگی اور

اہل بیت رسولؐ کون؟ ۵۰۰ مناقب اہل بیت (امہات المؤمنینؑ)

نبیؐ کے حکم سے لگائیں تو شہادت نصیب ہوگی۔

آنحضرت ﷺ کا مسلمانوں سے اور مسلمانوں کا جو آنحضرتؐ سے تعلق ہے وہ تمام تعلقات سے بالاتر ہے۔ آپؐ مسلمانوں کے لیے ان کے والدین سے بڑھ کر شفیق اور ان کی ذات سے بڑھ کر ان کے ہمدرد اور خیر خواہ ہیں۔ باپ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں دنیا کی عارضی زندگی عطا فرمائی لیکن حضورؐ کے طفیل ابدی ودائمی زندگی ملتی ہے۔ اسی لیے حضورؐ کو ہماری جان و مال میں تصرف کرنے کا وہ حق پہنچتا ہے جو دنیا میں کسی کو حاصل نہیں۔ آپؐ مومنوں کے بمنزلہ باپ کے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے:

إِنَّمَا آتَا لَكُمْ بِعَنْزِلَةِ الْوَالِدِ..... (سنن ابی داؤد)

اور ابی بن کعبؓ وغیرہ کی قرأت میں ”النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ“ کے ساتھ وَهُوَ أَبٌ لَهُمْ کا جملہ اسی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے۔

اسی طرح ازواج مطہراتؓ مومنوں کی مائیں ہیں۔ اس آیت میں دونوں جگہ ”هُم“ کی ضمیر مومنین کی طرف لوٹ رہی ہے اور اسی لیے ازواج النبیؐ کا لقب امہات المؤمنین ہے نہ کہ امہات الامت وغیرہ۔ کیونکہ امت میں اخیار و اشرار سب ہی شامل ہیں۔ ازواج مطہراتؓ کو اس لیے امہات المؤمنین کہا کہ اشرار کو ان کی فرزندگی کا شرف نہیں مل سکتا۔ اس آیت میں مومن کی دو علامتیں بیان کی گئیں:

اول: مومن وہ ہے جو آنحضرت ﷺ کو اپنی جان سے زیادہ محبوب رکھتا ہو اور حضورؐ کو جان سے بڑھ کر اولیٰ سمجھتا ہو۔

دوم: مومن وہ ہے جو ازواج النبیؐ کو اپنی ماں سمجھتا ہے۔ وہ ماں نہیں جس

سے جسم عنصری کا ظہور ہوا بلکہ وہ ماں جس کی فرزندگی کا شرف اس وقت نصیب ہوتا ہے جب محبت نبویؐ اور ایمان میں کمال حاصل ہوتا ہے۔ امہات المؤمنین کا لقب صرف ازواج مطہراتؑ ہی کے لیے مخصوص ہے۔ ان کے علاوہ دنیا کی کسی عورت کے لیے یہ لقب استعمال نہیں ہو سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپؐ ہی وہ واحد ہستی ہیں جو تمام مومنوں کے روحانی باپ ہیں، اور اس طرح آپؐ کی بیویاں مومنوں کی مائیں قرار پائیں۔ اولاد پر ماں کی تعظیم و تکریم، اطاعت و فرمانبرداری اور ان کے حق میں دعائے خیر لازم ہوتی ہے۔ لہذا ازواج مطہراتؑ کی اطاعت و فرمانبرداری، محبت، تعظیم و تکریم اور دعائے خیر قیامت تک تمام مومنوں پر بشمول سیدہ فاطمہؑ، حضرت علیؑ اور حضرات حسنینؑ فرض کر دی گئی اور ان کے ساتھ نکاح ماؤں کی طرح حرام کر دیا گیا۔

۲۔ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُنْكِحُوا زَوَاجَهُ مِنْ

بَعْدِهِ أَبَدًا إِنَّ ذَلِكَ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا (نہ: اب ۲۲ آیت ۵۳)

(اے ایمان والو) تمہیں یہ حق نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسولؐ کو ایذا دو اور یہ بھی جائز نہیں کہ رسول اللہ کے بعد ان کی بیویوں سے کبھی نکاح کرو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو یہ گناہ عظیم ہے۔

اس آیت میں امہات المؤمنینؑ کی حرمت دوام کا اعلان ہے۔ پہلے آپ ﷺ کو ایذا دینے سے روکا گیا پھر حقوق ازواج بیان کیے۔ جس سے یہ واضح ہوا کہ ایذائے رسولؐ کی جتنی بھی اقسام ہیں ان میں سب سے زیادہ سخت صورت وہ ہوگی جس میں ازواج مطہراتؑ کی شان کے خلاف کوئی رویہ اختیار کیا گیا ہو۔ اور یہ اس لیے کہ اس آیت میں ”ایذائے رسولؐ“ کے تحت خصوصیت سے اس جزئیہ کا ذکر کیا

اہل بیت رسول کون؟ ۵۰۲ مناقب اہل بیت (اہل المؤمنین)

گیا ہے۔ پھر ایذائے رسولؐ کے عذاب کا یوں اعلان فرمایا کہ:

إِنَّ الْمَدِينَةَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ۝

یقیناً وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو ایذا پہنچاتے ہیں تو ان پر اللہ تعالیٰ کی دنیا اور آخرت میں لعنت ہو اور اس نے ان کے لیے سوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔
لہذا ازواج مطہراتؑ کو آل رسولؐ اور اہل بیت رسولؐ کے مصداق سے خارج قرار دینا بھی ایذائے رسولؐ ہے۔

۳۔ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُمْ تُرِيدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزَيِّنٰهَآ فَمَعَآلِكُنَّ اَمْتِعٰكُنَّ وَاسْتَرْحٰكُنَّ سَرَآحًا جَمِيْعًا ۝ وَاِنْ كُنْتُمْ تُرِيدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (نہ: ۳۲-۳۳)
اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دیجیے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال و متاع دے دوں اور تمہیں عہدگی کے ساتھ رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ، اس کے رسولؐ اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہو تو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے (یہاں میں) بیان یہ ہے لائنہن کلہن من محسنات، سب ازواج مطہراتؑ محسنات ہیں۔ بیضاوی) نیکوکاروں کے لیے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

اس کے جواب میں ازواج مطہراتؑ نے اللہ، اس کے رسولؐ اور دار آخرت کو اختیار کر لیا، ان کے اس جواب پر آنحضرت ﷺ بہت خوش ہوئے۔ آپؐ کو بحیثیت شوہر یہ حق حاصل تھا کہ کسی بیوی کو طلاق دے کر اس کی جگہ کسی دوسری عورت سے

اہل بیت رسول کون؟ ۵۰۳ مناقب اہل بیت (امہات المؤمنین)

شادی کر لیں۔ لیکن اللہ نے آپؐ کے لیے ان کے بعد مزید نکاح کی ممانعت کر دی اور آپؐ سے طلاق کا حق بھی سلب کر لیا کہ آپؐ انہیں تبدیل بھی نہیں کر سکتے:

لَا يَجُوزُ لَكَ الْمُنْسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ
وَلَوْ أَعْتَبَكَ حُسْنُهُنَّ۔ (زہاب ۵۲)

ان ازواج مطہراتؑ کے بعد آپؐ کے لیے کوئی اور عورت حلال نہیں اور یہ بھی حلال نہیں کہ آپؐ ان میں سے کسی کو تبدیل کر سکتے ہیں، خواہ کسی کا حسن آپؐ کو تعجب میں ڈال دے۔ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ فِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهَا مَا يَخْتَارُ لَكُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ هُنَّ لَكُمْ فَاكِحَاتٌ لَكُمْ كَأَنَّهُمْ يَخُدُّونَكُمْ وَلَكُمُ اللَّحْمُ مِمَّا فِي بُطُونِهَا وَلَكُمُ الْمَنِيُّ مِمَّا فِي بُطُونِهَا۔ یہ بھی واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی سے یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ ازواج مطہراتؑ اللہ، رسولؐ اور دار آخرت ہی کو اختیار کریں گی۔

آنحضرتؐ نے یہ تبلیغی حکم سب سے پہلے حضرت عائشہؓ کو پہنچایا اور ان سے کہا کہ اپنے والدین سے مشورے کے بعد جواب دیں تو انہوں نے عرض کیا ”فَقَسِيءَ مَا جِئْنَا بِكَ مِنَ الْإِسْلَامِ هَذَا شَأْنُهُ“۔ اے رسولؐ! اس کے رسولؐ اور دار آخرت کو اختیار کرتی ہوں۔ (صحیح بخاری۔ کتاب التفسیر۔ باب تفسیر سورہ احزاب تحت آیت وان کھن برطن اللہ ورسولہ.....)

۴۔ وَمَنْ يُفْسِدْ مِنْكُمْ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعَمَلْ صَالِحًا نُورًا نُوْرُهَا أَجْرُهَا
مَرَّتَيْنِ وَأَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيمًا O (سورہ احزاب ۲۲ آیت ۳۱)

اور تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری کرے گی اور نیک عمل بجالائے گی تو ہم اسے دوہرا اجر دیں گے۔ اور ہم نے ان (ازواج مطہراتؑ) کے لیے عمدہ رزق تیار کر رکھا ہے۔

اہل بیت رسول کون؟ ۵۰۴ مناقب اہل بیت (امہات المؤمنین)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بصیغہ ماضی ازواجِ مطہرات کے لیے ایک تو یہ خصوصی اعلان کیا ہے کہ ہم نے عمدہ رزق تیار کر رکھا ہے اور دوسرا یہ اعلان کہ ان کے ہر عمل پر دوہرا اجر ملے گا۔

جب اللہ تعالیٰ کسی کو بلند مقام عطا کر کے اسے لوگوں کی رہنمائی پر مامور کرتا ہے تو چونکہ لوگ بھلائی اور برائی میں ان کی اقتدا کرتے ہیں اور ان کی برائی اور بھلائی صرف ان کی ذات تک محدود نہیں رہتی اس لیے انہیں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر وہ اپنی شان سے فروتر کسی نامناسب فعل کی مرتکب ہوں گی تو انہیں دو گنا عذاب دوں گا:

لِيَسَاءَ النَّبِيُّ مَنْ يُمَاتُ مِنْكُمْ بِنَفْسِهِ مُبِينَةً يُضَعَّفُ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ۔ (حزاب: ۳)

آیت میں ”مَنْ“ شرطیہ ہے جو وقوعِ شرط کو مستلزم نہیں تو جزا کیونکر مرتب ہوگی۔ جو لوگ اس آیت سے ازواجِ مطہرات کے لیے وعید ثابت کرنا چاہتے ہیں تو ان کا مندرجہ ذیل آیات کے بارے میں کیا خیال ہے؟

اَوَلَمْ يَلَوْا اَنْ يَّبْشُرَكَ لَقَدْ كَذَبْتَ تَرَكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْفًا قَلِيلًا ۝ اِذَا لَا اَذْفَنَكَ ضَعُفَ الْحَيٰوةِ وَضَعُفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجْعَلْ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ۝ (نساء: ۷۵-۷۶)
اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو آپ بھی ان کی طرف کچھ نہ کچھ جھک جاتے تو اس صورت میں ہم آپ کو دنیا میں دو گنا مزا چکھاتے اور مرنے کے بعد بھی پھر آپ ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار نہ پاتے۔

بَلْ لَّيْنُ اَشْرَكَتَ لِيَحْبِطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ (الزمر: ۲۵)
اگر آپ نے شرک کا ارتکاب کیا تو آپ کے عمل ضائع اور آپ نقصان

اہل بیت رسول کون؟ ۵۰۵ مناقب اہل بیت (امہات المؤمنینؑ)

اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

ج۔ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَكُونَ مِنَ الْمُعَذَّبِينَ O (اشراپ ۱۹ آیت ۲۱۳)

تو (اے پیغمبر) تم خدا کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکارنے لگنا ورنہ (اور مشرکوں کی طرح) تم بھی مبتلائے عذاب ہو جاؤ گے۔

و۔ قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِينَ O (الزمر ۲۵ آیت ۸۱)

اے پیغمبر ﷺ! آپ کہہ دیں اگر اللہ کی اولاد ہوتی تو سب سے پہلے میں اس کی عبادت کرتا۔

ر۔ لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَنْتَحِدَ وَلَدًا لَا صُطِفَىٰ مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ۔

(الزمر ۲۳ آیت ۴)

اگر اللہ اپنی اولاد بنانا تو مخلوق میں سے جسے چاہتا جن لیتا۔

ز۔ فَمَنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِّمَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ فَسْأَلِ الَّذِينَ يَقْرَأُونَ

(نہس ۱۱ آیت ۹۴)

الْكِتَابِ مِنْ قَبْلِكَ۔

اگر آپ کو اس میں شک ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تو سابقہ

اہل کتاب کے علماء سے پوچھ لو۔

س۔ وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ O (انعام ۷۸ آیت ۸۸)

اگر انبیاء شرک کریں گے تو ان کے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

مذکورہ بالا آیات میں شرط اور جزا دونوں غیر ممکن الوقوع ہیں۔ لہذا امہات

المؤمنینؑ سے بھی نہ بے حیائی کا صدور ہوگا اور نہ دو گنا عذاب۔

زیر بحث آیت (احزاب ۳۱) میں ازواج مطہراتؑ کی یہ فضیلت بیان کی گئی

اہل بیت رسول کون؟

۵۰۶ مناقب اہل بیت الفضلیت ازواج مطہراتؑ

ہے کہ انہیں نیک عمل کرنے کی صورت میں دو ہزار عطا ہوگا اور بصیغہ ماضی یہ بشارت دے دی ہے کہ ہم نے ان کے لیے عمدہ رزق تیار کر رکھا ہے، کیونکہ ان سے نیک عمل ہی سرزد ہوگا جس کی جزا کا پہلے ہی اعلان کر دیا گیا۔

حضرات صحابہؓ، بنات رسولؐ اور صحابیاتؓ میں سے کوئی بھی امہات المؤمنینؓ کی اس فضیلت میں شامل نہیں ہے۔

افضلیت ازواج مطہراتؑ

۵۔ یٰسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ (جز اب ۳۲)

اے نبی کی بیویو! تم اور عورتوں جیسی نہیں ہو۔

اس میں ازواج مطہراتؑ کے بلند مرتبہ و مقام کی طرف اشارہ ہے جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ نسبت کی بناء پر ان کو دنیا کی تمام عورتوں کے مقابلے میں حاصل تھا۔ لفظ ”النِّسَاءُ“ میں الف لام جنسی ہے۔ قاضی سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں کہ: النساء میں جنس انوہیت کا ہر ایک فرد شامل ہے اور کوئی عورت ذات بھی اس سے باہر نہیں رہ جاتی۔ پھر لفظ احد بھی موجود ہے اور جب نفی کے لیے لفظ احد استعمال کیا جاتا ہے تو اس وقت نفی بدرجہ اتم ہوتی ہے۔ غور کرو ”وَلَسْمَ یَكُنْ لَّہُ کُفُوًا أَحَدٌ“ (اللہ کا کوئی بھی کفو نہیں) غرض نفی میں احد کا استعمال کسی استثناء کا موقع نہیں رہنے دیتا۔ اس لیے ثابت ہو گیا کہ ازواج النبیؑ کا درجہ ہر ایک عورت سے بالاتر و متمیز اور شان خاص کا ہے۔

(ترجمہ للعالمین جلد ۲ ص ۱۳۵)

جب آنحضرتؐ کی کوئی زوجہ مطہرہ دنیا کی کسی عورت کے مثل نہیں ہو سکتی تو دنیا

اہل بیت رسول کون؟ ۵۰۷ مناقب اہل بیت الفضلیات ازواج مطہراتؑ

کی بھی کوئی عورت ان کے مثل نہیں ہو سکتی خواہ عورت بذات خود کتنے ہی اعلیٰ مقام پر کیوں نہ فائز ہو۔

صدرالافاضل جناب نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں کہ:

یعنی تمہارا مرتبہ سب سے زیادہ ہے اور تمہارا اجر سب سے بڑھ کر۔ جہاں کی عورتوں میں کوئی تمہاری ہمسر نہیں۔ (ترجمہ اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی۔ تحت الآیہ ص ۶۰۳)

مفتی احمد یار خان بدایونی لکھتے ہیں کہ:

اس سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کی بیویاں تمام جہاں کی عورتوں سے افضل ہیں۔ اور جزا و سزا کا دوگنا ہونا اس لیے ہے کہ ان پر اللہ کی نعمتیں سب سے زیادہ ہیں۔ اور فرمایا رَزَقْنَا كَسْرِيْمًا، یعنی جنت میں اس دو گنے اجر کے سوا خاص روزی تمہارے لیے مخصوص ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ اولاد پاک سے ازواج مطہراتؑ افضل ہیں۔ کیونکہ یہ حضرات جنت میں حضورؐ کے ساتھ ہوں گی اور خاص روزی کی حق دار... اور فرمایا لَسْتُنَّ كَسَا حَمْدٍ مِّنَ النِّسَاءِ، تم اور عورتوں جیسی نہیں ہو۔ بلکہ تم تمام جہان کی اولین اور آخرین عورتوں سے افضل ہو اور حضرت آدمؑ تا روز قیامت کوئی بی بی تمہاری ہمسر نہ ہوئی اور نہ ہوگی۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ ازواج مطہراتؑ اولاد طیبہ و طاہرہ سے افضل ہیں۔ کیونکہ ”نساء“ سب کو شامل ہے۔

(تفسیر نور العارفان بحوالہ مفتی اہل بیت رسول)

علامہ سید محمود احمد رضوی بریلوی لکھتے ہیں کہ:

ازواج رسولؐ کا درجہ و مقام ہر عورت سے بالاتر ہے۔ (شان صحابہ ص ۳۸)
جناب محمد علی صاحب بریلوی، شیخ الحدیث جامعہ رسولیہ شیرازیہ لاہور

اہل بیت رسول کون؟

۵۰۸

مناقب اہل بیت (افضلیت ازواج مطہرات)

زیر عنوان ”ارشاد خدا: امہات المؤمنین دنیا بھر کی عورتوں سے افضل ہیں“ لکھتے ہیں کہ: حضور ﷺ کی ازواج مطہرات یعنی تمام مومنوں کی مائیں دنیا کی ہر عورت سے بلند و بالا مقام کی مالک ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ”اے نبیؐ کی بیویو! تم دنیا کی کسی عورت کی مثل نہیں ہو“ کیونکہ ان خوش بخت عورتوں کو جو نسبت زوجیت رسول اللہ ﷺ سے حاصل ہوئی وہ کسی دوسری کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ چاہے وہ کتنی ہی تقویٰ شعار اور پابند احکام شرعیہ ہو۔

قرآن حکیم کی اس نص قطعی سے ثابت ہو گیا کہ ازواج مطہرات کی مثل دنیا کی کوئی عورت نہیں ہو سکتی، چاہے وہ کتنی پارسا اور نیک ہو۔ (تجۃ مغربیہ جلد ۱ ص ۴۰)

افسوس ہے کہ کچھ علمائے اہل سنت ایسی نص قطعی کی موجودگی کے باوجود امہات المؤمنین کے ساتھ انصاف نہ کر سکے اور انہوں نے سیدہ فاطمہؓ کو ان سے افضل قرار دے کر قرآنی موقف اور دعویٰ کو نظر انداز کر دیا۔ راقم الحروف سیدہ فاطمہؓ کی فضیلت (جو صحیح احادیث سے ثابت ہے) کا قائل ہے۔ ان کے ساتھ محبت کو واجب اور جزو ایمان سمجھتا ہے لیکن ازواج مطہرات سے افضل قرار دینے میں ضرورتاً مل ہے۔

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی ”عقیدہ پنجم“ کے تحت لکھتے ہیں کہ:

حضرت سیدہ فاطمہ الزہراءؓ جنت کی تمام عورتوں کی سردار ہیں اور امام حسن اور امام حسین جنت کے جوانوں کے سردار ہیں اور حضرت فاطمہؓ کے بعد ان کی والدہ محترمہ حضرت خدیجہ الکبریٰ اور ان کے بعد حضرت عائشہ صدیقہؓ اور پھر سب امہات المؤمنین تمام دنیا کی عورتوں سے افضل ہیں اور صحابہ کرامؓ کی عورتوں کے بارے میں صحابہؓ کے مراتب کے اعتبار سے اعتقاد رکھیں۔ (عتقاد الاسلام ص ۱۸۶)

حضرت موصوف کے اس عقیدے سے جہاں ازواج مطہرات کے بارے میں قرآنی موقف پر زد پڑتی ہے وہاں آنحضرت ﷺ کی دیگر صاحبزادیوں کی بھی تنقیص ہوتی ہے۔ اور آں محترم کے اس ”عقیدے“ سے کہ ”صحابہ کرامؓ کی عورتوں کے بارے میں ان کے مرتبہ کے اعتبار سے اعتقاد رکھیں“ کیا نتیجہ برآمد ہوگا؟ کیا آنحضرتؐ کی عورتوں کے بارے میں ان کے مرتبہ کے اعتبار سے اعتقاد نہیں رکھا جاسکتا؟ جبکہ قرآن مجید سے بھی اسی موقف کی تائید ہوتی ہے۔

اہل سنت وجماعت کا اعتقاد ہے کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ تمام صحابہ سے افضل ہیں تو کیا ان کی بیویاں حضرت عثمانؓ کی بیویوں (سیدہ رقیہؓ، سیدہ ام کلثومؓ دختران رسولؐ) سے افضل ہیں؟ مزید برآں صلح حدیبیہ تک جو سینکڑوں صحابہؓ ایمان لائے تھے وہ بعد میں آنے والوں سے افضل ہیں اور ان کی بیویاں بھی ان سے افضل ہوں گی۔ آنحضرتؐ کے سب سے بڑے داماد حضرت ابوالعاصؓ جو صلح حدیبیہ کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے، ان سے پہلے ایمان لانے والے افضل ہیں تو ان کی زوجہ مطہرہ سیدہ زہبہؓ بنت رسولؐ جن کے بارے میں آپؐ نے فرمایا تھا ”ہی خیر بناتی“ اُصِیْبَتْ فِیَّ“، ”ہی اَفْضَلُ بَنَاتِیْ اُصِیْبَتْ فِیَّ“ جو اپنی والدہ محترمہ سیدہ خدیجہؓ کے ساتھ ہی مشرف بہ اسلام ہوئیں، جو دین حق کی خاطر مصائب برداشت کرتے ہوئے سفر ہجرت کے دوران دشمنان اسلام کے ہاتھوں زخمی ہوئیں پھر بعد میں یہی زخم آپؐ کی وفات کا سبب بنا۔ حضرت کاندھلوی صاحب کے بیان کردہ عقیدے کے مطابق آنحضرت ﷺ کی اس بیٹی کا درجہ تو سینکڑوں صحابہ کی بیویوں سے بھی کم ہوگا.....؟ فَبِیْنَا لِلْعَجَبِ! فَبِیْنَا حَسْرَتًا!

اہل بیت رسول کون؟

۵۱۰ مناقب اہل بیت الفضلیات از واج مطہراتؑ

قرآن مجید کی ایک آیت سے صحابیات کے مراتب کا تعین معلوم ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ.....

(آپؐ ۲۲ آیت ۵۹)

اے نبی! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دو.....

لہذا موصوف کا عقیدہ جس میں نہ صرف آنحضرتؐ کی بیٹیوں سیدہ زینبؓ،

سیدہ رقیہؓ اور سیدہ ام کلثومؓ کو نظر انداز کیا گیا بلکہ ان کا مرتبہ و درجہ سینکڑوں صحابہؓ کی

بیویوں سے بھی کم قرار دیا گیا، قابل تسلیم نہیں ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب "لَسْتُنَّ كَمَا أَحَدٌ مِّنَ النِّسَاءِ" کے تحت لکھتے

ہیں کہ:

آیت کے ان الفاظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات تمام دنیا

کی عورتوں سے افضل ہیں مگر قرآن کریم کی آیت حضرت مریم علیہا السلام کے بارے

میں یہ ہے:

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ طَهَّرَكَ وَطَهَّرَكَ وَاصْطَفَىٰ عَلَىٰ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ ۝

اس سے حضرت مریم کا سارے جہاں کی عورتوں سے افضل ہونا ثابت ہوتا

ہے۔ اور ترمذی میں حضرت انسؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کافی

ہیں تم کو ساری عورتوں میں سے مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد (ام المؤمنین)

اور فاطمہ بنت محمدؐ اور آسیہ زوجہ فرعون۔ اس حدیث میں حضرت مریم کے ساتھ اور تین

عورتوں کو نساء عالمین سے افضل فرمایا ہے۔

اس لیے آیت میں جو ازواج مطہرات کی فضیلت اور فوقیت بیان کی گئی

اہل بیت رسول کون؟

۵۱۱

مناقب اہل بیت الفضلیت ازواج مطہراتؑ

ہے وہ ایک خاص حیثیت یعنی ازواج النبیؐ اور نساء النبیؐ ہونے کی ہے جس میں وہ تمام عالم کی عورتوں سے بلاشبہ افضل ہیں۔ اس سے عام فضیلت مطلقہ ثابت نہیں ہوتی جو دوسری نصوص کے خلاف ہو۔

(معارف القرآن جلد پنجم ص ۱۳)

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ:

تمام علماء اسلام کا اتفاق ہے کہ اسلام میں حضرت خدیجہ الکبریٰ، حضرت فاطمہ الزہراء اور حضرت عائشہ صدیقہ عورتوں میں سب سے افضل ہیں۔ جمہور علماء نے سب سے پہلے حضرت فاطمہؑ پھر حضرت خدیجہؑ اور تیسرے درجے میں حضرت عائشہؑ کا نام رکھا ہے۔ لیکن یہ ترتیب کسی نص شرعی یا حدیث صحیح سے ثابت نہیں بلکہ علماء نے اپنے قیاس و اجتہاد اور ذوق سے یہ ترتیب قائم کی ہے۔ ان تینوں خواتین کے الگ الگ فضائل اور مناقب احادیث میں مروی ہیں۔ اسی بناء پر بعض علماء نے اس باب میں توقف مناسب سمجھا ہے۔

علامہ ابن حزم نے تمام علماء کے برخلاف اعلانیہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عائشہؑ نہ صرف اہلبیت میں، نہ صرف عورتوں میں بلکہ صحابہؓ میں آنحضرت ﷺ کے بعد سب سے افضل ہیں۔ اس دعویٰ پر ان کے بہت سے دلائل ہیں، جس کو شوق ہو وہ مل نجل میں فضل صحابہ کی بحث کی طرف رجوع کرے۔ ہمارا اعتقاد اس بارے میں علامہ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد حافظ ابن قیم کے ساتھ ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ فضیلت سے مقصود اگر درجہ اخروی ہے تو اس کا حال خدا ہی کو معلوم ہے لیکن دنیاوی حیثیت سے حقیقت یہ ہے کہ ان کے فضائل مختلف الجہات ہیں۔ اگر نسب شرافت کا اعتبار ہے تو

اہل بیت رسول کون؟

۵۱۲

مناقب اہل بیت الفضلیت از واج مطہرات

حضرت فاطمہ الزہراءؑ سب سے افضل ہیں۔ اگر ایمان کی سلاقیات، اسلام کی ابتدائی مشکلات کے مقابلے اور اس زمانے میں حضرت رسالت ﷺ کی اعانت و تسکین خاطر کی حیثیت سے دیکھیے تو حضرت خدیجہ کبریٰ کی زندگی سب پر مقدم ہے۔ لیکن اگر علمی کمالات، دینی خدمات اور آنحضرتؐ کی تعلیمات و ارشادات کی نشر و اشاعت کا پہلو سامنے ہو تو ان میں صدیقہ کبریٰ کا کوئی حریف نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ حضرت مریم کی بزرگی کا ہم کو اسلام کے ذریعے سے علم ہے لیکن انجیل کی روایات ان کو ایک ذرہ بھی ممتاز نہیں کر سکتیں۔ فرعون کی بیوی حضرت آسیہ بھی اسلام میں فضیلت کی مستحق قرار دی گئی ہیں لیکن توراۃ ان کے اظہار شرف سے خاموش ہے۔ اس بناء پر عقیدتنا ہم کو ان کی اہمائی فضیلت اور بڑائی سے انکار نہیں۔ لیکن واقعات اور تاریخ کی زبان سے اس کا جواب سکوت محض ہے۔ (سیرت عائشہ صدیقہ ص ۳۱۹)

علماء اسلام کی مذکورہ بالا توضیحات سے الفضلیت کی حسب ذیل ترتیب قائم ہوتی ہے:

۱۔ سیدہ فاطمہؑ سب سے افضل ہیں۔

۲۔ ان کے بعد سیدہ خدیجہؑ افضل ہیں۔

۳۔ پھر سیدہ عائشہ صدیقہؑ ہیں۔

۴۔ جناب مفتی محمد شفیع صاحب کی توضیح کے مطابق سیدہ عائشہؑ کی بجائے

سیدہ مریمؑ سب سے افضل ہیں۔

۵۔ اور سیدہ آسیہ سارے جہاں کی عورتوں سے افضل ہیں۔

اہل بیت رسول کون؟

۵۱۳ مناقب اہل بیت الفضلیت ازواج مطہراتؑ

حضرت مفتی صاحب نے اپنے موقف کی تائید میں قرآن مجید کی آیت اور جامع ترمذی کی ایک حدیث پیش کی ہے۔ آیت یہ ہے:

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ لِمَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلَى

نِسَاءِ الْعَالَمِينَ O

(آل عمران پ ۳ آیت ۴۲)

جب فرشتوں نے کہا اے مریم اللہ نے تجھ کو پسند کیا اور ستھرا بنایا اور پسند کیا تجھ کو سارے جہاں کی عورتوں پر۔

جیسا کہ قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے کہ سورہ احزاب کا چوتھا رکوع کامل ازواج مطہرات کی شان کے بارے میں نازل ہوا ہے اور اسی رکوع کی ایک آیت ”لِنِسَاءِ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ“ بھی ہے جس سے ان کی مطلق الفضلیت ثابت ہوتی ہے۔ خود مفتی صاحب بھی اس قدر قائل ہیں کہ آیت کے ان الفاظ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات تمام دنیا کی عورتوں سے افضل ہیں لیکن موصوف کو یہ تاثر پسند نہیں تھا اس لیے انہوں نے اسے زائل کرنے کے لیے آل عمران کی محولہ بالا آیت اور ترمذی کی ایک ایسی روایت جس میں خود حضرت عائشہ صدیقہؓ مظلومہ کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں، پیش فرمادی حالانکہ خود ترمذی اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں احادیث کا ایسا صحیح ذخیرہ موجود ہے جس میں حضرت عائشہؓ کی الفضلیت پائی جاتی ہے مگر معلوم نہیں موصوف نے ان صحیح روایات کو کیوں نظر انداز کر دیا جبکہ بحث بھی اسی عنوان کے متعلق کی جا رہی ہے۔ بہر حال موصوف کا محولہ بالا آیت سے استدلال بوجہ محل نظر ہے۔

”وَاصْطَفَاكِ عَلَى نِسَاءِ الْعَالَمِينَ O“ کے الفاظ سے سیدہ مریم کی فضیلت

اہل بیت رسول کون؟

۵۱۴ مناقب اہل بیت الفضلیت ازواج مطہرات

مطلقہ قطعاً ثابت نہیں ہوتی۔ ورنہ بنی اسرائیل کی عالمین پر فضیلت کا بھی اقرار کرنا پڑے گا۔ ارشاد باری ہے:

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَآئِيْلُ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْ اَنْعَمْتُ عَلٰيكُمْ وَاَنْتُمْ فُضِّلْتُمْ

عَلٰى الْغٰلِبِيْنَ ۝

(البقرہ پ آیت ۴۷)

اے بنی اسرائیل یاد کرو میرے احسان جو میں نے تم پر کیے اور اس کو کہ میں نے تم کو برائی دی تمام عالم پر۔

یہاں عالم پر فضیلت کا یہ مطلب ہے کہ جس وقت سے بنی اسرائیل کا وجود ہوا تھا اس وقت سے لے کر اس خطاب کے نزول تک وہ تمام فرقوں سے افضل رہے اور کوئی ان کا ہم پلہ نہ تھا۔ جبکہ آنحضرت ﷺ کے متبعین کو ”مُحْسِنٌ خَيْرِ اُمَّةٍ“ کا خلعت عطا ہوا۔

آل عمران کی آیت ۴۲ میں فرشتوں نے سیدہ مریم سے کہا کہ اللہ نے تجھے پہلے دن سے چھانٹ لیا کہ باوجود لڑکی ہونے کے اپنی نیاز میں قبول کیا۔ سترے اخلاق، پاک طبیعت اور ظاہری و باطنی نزاہت عطا فرما کر اپنی مسجد کی خدمت کے لائق بنایا اور جہاں کی عورتوں پر بعض وجوہ سے فضیلت بخشی۔ مثلاً ایسی استعداد رکھی کہ بدوئیں بشر تنہا اس کے وجود سے حضرت مسیح جیسے اولوالعزم پیغمبر پیدا ہوں۔ یہ امتیاز دنیا میں کسی عورت کو حاصل نہیں ہوا۔

(تفسیر عثمانی ج ۱ ص ۱۴۷)

لہذا آیت میں سیدہ مریم کی جزوی فضیلت بیان ہوئی ہے نہ کہ فضیلت مطلقہ۔ مزید برآں اگر لفظ ”وَاصْطَفٰكِيْ“ سے ان کی فضیلت مطلقہ ثابت کی جائے تو کیا سیدہ مریم کے والد جناب عمران کو بھی سب سے افضل قرار دیا جائے گا

اہل بیت رسول کون؟

۵۱۵ مناقب اہل بیت / فضیلت ازواج مطہراتؑ

کیونکہ ان کے بارے میں بھی ”اصطفیٰ“ کا لفظ استعمال ہوا ہے:

إِنَّ الْمَلَّةَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى

الْعَالَمِينَ ۝

(آل عمران ۳۳)

بے شک اللہ نے پسند کیا آدمؑ کو اور نوحؑ کو اور آل ابراہیمؑ اور آل عمرانؑ کو

سارے جہاں سے۔

اس آیت میں بھی حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، آل ابراہیمؑ اور آل عمرانؑ کے

لیے اسی طرح کے الفاظ استعمال ہوئے۔ ”وَاصْطَفَىٰكَ عَلَيَّ نِسَاءَ الْعَالَمِينَ“ اور

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ..... عَلَيَّ الْعَالَمِينَ۔

عمران دو ہیں۔ ایک موسیٰؑ کے والد اور دوسرے حضرت مریمؑ کے والد۔ اکثر

سلف و خلف نے یہاں عمرانؑ کو مراد لیا ہے۔ (بحوالہ تفسیر عثمانی)

بہر حال جناب مفتی صاحب کے استدلال سے سیدہ مریمؑ کی فضیلت مطلقہ

ثابت نہیں ہو سکتی، جبکہ ازواج مطہراتؑ کی فضیلت مطلقہ نص قطعی سے ثابت ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے یہ بات تسلیم کی ہے کہ ازواج مطہراتؑ ”ازواج

النبیؑ“ اور ”نساء النبیؑ“ ہونے کی خاص حیثیت سے بلاشبہ تمام عالم کی عورتوں سے

افضل ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ ان کی یہ خاص حیثیت کب اور کس دور میں ختم ہوئی تھی؟

جب ان کی یہ حیثیت کسی دور میں بھی ختم نہیں ہوئی تو پھر ازواج مطہراتؑ پر کسی دوسری

عورت کو فضیلت و فوقیت دینا یقیناً نص قرآنی کے خلاف ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی نے ابن تیمیہ اور ابن قیم کے حوالے سے لکھا ہے کہ

نسبی شرافت کے اعتبار سے حضرت فاطمہؑ سب سے افضل ہیں تو کیا اس نسبی شرافت

اہل بیت رسول کون؟

۵۱۶

مناقب اہل بیت الفضلیت ازواج مطہراتؑ

میں سیدہ فاطمہؑ کی دیگر تین بہنیں سیدہ زینبؑ سیدہ رقیہؑ سیدہ ام کلثومؑ اور بھائی قاسمؑ، عبد اللہ (طیب، طاہر)، ابراہیم شامل نہیں ہیں؟ اس طرح نسبی شرافت بھی سیدہ فاطمہؑ کی تنہا خصوصیت نہ رہی۔ مزید برآں موصوف نے اس بات کا اقرار بھی کیا ہے کہ یہ ترتیب کسی نص شرعی یا حدیث صحیح سے ثابت نہیں بلکہ علماء نے اپنے اپنے قیاس، ذوق اور اجتہاد سے قائم کی ہے۔ قرآن کا تو اعلان یہ ہے کہ اے نبیؐ کی بیویو! تم دنیا کی کسی عورت کے مثل نہیں ہو سکتی تو اب دنیا کی کسی عورت کو ان کے مثل قرار دینا ہی مخالفت قرآن ہے، چہ جائیکہ ان پر کسی عورت کو برتری، فضیلت اور فوقیت دینا۔

سورہ احزاب کی ایک دوسری آیت سے بھی ازواج مطہراتؑ کی فوقیت و برتری ثابت ہوتی ہے۔ بِأَنَّهُمُ النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ....
(احزاب ۵۹)

اس آیت میں اس وقت کی تمام اہل ایمان خواتین کی درجہ بندی کی گئی ہے:
۱۔ ازواج مطہراتؑ ۲۔ بنات طاہرات ۳۔ مومنوں کی عورتیں۔
اس آیت کی رو سے بھی ازواج مطہراتؑ کو نہ صرف اہل ایمان عورتوں بلکہ آپ ﷺ کی جملہ بیٹیوں (بشمول سیدہ فاطمہؑ) پر فضیلت و فوقیت حاصل ہے۔ اگرچہ آیت نِسَاءِ النَّبِيِّ لَسُنُنٌ..... کے سیاق و سباق سے ظاہر و ثابت ہونے والی یہ حقیقت اپنے ثبوت میں کسی خارجی دلیل کی محتاج نہیں بشرطیکہ اس پر رنگین عینک اتار کر غور کیا جائے، تاہم پھر بھی محولہ بالا آیت (احزاب ۵۹) میں ترتیب وار عورتوں کے تین گروہ بیان کرتے ہوئے ازواج مطہراتؑ کو پہلے نمبر پر ذکر کیا جانا بھی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ امہات المؤمنینؑ کو علی العموم تمام عورتوں پر فضیلت و فوقیت و برتری

اہل بیت رسول کون؟

۵۱۷ مناقب اہل بیت / فضیلت ازواج مطہرات

حاصل ہے۔

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی لکھتے ہیں:

اور پھر خدا کی طرف سے یہ شہادت بھی دی جا چکی ہے کہ یہ اعلیٰ و اکمل رُہد
ان میں موجود تھا، کیا اس کے بعد بھی کوئی عورت کیسی ہی زاہدہ ہو، عابدہ ہو ان کی ہم
رتبہ کہی جاسکتی ہے؟ حاشا! ہرگز نہیں..... پس معلوم ہوا کہ اور کوئی عورت خواہ کتنے
ہی بڑے رتبے کی ہوا ازواجِ نبیؐ کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتی۔ (تفسیر آیات قرآنی ص ۱۶۷، ۱۷۷)

☆☆☆

افضلیت سیدہ عائشہ صدیقہؓ طیبہ طاہرہ

مذکورہ تفصیل سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ ازواج مطہرات تمام جہاں کی عورتوں سے علی الاطلاق افضل و برتر ہیں اور دنیا کی کوئی عورت خواہ کتنی ہی نیک و پارسا کیوں نہ ہو ان کے مرتبہ و درجہ کو نہیں پہنچ سکتی۔ اور ازواج مطہرات میں سیدہ عائشہ صدیقہؓ طیبہ طاہرہ سب سے افضل ہیں۔ موصوفہ ہمہ جہتی فضائل کی حامل ہونے کی وجہ سے منفرد و ممتاز درجہ رکھتی ہیں۔ سیدہ عائشہؓ کے مختصر حالات زیر عنوان ”آل حقیقی“ گزر چکے ہیں؛ وہاں ملاحظہ فرمالیے جائیں۔

پوری تاریخ عالم میں سیدہ عائشہؓ جیسی جامع الصفات اور جامع الحشیات خاتون کوئی نہیں گزری۔ سیدہ عائشہؓ مفسرہ، محدثہ، فقیہہ، عالمہ، معلمہ، حافظہ، قاریہ، خطیبہ، ادیبہ اور قائدہ ہیں۔ ان کے علاوہ عورتوں میں سے کسی نے بھی جبرائیل امینؑ کو نہیں دیکھا۔ سیدہؓ خود فرماتی ہیں کہ:

”وَرَأَيْتُ جِبْرَائِيلَ وَلَمْ يَرَ أَحَدًا مِنْ نِسَاءِ غَيْرِي“

میں نے جبرائیل کو دیکھا اور میرے علاوہ کسی خاتون نے بھی انہیں نہیں دیکھا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ اگر علمی کمالات، دینی خدمات اور آنحضرت ﷺ کی تعلیمات و ارشادات کی نشر و اشاعت کا پہلو سامنے ہو تو ان میں صدیقہ کبریٰؓ کا کوئی حریف نہیں ہو سکتا۔

زہری معترف ہیں کہ:

قَالَ لَرَجُلٍ مَعَ عِلْمِهِ النَّاسُ كُلُّهُمْ ثُمَّ أَزْوَاجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ لَكَانَتْ عَائِشَةُ أَوْ سَمِعُوهُمْ عَلَمًا۔ (میں الامامہ)

اگر تمام مردوں کا اور امہات المؤمنین کا علم ایک جگہ جمع کیا جائے تو حضرت عائشہؓ کا علم وسیع تر ہوگا۔

سیدہ عائشہؓ کا شمار محدثین کے طبقہ اول میں ہوتا ہے۔ آپ سے دو ہزار دوسو دس (۲۲۱۰) احادیث مروی ہیں۔ حضرت عائشہؓ کی علمیت، فوقیت اور فضیلت کو دیکھا جائے تو آسمان کی بلندیوں پر نظر آتی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو جو آپؓ سے محبت تھی وہ محض ظاہری حسن و جمال کی وجہ سے نہیں بلکہ ذاتی علم و فضل کا کمال تھا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعرؓ فرماتے ہیں کہ:

مَا أَشْكَلَ عَلَيْنَا أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ حَدِيثٌ قَطُّ فَسَأَلْنَا عَائِشَةَ إِلَّا وَجَلْنَا عَنْدَهَا مِنْهُ عَلَمًا۔ (جامع ترمذی باب المناقب من فضل عائشہ جلد دوم ص ۲۲۸)

جب کبھی ہم اصحاب رسول ﷺ کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو ہم حضرت عائشہؓ سے دریافت کرتے اور ان کے پاس اس مسئلے کا علم پالیتے۔

قاضی محمد سلیمان منصور پوری زیر عنوان ”خدیجہؓ و عائشہؓ کے فضائل“ لکھتے ہیں کہ:

علامہ ابن قیم نے ایک بحث لکھی ہے کہ خدیجہؓ الکبریٰؓ اور عائشہ صدیقہؓ میں سے افضل کون ہے؟ وہ لکھتے ہیں کہ اس بارے میں تین مذہب ہیں:

۱۔ خدیجہؓ افضل ہیں۔ ۲۔ عائشہؓ افضل ہیں۔ ۳۔ سکوت کرنا چاہیے۔

ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ ہر دو میں جداگانہ خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ طاہرہ خدیجہؓ الکبریٰؓ کا اثر ابتدائے اسلام پر ہے: ۱۔ یہ نبیؐ کے لیے باعث تسکین و تسلی و ثبات

تھیں ۲۔ انہوں نے اپنا مال محبت رسولؐ میں نثار کیا۔ ان کو آغاز اسلام کا زمانہ ملا اور اس وقت میں انہوں نے اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول محترم کے لیے ہر رنج و تکلیف کو بخوشی برداشت کیا۔

۳۔ انہوں نے جو کھم (مشکل) وقت میں نصرت رسول خدا کی۔ پس اس بارے میں جو درجہ ان کا ہے وہ کسی دوسری بیوی کا نہیں۔

طیبہ صدیقہؓ کا اثر ترقی اسلام کے ایام پر ہے: ۱۔ جو تفقہ انہوں نے دین میں حاصل کیا ۲۔ اور جو تبلیغ انہوں نے امت کو فرمائی ۳۔ اور علم نبوت کی اشاعت میں جو مساعی انہوں نے کیے اور جو علمی فوائد انہوں نے فرزند ان امت کو پہنچائے، وہ ایسا درجہ ہے جو کسی دوسری بیوی کو حاصل نہیں۔

کتب احادیث میں مرویات صدیقہؓ کی تعداد دو ہزار دو سو دس ہے۔ فتاویٰ شرعیہ اور حل مشکلات علمیہ اور بیان روایات عربیہ اور سیر و واقعات تاریخیہ کا شمار ان کے علاوہ ہے۔
(رحمۃ اللہ علیہ جلد دوم ص ۱۵۵۔ مطبوعہ شیخ غلام علی ایڈمنسٹر)

سید سلیمان ندوی اپنی کتاب سیرت عائشہ صدیقہؓ کے خاتمے میں لکھتے ہیں کہ: بہر حال وحی کی معصوم زبان نے جو فیصلہ کر دیا ہے اس سے زیادہ سچا فیصلہ اور کیا ہو سکتا ہے؟

عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيرٌ وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَآسِيَةُ
امْرَأَةِ فِرْعَوْنَ وَفُضِّلَ عَائِشَةُ عَلَى النِّسَاءِ كَفُضِّلَ الشَّرِيدُ عَلَى سَائِرِ الطُّعَامِ۔
(بخاری و مسلم)

حضرت ابو موسیٰ اشعرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا مردوں میں سے تو بہت کامل گزرے لیکن عورتوں میں مریم بنت عمران اور آسیہ زوجہ فرعون کے سوا اور کوئی کامل پیدا نہیں ہوئی اور عائشہؓ کو عورتوں پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح ثرید کو تمام کھانوں پر۔ (بیرت ما ترمذیہ ص ۳۸)

نیز بخاری ہی میں انس بن مالک کی روایت میں بھی یہ الفاظ آئے ہیں:

فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى الطَّعَامِ۔

کتنی واضح اور دل نشین تشریح ہے۔ اس کے بعد فضیلت مطلقہ اور وجہ ترجیح میں کوئی اشتباہ باقی نہیں رہ جاتا۔

”لَسْتُ نَرَى كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ“ کی طرح ”فضل عائشة على النساء“ میں بھی ”النساء“ میں الف لام جنس کا ہے جس میں جنس انوہیت کا ہر فرد شامل ہے پھر خود آنحضرت ﷺ مریم اور آسیہ کا بنام ذکر کر کے سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی فضیلت کا ذکر فرما رہے ہیں۔

اس حدیث میں آنحضرتؐ نے اول تو اس کی نفی فرمائی کہ عورتوں میں مریم بنت عمران اور آسیہ زوجہ فرعون کے علاوہ کوئی عورت کامل نہیں گزری۔ اس فرمان سے دیگر تمام عورتیں خارج ہو گئیں لیکن آپؐ نے تمام عورتوں سے حضرت عائشہؓ کو مستثنیٰ کر کے انہیں تمام عورتوں پر فضیلت دے کر یہ واضح کر دیا کہ اصل مقام فضیلت تو حضرت عائشہؓ کو حاصل ہے۔ یہ مقام کسی اور کو حاصل نہیں ہو سکتا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ:

أَبْرَزُ الْكَلَامِ فِي صُورَةِ حُمَلَةٍ مُّسْتَقِيلَةٍ (وَفَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ)

لِلدَّلَالَةِ عَلَى تَبَوُّتِ فَضْلِ خَاصٍّ مِنْ بَيْنِهِمَا۔

حضرت عائشہؓ کا ذکر ایک مستقل اور علیحدہ جملے میں اس لیے بیان فرمایا
تا کہ حضرت آسیہ اور حضرت مریمؑ پر بھی ان کی فضیلت ظاہر ہو جائے۔
علامہ محمد طاہر ثقفی لکھتے ہیں کہ:

حضرت عائشہؓ کا تذکرہ آسیہ و مریم کے ساتھ نہیں بلکہ ایک خاص جملہ میں
علیحدہ بیان فرمایا تا کہ حضرت عائشہؓ کی خصوصیت ظاہر ہو۔ اور ان کا وہ امتیاز ابھر کر
سامنے آجائے جس کی وجہ سے وہ دنیا کی تمام خواتین میں منفرد اور ممتاز ترین مقام رکھتی
ہیں۔ شریک کے ساتھ انہیں تہیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہ تمام کھانوں پر فضیلت رکھتا
ہے، کیونکہ اس میں غذائیت بھی ہے اور لذت بھی، قوت بھی بخشتا ہے اور زود ہضم بھی
ہے۔ اسی طرح عائشہ صدیقہؓ اخلاق کے بلند ترین درجہ پر بھی فائز ہیں اور انتہائی عاقل
و دانشمند بھی ہیں، نصاحت و بلاغت میں بھی بے مثل ہیں اور حکمت و دانائی میں بھی۔

علامہ آمدی اور علامہ ابوشکور سالمی لکھتے ہیں کہ:

مذہب اہل سنت یہ ہے کہ سیدہ عائشہ افضل النساء العالمین ہیں۔

ملا علی قاری مرقات میں تفصیلی بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

وَالْأَظْهَرُ أَنَّهَا أَفْضَلُ مِنْ جَمِيعِ النِّسَاءِ كَمَا هُوَ ظَاهِرُ الْإِطْلَاقِ مِنْ
حَيْثُ الْجَامِعِيَّةُ لِكَمَالَاتِ الْعِلْمِيَّةِ وَالْعَمَلِيَّةِ۔

رانج اور صحیح بات یہی ہے کہ اپنے علمی اور عملی کمالات کی جامعیت کی وجہ
سے سیدہ عائشہ صدیقہؓ کو دنیا کی تمام خواتین پر فضیلت حاصل ہے۔ شریک سے تہیہ

اہل بیت رسولؐ کون؟

۵۲۳

افضلیت سیدہ عائشہ صدیقہؓ

دینے کی وجہ بھی یہی ہے کہ عربوں کے نزدیک چونکہ شریک تمام قسم کے کھانوں سے افضل اور تمام غذاؤں میں بے مثل ہے، اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہؓ دنیا کی تمام خواتین میں بے نظیر ہیں۔
(بحوالہ تحقیقی اہل بیت رسولؐ ص ۵۲ ۵۳ مؤلف علامہ محمد طاہر علی)

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی فضیلت میں امام جلال الدین سیوطی کی کتاب ”عین الاصابہ فی استلزال عائشہ علی الصحابہ“ بحوالہ سیرت عائشہ صدیقہؓ ص ۳۲۲ سے چند مزید روایات پیش خدمت ہیں:

عَنْ عُرْوَةَ قَالَ مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَعْلَمَ بِالْحَالِلِ وَالْحَرَامِ وَالْعِلْمِ وَالشَّعْرِ وَالطَّبِّ مِنْ عَائِشَةَ۔

حضرت عروہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ میں نے حلال و حرام و علم و شاعری اور طب میں حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔

عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ وَاللَّهِ لَقَدْ رَأَيْتُ الصَّحَابَةَ يَسْأَلُونَ عَائِشَةَ عَنِ الْفَرَائِضِ۔

حضرت مسروقؓ سے روایت ہے کہ اللہ کی قسم میں نے صحابہؓ کو حضرت عائشہؓ سے فرائض کے متعلق مسائل پوچھتے دیکھا۔

عَنْ عَطَاءٍ قَالَ كَمَانَتْ عَائِشَةُ أَفْقَهُ النَّاسِ وَأَعْلَمَ النَّاسِ وَأَحْسَنَ النَّاسِ رَأْيًا فِي الْعَامَةِ۔

حضرت عطاءؓ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ لوگوں میں سب سے زیادہ فقیہہ، سب سے زیادہ علم رکھنے والی اور عوام میں سب سے زیادہ اچھی رائے والی تھیں۔

عَنْ مُوسَى بْنِ طَلْحَةَ قَالَ مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَفْصَحَ مِنْ عَائِشَةَ۔

اہل بیت رسول کون؟

۵۲۴ مناقب اہل بیت الفضلیت ازواج مطہراتؑ

حضرت موسیٰ بن طلحہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے زیادہ فصیح کسی کو نہیں دیکھا۔

مذکورہ بالا واضح تصریحات کے باوجود اب اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مریم بنت عمران، آسیہ زوجہ فرعون اور سیدہ فاطمہؓ کو حضرت عائشہؓ یا دیگر امہات المؤمنین پر فضیلت حاصل ہے تو وہ دوسرے الفاظ میں قرآن وحدیث کی واضح نصوص کا انکار کر رہا ہے۔

مناقب اہل بیت یعنی ازواج مطہرات زیر بحث تھے کہ درمیان میں ضمناً الفضلیت ازواج مطہرات اور سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی بحث آگئی۔ اب ان کے بقیہ مناقب ملاحظہ فرمائیں:

۶۔ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (۱) (آپ ۳۳)

اے ازواج نبی! اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ رہو اور جاہلیت اولیٰ کی طرح مت پھرو۔ نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔ دراصل اللہ چاہتا ہی یہ ہے کہ اے گھر والیو تم سے تمام آلودگیوں کو (اضطرابات، التباسات یا وہ موانع جو تمہاری صحیح نشوونما کے راستہ میں حائل ہوں انہیں) دور کر دے اور تمہیں بالکل پاک صاف کر دے۔

یہ پوری ایک آیت ہے۔ اس کا آخری حصہ پہلے حصے کا ٹکڑا ہے جس کے

اہل بیت رسول کون؟

۵۲۵

مناقب اہل بیت الافنیست ازواج مطہراتؑ

باعث دو حصوں کو جدا نہیں کیا جاسکتا۔ اسی واسطے شیعہ جو حضرت علیؑ اور ان کی فاطمی اولاد کو اہلیت مانتے ہیں اس بات کے مدعی ہیں یہ قرآن محرف ہے اور یہاں سے ابو بکرؓ، عمرؓ اور زید بن ثابتؓ نے تقریباً اڑھائی پارے گرا دیے ہیں اور بقیہ صحابہؓ نے اس پر سکوت اختیار کیا، کوپا چند افراد کے علاوہ یہ سب مجرمین ہیں۔ ان کے نزدیک اہل بیت رسولؐ سے مراد صرف ”بیخ تن“ ہیں۔

مذکورہ آیت کی معنوی تخریف پر بعض حضرات سے صرف یہ پوچھنا ہے کہ اگر حضرت علیؑ اور ان کے بیوی بچے رسول اکرم ﷺ کے اہل بیت تھے تو پھر حضرت علیؑ کے اہل بیت کون تھے؟ کیونکہ کوئی شخص ایک وقت میں کسی ایک ہی کا اہل بیت ہو سکتا ہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ حضرت علیؑ سیدہ فاطمہؑ کی زندگی میں ابو جہل کی لڑکی کے ساتھ خواہش اور کوشش کے باوجود شادی نہیں کر سکے تھے اور انہوں نے تمام نکاح سیدہ فاطمہؑ کی وفات کے بعد کیے۔ آیت زیر بحث میں صرف ازواج مطہراتؑ مراد ہیں۔ اور اگر ”اہل بیت“ میں سیدہ فاطمہؑ، ان کی اولاد اور حضرت علیؑ داخل ہیں تو سیدہ زینبؑ، ان کی اولاد، ان کے شوہر حضرت ابوالعاصؑ، سیدہ رقیہؑ و سیدہ ام کلثومؑ، ان کی اولاد اور ان کے شوہر حضرت عثمانؑ کیوں داخل نہیں ہیں۔

پھر اہل بیت کی اصطلاح کو مزید وسعت دیتے ہوئے اس میں وہ تمام افراد داخل ہوں گے جن کی گھر میں آمد و رفت تھی۔ خود آنحضرتؐ کا ارشاد ہے ”مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْ أَفْسِسِهِمْ“ قوم کا غلام بھی قوم میں داخل ہوتا ہے۔ اس قانون کی رو سے حضرت بلالؓ، ثوبانؓ، سفینہؓ، ابورافعؓ اور وہ تمام حضرات جو حضورؐ کی غلامی میں داخل تھے وہ سب اہل بیت تھے۔ چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

اہل بیت رسول کون؟ ۵۲۶ مناقب اہل بیت (افضلیت ازواج مطہرات)

کو کثرت سے آپؐ کے گھر آتے جاتے دیکھا تو یہ خیال کیا کہ یہ بھی اہل بیت میں داخل ہیں۔

مزید برآں وہ حضرات بھی اس کے مصداق ہیں جن پر آنحضرتؐ نے خود ”اہل بیت“ کا اطلاق فرمایا ہے، جیسے سلمان فارسیؓ، واشلہ بن اسقعؓ، زید بن حارثہؓ، اسامہ بن زیدؓ، آل عباسؓ، آل جعفرؓ، آل عقیلؓ وغیرہم۔ لیکن از روئے قرآن ”اہل بیت“ کا اطلاق صرف ازواج مطہرات پر ہوتا ہے۔ کیونکہ نہ صرف محولہ بالا آیت بلکہ پورے رکوع کی مخاطب وہی ہیں اور آیت میں ان ہی کو ”اہل البیت“ کہا گیا ہے۔ (تفصیل پیچھے گزر چکی ہے)

شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں کہ:

یعنی اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ نبیؐ کے گھر والوں کو ان احکام پر عمل کرا کر خوب پاک و صاف کر دے اور ان کے رتبہ کے موافق ایسی قلبی صفائی اور اخلاقی ستھرائی عطا فرمائے جو دوسروں سے ممتاز و فائق ہو۔ (جس کی طرف يُطَهَّرُكُمْ کے بعد تَطْهِیرًا بڑھا کر ارشاد فرمایا) یہ تطہیر واذہاب رجس اس قسم کی نہیں جو آیت وضو میں وَلَسٰیکنْ یُرِیدُ لِیُطَهَّرَکُمْ وَلَیْسَ لَیْسَ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکُمْ (مائدہ رکوع ۲) یا بدر کے قصہ میں لِیُطَهَّرَکُمْ بِہٖ وَیُذْہِبَ عَنْکُمْ رِجْزَ الشَّیْطَانِ (انفال رکوع ۲) سے مراد ہے۔ بلکہ یہاں تطہیر سے مراد تہذیب نفس، تصفیہ قلب اور تزکیہ باطن کا اعلیٰ مرتبہ ہے۔ جس کے حصول کے بعد وہ انبیاء کی طرح معصوم تو نہیں بن جاتے ہاں محفوظ کہلاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی ص ۵۲۱)

☆☆☆

رجس کا مفہوم

اہل تشیع نے جہاں آیت تطہیر کے مصداق میں دجل و تلحیس اور دھونس و دھاندلی سے کام لیا ہے وہاں اس کے مفہوم میں بھی ٹھوکر کھائی ہے۔ انہوں نے اس آیت سے اپنے ائمہ کی عصمت ثابت کرنے کی سعی لا حاصل کی جس کا جواب زیر عنوان ”حدیث کساء“ دیا جا چکا ہے۔ یہاں لفظ ”الرجس“ کی تشریح پیش کی جاتی ہے:

لغت میں الرجس سے مراد گندگی، پلیدی، قبیح کام، برے فعل پر عذاب، شیطان کا دوسرا اور خفیف حرکت ہے۔ (المنہج ص ۳۵۴ ح ۲۳۵)

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

جاننا چاہیے کہ رجس چار قسم پر ہے۔ ۱۔ صرف طبیعت کے لحاظ سے۔ ۲۔ صرف عقل کی جہت سے۔ ۳۔ صرف شریعت کی رو سے۔ ۴۔ ہر سہ کی رو سے؛ جیسے میہ (مردار) سے انسان کو طبعی نفرت بھی ہے اور عقل و شریعت کی رو سے بھی ناپاک ہے۔ رجس شرعی جیسے جوا اور شراب کہ شریعت نے انہیں رجس قرار دیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ چیزیں عقل کی رو سے بھی رجس ہیں۔ (مفردات القرآن ج ۲ ص ۱۸۵)

قرآن مجید میں ”الرجس“ مختلف معانی کے لیے استعمال ہوا ہے:

۱۔ لَیْسَ لَہُمَا الْمَدِیْنَتَیْنِ اَمْنٌ وَاِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ

رَجَسٌ وَاِنَّ عَمَلَ الشَّیْطٰنِ فَاَجْتَنِبُوْهُ..... (پ ۱۷۷ نمبر ۹۹)

شراب، جوا، بت اور پانے رجس ہیں۔

۲۔ کَذٰلِکَ یَجْعَلُ اللّٰہُ الرَّجَسَ عَلٰی الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ۔ (پ ۱۸۱ النعام ۱۴۵)

پھٹکا را اور عذاب کو رجز کہا گیا۔

۳۔ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مِثْقَلُ ذَرَّةٍ مِّنَ الْمُنَافِقِينَ أَوَّلَ حِمْلِهَا وَلَهُمْ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ.....

(پ ۱۸ الانعام ۱۲۵)

مردار، بہتہا ہوا خون اور خنزیر کا گوشت رجز (نا پاک) ہے۔

۴۔ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ رِجْسٌ وَ غَضَبٌ۔ (پ ۸ الاعراف ۷۷)

یہاں رجز کے معنی عقوبت اور عذاب کے ہیں۔

۵۔ سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لِنُعْرِضُوا عَنْهُمْ مَا عَرِضُوا عَنْهُمْ

عَنْهُمْ إِنَّهُمْ رِجْسٌ وَمَا لَهُمْ جَهَنَّمَ۔ (پ ۱۱ البقرہ ۹۵)

منافقین رجز (پلید) ہیں۔

۶۔ وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَى رِجْسِهِمْ

(پ ۱۱ البقرہ ۱۲۵)

وَمَا تَوَدَّاهُمْ كَافِرُونَ

کفر و نفاق رجز ہے۔

۷۔ وَيَجْعَلُ الرَّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ (پ ۱۱ البقرہ ۱۰۰)

کفر و شرک اور عقل سے کام نہ لینا رجز ہے۔

۸۔ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْتَانِ۔ (پ ۱۴ النور ۳۰)

بت پرستی رجز ہے۔

الغرض قرآن مجید میں ”رجس“ عقل کی کمی، بے عملی، بے علمی، عمل شیطان

کفر و نفاق، بت پرستی، جھوٹ، شراب، جوار، مردار، خنزیر کا گوشت، بہتہا ہوا خون،

غیر اللہ کا چڑھاوا، بتوں سے فال گیری، حق سے فرار، لعنت و پھٹکار اور عذاب کے

معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

۹۔ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ۔ (پ ۲۲۔ ج ۱ ب ۳۳)

اس زیر بحث آیت تطہیر میں اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات سے ہر قسم کے رجس کو دور کر دیا ہے۔ لیکن آیت کے سیاق و سباق پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ناپاکی، نجاست، گندگی اور پلیدی کے معنی کرنا درست نہیں ہے۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ دراصل اللہ چاہتا ہی یہ ہے کہ اے گھر والیو (ازواج مطہرات) تم سے تمام آلودگیوں کو (اضطرابات، التباسات یا وہ موانع جو تمہاری صحیح نشوونما کے راستہ میں حائل ہوں انہیں) دور کر دے اور تمہیں بالکل پاک صاف کر دے۔

کیونکہ ازواج مطہرات نے آیت تنخیر کی رو سے مال دنیا اور اس کی زینت کو ٹھکرا کر اللہ، رسول اور دار آخرت کو اختیار کر لیا تھا اس لیے اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے انہیں اذہاب رجس اور تطہیر کے انعام سے نوازا۔

تاریخ شاہد ہے کہ ازواج مطہرات نے اپنے آپ کو حقیقتاً آیت تطہیر کا مصداق ثابت کیا۔ غنیمت اور فے کا مال آتا ہے مگر سارا امت کے فقراء میں تقسیم ہو جاتا ہے اور کاشانہ نبوی کے چولہے ٹھنڈے کے ٹھنڈے پڑے رہتے ہیں۔

(ملاحظہ ہو صحیح مسلم کتاب الزہد)

یہ بھی اہل بیت رسول ﷺ (ازواج مطہرات) کی فضیلت ہے۔

”رجس“ کی توضیح کے بعد مناقب اہل بیت کی بقیہ بحث ملاحظہ فرمائیں:

۷۔ وَادْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ..... (ج ۱ ب ۳۳)

اے ازواجِ نبی ﷺ! تمہارے گھروں میں اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور حکمت الہیہ کی جوتلاوت کی جاتی ہے تم اس کا ذکر (پرچار) کرتی رہو۔

یعنی قرآن و سنت میں جو اللہ کے احکام اور دانائی کی باتیں ہیں انہیں سیکھو، یاد کرو، دوسروں کو سکھاؤ اور اللہ کے احسان عظیم کا شکر ادا کرو کہ تم کو ایسے گھر میں رکھا جو حکمت کا خزانہ اور ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ (تفسیر عثمانی ج ۱ ص ۱۱۶)

قاضی سلمان منصور پوری لکھتے ہیں کہ:

اس آیت میں ”بیوت“ کو ضمیر جمع مؤنث ”ہُنَّ“ سے مضاف کیا گیا ہے اور اسی سورۃ کے رکوع ۷ میں ”لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ“ فرما کر ان بیوت کو نبی کی طرف مضاف فرمایا گیا ہے۔ اور یہ امر اتحاد زوجینِ طہیین پر دلیل صریح ہے کہ ایک دفعہ ان گھروں کو نبی کے گھر بتایا اور ایک دفعہ ان ہی گھروں کو ازواج کے گھر فرمایا۔ اب آیت بالا پر غور کرو کہ ازواجِ نبی کے بیوت (گھروں) کی اللہ پاک نے کس قدر صفت و ثناء فرمائی ہے۔ ان گھروں کو مہبطِ وحی الہی بتایا۔ ان گھروں کو حکمت ربانی کا گہوارہ ٹھہرایا۔ سب جانتے ہیں کہ مکان کی عزت مکین سے ہوتی ہے۔ اب ازواجِ نبی ﷺ کی عزت ربانیہ اور حرمت الہیہ کا قیاس خود ہی کر لیجیے۔ بے شک یہ ایک بڑی فضیلت ہے۔ (ترجمہ للعالمین جلد ۱ ص ۱۳۸)

۸۔ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحَلَّلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ..... (حزاب ۵۰)

اے نبی! ہم نے آپ کے لیے آپ کی ازواجِ حلال کر دی ہیں۔

مرد اور عورت نکاح کے بعد میاں بیوی بن جاتے ہیں لیکن وہ یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ اس نکاح کا اللہ تعالیٰ کے یہاں کیا وجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ازواجِ نبیؑ

کے متعلق اِنَّا اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ کے ذریعے اپنی منظوری کا اعلان فرمایا اور ظاہر ہے کہ یہ منظوری فی الواقع ان کے لیے فضیلت عظیمہ ہے۔

۹۔ تَبْتَغِي مَرْضَاتِ اَزْوَاجِكَ (ترمذی ۲۸ آیت ۱)

(اے نبیؐ) آپ اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ نبیؐ کے افعال غلطی کے شائبہ سے بالاتر ہیں۔ پس جب حضورؐ ان پاک بیویوں کی خوشنودی کے جوہر رہتے تھے تو یہ امر ان کی فضیلت پر ثبت ہوا۔ کسی شخص کو یہ شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ اس سے پہلے یہ الفاظ ہیں يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ، مگر تَبْتَغِي مَرْضَاتِ اَزْوَاجِكَ پر اس کا ذرا بھی اثر نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا لَئِمَّا يُتَمَّ السَّبِيُّ لِمَ تَبْتَغِي مَرْضَاتِ اَزْوَاجِكَ۔ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں فرمایا گیا۔ پس آیت کی تفسیر یہ ہوئی کہ آپؐ ازواج مطہرات کی خوشی کے لیے ہر ایک بات کرنے پر آمادہ رہتے ہیں۔ ہاں اس کے لیے ایک حد ہونی چاہیے۔ حد یہ ہوگی کہ آپؐ ان کی خوشی کے لیے سب کچھ کر سکتے ہیں بشرطیکہ کسی حلال چیز کو حرام ٹھہرانے کی نوبت نہ آئے۔

(رحمۃ اللطیفین جلد ۲ ص ۱۳۵)

۱۰۔ وَمِنْ اٰيَاتِهِ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّيَتَسَكُنُوا اِلَيْهَا

وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً (ترمذی ۲۸ آیت ۲)

اور اس (اللہ) کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہاری جنس سے تمہارا جوڑا بنایا تاکہ اس کے پاس سکون پاؤ۔ اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور پیار پیدا کر دیا۔

قرآن مجید میں اللہ کے نیک بندوں کی ایک دعا نقل کی گئی ہے:

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَفِرْلَانِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ۔ (الفرقان ۷۴)

اور عباد الرحمن یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اپنی بیویوں سے اور اپنی اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عنایت فرما۔

قرآن کریم کی رو سے نکاح کے مقاصد درج ذیل متعین ہوتے ہیں۔

۱۔ شوہر اور بیوی دونوں کو ایک دوسرے سے اطمینان و سکون حاصل ہو۔

۲۔ شوہر اور بیوی دونوں میں باہمی اخلاص اور محبت ہو۔

۳۔ شوہر اور بیوی دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوں۔

آیت میں عام طور پر زوجین کی یہ صفت بیان کی گئی ہے تو ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ دیگر صفات کی طرح اس صفت کے بھی مظہر اتم تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فرمان سے یہ ثابت ہو گیا کہ ازواج مطہرات آپ ﷺ کے لیے تسکین قلب اور آنکھوں کی ٹھنڈک تھیں اور ان کے دلوں میں آپ کی محبت و مودت بھری پڑی تھی۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ اس لحاظ سے بھی سب پر فوقیت رکھتی تھیں۔ آنحضرت کو ان کے پاس زیادہ سکون ملتا تھا۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ:

آپ اپنی آخری بیماری کے دوران ازواج مطہرات کے گھروں میں ان کی باری کے دنوں میں تشریف لے جاتے تو حضرت عائشہؓ کے گھر جانے کی خواہش کی بناء پر پوچھتے:

أَيُّنَ أَنَا عِنْدَ آيِنَ أَقَا عَنَّا يُرِيدُ يَوْمَ عَائِشَةَ فَأَذِنَ لَهَا أَزْوَاجُهَا يَحْكُمُونَ حَيْثُ

شَاءَ فَكَانَ فِي بَيْتِ عَائِشَةَ حَتَّى مَاتَ عِنْدَهَا۔ (صحیح بخاری۔ کتاب النکاح۔ باب مرض النبی)

میں کل کہاں ہوں گا۔ میں کل کہاں ہوں گا۔ آپ کا مطلب یہ تھا کہ عائشہؓ

کی باری کب آئے گی۔ یہ کیفیت دیکھ کر ازواج مطہرات نے اجازت دے دی کہ آپؐ جہاں مناسب سمجھیں قیام فرمائیں۔ چنانچہ آپؐ تا وفات عائشہؓ کے گھر میں مقیم رہے اور انہی کے پاس وفات پائی۔

۱۱۔ الطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ..... (النور پ ۱۸ آیت ۲۶)

اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے ہوتی ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے ہیں۔ اس آیت کی رو سے ازواج مطہرات، طہبات ہیں۔ لیکن طہبات میں ان کا درجہ آنحضرت ﷺ کی نسبت سے متعین ہوگا۔ ظاہر ہے کہ حضورؐ محض طیب و طاہر ہی نہیں بلکہ اطیب و اطہر ہیں۔ لہذا آپؐ کی ازواج بھی سب سے زیادہ طیب و طاہر ہوں گی۔

۱۲۔ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ..... (البقرہ پ ۲ آیت ۱۸۷)

وہ عورتیں تمہارے لیے پوشاک ہیں اور تم ان کے لیے پوشاک ہو۔ اس آیت کی رو سے ازواج مطہرات حضورؐ کا لباس ہیں اور آنحضرتؐ ان کا لباس ہیں۔ اور لباس باعث ستر اور باعث زینت ہوتا ہے۔

وَإِحْسَنَ مِنْكَ أَمَّ تَرْقُطُ عَيْنِي

وَأَجْمَلَ مِنْكَ أَمَّ تَلِدِ النِّسَاءَ

خُلِفْتُ مَبْرُوءَةً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ

كَأَنَّكَ قَدْ خُلِفْتَ كَمَا تَلِدُ

اور آپؑ سے زیادہ حسین میری آنکھ نے کبھی دیکھا نہیں اور آپؑ سے زیادہ خوبصورت کسی عورت نے جناہی نہیں۔ آپؑ ہر نقص سے پاک پیدا کیے گئے ہیں۔ کويا کہ آپؑ اپنی چاہت کے مطابق پیدا کیے گئے۔

تو ایسی شخصیت کا جو لباس ہو وہ کتنا عمدہ، صاف ستھرا اور پاک ہوگا۔ یہ تصور بھی کیا جاسکتا ہے کہ کسی شخص کا لباس آنحضرتؐ کے لباس سے زیادہ پاک ہوگا؟ جبکہ آپؐ کو اپنا لباس پاک رکھنے کا حکم بھی دیا گیا ہو:

وَيَا بَنِيكَ فَطَهِّرْ۔

(الدرر ۲۹۹ ص ۴)

اور اپنے لباس کو خوب اچھی طرح پاک و صاف کرو۔

مزید برآں آنحضرت ﷺ جیسی شخصیت جن کا لباس بن جائے تو ان کا کیا مقام و مرتبہ ہوگا؟

ایک دفعہ آنحضرتؐ سخت گرمی کے موسم میں اپنی جوتیوں کی مرمت کر رہے تھے اور پیشانی سے پسینہ بہہ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر سیدہ عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہؓ نے کہا کہ:

فَلَوْ سَوَّغُوا فِي مَصْرٍ أَوْ صَافٍ خَلِمَ

لَمَّا بَنَلُوا فِي سَوْمٍ يُوسُفَ مِنْ نَقْدٍ

لَوْ أَمْسَى زُلَيْخَا لَوُرَّائِيَنَّ حَبِيبِنَا

لَا تُرْنَ بِالْقَطْعِ الْقُلُوبَ عَلَى الْإِيْدِي

اگر اہل مصر آپؑ کے حسن کا شہرہ سن لیتے تو یوسفؑ کی خریداری کے لیے کبھی اپنی پونجی خرچ نہ کرتے۔

اہل بیت رسول کون؟

۵۳۵

مناقب اہل بیت از روئے حدیث

اور اگر زلیخا کو ملامت کرنے والیاں آپؐ کی منور پیشانی کا جلوہ دیکھ لیتیں تو ہاتھ کاٹنے کی بجائے دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کو ترجیح دیتیں۔ ”وَأَنْتُمْ لِبَاسُ لَهْنٍ“ کے تحت ازواج مطہرات کے لباس کی کیا شان ہوگی؟

مناقب اہل بیت از روئے حدیث

۱۔ قِيلَ لَا بُنِ عَبَّاسٍ بَعْدَ صَلَوةِ الصُّبْحِ مَاتَتْ قُلَاةٌ لِبَعْضِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَحَدَ قِيلَ لَهُ اتَّسَعِدْ هَذِهِ السَّاعَةَ فَقَالَ الْكَيْسُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ رَأَيْتُمْ آيَةً فَاسْتَعْجِلُوا فَإِنَّ آيَةَ أَعْظَمُ مِنْ ذَهَابِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (جامع ترمذی۔ باب فی فضل ازواج النبی)

صبح کی نماز کے بعد حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اطلاع ملی کہ آنحضرت ﷺ کی فلاں زوجہ مطہرہ فوت ہوگئی ہیں۔ ابن عباسؓ نے سجدہ کیا۔ کسی نے ان سے عرض کیا کہ کیا آپ ایسے وقت (بعد نماز صبح) میں سجدہ کرتے ہیں۔ پس انہوں نے کہا کیا حضرتؐ نے یہ نہیں فرمایا جب تم کوئی خوفناک علامت دیکھو تو سجدہ کرو۔ تو آپؐ کی زوجہ مطہرہ کے فوت ہو جانے سے کون سی علامت بڑی ہے۔

شیخ عبدالرحمن مبارک پوری لکھتے ہیں کہ مَاتَتْ قُلَاةٌ سے مراد سیدہ صفیہؓ ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سیدہ حفصہؓ ہیں۔ اور ازواج مطہرات جیسی مبارک ہستیوں کے دنیا سے رخصت ہو جانے سے بڑھ کر اور کون سی بڑی نشانی ہو سکتی ہے۔

(تجلیۃ الاحوذی جلد چہارم ص ۳۲۶)

۲۔ عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّهُ قَالَ وَهُوَ اخْتَدَّ بِبَابِ الْكَعْبَةِ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى

اہل بیت رسول کون؟

۵۳۶

مناقب اہل بیت از روئے حدیث

الْحَلَّةُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا إِنْ مَثَلَ أَهْلِ بَيْتِي فِيكُمْ سَفِينَةُ نُوحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا هَلَكَ -
(مقلوۃ باب مناقب اہل بیت النبی)

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کعبہ کے دروازے کو پکڑ کر یہ بیان کیا کہ میں نے آنحضرتؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آگاہ ہو جاؤ بے شک میرے اہلبیت تمہارے لیے نوح کی کشتی کی مانند ہیں۔ جو شخص کشتی میں سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو کشتی میں سوار ہونے سے پیچھے رہ گیا وہ ہلاک ہوا۔

اس حدیث میں اہل بیت سے الگ راہ اختیار کرنے والوں کی ہلاکت کی پیشین گوئی ہے اور قبل ازیں یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ ازواج مطہرات اصلاً اور حقیقتاً اہلبیت ہیں۔ لہذا ان کی مخالفت یقیناً ہلاکت ہے۔

۳۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حُجَّتِهِ يَوْمَ عَرَفَةَ وَهُوَ عَلَى نَاقَتِهِ الْقُصْوَاءِ يَخْطُبُ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ يَمَانِيَهُمَا النَّاسُ إِنِّي تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا إِنْ أَخَذْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوا كِتَابَ اللَّهِ وَغَيْرَتِي أَهْلُ بَيْتِي -
(جامع ترمذی۔ باب مناقب اہل بیت النبی)

حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو اپنی اونٹنی قصواء پر خطبہ دیتے ہوئے دیکھا، سو میں نے آپؐ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اے لوگو! میں نے تم میں ایسی چیزیں چھوڑی ہیں کہ اگر تم ان کو پکڑو گے تو گمراہ نہیں ہو گے۔ ایک تو کتاب اللہ ہے اور دوسری عنقریب یعنی اہل بیت ہیں۔

مولانا محمد نافع صاحب اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جامع ترمذی کے اس اسناد کو اسماء الرجال کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس

اہل بیت رسول کون؟

۵۳۷

مناقب اہل بیت از روئے حدیث

سند میں ایک مہربان زید بن الحسن ہیں۔ یہ سب کچھ ان کی کرم فرمائی کا نتیجہ ہے.... یہ بزرگ ضعیف عند الحمد شین ہیں، مگر روایات لاتے ہیں اور معروف مکی جو مشہور شیعہ راوی ہے اس کا سب اندوختہ انہوں نے قوم میں پھیلا دیا ہے اور شیعہ کے ہاں یہ بزرگ ان کا مروی عنہ ہے۔ یعنی مقبول الروایت ہے، امامی المذہب ہے اور چھٹے امام، جعفر صادق کے خصوصی اصحاب میں اُس کا شمار ہے۔ (حدیث عقلمیں ص ۸۱)

اس تنقیح کے باوجود جو لوگ مذکورہ روایت کو ”چارتن“ کی فضیلت میں پیش کرتے ہیں تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اہل بیت کی اولین مصداق تو ازواج مطہرات ہیں۔ اس طرح مذکورہ روایت سے بھی ان کی فضیلت ثابت ہوگئی۔

۴۔ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي تَمَارِكُ فِيكُمْ مِمَّا إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي أَحَلُّهُمَا أَعْظَمُ مِنَ الْآخِرِ كِتَابُ اللَّهِ حَبْلٌ مُمْلُودٌ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ وَعِزَّتِي أَهْلُ بَيْتِي وَلَنْ يَنْفَرُوا حَتَّى يَرُدُّ عَلَيَّ الْحَوْضَ فَاَنْظُرُوا كَيْفَ تَخْلُقُونِي فِيهِمَا۔

(جامع ترمذی۔ باب مناقب اہل بیت النبی)

حضرت زید بن ارقم سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، میں تم میں ایسی چیز چھوڑتا ہوں کہ اگر تم اس کے ساتھ تمسک کرو گے تو میرے بعد گمراہ نہ ہو گے۔ ایک چیز دوسری سے بڑی ہے۔ کتاب اللہ تو ایک لمبی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک ہے اور عزت یعنی میرے اہل بیت۔ اور یہ دونوں ملحدہ نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض پر میرے پاس آئیں گے۔ پس دیکھو کہ میرے بعد ان دونوں کے ساتھ کس طرح متمسک ہوتے ہو۔

اس حدیث کی اسناد میں علی بن المنذر روفی اور محمد بن فضیل اور عطیہ بنوں غالی شیعہ ہیں۔ بعض حضرات اس حدیث کو بھی چارتن اور حضرات حسنینؑ کی تاقیامت اولاد ذکر کی فضیلت میں پیش کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں اگر مذکورہ روایت کا انطباق ازواج مطہرات پر کر دیا جائے تو اہلبیت کے عموم سے انہیں کون خارج کر سکتا ہے؟

۵۔ صحیح مسلم میں حضرت زید بن ارقمؓ سے ایک روایت یوں بھی مروی ہے:

أَنَا تَارِكٌ فِيكُمْ الثَّقَلَيْنِ أَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللَّهِ فِيهِ الْهُدَى وَالنُّورُ فَخُذُوا بِكِتَابِ اللَّهِ وَاسْتَمْسِكُوا بِهِ فَحَتَّى عَلَى كِتَابِ اللَّهِ وَرَغَبَ فِيهِ ثُمَّ قَالَ أَهْلُ بَيْتِي أَذْكُرُكُمْ اللَّهُ فِي أَهْلِ بَيْتِي - أَذْكُرُكُمْ اللَّهُ فِي أَهْلِ بَيْتِي أَذْكُرُكُمْ اللَّهُ فِي أَهْلِ بَيْتِي فَقَالَ لَهُ حُصَيْنٌ وَمَنْ أَهْلُ بَيْتِهِ يَا زَيْدُ أَلَيْسَ نِسَاءُ هِ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ قَالَ نِسَاءُ هِ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ وَلَكِنْ أَهْلُ بَيْتِهِ مَنْ حُرِّمَ الصَّدَقَةُ بَعْدَهُ - قَالَ مَنْ هُمْ؟ قَالَ هُمْ أَهْلُ عَلِيٍّ وَأَهْلُ عَفِيلٍ وَأَهْلُ جَعْفَرٍ وَأَهْلُ عَبَّاسٍ - (صحیح مسلم - باب نفال علی)

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا، میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ان دو میں سے پہلی چیز اللہ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور نور ہے۔ پس اللہ کی کتاب کو پکڑو اور اس کے ساتھ تمسک کرو۔ پس آپؐ نے کتاب اللہ کے عمل پر خوب رغبت دلائی پھر فرمایا اور میرے اہل بیت ہیں۔ میں تمہیں اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ کی یاد دلانا ہوں (یہ جملہ تین بار ارشاد فرمایا) حمین نے ان سے کہا اے زید اہل بیت کون ہیں؟ کیا ان کی بیویاں ان کی اہل بیت نہیں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ان کی بیویاں تو اہل بیت ہیں ہی لیکن اہل بیت وہ بھی ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ (اس پر پیچھے زیر عنوان ”لفظ اہل حدیث میں“ بحث ہو چکی ہے) کہا کہ وہ کون

ہیں؟ زید بن ارقمؓ نے فرمایا وہ آل علیؓ، آل عقیلؓ، آل جعفرؓ اور آل عباسؓ ہیں۔

اس حدیث میں حضرت زید بن ارقمؓ نے وضاحت کر دی کہ اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات، آل علیؓ، آل عقیلؓ، آل جعفرؓ اور آل عباسؓ ہیں۔ جو لوگ اس حدیث سے ”ائمہ اہل بیت“ کا مفترض الطاعت ہونا ثابت کرتے ہیں تو وہ مکرر غور کر لیں کہ اس طرح تو مذکورہ بالا تمام حضرات کی اطاعت فرض ہو جائے گی۔ جس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ علاوہ ازیں مذکورہ روایت سے اس بات کی بھی تردید ہوگئی ہے کہ اہل بیت سے ازواج مطہرات مراد نہیں بلکہ چارتن ہیں۔ نیز اس روایت میں اہل بیت کا دائرہ بڑھا کر حضرت علیؓ کی جملہ اولاد، آل جعفرؓ، آل عقیلؓ اور آل عباسؓ کو بھی اس میں داخل کر دیا گیا ہے۔ مزید برآں مذکورہ حدیث سے اہل بیت کا ”ثقل ثانی“ ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ دیگر قرآن و روایات کے مطابق کتاب اللہ کے بعد ثقل ثانی سنت نبوی ہے۔

محولہ بالا روایت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع سے فارغ ہونے کے بعد غدیر خم کے مقام پر امت کو اہل بیت (ازواج مطہرات) کے حقوق کے بارے میں خاص وصیت فرمائی کہ ان کے ساتھ توقیر و تعظیم، موڈت و محبت اور عمدہ سلوک کرنا ہوگا۔ اور اس کے متعلق بار بار اللہ کا خوف یاد دلایا ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ آنحضرت کو ”چارتن“ کے بارے میں کوئی فکر و تشویش لاحق نہیں تھی۔ کیونکہ سیدہ فاطمہؓ اور حضرات حسنینؓ کے سر پرست و کفیل حضرت علیؓ جیسی شخصیت موجود تھی۔ اسد اللہ کی موجودگی میں ان کے حقوق ضائع نہیں ہو سکتے تھے؛ تو لامحالہ یہاں اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات ہوں گی۔ کیونکہ ان میں سے بعض

اہل بیت رسول کون؟ ۵۴۰ مناقب اہل بیت از روئے حدیث

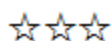
کا کوئی رشتہ دار بھی مدینہ میں موجود نہیں تھا۔ اس لیے آنحضرتؐ کو ان ہی کے بارے میں زیادہ فکر لاحق تھی۔

زیر بحث حدیث میں آنحضرتؐ نے امت مسلمہ کو احکام قرآنی پر کاربند ہونے کی تاکید فرمائی اور بتکرا ر اہل بیت (ازواج مطہرات) کے متعلق اللہ کے ارشاد کو یاد دلایا:

”النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ نَفْسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ“ (ج: ۲)

کہ نبی ﷺ کا حق مومنوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ ہے اور آپؐ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔ یعنی ازواج مطہرات جو تمام اہل ایمان کی مائیں ہیں ان کے حقوق کو پامال نہ ہونے دینا، انہیں اللہ تعالیٰ کے بعد تمہارے سہارے پر چھوڑے جاتا ہوں۔ میرے بعد یہ کسی سے نکاح بھی نہیں کر سکتیں (جب کہ سیدہ فاطمہؓ حضرت علیؓ اور حضرات حسنینؓ کی خواتین پر ایسی کوئی پابندی عائد نہیں ہے) لہذا ان کی دیکھ بھال اور ان کے حقوق کا خاص خیال رکھنا۔

الحمد للہ! قرآن، حدیث، لغت عرب، مفسرین، محدثین اور علمائے حق کے اقوال کی روشنی میں ”اہل بیت رسولؐ“ کے تعارف پر مبنی ایک اجمالی خاکہ مکمل ہو گیا ہے۔ جس سے واضح طور پر یہ ثابت ہو گیا کہ ازواج مطہرات جہاں عزت رسولؐ اور آل رسولؐ کے مفہوم میں اولاً داخل ہیں وہاں وہ اہل بیت رسولؐ کی بھی اصلاً اور حقیقتاً مصداق ہیں۔



اہل بیت رسول کی شان میں اہل تشیع کی گستاخیاں

راقم الحروف نے زیر نظر کتاب میں ”اہل بیت رسول“ کے جملہ متعلقات بیان کر کے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ اصطلاح اہل بیت کے اصلی اور حقیقی مصداق ازواج مطہرات ہیں۔ لیکن اگر یہاں نام نہاد مدعیان اسلام کے نظریات درباہ ازواج مطہرات پیش نہ کیے جائیں تو یہ تعارف نامکمل تصور ہوگا۔ لہذا دل پر جبر کرتے ہوئے نقل کفر، کفر نہ باشد کے تحت چند حوالہ جات پیش خدمت ہیں:

مخالف فریق کے نظریات پیش کرنے سے قبل جناب محمود شاہ محدث ہزاروی کا نظریہ ملاحظہ فرمائیں:

گذشتہ صفحات میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ بعض حضرات کے نزدیک سیدہ فاطمہؑ ازواج مطہرات سے افضل ہیں۔ لیکن آپ محدث ہزاروی کے غلو کا اندازہ کریں کہ انہوں نے قیامت تک پیدا ہونے والی ”سیدہ“ کو بھی ازواج مطہرات سے افضل قرار دے دیا ہے۔ (مگر پھر بھی ان کی سنیت اور محدثیت میں کوئی فرق نہیں آیا؟)

جناب محمود شاہ محدث ہزاروی لکھتے ہیں کہ:

بلاشبہ سادات حسنی حسینی جو عالم میں موجود ہیں حضور ﷺ کی اولاد و معترت ہیں۔ اور یقیناً سادات حسنی حسینی کو حضور سید العالمین کی اولاد ہونے سے بجز انبیاء کے سارے عالم کے لوگوں پر فضیلت و شرف و امتیاز ہے۔ اور کوئی بھی ان کے شرف کو نہیں پہنچ سکتا۔ تب ہی تو وہ سید کہلاتے ہیں۔ (مقاصد اسمیہ ص ۱۵)

باقی تمام اہل اسلام جن اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب و درجات کو پہنچتے ہیں قرب

اہل بیت رسول کون؟ ۵۴۲ اہل بیت رسول کی شان میں اہل تشیع کی گستاخیں

الہی میں زہد و ریاضت کما کما کر اور کسب تقویٰ سے وہ سب کے سب کہیں نیچے ہیں
درجات و مراتب سادات آل رسولؐ سے یقیناً۔ (الیف اسلول ص ۱۳)

شاہ صاحب ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:

تمام اعلیٰ و ادنیٰ افراد امت حتیٰ کہ اولین مخاطب صحابہ کرام کہ بہترین امت
ہیں کو بھی حضورؐ سے ”الحاقیہ نسبت والی بیبیوں“ سے بھی نکاح کرنا ابدی حرام ہو گیا تو
اولاد رسول محسنی حسینی کی بیٹیاں عرب و عجم میں جو ہیں یہ کتاب و سنت کی متفقہ شہادت
سے حضورؐ کی بیٹیاں ہیں تو با تفاق عقل و نقل بٹی میں باپ کی نسبت و نسب حقیقی ابدی
ہے.... تو جب ”نسبت نبویہ الحاقیہ عارضیہ“ والی بیبیوں کو بھی منکوحہ بنا کر مملو کہ و محقر
و ذلیل بنانا افراد امت سے کس کا ایمان و علم اجازت دیتا ہے..... مگر ہم حضورؐ کی اس
”نسبت ذاتیہ ابدیہ حقیقیہ“ کی عین وہی بے ادبی کرنے کو حضورؐ کی بیٹی سیدہ کو نکاح میں
لانے میں حضورؐ کی بے ادبی کی پروا نہیں کرتے۔ (جامع الخیر ص ۴۲)

موصوف مزید لکھتے ہیں کہ:

ہم اہل سنت و الجماعت کے نزدیک حضور سید العالمینؐ کی ذات پاک سے
اسلامی ایمانی نسبت رکھنے والے تمام اہل نسبت محترم اور قابل قدر ہیں اور سب اجماعاً
نسبت و علاقہ رکھنے والے محبوب اور پیارے ہیں اور یہ تین قسم کے پاک لوگ ہیں:
اول: آپؐ کی اہل بیت اور اولاد و معتزات طاہرہ اور ذریعہ طیبہ کہ نسب
اور قرابت سب سے زائد اور ذاتی رکھتے ہیں حتیٰ کہ آپؐ کی ذات پاک کے اجزاء اور
ابحاض مقدسہ ہیں اور ذات پاک کے حکم میں ہیں اور ثقلین میں سے ہیں اور امان اور
ہدایت اور صراط مستقیم کا موجب ہیں اور کشتی نجات ہیں۔

اہل بیت رسول کون؟ ۵۴۳ اہل بیت رضی اللہ عنہم میں اہل تشیع کی گستاخیں

دوم: نسبت الحاقی والے پاک افراد کرام جو آپؐ کی ذات پاک کے ساتھ
اجتماعاً نسبت وعلاقہ الحاقی رکھنے والے ہیں، وہ آپؐ کی ازواج مطہرات امہات
المؤمنین ہیں۔

سوم: وہ پاک دل مؤمنین کرام ہیں جن کو اصحاب کرام کہا جاتا ہے۔

(مقائس السید ص ۱۵۲)

اس عبارت میں مؤلف نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ اسلامی نسبت
رکھنے والوں کی تین قسمیں بیان کی ہیں: ۱۔ آپؐ کے اہل بیت (سادات)
۲۔ ازواج مطہرات ۳۔ صحابہ کرامؓ۔

اول کا تعلق آپؐ سے ذاتی، حقیقی اور ابدی ہے۔ دوم سے الحاقی اور عارضی
اور سوم درجے والے آپؐ کی ملازمت اور خدمت گاری کی وجہ سے محترم ہیں۔

اس طرح شاہ صاحب نے ازواج مطہراتؓ اور صحابہ کرامؓ پر قیامت تک
پیدا ہونے والے ہر قسم کے ”سید“ اور ”سیدہ“ کا درجہ اور فضیلت بڑھا دی ہے۔ کیونکہ
ان کی نسبت آپؐ سے ذاتی، حقیقی اور ابدی ہے۔ جبکہ ازواج مطہراتؓ کی نسبت الحاقی،
عارضی اور توقیفی ہے۔ ظاہر ہے کہ نسبت ذاتی، حقیقی اور ابدی میں قوت اور فضیلت
نسبت الحاقی اور عارضی سے زیادہ ہے۔

شیعہ مجتہد مرزا یوسف حسین حضرت عائشہؓ کے بارے میں لکھتا ہے کہ:

تَعَمَّلَتْ تَبَعًا لِّوَلَدِ عِشَّةٍ تَفِيْلًا

لَكَ الْيَسَعُ مِنَ الثُّمَنِ وَالْكُلُّ تَعَمُّلًا

اے عائشہ تم اونٹ پر چڑھیں، خچر پر چڑھیں اور اگر زندہ رہیں تو ہاتھی پر

اہل بیت رسول کون؟ ۵۴۴ اہل بیت رحلتی شان میں اہل تشیع کی گستاخیں

چڑھوگی۔ بحیثیت زوجیت کے مکان کے آٹھویں حصے کا نواں حصہ تمہارا مال ہے مگر تم کل کی مالک بن بیٹھیں۔
(دقائق عائشہ ص ۴۱ ف)

شیعہ مجتہد مرزا یوسف حسین مزید لکھتا ہے کہ:

”ایک دن آنحضرتؐ نے بالائے منبر عائشہ کے گھر کی طرف اشارہ کر کے تین مرتبہ فرمایا یہی فتنہ ہے جہاں سے شیطان کا سینک نکلتے گا۔“
(دقائق عائشہ ص ۴۹)
”جنگ جمل میں عائشہ نے مٹی اٹھا کر لشکر علیؑ کے طرف پھینکی شہادتِ السُّجُودِ یہ چہرے سیاہ ہو جائیں تو اس حرکت پر ایک شخص نے بڑھ کر جواب دیا وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ شَيْطَانًا رَّمَىٰ۔ یہ تم نے نہیں پھینکی بلکہ شیطان نے پھینکی ہے۔“
(دقائق عائشہ ص ۹۳)

”عائشہ کا ہودج شیطان کے پیروں پر۔ مالک اشتر نے اونٹ کا ایک پاؤں قطع کر دیا مگر اونٹ کھڑا رہا۔ پھر دوسرا پیر قطع کر دیا مگر اونٹ اپنے حال پر قائم رہا۔ اتنے میں حضرت علیؑ تشریف لے آئے اور فرمایا یہ اونٹ شیطان پر رکھا ہوا ہے، اس کا تیسرا پیر بھی قطع کر دو۔ جب اشتر نے تیسرا پیر قطع کیا تو وہ گرا اور ہودج زمین کی طرف مائل ہوئی۔ تب حضرت علیؑ نے محمد بن ابی بکر سے کہا اپنی بہن کی خبر لو۔“
(دقائق عائشہ ص ۹۶)

ترجمان شیعیت ملا باقر مجلسی لکھتا ہے کہ:

نبرا کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ چار بتوں ابو بکر، عمر، عثمان، معاویہ اور چار عورتوں یعنی عائشہ، حفصہ، ہند اور ام الحکم اور ان کے تمام احباب اور پیروکاروں سے اظہار بے زاری کیا جائے اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں بدترین

اہل بیت رسول کون؟ ۵۴۵ اہل بیت رسول کی شان میں اہل تشیع کی گستاخیں

لوگ ہیں۔ ان سے بے زاری کیے بغیر اللہ و رسولؐ اور ائمہؑ پر ایمان مکمل نہیں ہو سکتا۔
(حق البیہن ص ۶۹)

موصوف اپنی دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

”مسند معتبر منقول است کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام از جائے نماز خود بر نمی خاستند تا چہار ملعون و چہار ملعونہ را لعنت نمی کردند پس باید بعد از ہر نماز بگویند اَللّٰهُمَّ الْعَنُ اَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَمُعَاوِيَةَ وَعَائِشَةَ وَحَفْصَةَ وَهَنْدَ وَاُمَ الْحَكَمِ۔“
(حق البیہن ص ۵۹۹ فصل دوم ہذا کا روایہ کہ عقب ہر نماز باید خواند)

صحیح اور معتبر سند کے ساتھ منقول ہے کہ امام جعفر صادق اپنی جائے نماز سے نہیں ہٹتے تھے جب تک چار ملعون مردوں اور چار ملعون عورتوں پر لعنت نہ کر لیا کرتے۔ پس ہر نماز کے بعد وہ کہتے اے اللہ ابو بکر، عمر، عثمان، معاویہ، عائشہ، حفصہ، ہند اور ام الحکم پر لعنت کر۔

مجلسی نے اسے ہر نماز کے بعد کا وظیفہ بتایا ہے۔ اسی لیے اس نے اسے اس فصل کے تحت ذکر کیا ہے کہ ”ان اذکار اور دعاؤں کے بارے میں جو ہر نماز کے بعد پڑھنی چاہئیں۔“

یہی مجلسی اپنی دوسری کتاب میں لکھتا ہے کہ:

”چوں قائم ما ظاہر شود عائشہ رازندہ کند تا بر اوحد بزند و انتقام فاطمہ را از او بکشد۔“
(حق البیہن ص ۳۷)

جب ہمارے قائم (مہدی) ظاہر ہوں گے تو وہ (معاذ اللہ) عائشہ کو زندہ کر کے ان کو سزا دیں گے اور فاطمہ کا انتقام ان سے لیں گے۔

اہل بیت رسول کون؟ ۵۴۶ اہل بیت رطلی شان میں اہل تشیع کی گستاخیں

اس مصنف نے اپنی کتاب ”تذکرۃ الاممہ“ ص ۵۵ پر سیدہ عائشہؓ کو منافقہ اور ص ۸۳ پر غدارہ تحریر کیا ہے۔

واضح رہے کہ ثمنی نے اپنی کتاب کشف الاسرار میں باقر مجلسی کی فارسی تصانیف کا تعریف کے ساتھ ذکر کر کے ان کے مطالعہ کا مشورہ دیا ہے اور خاص کر ”حق الیقین“ کا جس کی بعض روایات اس نے اپنی کتاب میں نقل بھی کی ہیں۔

(ملاحظہ ہو کشف الاسرار ص ۱۳)

مشہور شیعہ سکا لر عبد الکریم مشتاق لکھتا ہے کہ:

”جب حضرت علیؓ نے ایک ایسی خاتون کے خلاف جنگ فرمائی جو حکم خدا اور رسولؐ کے خلاف گھر سے باہر آگئیں اور میدان جنگ میں کود پڑیں۔ انہوں نے خلافت حقہ کے خلاف جارحانہ طرز پر فوجی بغاوت کر کے مرکز کو کمزور کیا۔ ایک ماں نے اپنی اولاد پر قاتلانہ حملہ کیا۔ رسولؐ کے متنبہ کرنے کے باوجود اس جگہ تشریف لائیں جہاں ان پر کتے بھونکے اور کتوں نے ان کو یاد دلایا کہ وہ برحق نہیں ہیں، لیکن انہوں نے جس طرح اللہ کے حکم کی نافرمانی کرتے ہوئے میدان جنگ میں کود آنا کو را کر لیا اسی طرح حکم رسولؐ کو پس پشت ڈال کر اس شخص سے لڑائی کی جس سے لڑنا رسول اکرمؐ سے لڑنا ہے۔

پس ایسی حکم عدول خاتون کی باغیانہ، مفسدانہ اور شریرانہ حرکات سے چشم پوشی کرنا گناہ عظیم تھا، لہذا خلیفہ برحق نے اطاعت خدا اور رسولؐ میں اس فتنہ کی سرکوبی کی۔

(۲ گمانہ بول پر ص ۷۸)

شیعہ مبلغ غلام حسین نجفی کے قلم سے توہین اہل بیت:

بنو امیہ کی صفائی میں یہ عذر بھی قبول نہیں ہے کہ اگر بنو امیہ لعنتی درخت ہے تو نبی پاکؐ نے بنو امیہ کی ایک خاتون معاویہ کی بہن ام حبیبہ سے شادی کیوں کی ہے؟ اس کمزور بات کا جواب یہ ہے کہ حضرت لوط اور نوح کا ذکر اور ان کی ازواج کا دوزخی ہونا قرآن پاک میں صاف لکھا ہے۔ پس قرآن پاک نے اس مشکل کو یوں حل کر دیا کہ غیر مومنہ عورتیں کسی ضرورت کی خاطر نبیوں کی بیویاں رہ سکتی ہیں۔ ام حبیبہ کے رشتہ والا رعب ہم شیعوں کو نہ دیا جائے کیونکہ قرآن پاک میں قصہ لوط اور نوح میں صاف لکھا ہے کہ ان کی بیویاں دوزخی تھیں۔ پس کسی امویہ عورت سے کسی مجبوری کے باعث نبی کریمؐ کے شادی کر لینے سے اس عورت کے بدکار باپ دادا اور ظالم بھائی بھتیجیوں کی صفائی حاصل نہیں ہو سکتی۔“ (بخاری، ج ۱، ص ۱۲۸)۔

”بی بی حفصہ جیسی عورت کو حضورؐ نے قبول کر لیا تھا درآنحالیکہ وہ بیوہ بھی تھی اور شکل کی بھی پوری سوری تھی۔“ (حقیقت فقہ حنفیہ، ص ۱۲۳)۔

”بی بی عائشہ کوئی امریکن میم یا یورپین لیڈی تو نہیں تھی کہ بہت دور رہتی تھی اور اس کے رشتہ کی خاطر اس کا فوٹو دکھانا پڑا.....“

مکہ کی زلیخا بی بی عائشہ میں کیا رکھا تھا کہ حضور پاکؐ نے اپنی ہم عمر بیویوں کے ہوتے ہوئے یا دوسری جوان عورتوں کے ملنے کے باوجود چھ سالہ ننھی اماں جی سے اپنے پچاس برس کے سن میں شادی رچائی۔“ (حقیقت فقہ حنفیہ، ص ۱۲۳)۔

”یہ (عائشہ) آپ کی مفتی اور مجتہد اماں جی آپ کے امام اور خلیفہ عثمان کی

اہل بیت رسول کون؟

۵۴۸ اہل بیت رسول کی شان میں اہل تشیع کی گستاخیں

قاتل بھی ہے اور آپ کی حدیث کی راوی بھی ہے۔ اگر عثمان مومن تھا تو مومنوں کا قاتل دوزخی ہے۔ پھر آپ کی اماں جی کا کیا بنے گا۔“ (تحفہ خلیفہ در جواب تحفہ معزیہ ص ۴۰)

”صحابہ کرام میں ایسے بے حیا لوگ تھے کہ وہ نبی کریم کی بوڑھی بیویوں کو چھوڑ کر آنجناب کی محبوبہ اور جوان بی بی سے غسل جنابت کا طریقہ سیکھتے تھے اور اگر اس شریعت کی ٹھیکیداری سے کوئی نبی کریم کے جماع کرنے کا طریقہ پوچھ لیتا تو پھر کیا وہ لیٹ جاتی اور نقشہ دکھا کر عملی دنیا میں اپنا نام روشن کرتی۔“ (تحفہ خلیفہ در جواب تحفہ معزیہ ص ۲۷)

”پس معلوم ہوا کہ جو اونٹ پر سوار ہو کر نبی پاکؐ یا ان کی اولاد اور حضرت علیؑ کے مقابلے میں آئے وہ بھی حکم لعنت میں ابوسفیان کے ساتھ شریک ہے۔ نبی کریمؐ نے حضرت عائشہؓ کو اپنے گھر میں بیٹھنے کا حکم دیا تھا لیکن بی بی جی نے محاذ جنگ گرم کیا۔ نیز نبی کریمؐ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ تو میرے بعد علیؑ سے جنگ کرے گی اور تو ہی ظاہم ہوگی۔“ (بجاوت بنامہ ص ۸۸، ۲۳۶)

”حضرت علیؑ سے تین معاویوں نے جنگ کی ہے۔ پہلا معاویہ بنابر مشہور ہے، ابن ابی سفیان ہے۔ دوسرا طلحہ وزیر مل کر ایک معاویہ ہیں۔ تیسرا حضرت عائشہؓ بھی معاویہ سے کم نہیں ہے۔ ہدائی کی ابتدا کرنے والا زیادہ گناہ گار ہوتا ہے۔ خاندان نبوت سے جنگ کرنے کی حضرت عائشہؓ نے ابتداء کی ہے اور ان کی اسی جنگ نے معاویہ کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ پس دنیا میں جتنی اولاد نبی جنگوں میں خصوصاً جنگ کربلا میں شہید ہوئی ہے تمام کے خون کی ذمہ داری حضرت عائشہؓ پر آتی ہے۔ پس مذکورہ تین معاویوں میں سے جناب عائشہؓ زیادہ مجرم ہیں۔“ (بجاوت بنامہ ص ۳۹۹)

اہل بیت رسول کون؟

۵۴۹ اہل بیت رسول کی شان میں اہل تشیع کی گستاخیں

”خاندان نبوت کے خلاف جناب عائشہ کا بغاوت کرنا اس کے دل کی ہانڈی کا حضرت علی کی دشمنی سے کھولنا اور پھر اہل پڑنا اور کناروں سے پہنے لگنا اور پھر جناب امیر کے خلاف خروج کر کے جنگ جمل میں حضرت علی کے خلاف لڑنا سب سے بڑا فتنہ ہے۔ یہی کفر کا سرا ہے۔“

(بغاوت بنو امیہ۔ ص ۴۶۸)

”خاندان رسالت کے بارے میں کینہ کی آگ تو حضرت عائشہ کے دل میں اسی دن سے پیدا ہو گئی تھی جس دن سے اس کی ڈولی ہاشموں کے گھر آئی تھی اور پھر قتل عثمان کے بعد ایسی بھڑکی کہ جس کے شعلے جنگ جمل کی صورت میں ظاہر ہوئے اور ان کی تپش اب تک محسوس ہوتی ہے۔“

(بغاوت بنو امیہ۔ ص ۴۶۸)

”بوقت موت جناب عائشہ بہت گھبرائیں اور بے چین و بے قرار ہوئیں پوچھا گیا: اماں جی کیا بات ہے؟ بی بی جی فرمانے لگیں میرے حلق میں جنگ جمل کا دن اٹک اور پھنس گیا ہے۔ جنگ جمل کا وقت موت بی بی جی کے گلے میں پھنس جانا اس بات کی ٹھوس دلیل ہے کہ یہ جنگ جناب عائشہ کی ایسی غلطی ہے جس کی معافی انہیں خدائے رحیم نے وقت موت تک نہیں دی۔ اور وقت موت کسی غلطی سے توبہ قبول نہیں ہوتی۔“

(بغاوت بنو امیہ۔ ص ۴۶۳)

”معاویہ کی بغاوت سے طلحہ اور زبیر اور جناب عائشہ کی بغاوت سخت ہے۔ پس جن لوگوں نے ہمارے مولا علی کی حکومت کو ناکام کرنے کی کوشش کی تھی ہماری زبان پر چھالے پڑ جائیں کہ ہم ان کو ”رضی اللہ عنہ“ کہیں۔ جن لوگوں نے ہمارے مولا علی کے خلاف بغاوت کی ہے اور ناصبیت کی حوصلہ افزائی کی ہے اور لوگوں کے دلوں میں نفرت کے بیج بوئے ہیں۔ اگر ہمارے جسوں کو قیمہ قیمہ کر دیا جائے تو بھی

اہل بیت رسول کون؟ ۵۵۰ اہل بیت و صلح کی شان میں اہل تشیع کی گستاخیں

ہم ان لوگوں کو عقیدت کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتے۔“ (بناوت خواہیہ ص ۴۴)

مذکورہ بالا اقتباسات کسی عام شیعہ مصنف کے نہیں ہیں بلکہ عصر حاضر میں شیعیت کے ترجمان اعظم کے ہیں۔ دیگر صحابیات اور صحابہ کرامؓ کی توہین پر مشتمل عبارات ایک مستقل کتاب کی متقاضی ہیں۔ یہاں ”نقل کفر، کفر نہ باشد“ کے تحت صرف اہل بیت امہات المؤمنینؓ کی توہین اور ایذا دہی پر مشتمل چند عبارات نقل کی گئی ہیں۔

موصوف کے حالات زندگی ”مذکرہ علماء امامیہ“ (ص ۲۱۰-۲۱۱) مطبوعہ امامیہ دارالتبلیغ اسلام آباد میں ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔

حجۃ الاسلام علامہ سید رضی جعفری نقوی اس کتاب کے متعلق بہ عنوان ”گفتار مقدم“ لکھتا ہے کہ:

”بڑی ضرورت تھی کہ ان علماء حق کے مکمل حالات زندگی قوم کے سامنے آتے رہیں جنہوں نے غیبت امام کے زمانے میں ہر دور میں حق و صداقت کا پرچم بلند رکھا تا کہ ان کے حالات آنے والی نسل کے لیے سرمایہ ہدایت ثابت ہوں۔

شکر ہے کہ ”امامیہ دارالتبلیغ“ کے معزز اور ان تھک کارپردازوں نے اس خدمت کا بیڑہ اٹھایا اور اس سلسلہ میں پاکستان کے ان چیدہ چیدہ علماء کے حالات زندگی قوم کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی جو اپنے اپنے دور میں دین مبین کی خدمت سرانجام دیتے رہے، خوابیدہ انسان کو جھنجھوڑ کر بیدار کرتے رہے اور سوائے ہوئے ضمیر کو پکار پکار کر آواز دیتے رہے اور یہ ان ہی علماء حق کی بصیرت تھی جس نے اس برصغیر کے ظلمت کدے میں حق کا چراغ روشن کیا اور اس صنم کدے میں توحید باری کی آواز بلند کی۔“

(حوالہ مذکور ص ۲۸)

اہل بیت رسول کون؟ ۵۵۱ اہل بیت رسولؐ کی شان میں اہل تشیع کی گستاخیں

یہ ملحوظ رہے کہ غلام حسین نجفی لاہور میں اہل تشیع کی عظیم یونیورسٹی ”جامعہ المنتظر“ کے ترجمان اعظم، امام، خطیب، استاذ، بیسیوں کتب کا مصنف اور ایک عظیم مبلغ تھا۔

اہل بیت یعنی ازواج مطہراتؑ، بنات طاہراتؑ، صحابیاتؑ اور صحابہ کرامؓ کی یہ توہین کوئی بھی مسلمان ایک لمحہ کے لیے بھی برداشت نہیں کر سکتا لیکن اللہ تعالیٰ نے مضبوط اعصاب اور بڑے دل گردے والے لوگ پیدا کیے ہیں جو نہ صرف یہ ساری توہین ٹھنڈے پیڑوں برداشت کر لیتے ہیں بلکہ ان کے ساتھ محبت و الفت کے رشتے بھی استوار رکھتے ہیں۔

زیر نظر کتاب کی نظر ثانی کے موقع پر روزنامہ اسلام کے حوالے سے یہ المناک اور حیرت انگیز خبر پڑھنے کا اتفاق ہوا کہ متحدہ مجلس عمل کے جنرل سیکرٹری اور جمعیت علماء اسلام کے قائد جناب فضل الرحمن صاحب اور جامعہ المنتظر کے پرنسپل غلام حسین نجفی دونوں اکٹھے اہل تشیع کی سب سے بڑی درس گاہ جامعہ النجف جاڑا میں خطاب فرما رہے ہیں۔ اس خبر سے آپ بھی ”استفادہ“ فرمائیں:

”علماء اتحاد کے علمبردار ہیں، فرقہ واریت پھیلانا ایجنسیوں کا کام ہے۔ جمعیت علماء اسلام نے ہمیشہ مسلمانوں کے حقوق کی بات کی، کبھی شیعہ کی تفریق پیدا نہیں کی۔

متحدہ مجلس عمل کے رہنما کا پہاڑ پور میں جامعہ النجف میں خطاب:
ملک میں فرقہ واریت پھیلانا ایجنسیوں کا کام ہے جو غیر ملکی قوتوں کی پشت

اہل بیت رسول کون؟ ۵۵۲ اہل بیت رطلی شان میں اہل تشیع کی گستاخیں

پناہی پر ملک کا امن و سکون برباد کر رہے ہیں۔ علماء کرام نے قوم کو ہمیشہ پیار و محبت کا درس دیا اور ہمارے مذہب اسلام نے ہمیں ایک ہی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم دیا ہے۔

مولانا فضل الرحمن نے کہا کہ شیعہ سنی کا تفرقہ غیر ملکی طاقتوں کا پیدا کردہ ہے جسے ہم مل کر متحدہ مجلس عمل کے پلیٹ فارم سے ناکام بنا دیں گے۔

یہ باتیں مولانا فضل الرحمن نے ذریعہ کی تحصیل پہاڑ پور میں اہل تشیع کی سب سے بڑی درس گاہ جامعہ الجہف جاڑا میں دوران خطاب کہیں اس موقع پر جامعہ المنظر لاہور کے پرنسپل غلام حسین خجنی اور علامہ رمضان توقیر بھی موجود تھے۔ ان رہنماؤں نے بھی اپنی قوم سے خطاب کیا۔

مولانا نے کہا کہ جمعیت نے ہمیشہ مسلمانوں کے حقوق کی بات کی اور کبھی بھی سنی یا شیعہ تفرقہ کی بات نہیں کی۔ انہوں نے کہا کہ عوام کی یہ خواہش تھی کہ تمام دینی قوتیں متحد ہوں، میں نے متحدہ مجلس عمل بنا کر پوری کر دی ہے۔ اسلام دشمن قوتوں کی یہ ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان اکٹھے نہ ہو سکیں۔ اسی وجہ سے وہ قوتیں دہشت گردی کرتی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اب عوام میں اتنا شعور آ گیا ہے اور وہ ایسی قوتوں کے ہاتھوں گروہی نہیں رہے گی۔“

(روزنامہ اسلام، ۲۷ ستمبر ۲۰۰۲ء)

اگرچہ اہل تشیع ساجد نقوی کی زیر قیادت اور ”تحریک اسلامی“ کے پرچم تلے پاکستان میں ”نفاذ شریعت“ کے لیے دینی جماعتوں کے اتحاد ”متحدہ مجلس عمل“ میں شامل ہیں لیکن جناب فضل الرحمن صاحب اور غلام حسین خجنی کے جامعہ الجہف میں مشترکہ خطاب کے بعد اہل تشیع کے دلوں میں ایک نیا جوش اور ولولہ پیدا ہو گیا جس

اہل بیت رسول کون؟ ۵۵۳ اہل بیت رسول کی شان میں اہل تشیع کی گستاخیں

کے خاطر خواہ نتائج ظاہر ہوئے۔

چنانچہ ڈیرہ اسماعیل خان سے تجزیہ نگار عبدالحمید محمدی صاحب رقم طراز

ہیں کہ:

”یہاں ڈیرہ کے چند حلقوں اور مخصوص محلوں میں اہل تشیع حضرات کی کثیر تعداد رہتی ہے اور اہل تشیع بڑے اعتماد سے اپنے اپنے محلوں میں مولانا فضل الرحمن کی انتخابی مہم چلا رہے ہیں۔ امید ہے کہ ان کے پولنگ سیشنوں پر تو مولانا کو بھاری ووٹ پڑے گا۔“

تحصیل پہاڑپور کے اہل تشیع نے بھی ایک بھرے اجلاس میں مولانا فضل الرحمن کی بھرپور معاونت و حمایت کا اعلان کر دیا ہے۔ اس طرح دیگر اقلیتی حلقے بھی مولانا کی حمایت کر رہے ہیں۔ بظاہر مولانا کی پوزیشن بہتر ہے اور ان کا مقابلہ سخت ہو گا۔“
(روزنامہ اسلام، ۲۹ جنوری ۲۰۰۰ء)

کاش کوئی قائد جمعیت علماء اسلام کو یہ باور کرا دے کہ اہل بیت یعنی ازواج مطہرات و امہات المؤمنین، بنات طاہرات، صحابیات اور جملہ صحابہ کرام ہی اولین مسلمان ہیں، کیا موصوف نے ان کے حقوق کے لیے اور ان کے ناموس کے تحفظ کے لیے کبھی کوئی آواز اٹھائی ہے؟ دینی جماعتوں کا اتحاد ”متحدہ مجلس عمل“ بذات خود اس سوال کا بڑا واضح جواب ہے کہ اگر اس طرح کی کوئی آواز اٹھائی گئی ہوتی تو اعدائے صحابہ و اہل بیت گوان ”دینی جماعتوں“ کے اتحاد کا ہرگز حصہ نہ بنایا جاتا۔ دین اسلام، رسول اکرم صحابہ و اہل بیت اور اہل تشیع کی محبت دونوں کسی بھی مومن حقیقی کے دل میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ فطرہی للعلماء اسلام پاکستان.....

اہل بیت رسول کون؟ ۵۵۴ اہل بیت رسولؐ کی شان میں اہل تشیع کی گستاخیں

قائیں کرام! ازواج مطہرات ایسی مقدس شخصیات جو از روئے قرآن مومنوں کی مائیں ہیں جن کا احترام کرنے، جن کے ساتھ محبت کرنے، جن کے ساتھ حسن سلوک کرنے، جن کے حقوق ادا کرنے اور جن کے ناموس کی حفاظت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

ان کی ایذا توہین اور تفسیق و تکفیر یقیناً نبی اکرم ﷺ کی توہین و ایذا ہے۔ اور آنحضرتؐ کی توہین و گستاخی کا مرتکب بلا شک و شبہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

برادران اسلام! ہماری زندگی کا یہ چمکتا ہوا آفتاب ایک دن یقیناً غروب ہو کر موت کی وادیوں میں داخل ہو جائے گا۔ ابھی سے سوچ لیں کہ میدان حشر میں کس منہ سے پیغمبر اسلام کا سامنا کریں گے؟ آنحضرت ﷺ اگر ہم سے ناراض ہو گئے تو پھر کس کے دامن میں ہمیں پناہ ملے گی؟

لہذا کتاب و سنت، پیغمبر اسلام، صحابہ کرامؓ اور اہل بیت رسولؐ کی عزت و آبرو کے تحفظ کے لیے امت مسلمہ کے ہر فرد پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ہر مصلحت، لالچ اور خوف سے بے پروا ہو کر اجتماعی جدوجہد کے لیے اٹھ کھڑا ہو۔ کیونکہ مرؤت کی بھی ایک حد ہے۔ رواداری اور بے غیرتی میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اندھی اور غیر مشروط رواداری ہی وہ خوفناک اور خطرناک طرز عمل ہے جس سے اہل اسلام نے ہمیشہ نا قابل تلافی نقصانات برداشت کیے ہیں۔

باری تعالیٰ ہمیں دشمنان اسلام کے مکائد سمجھنے، ان کے ہر وار سے محفوظ رہنے، حق بات قبول کرنے، صحابہؓ و اہل بیتؑ کا حقیقی دفاع کرنے اور ان کے ساتھ

اہل بیت رسول کون؟ ۵۵۵ اہل بیت رطل کی شان میں اہل تشیع کی گستاخیں

صحیح عقیدت، سچی محبت رکھنے کی توفیق اور آخرت میں ان کی معیت نصیب

فرمائے۔ آمین یا الہ العالمین

ان ارید الا صلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

خطیب مرکزی جامع مسجد

سیدنا معاویہؓ چوک، حویلیاں، ہزارہ

تاریخ تکمیل نظر ثانی و تصحیح: ۱۴- محرم ۱۴۳۱ھ

یکم جنوری ۲۰۱۰ء۔ بروز جمعہ المبارک

☆☆☆

رجز جمل

يَا أَمْنًا يَا خَيْرَ أُمَّ نَعْلَمُ أَمَّا تَرَيْنَ كَيْفَ شَجَاعُ يُكَلِّمُ
اے ہماری ماں اے اچھی ماں جسے ہم جانتے ہیں آپ نہیں دیکھتیں کہ کتنے بہادر رزخی کیے
جاسے ہیں۔

وَتُخْتَلِي هَامَّةً وَالْمِعْصَمُ
اور ان کے سر اور ان کے ہاتھ قلم کر دیے گئے ہیں۔
نَحْنُ بَنُو ضَبَّةَ لَا نَفِرُ حَتَّى تَرَى جَمَاجِمَ تَخِرُ
ہم ضبہ کے بیٹے بھاگتے نہیں ہیں جب تک سروں کو گرتے ہوئے نہ دیکھ لیں۔
يَخِرُ مِنْهَا الْعَلَقُ الْمُحْمَرُّ
اور ان سے سرخ خون کو بہتے ہوئے نہ دیکھ لیں۔

يَا أَمْنًا عَائِشَ لَنْ تَرَايَ كُلُّ بَيْتِكَ يَطْلُ شَجَاعُ
اے ہماری ماں عائشہ گھبراہٹے نہیں، آپ کے سب بیٹے جری بہادر ہیں
يَا أَمْنًا يَا زَوْجَةَ النَّبِيِّ يَا زَوْجَةَ الْمُبَارَكِ الْمَهْدِي
اے ہماری ماں، اے زوجہ نبیؐ اے مبارک اور مرکز ہدایت شوہر کی بیوی
نَحْنُ بَنُو ضَبَّةَ أَصْحَابُ الْحَمَلِ الْمَوْتُ أَخْلَى عَيْنَنَا مِنَ الْعَسَلِ
ہم ضبہ کے بیٹے اس اونٹ کے محافظ ہیں۔ موت ہمارے لیے شہد سے زیادہ میٹھی ہے۔
نَحْنُ بَنُو الْمَوْتِ إِذَا الْمَوْتُ نَزَلَ تَنَغَّى ابْنُ عَفَّانٍ بِأَطْرَافِ الْأَسَلِ
موت آئے تو ہم اس کے بھی بیٹے ہیں۔ ہم ابن عفان کی موت کا اعلان نیزوں سے کرتے ہیں
رُدُّوا عَلَيْنَا شَيْخَنَا ثُمَّ يَحِلُّ
ہمارے بزرگ سردار کو واپس دے دو تو کوئی جھگڑا نہیں ہے

ماخذ و مصادر و مراجع

”اہل بیت رسول کون؟“ کی تالیف کے دوران حسب ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا۔

- | | | |
|------------------------|----|---|
| ۱۔ قرآن مجید | از | ابن محمد الحسین بن مسعود البغوی۔ م ۵۱۶ھ |
| ۲۔ معالم التنزیل | از | علامہ محمود بن عمر زحشری۔ م ۵۳۸ھ |
| ۳۔ تفسیر کشاف | از | امام ابو عبد اللہ قرطبی مائلی۔ م ۴۶۷ھ |
| ۴۔ تفسیر قرطبی | از | ابن البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود انصاری۔ م ۷۰۱ھ |
| ۵۔ تفسیر منشی | از | ابن الخلیل بن عمر بن کثیر انصاری دمشقی۔ م ۷۷۷ھ |
| ۶۔ تفسیر ابن کثیر | از | جلال الدین محلی۔ م ۸۶۴ھ جلال الدین سیوطی۔ م ۹۱۱ھ |
| ۷۔ تفسیر جلالین | از | شیخ الخلیل بن یسوی۔ م ۱۱۲۷ھ |
| ۸۔ تفسیر روح البیان | از | قاضی شمس الدین پانی پتی۔ م ۱۲۲۵ھ |
| ۹۔ تفسیر مظہری | از | ابو علی محمد بن علی بن عبد اللہ شوکانی۔ م ۱۲۵۰ھ |
| ۱۰۔ تفسیر فتح القدیر | از | ابو العلاء شہاب الدین السید محمود آفندی بغدادی۔ م ۱۲۷۷ھ |
| ۱۱۔ تفسیر روح المعانی | از | عبد الحق کھانی دہلوی۔ م ۱۳۳۵ھ |
| ۱۲۔ تفسیر کھانی | از | سید امیر علی بیچ آبادی۔ م ۱۳۳۷ھ |
| ۱۳۔ تفسیر مواہب الرحمن | از | حکیم الامت شاہ اشرف علی تھانوی۔ م ۱۳۶۲ھ |
| ۱۴۔ تفسیر بیان القرآن | از | احمد مصطفی المراغی۔ م ۱۳۶۶ھ |
| ۱۵۔ تفسیر المراغی | از | اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی۔ م ۱۳۶۷ھ |
| ۱۶۔ ترجمہ و تفسیر قرآن | از | شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی۔ م ۱۳۶۹ھ |
| ۱۷۔ تفسیر عثمانی | از | حضرت مفتی محمد شفیع۔ م ۱۳۹۶ھ |
| ۱۸۔ معارف القرآن | از | مولانا عبد الماجد دریا آبادی۔ م ۱۳۹۸ھ |
| ۱۹۔ تفسیر ماجدی | از | سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ م ۱۳۹۹ھ |
| ۲۰۔ تفسیر القرآن | از | شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان۔ م ۱۴۰۰ھ |
| ۲۱۔ جواہر القرآن | از | مولانا امین احسن اصلاحی۔ م ۱۴۱۸ھ |
| ۲۲۔ تدبر القرآن | از | امام راغب اصفہانی |
| ۲۳۔ مفردات القرآن | از | ابن منظور افریقی المصری |
| ۲۴۔ لسان العرب | از | ابو عبد اللہ محمد بن الخلیل بخاری۔ م ۲۵۶ھ |
| ۲۵۔ صحیح بخاری | از | امام مسلم بن حجاج نیشاپوری۔ م ۲۶۱ھ |
| ۲۶۔ صحیح مسلم | از | ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی۔ م ۲۷۹ھ |
| ۲۷۔ جامع ترمذی | از | |

- ۲۸۔ سنن ابی داؤد از
۲۹۔ سنن نسائی از
۳۰۔ مشکوٰۃ المصابیح از
۳۱۔ فتح الباری از
۳۲۔ فتح المبین از
۳۳۔ تحفۃ الاحوذی از
۳۴۔ معارف الحدیث از
۳۵۔ لغات الحدیث از
۳۶۔ طبقات ابن سعد از
۳۷۔ سیرت ابن ہشام از
۳۸۔ سیرت النبیؐ از
۳۹۔ سیرت حمید للعالمین از
۴۰۔ ضیاء النبیؐ از
۴۱۔ حیات النبیؐ از
۴۲۔ نبی رحمت از
۴۳۔ عزت رسولؐ از
۴۴۔ سادات بنی رقیہ از
۴۵۔ صدیقہ کائناتؐ از
۴۶۔ الدین الخالص از
۴۷۔ مذہبی داستانیں از
۴۸۔ رفقاءِ نبیؐ از
۴۹۔ تحفۃ جعفریہ جلد دوم از
۵۰۔ چند مکاتیب از
۵۱۔ ردودائرہ معارف اسلامیہ از
۵۲۔ تذکرہ صحابیات از
۵۳۔ سیر الصحابیات از
۵۴۔ حیات ام المؤمنین از
۵۵۔ انوار طہرات نور حقؐ سے از
- ابو داؤد سلیمان بن الاشعث بجنانی۔ م ۲۷۵ھ
ابو عبد الرحمن بن شعیب بن علی النسائی۔ م ۳۰۳ھ
شیخ ولی الدین محمد بن عبد اللہ خطیب تہریری۔ م ۷۲۶ھ
حافظ ابن حجر العسقلانی۔ م ۸۵۲ھ
شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی۔ م ۱۳۶۹ھ
شیخ عبد الرحمن مبارکپوری
مولانا محمد منظور نعمانی
وحید الزمان خان
علامہ محمد بن سعد
ابو محمد عبد الملک بن ہشام
علامہ شبلی نعمانی
قاضی سلیمان منصور پوری
پیر سید محمد کرم شاہ
میاں محمد سعید
سید ابوالحسن علی ندوی
حکیم فیض عالم صدیقی
حکیم فیض عالم صدیقی
حکیم فیض عالم صدیقی
مولانا اللہ یار خان
مولانا حبیب الرحمن کاندھلوی
مولانا جعفر شاہ بھلواری
شیخ الحدیث محمد علی
مولانا عبد القدوس ہاشمی
پنجاب یونیورسٹی لاہور
طالب ہاشمی
سعید انصاری
میاں محمد سعید
ابو خالد عبد الرشید

اہل بیت رسولؐ کون؟

۵۵۹

تآخذ و مصادر و مراجع

- | | | |
|----------------------------------|----|--|
| ۵۶۔ امت مسلمہ کی مائیں | از | مولانا محمد عاشق الہی بلند شہری |
| ۵۷۔ سیارہ ڈائجسٹ | | امہات المؤمنین نمبر |
| ۵۸۔ جدارہ مدینہ کی شہزادیں | از | سلام اللہ صدیقی |
| ۵۹۔ بنات اربعہ | از | مولانا محمد رفیع |
| ۶۰۔ حدیث ثقلین | از | مولانا محمد رفیع |
| ۶۱۔ مقالات جلد اول و دوم | از | پیر کرم شاہ |
| ۶۲۔ سیرت عائشہ صدیقہ | از | علامہ سید سلیمان ندوی (مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور) |
| ۶۳۔ فقہ القرآن | از | مولانا عمر احمد عثمانی |
| ۶۴۔ المرئضی | از | سید ابوالحسن علی ندوی |
| ۶۵۔ بیاز و نجوم | از | امام اہلسنت مولانا عبدالشکور لکھنوی |
| ۶۶۔ مجموعہ تفسیر آیات قرآنی | از | امام اہلسنت مولانا عبدالشکور لکھنوی |
| ۶۷۔ شیعہ بنی اختلافات اور مستقبل | از | مولانا محمد یوسف لدھیانوی |
| ۶۸۔ عقائد الاسلام | از | مولانا محمد اویس کاندھلوی |
| ۶۹۔ خلفائے راشدین | از | اشیخ خالد البیطار۔ مترجمہ مولانا سعید الرحمن علوی |
| ۷۰۔ اہل بیت | از | فائدہ العروسی مترجمہ مولانا سعید الرحمن علوی |
| ۷۱۔ فضائل صحابہ اہلبیت | از | شاہ عبدالعزیز دہلوی |
| ۷۲۔ حقیقی اہلبیت | از | مولانا مفتی محمد طاہر مکی |
| ۷۳۔ تاریخ مسعودی | | نفیس اکیڈمی کراچی |
| ۷۴۔ الاصابہ | از | ابن حجر عسقلانی |
| ۷۵۔ تاریخ ابن خلدون | از | عبدالرحمن ابن خلدون |
| ۷۶۔ شاہ کا اسلامی انسائیکلوپیڈیا | از | سید قاسم محمود لاہور |
| ۷۷۔ انظار لا کرام الشعائر | از | سید عبدالقاسمی شاہ |
| ۷۸۔ انوار قادریہ | از | سید محمود شاہ محدث ہزاروی |
| ۷۹۔ مقام السنہ | از | سید محمود شاہ محدث ہزاروی |
| ۸۰۔ امیر معاویہؓ | از | مفتی احمد یار خان (کجرات) |

☆☆☆

تفصیل کتب شیعہ

- ۱۔ ترجمہ قرآن از سید فرمان علی دہلوی
- ۲۔ اصول کافی از محمد بن یعقوب کلینی
- ۳۔ عین البیۃ از ملا باقر مجلسی
- ۴۔ جلاء العیون از ملا باقر مجلسی
- ۵۔ حق البیقین از ملا باقر مجلسی
- ۶۔ کشف الاسرار از آیۃ اللہ شہنی
- ۷۔ بغاوت بنو امیہ از غلام حسین حنفی
- ۸۔ مقام اہلبیت از بشیر انصاری۔ فاتح نیکسلا
- ۹۔ دعوت غور و فکر از ناصر حسین فیض آبادی
- ۱۰۔ علیؑ ولی اللہ از عبدالکریم مشتاق
- ۱۱۔ قول مقبول از غلام حسین حنفی
- ۱۲۔ جاگیر فدک از غلام حسین حنفی
- ۱۳۔ تحفہ حنفیہ از غلام حسین حنفی
- ۱۴۔ حقیقت فقہ حنفیہ از غلام حسین حنفی
- ۱۵۔ اہل بیت اور رواج میں فرق از عبدالکریم مشتاق
- ۱۶۔ آگ خانہ بتول پر از عبدالکریم مشتاق
- ۱۷۔ افسانہ عقدا م کلثوم از عبدالکریم مشتاق
- ۱۸۔ عقائد الامار از علامہ اشیر جاڑوی
- ۱۹۔ تاریخ اسلام از بشیر انصاری۔ فاتح نیکسلا
- ۲۰۔ سیاست راشدہ از علی اکبر شاہ

ایک نظر اس پر بھی.....

ایک نادر تھیل

یا اللہ مدد

ایک عظیم شوخ گیری

سقوط جامعہ سیدہ حفصہؓ

صفحات: 908

درختاؤں: 400 روپے

اور دینی قیادت کا کردار

مٹا خاموش آپریشن کی کہانی تصاویری زبان

تخلیف

مستاد دینی کارکن مسرور ظفر

قاضی محمد علی الہیائی خان

(ایک مایہ ناز، بلند پایہ، علمی، تاریخی، تحقیقی اور تھیلکے خیز کتاب.....)

(وکلانے پرویز بیت اور "جعفران الزماں" کا مکمل پوسٹ مارٹم)

جس میں لال مسجد اور جامعہ سیدہ حفصہؓ کے خلاف "خاموش آپریشن" کا کھل منظر، پیش منظر اور اسباب و عمل کے علاوہ تحریک طلباء و طالبات کے اغراض و مقاصد پر مکمل و مکمل بحث کرتے ہوئے مولانا غازی عبدالرشید شہید اور ان کے رفقاء و پیروکاروں کے الزامات و اعتراضات کا جواب کتاب و سنت کی روشنی میں دیا گیا ہے۔

سائنس دان مسجد کی تاریخی واقعات کے ساتھ مزملات اجاگر کی گئی ہے نیز آپریشن سے پہلے، آپریشن کے دوران اور آپریشن کے بعد دینی، سیاسی اور تعمیر سیاسی قیادت کے کردار پر سیرجاساں بحث کی گئی ہے۔

(کتاب ہر لحاظ سے)

علمی، تحقیقی و تاریخی و مستویز ہے اور ہر لحاظ سے یادگار و شاہکار ہے۔

رابطہ: مرکزی جامع مسجد سیدنا معاویہؓ چوک حویلیاں

موبائل: 0321-9814745

سقوط جامعہ سیدہ حفصہؓ

قاضی محمد روایس خان ایوبی کا تو صنفی مکتوب۔

از قاضی محمد روایس خان ایوبی

ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ ایل۔ ایل۔ ایم

ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ، ریٹائرڈ ضلع مفتی آزاد کشمیر، خطیب مسلم مسجد CI/2 میرپور آزاد کشمیر

محقق دوراں جناب ہاشمی صاحب..... تسلیمات!

سقوط جامعہ سیدہ حفصہؓ میرے سامنے ہے۔ دو دنوں میں ساری کتاب پڑھ کر ختم

کردی۔

معاشرے کے ان افراد کے بے نقاب چہرے، نفاق کی چیرہ دستیوں کی داستان، اپنوں کی بے وفائی کی حکایت خونچکاں، پرویزی ظلم و نازیت کی داستان، حوالہ جات سے مزین، قومی اسمبلی میں علماء حق کی نمائندگی کے دعویداروں کے ڈھول کا پول، اہل وفاق کے اتفاق برائے اخراج جامعہ سیدہ حفصہؓ کو طشت ازبام کیا گیا ہے۔

آئین جواں مرداں حق کوئی و بے باکی

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روہا ہی

یہ کتاب ان لوگوں کے منہ پر زور دار طمانچہ ہے جن کی اقتدار پرستی اور ہوس زر اور ہوس مہتممی نے ہماری متاع گراں کو ہم سے چھین لیا۔ تاہم ہمیں یقین ہے کہ:

جب تک نہ جلیں دیپ شہیدوں کے لہو سے

سنا ہے کہ جنت میں چراغاں نہیں ہوتا

سقوط جامعہ سیدہ حفصہؓ

مفسر، محقق اور نامور ادیب مولانا قاری سید حمید الرحمن شاہ صاحب
(جامع مسجد عمر فاروق منگراں ٹاؤن - فضائیہ کالونی راولپنڈی)

زاہد نگار نے مجھے کافر جانا اور کافر سمجھتا ہے کہ مسلمان ہوں میں۔ طویل
القدر عالم، عظیم المرتبت فاضل، عبقری شخصیت کے مالک مایہ ناز محقق و درالوقوع مدقق، جامع جمیع
الجبہات، جمیع الصفات اور جمیع الکمالات پر وفیر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی کثر اللہ امثالہ فیہا محض ایک
ہمہ پہلو و ہمہ گیر فلاوی ہستی ہی نہیں اپنی ذات میں ایک متحرک انجمن و چلتی پھرتی تحریک بھی
ہیں۔ صرف عزم و ہمت کے کوہ گراں و فلک بوس جبال ہی نہیں جرات و بے باکی کے آسمان رفیع
و ایمانی فراست و فرزائیگی اور سماجی بصیرت و شعور کے ہر منیر بھی ہیں۔ حق و صداقت ان کی وجہ پہچان
اور حق کا پرچار و صدق کی حدی خوانی ان کی حیات مستعار کا مقصد و حید ہے۔ اللہ نے حق پرستی و حق
کوشی کو ان کی جبلت اور صدق جوئی و صدق طلبی کو ان کی فطرت ثانیہ کا لازمہ ٹھہرا دیا ہے۔ اور حق یہ
ہے کہ ذات حق تعالیٰ نے حق و صدق کی جستجو و خواستگاری کے لیے ان کا ایسا انشراح صدر فرمایا ہے کہ
سوائے حقانیت حق و صداقت صدق انہیں کچھ سوچتا ہی نہیں ہے۔

ان کی جتنی تصانیف و تالیفات ہیں خواہ وہ تعارف سیدنا معاویہؓ یا تذکرہ سیدنا معاویہؓ
کے نام سے ہوں، خواہ امیر معاویہؓ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ کی صورت میں، خواہ وہ تحقیق نکاح سیدہ
کے عنوان سے معنون کی گئی ہو یا اہل بیت رسولؐ کے موضوع کو محور تحقیق ٹھہرایا گیا ہو، خواہ حدیث
حواہب کا مصداق کون؟ کے استفہام کو طشت از بام کیا گیا ہو یا علمی محاکمہ کے میدان میں اپنے
سمندر فکر کو انگیز اور جولانی طبع کو ابھارا گیا ہو، خواہ تذکرہ ہاشمی کے تحت آباء کی حشمت کاری دکھائی گئی
ہو یا حج مبرور کی شکل میں اہلب نوک قلم کو مرتعش و رواں کیا گیا ہو، خواہ تاریخ و افکار شیعیت کی
حقیقت سے پردہ اٹھایا گیا ہو یا فرقہ مسعودیہ کی چہرہ کی کالک کھرچی گئی ہو۔

اگر یقین نہ آئے تو بالخصوص ان کی حالیہ الیمیلی و محققانہ تالیف لطیف موسوم بہ سقوط جامعہ سیدہ خضصہ مطالعہ کیجیے۔ اور اس میں دینی قیادت کا کردار ملاحظہ کر کے اپنے من و جی کو محفوظ ہونے کا موقع فراہم فرمائیے۔ لاریب یہ اچھوتی کتاب ہر اعتبار و ہر پہلو سے اپنے اندر انفرادیت و جدت طرازی کا ایک جہاں بسائے ہوئے ہے۔

کیا عشق جلوہ گر ہے، کیا عشق موزن ہر بر ورق میں گویا ہے عرش کم سخن
ہمارے دیدہ و رفاضل چونکہ کوہِ دامن کے پروردہ ہیں اور سنگلاخ وادی کے باسی،
ایسے میں وہ اپنی جولانی طبع کے لیے موضوع بھی ہمیشہ کٹھن و مشکل ہی منتخب کرتے
ہیں۔ اور پھر خود کو جان جوکھوں میں ڈال کر لب کشا بھی خود ہی ہوتے ہیں۔.....

سقوطات پر مختلف زبانوں میں مختلف مکانوں میں مختلف انسانوں نے مختلف اسلوب و انداز
میں بہت کچھ لکھا ہے اور سقوط اُشبیلیہ، سقوط غرناطہ، سقوط قرطبہ، سقوط بغداد، سقوط بخارا، سقوط
بنگال، سقوط سرنگا پٹم و میسور، سقوط حیدرآباد، سقوط ڈھاکہ اور سقوط کابل وغیرہ ناموں سے
اپنی فکری کاوشیں و قلمی کوششیں ب رنگ پیرھن کاغذی عوام الناس کے سامنے پیش کی ہیں اور بتایا
ہے کہ ان سقوطات کے ساقطین یا تو کفار و ہنود تھے یا نصاریٰ و یہود۔ جبکہ سقوط جامعہ قصصہ گو
یہو دو ہنود کے ایما و اشارہ پر ہی کیا گیا تاہم اس کے تمام تر ذمہ دار و مہرے نام نہاد اپنے ہی

تھے۔ بقول شخصے ۔

ہم نے سمجھا تھا کہ غیروں نے کیا ہمیں تباہ بندہ پرور کہیں اپنوں کا ہی یہ کام نہ ہو
اور یہ بات کہ ان سورصفت مہروں کے پشتارہ و پشت پناہی کا قابل نفرت و گھناؤنا
کردار دینی قیادت و مذہبی رہنماؤں کی شورہ لٹی و ژولیدہ فکری کے باعث ہی رو بہ عمل
ہو پایا۔ جو جتنا بڑا نام و مرتبہ کا حامل تھا اس نے اتنا ہی حصہ بقدر چشہ کے مطابق اپنا کردار ادا
کیا۔ افسوس تو جبہ و دستار کے حامل ان کج فکروں پر ہے جنہوں نے ابن ابی کی راہ و روش
اختیار کی اور آکلون السحت کے لقب رحمانی سے ملقب ہو کر اندہ درگاہ ہوئے۔

آج تقریباً اڑھائی برس بعد جبکہ ظاہر کسی مدرسہ مسجد کے اسقاط و سقوط کے لیے کوئی
جس دوش برصوت و آواز نہیں ہوئی اور نہ ہی دور دور تک اس کے آکا رو نشان نظر آتے ہیں، مگر بڑے
تزک و احتشام کے ساتھ لال مسجد و جامعہ حصصہ سے کوسوں دور پشاور میں ”تحفظ مدارس و مساجد“
کے نام سے عظیم الشان کانفرنس کے انعقاد کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ملک کے طول و عرض سے خطباء
و مہتممین کا جم غفیر مدعو ہوتا ہے اور ٹھانٹیں مارتے ہوئے انسانی سمندر کے مجمع میں آستینیں
چڑھا چڑھا کر منہوں سے جھاگ بہا بہا کر اور مغلطیات کے طومار چبا چبا کر مدارس و مکاتب کے
کرنا دھرتا اور مساجد و معابد کے ارباب حل و عقد خداوندان مہر و ماہ کو کوسنے دیتے ہوئے فرماتے ہیں
کہ اگر کسی نے کسی مدرسہ و مکتب کو میلی نگاہ سے دیکھا تو اس کی آنکھیں پھوڑ دی جائیں گی اور کسی نے
کسی مسجد کے متعلق زبان کھولی تو اسے گدی سے نکال دیا جائے گا وغیرہ۔

سوال یہ ہے کہ جب جامعہ حصصہ کو میلی نگاہ سے دیکھا گیا اور جب لال مسجد کی طرف
انگلیاں اٹھا کر بدزبانی کی گئی تو اس وقت یہ سورما کہاں تھے؟ کیا جب معصوم و مطہر بنات قوم اور
پھول جیسی مضمی منی بچیوں کا فاسفورس بنایا جا رہا تھا انہیں سانپ سونگھ گیا تھا، جب مہمانان رسول
بارود و نار کی تپش سوزاں میں تپ کر روست ہو رہے تھے تو یہ قبلے و کعبے کہاں کھو گئے
تھے؟..... ان انجسٹ انجسٹ کو خباثت و خیس کاری کی جرأت اگر ہوئی تو فقط ان قسیسیں

ورہبان کی ابلیسا نہ خود غرضیوں، تلمیسا نہ فریب کاریوں اور سوتیانہ سرد مہریوں کی وجہ سے ہی ہوئی..... آدم برسر مطلب ہاں تو بات ہو رہی تھی سقوط جامعہ سیدہ ہضہ نامی کتاب کی..... ذرا اس کے چہرے سے آنچل ہٹائیے اور بے حجابی کے آئینہ میں واقعاتی حجاب کاریوں کی چند جھلکیاں اور اہاماتی کرشمہ سازیاں ملاحظہ فرمائیے اور اسلام آباد کی لال مسجد، مولانا محمد عبداللہ کا تعارف، جامعہ فریدیہ کا تعارف، جامعہ سیدہ ہضہ کا مختصر تعارف پاکستان میں صلیبی جنگ کا نیا مرحلہ، نفسیاتی جنگ کا آغاز، جامعہ ہضہ پر پہلا حملہ، اس کا سقوط، لال مسجد کی ویرانی، سانحہ لال مسجد کی تاریخی سانحات سے مماثلت، شعب ابی طالب سے مماثلت، اصحاب الاخدود کے ساتھ مماثلت، اصحاب الفیل کے ساتھ مماثلت، محاصرہ عثمان غنیؓ کے ساتھ مماثلت، آپریشن سے پہلے دینی قیادت کا کردار، آپریشن کے دوران دینی قیادت کا کردار، آپریشن کے بعد دینی قیادت کا کردار، غازی برداران کے خلاف مولانا زاہد الراشدی کی فرد جرم، قائد جمعیت کی سیاست پر بی بی سی کا تبصرہ وغیرہ..... ہر سطر، ہر جملہ خون جگر دے کر یہ بوٹے میں نے پالے ہیں کہ مصداق ابو لالہ دلفگار اور رت جگر خراش سے لکھا گیا ہے۔

یہ چند سطور بالار تھا لا اس نیت سے ورطہ تحریر میں لائی ہیں کہ بازار مصر میں بکنے والے مثالی انسان کے بوٹی دھندوں میں سوت کی اٹی بیچ کر چرخہ کا تنے والی بڑی بی بی کی طرح یہ بھی انگلی کٹوا کر شہیدوں کی صف میں شامل ہو جائے۔ جی ہاں عقل بڑی عینار ہے سو بھیں بدل لیتی ہے۔

(احقر الزمان حمید الرحمن تغممدہ للہ بالغفران فی یوم المیزان)

نوٹ: افسوس! حضرت موصوف کا مکمل تبصرہ صفحات میں عدم گنجائش کی بناء پر شامل نہیں

کیا جاسکا۔ آئندہ (انشاء اللہ العزیز) اسے سقوط جامعہ سیدہ ہضہ کا قاعدہ حصہ بنا دیا جائے گا۔

سقوط جامعہ حفصہؓ

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ضلع ہری پور کے امیر جناب

مولانا اورنگزیب اعوان صاحب کا تبصرہ

کتاب کیا ہے؟ _____ دل کی بکھری کرچیوں کو جوڑا گیا ہے، موتی ہیں کہ ایک لڑی میں پروئے گئے ہیں، مختلف کتابوں اور مضامین کے اقتباسات کو اس خوبصورتی سے باہم پیوست کیا گیا ہے کہ ہر انتخاب انتخاب لا جواب ہے۔ جس ترتیب کے ساتھ مضامین کو مرتب کیا گیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ آپ کے خوبصورت علمی و ادبی جملے، محل اشعار، بر موقع تبصروں نے کتاب کے حسن میں اضافہ کر دیا ہے۔ سقوط جامعہ سیدہ حفصہؓ کے عنوان سے کسی بھی پہلو کو آپ نے تشنہ نہیں چھوڑا۔ ہر پہلو کا رخ قاری کے سامنے رکھا ہے اور یہی فن آپ کی تحریر کی معراج ہے۔ دینی قیادت کے منفی کردار کو جس طرح آپ نے بے نقاب کیا ہے اس کا جواب نہیں۔ اور کمال تو یہ ہے کہ ہر موقف با حوالہ ہے اور حوالہ جات بھی ایسے ہیں جن سے کسی کا فرار ممکن نہیں۔ آپ کی یہ محنت ہر لحاظ سے لائق صد تحسین و آفرین ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی شان کے موافق آپ کو اجر عظیم نصیب فرمائیں کہ اس عنوان سے جو محنت آپ نے کی ہے اور آپ نے جس خوبصورت انداز سے ترتیب دیا ہے وہ آپ ہی کا خاصہ ہے۔

آپ کا قلم ماشاء اللہ علمی، ادبی، تحقیقی تو ہے ہی مگر یہ کتاب لکھ کر آپ نے ان تمام اوصاف پہ خود ہی مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اس محنت و کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائیں۔ دینی، انقلابی عنوان سے کام کرنے والے کارکن اس کتاب کو بینا رکھنا اور سرمہ بصیرت بنائیں۔ اگر کوئی بھی شخص تعصب کی عینک اتار کر اس کتاب کو پڑھے گا تو انشاء اللہ اس کے بہت سارے شکوک و شبہات جہاں رفع ہوں گے وہیں اپنے لیے کام کی راہیں بھی وہ آسانی کے ساتھ متعین کر سکے گا۔

میرے نزدیک اس کتاب کا ایک ایک لفظ خون جگر سے تحریر کیا گیا ہے۔ گویا کہ آپ نے دل جلا کے سراہ رکھ دیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کون اس سے روشنی حاصل کرتا ہے اور کون!.....

{(مولانا) محمد اورنگزیب اعوان۔ ہری پور۔ ۲۵ جون ۲۰۰۹ء}

نمبر شمار	نام کتاب	صفحات
۱	اصلاح معاشرہ	۹۶
۲	تحقیق نکاح سیدہ	۱۴۴
۳	اہل بیت رسول کون؟ طبع جدید مع اضافات	۵۶۸
۴	فرقہ مسعودیہ یا مہنہاد جماعت المسلمین کا علمی محاسبہ	۲۴۰
۵	حدیث حوآب کا مصداق کون؟	۱۴۴
۶	حدیث کلاب حوآب کا تاریخی، تحقیقی اور علمی محاکمہ	۶۰۸
۷	سرگزشت ہاشمی (سوانح قاضی چن پیرا لہاشمی)	۳۴۴
۸	حج مبرور	۴۴۸
۹	کھلا خط بنام مولانا اللہ وسایا	۵۲
۱۰	زائر لولاک اور آفرین شاہ کس	۳۶۸
۱۱	عمر عائشہ صدیقہؓ پر تحقیقی نظر..... ایک تقابلی مطالعہ	۴۴۸
۱۲	شیعیت..... تاریخ و افکار	۸۴۴
۱۳	سقوط جامعہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا	۹۰۸
۱۴	تعارف سیدنا معاویہؓ	۹۶
۱۵	تذکرہ سیدنا معاویہؓ	۴۸۸
۱۶	سیدنا معاویہؓ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ	۵۷۶
۱۷	عقیدہ امامت اور خلافت راشدہ	۸۴۴
۱۸	ملی بیچتی کونسل..... ایک تنقیدی جائزہ	۴۴۴
۱۹	سیدنا معاویہؓ کے مآخذین - طبع جدید مع اضافات	۴۶۴
۲۰	امام طبری کون؟ مؤرخ، مجتہد یا افسانہ ساز	۸۴۴
۲۱	سیدنا مروانؓ شخصیت اور کردار	۵۷۶
۲۲	توضیحات بسلسلہ امام طبری کون..... المعروف بکھلا خط بنام چیف ایڈیٹر ذوالنہ اسلام	۴۰۰
۲۳	کتاب ”گلزار یوسف“ کا تنقیدی جائزہ (زیر طبع)	
۲۴	رودادہ قد مات (زیر ترتیب)	

(منہج محدثین سے وابستہ، ممتاز فیس بک قلم کار)

محمد فہد حارث۔ بی اے، بی ای (پیپلز آف انجینئرنگ)

تبصرہ بر کتاب "اہل بیت رسول کون؟"

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی کا نام علمی حلقوں میں کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ آج راقم کو فاضل مصنف کی جس کتاب پر تبصرہ کرنے کی سعادت نصیب ہو رہی ہے وہ ان کی تقریباً 25 سال پرانی تصنیف "اہل بیت رسول کون؟" ہے۔ کتاب کیا ہے گویا خانوادہ نبوتؑ سے متعلق ایک موسوعہ ہے۔ قاضی صاحب نے نہایت عرق ریزی سے کتب حدیث و تاریخ کی ورق گردانی کر کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کی ایک ایک شخصیت کا فرداً فرداً ذکر کیا ہے۔ قاضی صاحب کی تمام کتب میں ایک بات قدر مشترک ہوتی ہے اور وہ ہے ہر کتاب کا شاندار عرض مصنف۔ زیر نظر کتاب کا عرض مصنف بھی بہت عمدہ اور دلچسپ ہے جس میں قاضی صاحب آئین پاکستان میں شامل تعزیرات پاکستان شق نمبر 298-A پر تبصرہ کرتے ہوئے خفگی کا اظہار فرماتے ہیں کہ اس شق میں ازواج مطہراتؑ کو اہل بیتؑ سے خارج قرار دیکر سخت غلط روشی کا ثبوت دیا گیا ہے اور ساتھ ہی ان اہلسنت علماء کی جناب میں بھی معترض ہوتے نظر آتے ہیں جنہوں نے ملی یکجہتی کونسل کے قیام کے دوران اسی غلطی کا اعادہ کرتے ہوئے شق نمبر 4 جز "ب" کے تحت ازواج مطہراتؑ کو اہل بیت رسولؑ سے علیحدہ رکھا

جبکہ از روئے قرآن ازواج مطہرات ہی حقیقی اور اول اہل بیت رسول ہیں۔

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الباشمی صاحب اپنی اس کتاب کی ابتدا لفظ آل کی تشریح و توضیح سے کرتے ہیں اور قرآن سے ثابت کرتے ہیں کہ ایک نبی کی اصل آل اس کے پیروکار ہوتے ہیں چاہے وہ اس کے رشتہ دار ہوں یا نہ ہوں جبکہ خانوادہ نبوت کے وہ افراد بد بچہ اولیٰ آل میں داخل ہوتے ہیں جو نبی سے نسبی تعلق بھی رکھتے ہیں اور اس کے پیروکار بھی ہوتے ہیں اور ایک نبی کی مومنہ بیویاں اس لفظ کی سب سے اول مصداق ہوتی ہیں۔ اسی طرح مختلف احادیث سے استشہاد کرتے ہوئے ان لوگوں کی غلطی واضح کرتے ہیں جو کہ نبی کی ازواج کو ان کی آل سے خارج کر کے صرف اولاد کو آل قرار دیتے ہیں۔ ایسے حضرات کی غلطی کو رفع کرنے کے لئے سیدہ عائشہؓ کی وہ حدیث کافی میں جس میں سیدہؓ نے خود فرمایا کہ نبیؐ کی آل مہینہ مہینہ پانی اور کھجور پر گزرا کرتی تھی۔ اس کے بعد آگے آل کی مختلف قسمیں بیان کرتے ہوئے آل نسبی کی تشریح میں قاضی صاحب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبی خانوادے سے بحث کرتے ہوئے انتہائی تفصیل کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد عبد مناف، ہاشم بن عبد مناف، مطلب بن عبد مناف اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبد المطلب، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حارث، زبیر، سیدنا عباسؓ، سیدنا حمزہؓ اور ابو طالب کے حالات کا ذکر فرماتے ہیں۔ زبیر اور ابو طالب کے ذکر میں تفصیل سے بحث کرتے ہوئے تاریخی حقائق کی روشنی قاضی صاحب مختلف ادلہ کے تحت یہ ثابت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل کفیل ان کے بڑے تایا زبیر بن عبد المطلب تھے تاکہ عبد مناف یعنی ابو طالب بن عبد المطلب۔ کتاب لہذا میں آل ابو لہب، آل ابو طالب اور آل زبیر سے متعلق بھی

کافی معلومات مل جاتی ہے۔ تاہم یہاں ایک بات کی وضاحت کر دیں کہ کفالت زبیر بن عبدالمطلب کے تذکرے میں قاضی صاحب نے بعثت نبویؐ کے وقت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی عمر 8 سال بتائی ہے جبکہ ہماری تحقیق کے مطابق بعثت کے وقت سیدنا علیؑ کی عمر 5 سال بنتی ہے کیونکہ سنن اور صحیح تاریخی روایات میں سیدنا علیؑ کا خود کا قول موجود ہے کہ غزوہ بدر کے وقت میری عمر پورے بیس سال بھی نہ تھی۔ غزوہ بدر سن 2 ہجری میں ہوئی یعنی ہجرت کے دوسرے سال۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں نبوت ملنے کے بعد 13 سال کا عرصہ گزارا، اس حساب سے 13 جمع 2، 15 بنتے ہیں، اس 15 کو 20 میں سے نکالیں تو 5 بچتے ہیں، یعنی جب نبی علیہ السلام نے اعلان نبوت کیا تو سیدنا علیؑ 5 سال کے تھے۔ اسی پر سیدنا عقیلؑ، سیدنا جعفرؑ اور طالب بن عبد مناف کی عمروں کو بھی قیاس کر لیا جائے جن میں آپس میں دس دس سال کا فرق تھا۔

کتاب میں آگے جا کر آل مجازی کی سرخی قائم کر کے قاضی صاحب نے نبی علیہ السلام کے نواسے اور نواسیوں کا بھرپور تذکرہ کیا ہے اور ان سے متعلق کئی گرائنڈر معلومات فراہم کی ہیں جیسے نبی علیہ السلام کے سب سے بڑے نواسے سیدنا علی بن ابی العاصؑ کا جنگ یرموک میں شہید ہونا، سیدنا عثمانؑ کے بیٹے عبداللہ بن رقیہؑ کا 76 سال کی عمر میں وفات پانا اور ان کی نسل کا باقی و جاری رہنا۔ جبکہ بعض متعصب مورخین نے ان عبداللہ بن عثمانؑ کو چھ سال کی عمر میں ہی دارفانی سے کوچ کروا دیا تھا تا کہ نبی علیہ السلام کی بیٹیوں کی اولاد صرف سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے چلائی جاسکے۔ عبداللہ بن عثمانؑ کی اولادوں میں برصغیر کے کئی علمی خاندانوں کے اصحاب شامل ہیں۔ اسکے بعد نواسی رسولؐ ام کلثوم بنت علیؑ کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے سیدنا عمرؑ کی زوجیت

میں آنے سے متعلق سیر حاصل بحث کر کے معترضین کے ایک ایک اعتراض کو غلط ثابت کرتے ہیں۔ ساتھ ہی نبی علیہ السلام کی سب سے چھوٹی نواسی سیدہ زینب بنت علیؓ کا تذکرہ فرماتے ہیں اور ان کے متعلق کچھ بنیادی معلومات قارئین کے حضور پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد سیدنا حسنؓ بن علیؓ کا ذکر کرتے ہوئے قاضی صاحب انہیں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اس کا رنامے کا ذکر کرتے ہیں جس کے ذریعے یہ امت واپس ایک جھنڈے تلے جمع ہو سکی۔ سیدنا حسنؓ کے اسی کارنامے کے پیش نظر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں ہی ان کو "سید" یعنی سردار قرار دیدیا تھا جو کہ مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان مصالحت کروا کر منقسم امت کو واپس جمع کر دے گا۔ یہ امت رہتی دنیا تک سیدنا حسنؓ کے اس احسان کے بوجھ تلے دبی رہے گی۔ اس کے بعد سیدنا حسینؓ بن علیؓ کا ذکر فرماتے ہوئے ان کے فضائل کا تذکرہ کرتے ہیں اور واقعہ کربلا کے حادثہ فاجعہ کا سرسری لیکن جامع ذکر کرتے ہوئے اس بحث کو اختتام تک پہنچاتے ہیں۔

آگے جا کر آل حقیقی کی سرخی قائم کر کے قاضی محمد طاہر علی البہاشی نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں اور ان سے متعلق بیش بہا معلومات ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔ سب سے دلچسپ وہ جدول ہے جس میں قاضی صاحب تمام امہات المؤمنین کے نام بترتیب نکاح نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہونے سے متعلق کر کے نکاح سے قبل ان کی سابقہ حیثیت، ان کے قبائل، نکاح کا سن، بوقت نکاح امہات المؤمنین کی عمریں، سن وفات اور زمانہ رفاقت درج کرتے ہیں۔ اس کے بعد ایک ایک کر کے تمام امہات المؤمنین سے متعلق بیش بہا معلومات ان کے

نام کی سرخی قائم کر کے ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ان امہات المؤمنین سے متعلق سبائی پروپیگنڈے کے زیر اثر جو غلط روایات رواج پا گئی ہیں ان کا بھی ابطال کرتے جاتے ہیں جیسے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بوقت نکاح 40 سال کا ہونا یا پھر سیدہ عائشہؓ کی وفات میں سیدنا مروانؓ کا ہاتھ ہونا، سیدہ ریحانہؓ اور سیدہ ماریہ قبطیہؓ کا ازواج النبیؐ میں شامل ہونا وغیرہم۔ کوان مباحث میں علمی و تحقیقی اختلاف کی گنجائش موجود ہے لیکن یہ مانے بغیر بھی چارہ نہیں کہ قاضی صاحب نے اپنا مقدمہ بہت مضبوط بنیادوں پر قائم کر کے قارئین کو غور و خوض پر مجبور کر دیا ہے۔

آگے جا کر اولاد رسولؐ (ذریعہ طیبہ) کی سرخی قائم کر کے نبی علیہ السلام کے تینوں صاحبزادوں سیدنا قاسم، سیدنا عبداللہ (طاہر و طیب) اور سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہم کا ذکر خیر کرتے ہیں اور ساتھ ہی شکوہ کنناں ہوتے ہیں کہ صوبہ سرحد کے ہائی اسکول میں دسویں جماعت میں پشاور ٹیکسٹ بک بورڈ کی کتاب میں اولاد النبیؐ کے ذیل میں نبی علیہ السلام کے کسی صاحبزادے کا ذکر نہیں، بلکہ صرف ایک صاحبزادی اور ان کے دو بیٹوں سیدنا حسنؓ و حسینؓ کا ذکر ہے جب کہ یہ اصحاب اولاد الاولاد ہیں نہ کہ براہ راست صلبی اولاد۔ جبکہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اولاد النبیؐ میں نبی علیہ السلام کے تینوں صاحبزادوں اور چاروں صاحبزادیوں کا ذکر ہونا چاہئے تھا جبکہ کتاب ہذا کے مولفین میں جید اہلسنت علمائے کرام شامل ہیں۔

بنات النبیؐ کی سرخی قائم کر کے قاضی محمد طاہر علی الہاشمی صاحب نبی علیہ السلام کی بنات کا مفصل تعارف دیتے ہوئے مختلف مباحث لے کر آتے ہیں۔ سیدہ زینبؓ کے بعد سیدہ رقیہؓ کے نکاح میں اس واقعہ کا غلط ہونا بدانتہا ثابت کرتے ہیں جس

میں مذکور ہے کہ سیدہ رقیہؓ و سیدہ ام کلثومؓ دختر ان نبیؐ، ابولہب کے بیٹے عتبہ و عتبہ کے نکاح میں تھیں اور ابولہب نے آپؐ کی عداوت میں آپؐ کی ان بنتان کو طلاق دلوادی تھی۔ اسی طرح سیدہ فاطمہؓ کے ذیل میں اس بات کی طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ دلائل و قرائن اس بابت اشارہ کرتے ہیں کہ سیدہ فاطمہؓ اپنی بہنوں میں سب سے چھوٹی نہیں بلکہ تیسرے نمبر پر تھیں اور یہ کہ آپؐ کی صلوٰۃ ولیمت سیدنا علیؑ نے سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے ادا کروائی تھی۔ بنات میں سب سے آخر میں سیدہ ام کلثومؓ کا ذکر کرتے ہوئے مختلف حوالہ جات جن میں جوامع السیرۃ، جمرۃ الانساب، سیر اعلام النبلاء، البدایہ والنہایہ اور الاصابہ شامل ہیں، یہ بتاتے ہیں کہ سیدہ ام کلثومؓ نبیؐ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔

یہاں آکر قاضی صاحب ”آل“ کی بحث کو سمیٹے ہوئے خلاصہ پیش کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کے ”آل حقیقی“ میں آپؐ کی ازواج، بیٹے اور بیٹیاں شامل ہیں، ”آل مجازی“ میں نواسے اور نواسیاں، ”آل نسبی“ میں اہل ایمان قرابتدار بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب اور ”آل مذہبی“ میں پوری امت مسلمہ داخل ہے۔

اس کے بعد جناب قاضی محمد طاہر علی الہاشمی صاحب اہل بیت کی سرخی کے تحت تفصیلات مہیا کرتے ہیں۔ سب سے پہلے اہل بیت کے مفہوم پر لغت عرب جیسے کہ لسان العرب، تاج العروس، الصحاح جوہری، اساس البلاغۃ، مقالیس اللغۃ، قاموس، المنجد وغیرہ سے تفصیلی ادلہ پیش کر کے یہ ثابت کرتے ہیں کہ ازروئے لغت اہل بیت کے اولین مصداق کسی بھی انسان کے گھر میں رہنے والے لوگ یعنی اس کی بیویاں اور بچے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد قرآن کی مختلف آیات اور احادیث سے بھی

”اہل“ کے لفظ کو گھر والوں کے لئے ثابت کرتے ہیں۔ آگے جا کر پوری شد و مد سے قرآن وحدیث سے ادلہ لاکر ثابت کرتے ہیں کہ آیت تطہیر میں مذکور اہل بیت کے خطاب کی اصل و اولین حقدار ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور اس بابت ان تمام مغالطوں کا تسلی بخش و علمی جواب دیتے ہیں جن کے تحت گمراہ لوگ ازواج النبیؐ کو اہل بیت سے خارج کر کے صرف آل علیؑ کو اس میں شامل سمجھتے ہیں۔

کتاب میں ”بیوت النبیؐ کی تفصیل“ اور ”بیوت النبیؐ“ کے محل وقوع کی سرخی قائم کر کے قاضی صاحب نے ان مبارک بیوت کی بابت کافی دلچسپ معلومات بہم پہنچائی ہے جو کہ پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

کتاب کے پرانے ایڈیشن کے صفحہ نمبر 278 سے 319 تک حدیث نسب بنی فاطمہؑ پر قاضی صاحب نہایت عالمانہ بحث کرتے ہیں اور پوری شد و مد اور دلائل کے انبار سے اس سلسلے میں وارد حدیث کا ضعف ثابت کرتے ہیں جن سے یار لوگ یہ ثابت کرنے کی سعی نا تمام کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب ان کی بیٹیوں میں صرف سیدہ فاطمہؑ کے ساتھ خاص تھا اور ان سے ہی یہ سلسلہ آگے چلا۔ قاضی صاحب اس سلسلے میں وارد تمام روایات کا ضعف قارئین کے سامنے بیان کر کے قرآن و دیگر صحیح احادیث سے ثابت کرتے ہیں کہ لطن مادری ذریعہ نسل نہیں ہے۔ نطفہ باپ کی طرف سے ہی ہوتا ہے اور اولاد حقیقی اور نسب باپ کی جانب ہی منسوب ہوتا ہے، ماں کی جانب نہیں۔ لہذا بنی فاطمہ کو ضعیف و مجروح روایات کی بناء پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کا وارث قرار دینا سخت غیر درست بات ہے، تاہم قبیلہ قریش اور نبیؐ کے چچا کی اولاد میں سے ہونے کی وجہ سے آل علیؑ کو نبیؐ کی ذریت میں

شامل کیا جاسکتا ہے لیکن حدیث نسب فاطمہؑ کے تحت یہ اور راجح سخت غیر مناسب اور حقائق کے خلاف ہے۔

حدیث نسب فاطمہؑ کی بحث کے بعد "عصمت ائمہ کا عقیدہ" کی سرخی قائم کر کے قاضی محمد طاہر علی الہاشمی صاحب اہل تشیع کے عصمت ائمہ کے عقیدے پر بحث کرتے ہوئے مختلف ادلہ کے تحت اس کا ابطال کرتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ آیت تطہیر اور حدیث کساء سے عصمت ائمہ کا عقیدہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کیونکہ خود اہل تشیع کے نزدیک ان کے تمام ائمہ پیدائشی پاک ہوتے ہیں۔ جب یہ پہلے ہی پاک ہوتے ہیں تو آیت تطہیر کے ذیل میں ان کو پاک کرنے کا کیا مطلب؟ آیت تطہیر میں "یرید" اور "یذہب" دونوں فعل مضارع کے صیغے ہیں۔ اگر بفرض محال اس آیت سے معصوم ہونا ثابت ہو تو وہ آیت کے نازل ہونے کے بعد ہوگا تو اس طرح اہل تشیع کا اپنے ائمہ کے بارے میں پیدائشی عصمت کا عقیدہ باطل ہو جائے گا۔

آگے جا کر قاضی صاحب امت میں رائج "پنج تن پاک" کی اصطلاح سے متعلق بحث کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ یہ عقیدہ اس امت میں اقوام قدیمہ کی دیومالائی کہانیوں کے زیر اثر در آیا ہے جس کا اول وجود نوح علیہ السلام کی قوم میں ملتا ہے جہاں وہ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر پنج تن تھے جن میں سواع ایک عورت اور بقیہ چار مرد تھے۔ عینہ جیسے اہل تشیع اور جاہل سنیوں کے پنج تن میں سیدہ فاطمہؑ ایک خاتون اور بقیہ چار مرد حضرات ہیں۔ پنج تن کا یہ فاسد نظریہ ہر گراہ کن قوم میں موجود رہا ہے جن میں قدیم ایرانی و مصری، ہیری، بابلی، ہندو اور رومن اقوام شامل ہیں۔

پنج تن کی بحث ختم کر کے قاضی محمد طاہر علی الہاشمی صاحب آیت تطہیر کی بحث

شروع کرتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ جمہور قدیم و جدید تمام مفسرین نے آیت تطہیر کا اولین مصداق ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی قرار دیا ہے اور ساتھ ہی "آیت تطہیر میں مذکر کی ضمیریں کیوں استعمال کی گئیں" کی سرخی قائم کر کے اس لغو اعتراض کا نہایت تشفی بخش اور مدلل جواب دیتے ہیں۔ اس بابت قاضی صاحب مختلف قرآنی آیات اور متعدد احادیث سے ثابت کرتے ہیں کہ جب سیاق و سباق واضح ہو تو کئی دفعہ مؤنث کے لئے مذکر کا صیغہ ہی استعمال ہوتا ہے۔ کتاب کا اختتام قاضی صاحب اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم یعنی ازواج مطہرات کے مناقب بیان کرنے پر ختم کرتے ہیں۔

المختصر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی صاحب کی یہ کتاب نہ صرف نہایت دلچسپ ہے بلکہ بہت ہی اہم مباحث پر مبنی ہے۔ اس احقر کی نظروں میں خانوادہ نبوت سے متعلق اس سے زیادہ جامع اور مفصل کتاب اردو زبان میں اور کوئی موجود نہیں۔ قاضی محمد طاہر علی الہاشمی صاحب نے اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طور کی خدمت کر کے یقیناً جنت میں اپنے لئے ایک بہترین مقام بنالیا ہے ان شاء اللہ۔ یہ احقر تہہ دل سے قاضی صاحب کا ممنون ہے کہ انہوں نے اس موضوع پر نہ صرف قلم اٹھایا بلکہ اس کا حق بھی ادا کر دیا۔

محمد فہد حارث

Written & Posted by "Muhammad Fahad Haris" on Face Book

12-03-2018

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الباشمی کی ایک منفرد تاریخی، علمی اور تحقیقی کاوش

مولانا الطاف الرحمن

۱۸ دسمبر ۱۹۹۲ء
بروز ایتوار بعد از
نماز ظہر ۱۲ بجے دن

اہل بیت رسول کی

عقرباں

مرکزی
جامع مسجد
سیدنا امیر معاویہ
چوک حویلیاں

مجلس انتظامیہ

حاجی محمد سلیمان صاحب
صلاح الدین خان صاحب
حاجی محمد یعقوب صاحب
حاجی میراجہ صاحب
حاجی محمد رفیق صاحب
محمد شفیق صاحب
ملک حبیب صاحب
محمد اقبال خان صاحب
حاجی سرتاج صاحب
حاجی علی گل خان صاحب

افسر علی شاہ

شاہ صاحب
بھائی

شفیق الرحمن

خطیب قسطنطنیہ
حضرت مولانا
خطیب قسطنطنیہ
حضرت مولانا
سید عطاء اللہ شاہ
صاحب بخاری کے
فرزند ارجمند، قاضی
قاطع سبائیت و قادیانیت
وکیل صحابہ و اہلبیت رسول و محمد و آلہ
حضرت عطاء اللہ صاحب

مجلس انتظامیہ

حاجی فی زمان صاحب
الانجمن توحید و توحید الرحمن صاحب
ملک عبدالرزاق صاحب
سید الرحمن صاحب
حاجی شرافت صاحب
مولانا عبدالحمید صاحب
حاجی بزم خان صاحب
سید ایوب شاہ صاحب
قاضی غلام نبی صاحب
سید عظیم خان صاحب
حاجی رحیمہ صاحب
حاجی سید رحیم صاحب
حاجی غلام محمد صاحب
ولایت خان

شمس الحق صاحب
محمد اشتیاق صاحب
محمد آصف صاحب
محمد ہمایون عامر صاحب
محمد شمیم صاحب
ملک سجاد صاحب
عامر شہزاد صاحب

شعب ندیم

مختار محمد

عبدالغفور

قاضی چن پیر الہاشمی اکیڈمی سید امیر معاویہ چوک حویلیاں

مسلم علیہ السلام

قربت
رومانی

مغربیہ کے یہاں صوفی خلیفہ، اہل حرت اور شریعت عطا اللہ شاہ بخاری کے صاحبزادے قاضی ابوبکر علیہ السلام کی خدمت

وكن من اهل البيت كل حرمه عطا الحسن ما نزل في فضل علي بن ابي طالب من آيات واهل بيته من آيات واهل بيته من آيات واهل بيته من آيات

فولہاں کے

عالمی، قاضی حسین پیرالہاشمی کیڈمی مرکزی جامع مسجد فیضانِ اسلامک حرم علیا

مکتبہ دار الفکر اسلام آباد

سید محمد علی حسینی



حسن مقدار

سید محمد فدا الکفل بخاری

تبصرہ کے لئے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے۔

اہل بیت رسول کون؟

مؤلف: پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الهاشمی، ناشر: قاضی جن پیر الهاشمی اکیڈمی، مرکزی جامع مسجد حویلیاں۔
ہزارہ، صفحات: ۳۶۸، صفات کتاب، طباعت: عمدہ اور معیاری قیمت: ۷۵ روپے (انتہائی مناسب)
اس کتاب کے سرورق پر ایک چھوٹی سی سطر، کچھ غیر نمایاں، کچھ دبی ہوئی اور کچھ بیٹھے ہوئے انداز
کتابت کے ساتھ چھپی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ یہ ایک سطر کتاب کے لئے تعارف ہی نہیں "تبصرے" کا کام
بھی دے رہی ہے۔ لکھا ہے کہ: "ایک منفرد تاریخی، علمی اور تحقیقی شاہکار!"..... آج جبکہ
تاریخ، علم اور تحقیق سے انصاف کرنے والے لوگوں کا دور گویا لاپکا ہے۔ اور پروپیگنڈہ کی "چمک" کا شکار
ہونے والے خیرہ چشموں کی تعداد روز افزوں ہے، کوئی کتاب محنت، لگن، اخلاص اور دیانت سے لکھی جائے
تو یہ غنیمت نہیں بسا غنیمت ہے۔ اور ایسی کتاب کہیں دکھائی دی جائے بلکہ "نظر نواز" ہو تو یوں لگتا ہے
جیسے ویرانے میں چمکے سے بہار آجائے، جیسے صحراؤں میں ہونے سے چلے بادِ نسیم، جیسے بیمار کو بے
وجہ قرار آجائے، محترم قاضی محمد طاہر علی الهاشمی..... ایک کئی میں پروفیسر ہیں، ایک مسجد میں خطیب
ہیں، ایک سے زائد کتب کے مؤلف ہیں۔ بیک وقت مؤرخ، معلم اور محقق ہیں۔ ہر جگہ کامیاب، ہر جگہ
ارجمند! زیر نظر کتاب کی کہانی آپ انہی کی زبانی سنئیے۔

"آل رسول، آل محمد ﷺ، اہلبیت رسول، عترت رسول، آل کساء، آل عبا، بیچ تن پاک اور سادات
کی اصطلاحات کثیر الاستعمال ہیں۔ ان ترکیبات نے اسلامی معاشرہ میں ایک خاص مفہوم اختیار کر لیا ہے جس
سے مراد بالعموم حضرت علیؑ، سیدہ فاطمہؑ اور ان کے دو صاحبزادے حضرات حسنینؑ کے لئے جاتے ہیں۔ بعد
میں اسی مفہوم میں وسعت پیدا کر کے حضرت حسنینؑ کی تمام اولاد کو پر ان اصطلاحات کا استعمال ہونے لگا
ہے۔ اس مفہوم سے سیدہ فاطمہؑ کی صاحبزادیوں..... سیدہ ام کلثومؑ اور سیدہ زینبؑ (جن کے نکاح
بالترتیب سیدنا عمرؓ اور سیدنا عبداللہ بن جعفرؓ کے ساتھ ہوئے تھے) کی اولاد اور وہ تمام سیدات جن کے نکاح
غیر سادات کے ساتھ ہوئے، ان کی اولاد کو خارج کر دیا گیا۔
"دشمنانِ اسلام کی ریشہ دوانیوں، سازشوں اور مسلسل پروپیگنڈے کے زور سے ازواجِ مطہرات کو بھی

نقشبند خانقاہ مکتبہ

جس شعبان ۱۳۹۵
جنوری ۱۹۷۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم



قرآن کریم میں اہلبیت رسول ﷺ سے مراد صرف ازواجِ مطہرات ہیں۔

صحابِ رسول اور اہل بیت رسول ﷺ آسمانِ ہدایت کے درخشندہ ستارے ہیں۔

حویلیاں میں کتاب "اہل بیت رسول کون؟" کی تقریب رونمائی سے

سید عطاء الحسن بخاری، قاضی محمد طاہر الباشمی اور دیگر مقررین کا خطاب

۱۸ دسمبر ۱۹۹۳ء کو حویلیاں (ہزارہ) میں ممتاز محقق پروفیسر قاضی محمد طاہر الباشمی کی نئی کتاب "اہل بیت رسول کون؟" کی تقریب رونمائی منعقد ہوئی۔ تقریب کیا تھی۔ جلسہ عام تھا۔ جامع مسجد حویلیاں، چوک سیدنا امیر معاویہ میں صبح ہی سے لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ تقریب کی دو کشتیں ہوئیں پہلی کشت قبل از نماز ظہر اور دوسری بعد از ظہر تا مغرب۔ تقریب کے مہمان خصوصی ابن امیر شریعت سید عطاء الحسن بخاری دامت برکاتہم تھے۔ حضرت قاضی چمن پیر الباشمی رحمہ اللہ کے فرزند ارجمند قاضی محمد طاہر الباشمی، علاقہ بھر میں اصلاح عقائد اور تبلیغ دین کا فریضہ جس احسن طریقہ سے سرانجام دے رہے ہیں اسکا جوتنا جاگنا ثبوت تقریب میں شریک مسلمانوں کا جذبہ و شوق تھا۔

قاری عبدالباقی کی تلاوت قرآن کریم سے تقریب کا آغاز ہوا۔ مولانا الطاف الرحمن شیخ سیکرٹری تھے اور مولانا شفیق الرحمن ڈسٹرکٹ خطیب ایبٹ آباد صدارت فرما رہے تھے۔ حضرت مولانا عبدالغفور سیالکوٹی، ماہنامہ لقیب ختم نبوت کے مدیر سید محمد کفیل بخاری اور سپاہِ صحابہ کے رہنما علامہ محمد شعیب ندیم نے بھی شرکاء تقریب سے خطاب کیا۔ مقررین نے جناب پروفیسر قاضی محمد طاہر الباشمی کو اس تحقیقی کتاب کی اشاعت پر مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ یہ وقت کا تقاضا تھا جسے ہاشمی صاحب نے پورا کر دیا۔ صاحب کتاب نے قرآن و حدیث کی روشنی میں نہایت مدلل اور متین انداز میں اس اہم موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ اور وہ اس خوبصورت محنت پر ہمارے خراجِ تحسین کے مستحق ہیں۔

مہمان خصوصی ابن امیر شریعت سید عطاء الحسن بخاری مدظلہ کا بیان بعد نماز عصر شروع ہوا اور غروب آفتاب کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔ حضرت شاہ جی نے آیت تطہیر تلاوت فرمائی اور اسی کی روشنی میں اہل بیت رسول ﷺ ازواجِ مطہرات کی سیرت بیان فرمائی۔ آپ نے کہا کہ اہل بیت رسول کی اصطلاح قرآن

کریم میں صرف ازواجِ مطہرات کے لئے مسئلہ ہوتی ہے۔ جمعی خبیثیوں نے پروپیگنڈہ کے زور پر اسے اولاد رسول ﷺ پر منطبق کر لیا اور حیرت ہے ان جاہل سونوں پر جو اس پروپیگنڈہ کے اسیر ہو کر رافضیت کی تبلیغ کا سبب بن رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ یوں تو تمام ازواجِ مطہرات کے امت پر احسانات ہیں مگر سب سے زیادہ احسانات ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ حمیرا کے ہیں۔ دین کے سب سے زیادہ مسائل سیدہ عائشہ صدیقہ کے ذریعے امت تک پہنچے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس موضوع پر بہت کچھ لکھنے کی ضرورت ہے۔ رافضیوں اور سہابیوں نے جس منظم طریقہ سے دہلی و تبلیغ کر کے دین اسلام کو مسخ کیا ہے اس کو ختم کرنے کے لئے اس سے زیادہ منظم جدوجہد کی ضرورت ہے۔

حضرت شاہ جی نے قاضی صاحب محترم کو اس اہم کتاب کی اشاعت پر مبارکباد دی آپ نے فرمایا کہ محترم قاضی صاحب نے بڑی محنت اور محبت سے یہ کتاب لکھی ہے اللہ تعالیٰ اسے دنیا و آخرت میں طبع کا ذریعہ بنائے آمین

بعد نماز مغرب احباب کا ایک ہجوم حضرت شاہ جی مدظلہ سے صرف ملاقات کے لئے ان کے گرد جمع ہو گیا اور شاہ جی کی بے غفلت باتوں سے لطف اندوز ہوتا رہا۔

شاہ جی نے رات حویلیاں میں قیام فرمایا اور صبح راولپنڈی روانہ ہو گئے۔ یہ تقریب اپنی نوعیت کی شاندار اور باوقار تقریب تھی۔

(بقیہ انص ۱۳)

صحیح بات عدم جواز لعنت کی ہے کیونکہ یہ بات تو ثابت نہیں کہ یزید نے حضرت حسین کو قتل کیا تھا یا اس نے آپ کے قتل کا حکم دیا تھا یا آپ کے قتل پر راضی تھا یا اس نے خوشی کا اظہار کیا اور اگر بالفرض یہ بات ثابت بھی ہو تو یہ تو ثابت نہیں کہ اس کی موت تو بہ کے بغیر واقع ہوئی۔

میں نے مولانا کے فتویٰ کے پیش نظر ان عبارات کا مطلب دریافت کیا میری طرف آپ نے جو خط تحریر کیا اس میں مولانا خود ہی مترنوز نظر آتے ہیں۔ پھر میرے خط سے اس نظریہ کا استخراج تب صحیح ہو سکتا تھا اگر میں ان کو اپنے عریضہ میں اس طرح تحریر کرتا کہ آپ کا جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ آپ کے جواب کے خلاف اگر کسی یہ عبارات موجود ہیں یہ تبصرہ تو ان حضرات پر چسپاں ہو سکتا ہے جنکی میں نے عبارات نقل کی ہیں۔

6/95

تیسرا حصہ: اشعار و توحید و شریعت

بیت: لا اله الا الله محمد رسول الله

جمعیت اشاعر التوحید و شریعت پاکستان کا ترجمان ہے

ماہنامہ
راولپنڈی

تعلیم و قرآن

بانی

شیخ القرآن حضرت مولانا علامہ اللہ خان علیہ السلام



یکے از مطبوعات

راجہ بازار، راولپنڈی
(پاکستان)

دارالعباس تعلیم و قرآن

ہماری نظر میں

تبصرہ کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے مدیر اعلیٰ کے پتہ پر سرگودھا روانہ کیجئے۔

۱۔ نام کتاب
مؤلف
صفحات
کافہ
قیمت =
۲۶۸ سائز ۲۳ × ۳۶ = ۱۹
درمیانہ ————— طباعت گوارا ————— فائیتل خوبصورت
۷۵ روپے

قاسمی جن پیر الہامی الہیڈی مرکزی جامع مسجد حویلیاں ایسٹ آباد
پروفیسر قاسمی محمد طاہر الہامی ایم۔ اے علمی اور تحقیقی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں ہیں۔ قارئینِ تعلیم القرآن ان
کے اسم گرامی اور ان کی تصنیفی و تحقیقی خدمات سے بخوبی واقف ہیں ان کی دو تین کتب پر تعلیم القرآن میں
تبصرہ ہو چکا ہے۔

گزشتہ دنوں مختلف صحابہ کانفرنس میں شرکت کے لئے ہری پور ہزارہ جانا ہوا تو وہیں قاسمی صاحب کی زیارت کا
شرف حاصل ہوا۔ اس سے پہلے بھی دو تین بار ان سے ملاقات ہو چکی ہے۔ قاسمی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے جتنی
ذہنوں سے نوازا ہے۔ وہ اتنے ہی زیادہ عاجزی و انکساری کا مجسمہ ہیں۔ شرافت و دیانت، علماء دوستی، علم و حلم، زبان
و قلم کا زور اور جرات و بہادری ان میں کوٹ کوٹ کر بھری گئی ہے۔ ہوا کے رخ پر اڑتا ہمداری نہیں
طوفانوں کا منہ موڑ دینا شجاعت کہلاتا ہے اور یہی وصف حضرت قاسمی صاحب کو دوسرے علماء اور مصنفین سے ممتاز
کرتا ہے! انہوں نے بیش مشکل ترین اور پیچیدہ موضوعات پر قلم اٹھایا اور پھر مشکل ترین موضوع پر سب سے
گفتگو کر کے اسے عوام الناس تک کے لئے قابل فہم بنا دیا۔

ذیل تبصرہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ پروفیسر صاحب نے اہل بیت رسول کون؟ کے عنوان پر
اپنے قلم کو جنبش دی اور دلائل و براہین کی پادش برسا کر یہ حقیقت ثابت کر دی کہ اہل بیت رسول کی حقیقی اور
اولین مصداق ازواجِ مطہرات ہی ہیں۔ آیتِ تطہیر کی عام فہم اور اتنی مدلل تفسیر بیان کی کہ سوائے عثمانی و ضدی
فہم کے کوئی بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ پھر ثابت کیا کہ قرآن میں جس جگہ بھی لفظ اہل بیت آیا ہے اس
سے مراد بیوی ہی ہے! حدیث کساء کی خوبصورت بحث لائقِ مطالعہ ہے۔ پھر شیخ تن کی تاریخ بیان کی کہ اس کی
ابتداء حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے ہوئی! کتاب کی ابتداء میں آل رسول کے عثمان سے جامع و مانع بحث
فرمائی۔ پھر بتایا کہ آل رسول سے مراد کھن لوگ ہیں۔ ان میں سیدہ زینبؓ بنت محمدؐ اور سیدہ رقیہؓ بنت
کی اولاد کا تذکرہ بھی کیا۔

اہل تشیع اور نام نہاد اہل سنت (جن کے سینے میں دل شیعہ کا دھڑکتا ہے اور جن کے منہ میں زبان شیعہ
کی بولتی ہے۔ بقول مولانا عطاء الرحمن بخاری محرم الحرامی مولوی) کی طرف سے ہونے والے اعتراضات و شبہات

کے شانی جواب بھی دیئے ہیں۔ آخر میں حقیقی اہل بیت رسول (ازواج مطہرات) کے مناقب و فضائل بھی بیان ہوئے ہیں اور ام المؤمنینؓ "مریم اسلام" عقیقہ کائنات سیدہ عائشہؓ کی افضلیت کو دلائل و براہین سے ثابت کیا گیا ہے۔ ہماری نظر میں یہ تحقیقی تصنیف صاحب تحقیق لوگوں کے کتب خانوں میں ایک خوبصورت اضافہ ہوگا۔۔۔۔۔ علماء طلباء اور عوام الناس بھی اس تحقیقی کتب سے پورا پورا استفادہ کریں گے! ہم سفارش کریں گے کہ پہلی فرصت میں یہ کتاب خرید کر لازماً پڑھیے!

علی ملن

تبصرے



ڈاکٹر حافظ قاری فیوض الرحمن

ایم اے، ایم او ایل، پی ایچ ڈی

ایم اے عربی، اردو، فارسی، اسلامیات

ناشر: مسجد الفرقان ملیر کیٹ بازار، کراچی

فکر کے ساتھ مزید حد مانتے ہیں
*****☆*****

اہل بیت رسول ﷺ کون؟

از پروفیسر قاضی محمد طاہر علی ہاشمی

عزیز مکرم پروفیسر قاضی محمد طاہر علی ہاشمی کی ۷۳ صفحات پر مشتمل یہ مجلد کتاب
اپریل ۲۰۱۰ء میں (طبع دوم) مکتبہ معاویہ اردو بازار لاہور سے شائع ہوئی ہے۔ یہ بھی

اپنے موضوع پر بڑی تحقیقی کتاب ہے۔ ماخذ و مصادر بھی بڑے مستند ہیں۔ کتاب کا مقدمہ مولانا سعید الرحمن علوی سابق مدیر ہفت روزہ خدام الدین کے قلم سے اور تقریظ مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی کے قلم سے ہے۔ مقدمہ اور تقریظ دونوں بڑے جاندار ہیں جن میں کتاب اور مؤلف کا پورا تعارف اور محاسن کا ذکر خیر ہے۔

کتاب کے مطالعہ سے میں بھی بہت محظوظ ہوا۔ اندازِ تحریر بڑا دلکش تحقیقی اور عام فہم ہے۔ عقائد اہل سنت کو بڑی وضاحت اور خوبی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور جن اہل علم سے لکھتے ہوئے کہیں کوئی لغزش ہوئی ہے اس کا جواب بڑے ادب کے ساتھ تحریر کر دیا گیا ہے۔ مواد اور پیشکش قابلِ قدر اور قابلِ تقلید ہے۔ علماء، طلبہ، وکلاء اور عام مسلمان بہن بھائیوں کے لئے بھی بڑی مفید ہے۔ مؤلف نے واقعہً کتاب پر بڑی محنت کی ہے اللہ تعالیٰ ان کی اس کتاب کو ان کے والدین مکر مین اور خود ان کے مددگار بنائیں اور پڑھنے والوں کے لئے نافع بنائیں۔ آمین

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تعلیم القرآن

پہلے شمارہ
راولپنڈی

دینی

شرح القرآن جعفر مولانا
امام النخاس



مکتبہ مطبوعات

راجہ بازار، راولپنڈی
(پاکستان)

آلہ عربیہ تعلیم القرآن

یہی اس کتاب کو خرید کر اپنی لائبریری کی زینت بنائیں خصوصاً جمعیت اشاعت التوحید
والنہج کے علماء، مقررین اور مبلغین لازماً اس کتاب کو مل کریں اس لئے کہ اہل بدعت کی بیخ کنی
کا اصل محاذ آپ ہی کا ہے۔

نام کتاب :- اہل بیت رسول کون ؟

مصنف :- مولانا پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی ایم۔ اے

ناشر :- قاضی چن پیر الہاشمی ایکسٹرنی مرکزی جامع مسجد حویلیاں

طباعت و کتابت :- عمدہ خوبصورت ٹائٹل سے مزین کاغذ اعلیٰ

سائز :- $\frac{23 \times 34}{19}$ صفحات :- ۳۶۸ اور قیمت صرف ۷۵ روپے

زیر تبصرہ کتاب کے لائق ترین مصنف عظیم باپ کے بہادر اور صاف گو فرزند ہیں
ان کی حیات و بے باکی، حق گوئی و صداقت پرستی اور قلم کی شرافت کو دیکھ کر احساس ہوتا ہے
کہ صاحب فکر و نظر والد نے اپنے بیٹے کی صحیح خطوط پر تربیت کی ہے !

مثبت موضوعات پر قلم اٹھانا اور فضائل و مناقب پر مشتمل کتب تحریر کرنا چندان مشکل نہیں
مگر جن مسائل کو صدیوں سے الجھا دیا گیا ہو اور ان پر تاریخ کی تاریکیاں چھا گئی ہوں
اور جو مسائل و موضوعات واقفیت کے زنگ سے آلودہ ہو کر اہانت کے گھروں کی زینت
بن گئے ہوں اور جو مسائل واقفیت و یہودیت کے نکال سے نکل کر

اہانت کے ناں مشرق پر اسلام ہو چکے ہوں ان مسائل و موضوعات پر قلم

اٹھانا اور ان پر بڑے دبیر پر دوں کو ایک ایک کر کے سرکانا اور واقفیت و یہودیت

کے بدنامیوں پر پڑے نقاب نوچ لینا اور ان کے مکروہ اور گناہوں نے

چہرے بے نقاب کرنا۔ یہ کام اتنا آسان اور سہل نہیں جو ہر کہ و مدہ انجام دے سکے بلکہ
اس مشکل ترین کام کے لئے بڑے دل گمزدے کی ضرورت ہے اور اس کے لئے حیات و زمانہ و کار

جو اللہ تعالیٰ نے پروفیسر صاحب کو وافر مقدار میں عطا کی ہے !

پروفیسر صاحب اس تصنیف سے پہلے "تحقیق نکاح سیدہ جواہر المناکحہ بین

السیدۃ کعبہ سیدہ کے نام سے ایک معرکہ اللہ کتاب تحریر فرما چکے ہیں۔ جس پر مہنامہ
تعلیم القرآن میں تبصرہ شائع ہو چکا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب ان کی دوسری تصنیف ہے۔ جس میں انہوں
نے تحقیق و جستجو کا حق ادا کرتے ہوئے لفظ آل، آل کی اقسام (مثلاً آل مذہبی، آل نسبی
آل مجازی اور آل حقیقی) بیان کی ہیں اور قرآن و حدیث اور عقل و نقل سے ثابت کیا ہے کہ
آل حقیقی صرف اور صرف ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن ہی ہیں۔ پھر
اہل بیت اور لفظ آل کی لغوی تشریح، اہلبیت کا مفہوم اور اہلبیت کا مصداق کون ہو گے
عنوان سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ حدیث کساء، پنج تن کا اطلاق اور
اصطلاح، آیت تطہیر کا صحیح مفہوم، عترتِ رسول کی بحث، اور مناقب اہلبیت یعنی ازواجِ
مطہرات پر کھل کر گفتگو کی ہے۔

آلِ نسبی کی تشریح میں ابوطالب (عبد مناف) کا تعارف کرواتے ہوئے فاضل مصنف نے
ایمان ابوطالب کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے اپنے علاقہ کے سنی سنا را فاضل محمود شاہ محدث ہزاروی
اور ہمارے علاقہ کے ایک گدی نشین (جو خیر سے شرعی عدالت کے جج بھی ہیں) پیر کرم شاہ
کی خوب خبر لی ہے۔

ہمیں تعجب ہے کہ جس شخص نے اپنے دروازے سے میرے پیارے پیغمبر کو روکتے ہوئے
اٹھا دیا اور ان کی بات تسلیم نہ کی۔ اس کو حضرت ابوطالب علیہ السلام کہنے پر اصرار کیا جاتا
ہے۔ اور جس شخص کے گھر کو رحمتِ کائنات نے دارِ امن قرار دیا تھا اور جس شخص کی دونوں آنکھیں
راہِ خدا میں شہید ہو گئیں۔ اس حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا نام تحریر کرتے ہوئے "رحمہ"
کائنات دیتے ہوئے ان کے قلم کو تکلیف ہوتی ہے۔ اور ان رافضیت زدہ عقائد کی بجا اجرت
یا با اجرت و کالت کرنے کے بعد بھی ان کا اصرار ہے کہ ان کو سب سے بد اہل سنت مانا جائے۔
انا بدواہل البیہ را جمون اگر رافضیت کے یہ ایجنٹ اہل سنت ہیں

تو خدا معلوم رافضیت کس کا نام ہے؟ اگر اصحابِ رسول
پر بلا شعوری تبرا کرنا، پنج تن کی اصلاح استعمال کرنا، صرف اولادِ علیؑ کو آلِ رسول اور اہلبیتِ رسول
سمجھنا، ابوطالب کو مومن ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگانا ابوسفیانؑ اور خاندان

یہ سنیان سے تحقیق رکھنا، محرم کا چاند طوطا برتے ہی سوگ منانا اور شاویاں ذکرنا، حضرت
عمرؓ کے گونڈے بھوٹا اور دوسری عسکرم کو سیلیں لگا کر اصحاب رسولؐ پر تبرک کرنے والوں کو ٹھڈے
پانچوٹا۔۔۔۔۔ اگر یہ اہلسنت کا شمار ہے تو خدا معلوم شیعت کس جانور کا نام
ہے۔ کیا حسرتا!

فصل اہلسنت پر تفسیر تاحی عمر طوطا من تمام اہلسنت کی طرف سے لائق مبارک باد ہیں کہ
انہوں نے ایک ایما حبیبہ موضوع پر اہلسنت کے علماء اور عوام کو مفید مواد ہتیا کیا ہے۔۔۔۔
م علماء کرام اور طلباء خصوصاً اور عوام اناس کو عمر سیکشن کریں گے کہ وہ پہلی فرصت میں
اس کتاب کا مطالعہ فرما کر اپنے معلم میں امتنا کریں۔

کتاب تاشر کے پتہ کے علاوہ ہمارے محترم دوست اور بھائی محمد معاریہ صاحب کے مکتبہ
معارف دارالاستخانت حاجی پورہ یا علیا پورہ لاہور سے بھی حاصل کی جاسکتی ہے۔

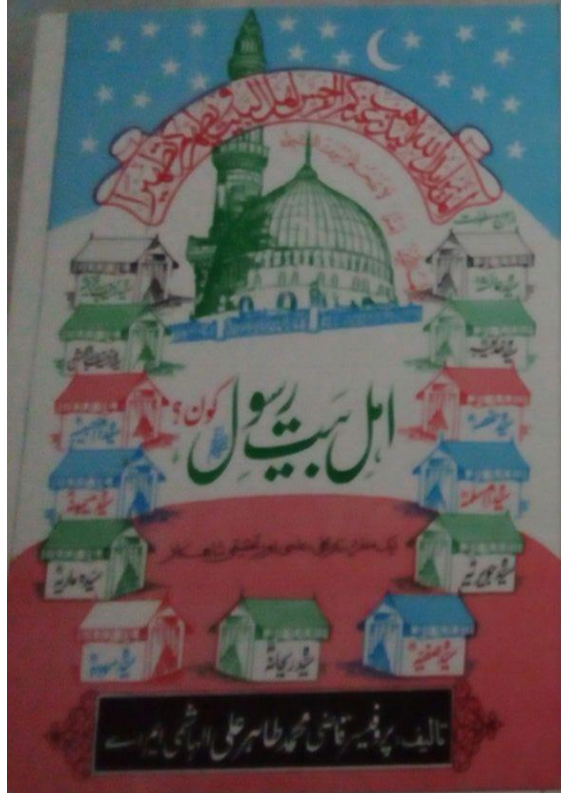
محمد علی احمد

فرنی شیٹ گلاس ٹیڈ گلاس آئینہ اوپلاٹک شنیٹ

کے علاوہ گرل فننگ کے لئے تشریف لائیں

نیو مانیش گلاس ٹور

کلیار مارکیٹ مسلم بازار سرگودھا • منجانب قلمی حضرت اللہ
فرقہ ۳۹۷



اہلبیت رسول کون ؟
پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی ایم اے

تحقیق نکاح حسید

جواز النکاح بین المستبد وعیر المستبد

مؤلفہ: پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی ایم اے

اس کتاب میں نکاح کی اہمیت، محرمات شریعہ
مشو کفایت پر سیہ حاصل ہوتے اور نکاح میں ولی کی
اہمیت کیساتھ ساتھ باجارت ولی نکاح کہ جواز کو قرآن،
سنت، تعامل امت، مجتہدین، فقہاء اور
علماء کرام کی تشریحات سے
شہادت کیا گیا ہے

قیمت ۲۵-۰۰ روپے

قاضی چمن پیر الہاشمی ایڈیٹر مرکزی جامع مسجد حویلیاں ہزارہ